ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

پھر بلاشبہ ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا (القیامہ ۱۹)

آسان بیان القرآن

جلد چہارم

تصنیف لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ولادت ۱۲۸۰ھ وفات ۱۳۶۲ھ

از سورہ نمل تا ختم سورۃ الجاثیہ

تسہیل و تکمیل

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

مکتبہ حجاز دیوبند

تفصیلات

آسان بیان القرآن کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : آسان بیان القرآن جلد چہارم

تصنیف لطیف : حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ولادت: ۱۲۸۰ھ وفات ۱۳۶۲ھ

تسہیل نگار : حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

صفحات : ۵۲۰

تاریخ طباعت : باراول ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق اگست ۲۰۱۹ء

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 09997658227

پریس : ایچ، ایس پرنٹرس، C-29, Cector A-7,Part-1 Tronica City U.P.

09811122549-7982896171-8802549459

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔(یو.پی)

09997866990 -------- 09358914948

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

پھر بلاشبہ ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتانا (القیامہ ۱۹)

آسان بیان القرآن

تصنیف لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ولادت ۱۲۸۰ھ وفات ۱۳۶۲ھ

جلد چہارم

از سورۂ نمل تا ختم سورۃ الجاثیہ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظر ثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

فہرست مضامین

سورۂ نمل

سورۃ القصص

سورۃ عنکبوت

سورۃ الروم

سورۂ لقمان

سورۃ السجدۃ

سورۃ الاحزاب

سورۂ سبا

سورۂ فاطر

سورۃ یٰسٓ

سورۃ الصافات

سورۂ ص

سورۃ الزمر

سورۃ المؤمن

سورۃ حم السجدۃ

سورۃ الشوریٰ

سورۃ الزخرف

سورۃ الدخان

سورۃ الجاثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک کرم فرما کاذکرِ خیر، رحمہُ اللہ رحمۃً واسعۃ

آسان بیان القرآن کی جلد چہارم تیار ہوکر پریس جارہی ہے، شروع میں دو صفحات کی گنجائش تھی، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں الحاج این فاروق صاحب آمبور کا ذکرِ خیر کروں، موصوف ۵/شوال سنہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۹/جنون ۲۰۱۹ء بروزِ اتوار آمبور ضلع ویلور (تمل ناڈو) میں اچانک رحلت فرما گئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھریں اور درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

رمضان المبارک سے پہلے میرا بنگلور جانا ہوا، وہاں سے حاجی صاحب مجھے آمبور لے گئے، جب بھی اس طرف کا سفر ہوتا ہے تو آمبور ضرور جانا ہوتا ہے، اس سفر میں میں نے حاجی صاحب سے ذکر کیا کہ ایک مولانا صاحب نے حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن کی تسہیل کی ہے، میں اس کو اصل سے ملا کر اطمینان کررہا ہوں، تقریباً چار پانچ جلدوں میں آئے گی، اور تقریبا دس لاکھ کا خرچ آئے گا، حاجی صاحب نے فوراً برجستہ فرمایا: اس کو میں شائع کروں گا، میں نے عرض کیا کہ اس کی پہلی جلد تیار ہے، آپ ایک ساتھ تعاون نہ کریں قسط وار کریں، یہ بات ختم ہوگئی اور میں چلا آیا، پیچھے سے انھوں نے جلد اول کے لئے تعاون بھیجا، مگر رمضان کے بعد ۵/شوال ہی کو وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، چوں کہ ان کے وعدے کی وجہ سے ہمت بندھ گئی تھی، اس لئے میں اِدھر اُدھر سے کر کے دھڑا دھڑ جلدیں شائع کرتا رہا، اب یہ چوتھی جلد پریس جارہی ہے اور پانچویں آخری جلد ان شاء اللہ اسی ماہِ ذی الحجہ میں آجائے گی۔

حاجی فاروق صاحب عجیب صفات سے آراستہ تھے، جس نے ان کو نہیں دیکھا وہ ان کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کرسکتا، حاجی صاحب کو اللہ نے دینی فہم اور علم وعلماء کی محبت عطا فرمائی تھی۔ جس سے ان کے کاموں میں انفرادیت کی شان پیدا ہوگئی تھی، ان کی زندگی دینی کاموں سے معمور تھی، اور ان کا شوق دینی کتب کی اشاعت تھا، انھوں نے بہت سی کتابوں کی اشاعت میں تعاون کیا، تفسیر ہدایت القرآن کی جب بھی کوئی جلد چھپتی تو اس کے سو نسخے

منگواتے، اس کا بل ادا کرتے، اور حتی الامکان اس کو پھیلاتے، ملک اور بیرونِ ملک علماء کو ہدیہ بھیجتے، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

علم وعلماء سے ان کا تعلق محض رسمی نہیں تھا، قلبی تھا۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس سرہٗ کے تو وہ دلدادہ تھے، اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ان نادار اور مستحق غرباء کی تھی جن کی وہ باقاعدہ ہر ماہ مدد کیا کرتے تھے، رشتے داروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتے تھے، خاص طور پر والدہ رحمہا اللہ کا، وہ ان کے تمام کاموں کے ذمے دار تھے، والدین کی وفات کے بعد ایک مسجد اپنے والد کے نام پر مسجدِ ہاشم بنائی، دوسری اپنی والدہ کے نام پر مسجدِ شمس بنائی، یہ دونوں عالیشان مسجدیں آمبور میں ہیں، ایک عجیب بات جو مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زید مجدہ (مدیر رسالہ دارالعلوم) نے لکھی ہے کہ وفات کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حافظِ قرآن بھی تھے، ان کی اولاد میں ایک صاحب زادہ جناب این فضیل صاحب اور دو بیٹیاں ہیں، ان کی وفات تقریباً ۶۶ سال کی عمر میں بالکل اچانک ہوئی، وہ اس وقت اپنے تمام معمولات تلاوتِ قرآن وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے کہ اچانک بلاوا آگیا اور وہ چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں درجاتِ عالیہ سے نوازیں اور ان کے بیٹے کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

حاجی صاحب قدس سرہٗ کی سوانح لکھی جانی چاہیے، مولانا صلاح الدین صاحب لکھیں یا مسجدِ ہاشم کے امام صاحب سے لکھوائیں یا کسی اور سے، میرے پاس مواد بھی زیادہ نہیں ہے اور صفحات میں بھی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

حاجی صاحب کے دستِ راست اور بطانۃ خیر حسن بھائی تھے، جن کا مدراس میں کاروبار ہے، حاجی صاحب کی بھی وہاں آفس تھی، وہ ہر نیک کام کی طرف حاجی صاحب کو توجہ دلاتے تھے، ان سے بھی گذارش ہے کہ حاجی صاحب کی سوانح مرتب کرائیں، تاکہ ان کا ذکرِ خیر باقی رہے۔ واللّٰہ یہدی السبیل.

سعید احمد پالن پوری عفا اللہ عنہ

۵/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ

۷/اگست ۲۰۱۹ء

(۲۷) سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ (۴۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ ﴾

ترجمہ: ﴿ طٰسٓ ﴾ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی، یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں جو ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں۔ سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور وہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہیں، اور آپ کو بالیقین ایک بڑے حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے۔

ربط: اس سورت کا خلاصہ: اصل تین مضمون ہیں: اول: وحی اور رسالت کا اثبات، جس سے سورت شروع ہوئی ہے۔ اور اسی پر گذشتہ سورت ختم ہوئی ہے اور اس کی مناسبت سے بعض نبیوں علیہم السلام کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے توحید جو آیت ﴿ قُلِ الْحَمْدُ ﴾ الخ سے شروع ہے۔ اور تیسرے قیامت کا اثبات اور جزا و سزا کا بیان ہے جو آیت ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ سے سورت کے ختم تک چلا گیا۔ اور درمیان میں بعض مضامین اس کی مناسبت سے آئے ہیں۔ اور خاتمہ پر ﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ ﴾ سے آخر تک انہی تفصیلی مضامین کے خلاصہ اور نتیجہ کے طور پر مختصر انداز میں بیان کے بعد سورت ختم ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم

وحی اور رسالت کا اثبات:

﴿ طٰسٓ ﴾ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں (یعنی اس میں دو صفتیں ہیں: ایک قرآن ہونا اور دوسرے کتاب مبین ہونا) یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے ہدایت (کا سبب) اور (اس ہدایت پر نیک و بہتر جزا کی) خوش خبری سنانے والی ہیں جو (مسلمان عملی طور پر

ہدایت پائے ہوئے ہیں۔اور (نماز کی پابندی کرتے ہیں (جو بدنی عبادتوں میں سب سے اعظم ہے) اور زکوۃ دیتے ہیں (جو مالی عبادتوں میں سب سے اعظم ہے) اور (عقیدہ کے اعتبار سے بھی ہدایت پائے ہوئے ہیں۔چنانچہ) وہ آخرت پر (پورا) یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے۔اور) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ہم نے ان کے (برے) اعمال ان کی نظر میں پسندیدہ کر رکھے ہیں، تو وہ (اپنے اس جہل مرکب یعنی ناسمجھی ونادانی کی وجہ سے حق سے دور) بھٹکتے پھرتے ہیں (چنانچہ نہ ان کے عقائد درست ہیں اور نہ اعمال، اس لئے وہ قرآن کو بھی نہیں مانتے تو جیسے قرآن، ایمان والوں کو خوش خبری سناتا ہے، اسی طرح انہیں وعید سناتا ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (دنیا میں مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب (ہونے والا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت گھاٹے میں ہیں (کہ کبھی نجات ہی نہ ہوگی) اور (چاہے یہ انکار کرنے والے یعنی منکر لوگ قرآن کو نہ مانیں مگر) آپ کو یقیناً ایک بڑے حکمت والے، علم والے کی جانب سے قرآن دیا جارہا ہے (آپ اس نعمت کی خوشی میں ان کے انکار سے رنجیدہ نہ ہوں)

فائدہ: اگرچہ اہل کتاب بھی آخرت کے قائل تھے، مگر اس میں بہت سی غلط باتیں ملادینے کی وجہ سے وہ اقرار بھروسہ کے قابل نہیں رہا تھا جس کی طرف ترجمہ میں لفظ ''پورا'' بڑھا کر اشارہ کردیا ہے۔

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ۞ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۞ۖ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۞ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ۞ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۞﴾ ع ۱۴ ۱۶

ترجمہ: جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینک لو۔سو جب اس کے پاس پہنچے تو اُن کو آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس ہے اس پر بھی اور اللہ رب العالمین پاک ہے۔

اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈال دو۔سو جب انھوں نے اُس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا۔اے موسیٰ! ڈرو نہیں اور ہمارے حضور

میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور ہو جاوے پھر برائی کے بعد بجائے اُس کے نیک کام کر لے تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ۔ وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ نو معجزوں میں فرعون اور اُن کی قوم کی طرف۔ وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض جب اُن لوگوں کے پاس ہمارے معجزے پہنچے نہایت واضح تو وہ لوگ بولے یہ صریح جادو ہے اور ظلم اور تکبر کی راہ سے اُن کے منکر ہو گئے، حالانکہ اُن کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ سو دیکھئے کیسا انجام ہوا اُن مفسدوں کا۔

ربط: اوپر وحی اور رسالت کا اثبات تھا۔ اب اس کی تائید کے لئے بعض قصے بیان کئے جا رہے ہیں جو دو طریقہ سے اس کی تائید کرتے ہیں: اول یہ کہ حضور ﷺ امی تھے، نہ کچھ پڑھا تھا نہ کسی پڑھے لکھے کی صحبت میں بیٹھے تھے، پھر گذشتہ کتابوں اور قوموں کے قصوں کو صحیح صحیح بیان فرمانا آپ کے صاحب وحی ہونے کی تائید کرتا ہے۔ دوسرے کافر لوگ نبوت کو محال سمجھتے تھے، ایسی صورت میں نبیوں کے ذکر سے وہ محال دور ہو گیا کہ نبوت کوئی انوکھی یا نئی چیز نہیں۔ اور رسالت کے مضمون سے متعلق دو باتیں اور ہیں: اول آپ کی تسلی ہے کہ دوسرے نبیوں کے بھی تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے ہوتے آئے ہیں، آپ اس سے غم نہ کیجئے۔ دوسرے انکار کرن والوں کے لئے وعید ہے کہ نبیوں کے انکار کا انجام نقصان و گھاٹا ہے، تمہیں بھی یہ برا دن دیکھنا ہے۔

پہلا قصہ: موسیٰ علیہ السلام کا:

(اس وقت کے قصہ کا ذکر کیجئے) جب کہ موسیٰ (علیہ السلام مدین سے آتے ہوئے رات کو سردی کے وقت طور پہاڑ کے قریب پہنچے، جب کہ مصر کا راستہ بھی بھول گئے تھے) نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے (طور کی طرف) آگ دیکھی ہے، میں ابھی (جا کر) وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا انگار لاتا ہوں، تا کہ تم سینک لو، تو جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں (اللہ کی جانب سے) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) ان پر بھی برکت ہو اور جو اس (آگ) کے پاس ہے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دعا مبارک باد اور سلام کے طور پر ہے جیسا کہ آنے والا یا جس کے پاس آتے ہیں وہ آنے کے وقت سلام کیا کرتا ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ نور اللہ تعالیٰ کے انوار یعنی نوروں میں سے ہے، اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں مانوس کرنے کے لئے سلام ارشاد ہوا، اور فرشتوں کو شاید اس لئے ملایا گیا ہو کہ شاید ایسا ہی سلام خاص قرب پیدا کرنے والا ہو جیسا کہ فرشتوں کو ہوا کرتا ہے) اور (اس امر کو بتانے کے لئے یہ نور جو آگ کی شکل میں ہے خود ذات واجبہ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ) اللہ رب العالمین (جہتوں، حدوں اور مقدار و رنگوں وغیرہ سے) پاک ہے (اور یہ نور ان حدوں میں محدود ہے، لہٰذا یہ اللہ کی ذات نہیں ہے۔ اور اگر موسیٰ کا ذہن اس

مسئلہ سے خالی ہو تو اس کی تعلیم ہے اور اگر عقلی دلیلوں اور صحیح فطرت کے ذریعہ پہلے سے معلوم ہو تو زیادہ سمجھانا مقصود ہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ! بات یہ ہے (کہ بغیر حال چال پوچھے کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں، زبردست حکمت والا اور (اے موسیٰ!) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو (چنانچہ انھوں نے ڈال دیا تو وہ اژدہا بن کر لہرانے لگا) تو جب انھوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے ہوئے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ! ڈرو نہیں (کیونکہ ہم نے تمہیں پیغمبری دی ہے) اور ہمارے حضور میں (یعنی پیغمبری کی خلعت عطا ہونے کے وقت) رسول (ایسی چیزوں سے جو کہ خود ان کی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزے ہوں) ڈرا نہیں کرتے (خبر کی اس صورت سے انشاء کا معنی مراد ہے، یعنی ڈرنا نہیں چاہئے) سوائے اس کے جس سے کوئی قصور (لغزش) ہو جائے (اور وہ اس لغزش کو یاد کر کے ڈرے تو حرج نہیں، لیکن اس کے بارے میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ اگر قصور ہو جائے اور) پھر برائی (ہو جانے) کے بعد اس کی بجائے نیک کام کرے (یعنی توبہ کر لے) تو میں (اس کو بھی معاف کر دیتا ہوں، کیونکہ میں) مغفرت والا، رحمت والا ہوں (یہ اس لئے فرمایا کہ عصا کی اس تبدیلی سے مطمئن ہو جانے کے بعد کبھی اپنا قبطی کے قتل کا قصہ یاد کر کے پریشان ہوں، اس لئے اس سے بھی مطمئن فرمادیا تاکہ وحشت جاتی رہے) اور (اے موسیٰ! عصا کے اس معجزہ کے سوا ایک معجزہ اور بھی عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ) تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بغیر کسی عیب (یعنی کسی مرض برص وغیرہ کے بغیر نہایت) روشن ہو کر نکلے گا (اور یہ دونوں معجزے ان) نو معجزوں میں (سے ہیں جن کے ساتھ تمہیں) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے، کیونکہ) وہ بڑے حد سے نکل جانے والے لوگ ہیں۔ غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے (جو) نہایت واضح (دلالت والے تھے یعنی دعوت کے شروع میں دو معجزے دکھائے گئے تھے، پھر الگ الگ وقت میں باقی دکھائے جاتے رہے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ کھلا جادو ہے، اور (غضب تو یہ تھا کہ ظلم) اور تکبر کے طور پر ان (معجزوں) کے (بالکل) منکر ہو گئے، حالانکہ (اندر سے) ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ تو دیکھئے ان فساد پھیلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا (کہ دنیا میں غرق ہونے کی اور آخرت میں جہنم میں جلائے جانے کی سزا پائی)

فائدہ: لفظ أهل کا مصداق اور جملہ ﴿ امْكُثُوٓا ﴾ کا حاصل سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ اور اس عصا کو شکل بدلنے کے بعد کہیں ﴿ ثُعْبَانٌ ﴾ اور کہیں ﴿ جَآنٌّ ﴾ کہنے کی توجیہ اور نو نشانیوں کی فہرست بھی سورۂ اعراف کی تفسیر میں لکھی گئی ہے اور اس سانپ سے ڈر جانے کا سبب بھی سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں لکھا گیا ہے، یعنی یہ سبب یا تو طبعی ہے یا پھر عقلی، اس وجہ سے کہ اس تبدیلی میں کسی مخلوق کا واسطہ نہیں تھا، اور یہ دونوں خوف نبوت کی شان کے خلاف نہیں، پھر ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ الخ کے ذریعہ جو خوف دور کیا گیا ہے، اس کی توجیہ طبعی ڈر کی بنیاد پر یہ ہو گی کہ جب ایک طبعی کیفیت پر دوسری طبعی کیفیت غالب آجاتی ہے تو پہلی کیفیت دور اور کمزور ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تم یہ سمجھو کہ ہم نے تمہیں نبوت دی ہے۔ اس نئی عنایت کا

سرور طبعی طور پر ایسا غالب ہوگا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا، اور عقلی ڈر کی بنیاد پر توجیہ یہ ہوگی کہ اس کے باوجود کہ حوادث نبیوں پر بھی آتے ہیں، مگر ہماری عادت ہے کہ ہم اطلاع دیدیتے ہیں کہ خود معجزوں کے ذریعہ اور خاص طور سے نبوت عطا کرتے وقت آزمائش اور تکلیف نہیں ہوا کرتی، لہٰذا اب عقلی خوف نہیں رہے گا، اور چونکہ نبیوں کو حق کے خبر دینے سے ہی نبوت کا علم ہوتا ہے، اس لئے نبوت عطا کرنے کے علم سے پہلے اس قسم کے ڈر وخوف کے ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے، اور چونکہ قتل ہونے والا قبطی حربی تھا، اور اپنے آپ میں اس کا قتل کرنا مباح تھا، اس لئے اس کا قتل حق العبد یعنی بندہ کا حق نہیں۔ البتہ صورت کے لحاظ سے امان کا توڑنا اللہ کا حق ہے، اس لئے معاف کردیا گیا، خاص طور سے جب کہ وہ قصداً نہیں غلطی سے تھا اور دل میں یقین کے باوجود فرعون وغیرہ کا ایمان نہ ہونا، سورۃ البقرہ آیت ۱۴۶ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ الخ کے فائدہ کے مضمون سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اور سورۂ طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿ لَعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ ﴾ اور یہاں پختہ یقین کے طور پر ہے۔ مگر مراد یہاں بھی امید اور گمان کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی ضد نہیں اور ﴿ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ میں یہ فرق ہے کہ ظلم میں نشانیوں کو ان کے درجہ سے گھٹاتا ہے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ اور ﴿ عُلُوًّا ﴾ سے مراد خود کو اپنے درجہ میں بڑھانا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد وسلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے قائم مقام سلیمان ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں۔ واقعی یہ صاف فضل ہے اور سلیمان کے لئے اُن کا لشکر جمع کیا گیا جن میں انسان بھی اور پرندے بھی اور اُن کو روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر

بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمان اُس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

دوسرا قصہ: داؤد علیہ السلام کا مختصر اور سلیمان علیہ السلام کا مفصل:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کو (شریعت اور ملک وسلطنت چلانے کے نظام کا) علم عطا فرمایا۔ اور ان دونوں نے (شکر ادا کرنے کے لئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں، جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد ان) کے وارث سلیمان (علیہ السلام) ہوئے (یعنی انہیں سلطنت وغیرہ ملی) اور انھوں نے (شکر کے اظہار اور نعمت کے ذکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے (یہ نعمت دوسرے سلطانوں کو میسر نہیں) اور ہمیں (سلطنت وحکومت کے سامان سے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں (جیسے فوج ولشکر، مال اور جنگ ولڑائی کے سامان ہتھیار وغیرہ) واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان (علیہ السلام) کے پاس سلطنت کا سامان بھی عجیب وغریب تھا، چنانچہ ان) کے لئے ان کا (جو) لشکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے) اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے تابع نہیں ہوئے) اور (پھر تھے بھی اس کثرت سے کہ) انہیں (چلنے کے وقت) روکا جا (یا کر) تا تھا (تا کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں، پیچھے والے بھی پہنچ جائیں، یہ طریقہ عام طور سے بہت زیادہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، کیونکہ تھوڑے مجمع میں تو اگلا آدمی ایسے وقت میں خود ہی رک جاتا ہے اور بڑے مجمع میں آگے والوں کو پیچھے والوں کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کا انتظام کرنا پڑتا ہے، ایک بار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے) یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تمہیں سلیمان (علیہ السلام) اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ تو سلیمان (علیہ السلام نے اس کی بات سنی اور اس کی بات پر تعجب کرتے ہوئے کہ اتنا چھوٹا سا جسم ہوتے ہوئے بھی یہ ہوشیاری اور احتیاط) مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور (یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا، جو کہ معجزہ ہونے کی وجہ سے ایک عظیم نعمت ہے، دوسری نعمتیں بھی یاد آگئیں اور) کہنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے اس پر قائم رکھئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (ایمان اور علم سب کو اور نبوت خود آپ کو اور والد کو) اور (اس پر بھی قائم رکھئے کہ) میں نیک کام کیا کروں، جس سے آپ خوش ہوں (یعنی مقبول عمل عنایت ہو، کیونکہ اگر اپنے آپ میں صالح ہو اور آداب وشرطوں میں خلل کی وجہ سے مقبول نہ ہو تو وہ مطلوب نہیں ہے) اور مجھے اپنی (خاص) رحمت سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں (یعنی

نبیوں) میں داخل رکھے (یعنی نزدیکی کو کبھی دوری سے نہ بدلئے)

فائدہ: ﴿ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ ﴾ اس لئے فرمایا کہ بعض نبیوں علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فضیلت دی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ اور ﴿ وَرِثَ ﴾ سے مراد اصطلاحی میراث نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ وہ میراث نبیوں کے مال میں نہیں ہوتی، بلکہ صرف احکام کی اشاعت اور مخلوق کی اصلاح اور ملکی انتظام میں جانشینی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مال نہیں ہیں۔

اور رح المعانی میں کلینی کے حوالہ سے ابوعبداللہ یعنی حضرت جعفر صادق کا قول نقل کیا ہے: **ان سلیمان ورث داؤد محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان**: یعنی سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور محمد ﷺ سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ دوسرے جملہ میں اصطلاحی وراثت کا احتمال ہی نہیں، لہٰذا یہ پہلے جملہ کی تفسیر کا قرینہ ہے۔

اور ﴿ عُلِّمْنَا ﴾ میں جمع کا صیغہ داؤد علیہ السلام کو شامل کرنے کے لئے نہیں کہ پرندوں کی بولی کا ان کا سمجھنا ثابت نہیں، بلکہ یہ شاہانہ محاورہ ہے جس سے اپنی بلندی ظاہر کرنا نہیں، بلکہ رعایا پر رعب بٹھانا مقصود ہے تاکہ وہ شریعت میں مقرر اطاعت کی حدوں سے خارج نہ ہوں۔

اور نمل یعنی چیونٹی کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی بولی سمجھنے میں صرف پرندوں کی تخصیص نہیں تھی، بلکہ پرندوں کے علاوہ کی بولی بھی سمجھتے تھے۔ البتہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ حیوانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ تھی یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جانور آدمیوں کی بولی نہیں بولتے تھے بلکہ وہی آواز جن کو جنس حیوان اپنے اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے، اور ضرورت کے وقت وہ پرندے ان کے کلام کو سمجھ لیتے تھے جیسا کہ ہدہد کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں عقلی ادراکوں میں سے حیوان بھی سمجھتے ہیں، اس کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ممکن ہے کہ ان میں کچھ کمزور عقل ہو لیکن وہ مکلّف ہونے کے لئے کافی نہ ہو، جیسے بچے اور بے عقل دیوانے کو مکلّف نہیں کہا گیا۔

اور نملہ یعنی چیونٹی کے اس کلام کے وقت آپ کا لشکر یا تو زمین پر چل رہا ہوگا اور اگر ہوا پر سفر تھا تو وہاں اترنے کا ارادہ ہوگا۔ اور چیونٹی کو اللہ کی طرف سے الہام کے ذریعہ سلیمان علیہ السلام کے اور ان کے لشکر کے اور اس ارادہ کے بارے میں پتہ چل گیا ہوگا اور قدرت کے لئے سب کچھ ممکن و آسان ہے۔

اور لفظ ﴿ ضَاحِكًا ﴾ سے نبیوں علیہم السلام کے ہنسنے کا ثبوت ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے جو اس کی نفی آئی ہے تو اس سے عادت کی نفی مراد ہے نہ کہ کلی طور پر نفی۔ لہٰذا بعض روایتوں میں جو ہنسنے کی بات آئی ہے اس پر کوئی اعتراض یا اشکال لازم نہیں آتا۔

اور اگر سلیمان علیہ السلام کو دنیا بھر کا بادشاہ مان لیا جائے تو آہستہ آہستہ کا قائل ہونا چاہئے تاکہ بلقیس کے ملک کا اس

وقت تک آپ کے قبضہ میں نہ آنا اشکال کا سبب نہ ہو۔

﴿ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۞ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا
اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۞ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۞
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۞ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ
وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۞ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۞ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو فرمانے لگے کہ کیا بات ہے کہ میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا، کیا کہیں غائب ہوگیا ہے۔ میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے۔ سو تھوڑی ہی دیر میں وہ آگیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اُن لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اُس کو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور اُن کو راہ سے روک رکھا ہے۔ سو وہ راہ پر نہیں چلتے کہ اُس خدا کو سجدہ نہیں کرتے، جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور تم لوگ جو پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے فرمایا کہ ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں۔

قصہ کا تتمہ:

اور (ایک بار یہ قصہ ہوا کہ) سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہد ہد کو نہ دیکھا) تو فرمانے لگے کہ کیا بات ہے میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا کہیں غائب ہوگیا ہے؟ (اور جب تحقیق ہوگئی کہ وہ واقعی غائب ہے تو فرمانے لگے کہ) میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی مضبوط وجہ (اور غیر حاضری کا عذر) میرے سامنے پیش کرے (تو خیر چھوڑ دوں گا) تو تھوڑی ہی دیر میں وہ آگیا اور سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں، جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور (اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک

تحقیقی خبر لایا ہوں، جس کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ) میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لئے لازم امور میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا (لمبائی چوڑائی وغیرہ میں بھی اور قیمت میں بھی) تخت ہے (اور ان کی مذہبی حالت یہ ہے کہ) میں نے اس (عورت) کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ (کی عبادت) کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کی نظر میں ان کے (ان کفر والے) اعمال کو پسندیدہ بنا رکھا ہے اور (اس پسندیدہ بنانے کی وجہ سے) انہیں (حق کے) راستے سے روک رکھا ہے تو وہ (حق کے) راستہ پر نہیں چلتے کہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قدرت والا ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں بارش اور پیڑ پودے بھی شامل ہیں) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم لوگ (یعنی تمام مخلوق) جو کچھ (دل میں) چھپا کر رکھتے ہو اور جو کچھ (زبان اور جسم کے دوسرے اعضاء کے ذریعہ) ظاہر کرتے ہو (لہٰذا) اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے، سلیمان (علیہ السلام) نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی پتہ لگا لیتے ہیں کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اس کو ان کے پاس ڈال دینا پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں (پھر تو یہاں چلا آنا، وہ لوگ جو کچھ کارروائی کریں گے اس سے تیرا سچ جھوٹ معلوم ہو جائے گا)

فائدہ: پرندوں کو یا تو کچھ خدمتیں سپرد کر رکھی ہوں گی، اس لئے حاضری لی یا یہ کہ صرف نظم وضبط کے لئے ایسا کیا جیسا کہ لشکروں کے سردار کیا کرتے تھے، اور ﴿ لَاُعَذِّبَنَّهٗ ﴾ سے معلوم ہوا کہ حیوانوں کو تربیت کے لئے پیٹنا جائز ہے اور اذیت کو دور کرنے کے لئے قتل بھی جائز ہے، جہاں تربیت اور اذیت دور کرنے کی ضرورت ہو اور اس کا فائدہ واثر ہو ورنہ جائز نہیں، جیسے ہدہد اب نہ تربیت کے لائق ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی اذیت پہنچتی ہے، اس حالت کے برخلاف کہ غیر حاضری پر پٹائی کا فائدہ ہوتا۔ اور نافرمانی ایک اذیت ہے اور چونکہ ہدہد کا علم ایک جزئی حسی واقعہ سے متعلق ہوا اس سے نبی کے علم پر اس کی فضیلت لازم نہیں آتی، اور ہدہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری نافرمانی کے طور پر نہیں تھی بلکہ ایک لحاظ سے آپ ہی کے کام پر لگا ہوا تھا۔

اور سبا ایک شخص کا نام تھا، پھر اس کی اولاد کو کہنے لگے، یہ لوگ یمن میں آباد تھے، پھر ان کے شہر کو بھی جس کا نام مآرب تھا، سبا کہنے لگے جو صنعا سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، یہ ملکہ جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، اور جس کا نام بلقیس ہے، اسی خاندان سے ہے۔ اور یعرب بن قحطان کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے ان کی زبان عربی تھی اور سلیمان علیہ السلام کا خط یا تو عربی میں ہوگا، اگرچہ وہ خود عربی نہیں ہیں، لیکن جو شخص پرندوں کی بولی کا علم رکھتا ہے اس کے لئے انسانوں کی بولی کا علم کیا مشکل ہے۔ یا یہ خط ان کی اپنی زبان میں ہوگا اور وہاں ترجمہ کرا لیا گیا ہوگا۔

اور ہدہد نے ان لوگوں کا مذہب شاید اس لئے بیان کیا ہو کہ دعوت اور جہاد کی ترغیب مقصود ہو۔ اور ہدہد کو وہاں سے

ہٹ جانے کا جو حکم دیا اس میں بادشاہوں کی مجلسوں کے آداب اور تہذیب کی تعلیم ہے، اور ہدہد ہی کی معرفت خط بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے سچ اور جھوٹ کا امتحان لینا تھا۔

اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، لہٰذا بلقیس کے قصہ کی وجہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ مشرکوں کا فعل تھا، دوسرے اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت نے اس کو برقرار بھی رکھا ہو تو محمد ﷺ کی شریعت کے اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات سے متعلق یہ تمام کلام ہدہد کا قول ہے، اوپر کی آیتوں کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ تھوڑی سی عقلی قوت کا حیوانوں میں احتمال ہے اور بلقیس کے تخت کا خاص طور سے ذکر اس کے عجیب ہونے اور اس وقت کے بادشاہوں کے اعتبار سے نایاب ہونے کی وجہ سے ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے استطاعت کے باجود ایسا تخت بنوانے کا اہتمام نہ کیا ہو، اور ﴿ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد، سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کا کلام بھی سمجھتا تھا، تو یہ بھی سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہوگا۔

﴿ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
ع ۱۷ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً
اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾
وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ
بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ﴾

ترجمہ: بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار! میرے پاس ایک خط باوقعت ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور اس میں یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار! تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو، میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں۔ اور اختیار تم کو ہے سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو۔ بلقیس کہنے لگی کہ والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ وبالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں اُن کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں اُن لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے کیا لے کر آتے ہیں۔ سو جب وہ فرستادہ سلیمان کے پاس پہنچا، فرمایا: کیا

تم لوگ مال سے میری امداد کرتے ہو؟ سواللہ نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے۔ ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہوگے۔ تم اُن لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ، سو ہم اُن پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ اُن لوگوں سے اُن کا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جاویں گے۔

قصہ کا تتمہ یعنی باقی حصہ:

(سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے یہ گفتگو کرنے کے بعد بلقیس کے نام ایک خط لکھا، جس کا مضمون آگے آرہا ہے اور ہدہد کے حوالہ کیا اور وہ اس کو اپنی چونچ میں لے کر چلا اور بلقیس کے پاس تنہائی میں یا مجلس میں ڈال دیا) بادشاہ عورت نے (پڑھ کر اپنے سرداروں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور) کہا کہ اے دربار والو! میرے پاس ایک بڑی قدر و قیمت والا خط ڈلا گیا ہے ﴿كِتٰبٌ كَرِيْمٌ﴾ یعنی بڑی قدر و قیمت والا خط اس لئے کہا کہ مضمون حاکمانہ ہے، جس میں نہایت اختصار کے باوجود اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے، اور) وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سلطنت کے درباری وذمہ دار جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو، اور میرے پاس اطاعت کرنے والے بن کر چلے آؤ (اس طرح تمام اہل سبا کو دعوت دینا مقصود ہے، اور یہ لوگ یا تو سلیمان علیہ السلام کا حال پہلے سن چکے ہوں گے، چاہے سلیمان علیہ السلام ان لوگوں کو نہ جانتے ہوں، کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے آدمی چھوٹوں کو نہیں جانتے۔ اور چھوٹے بڑوں کو جانتے ہیں، یا پھر خط آنے کے بعد تحقیق کر لی ہوگی اور خط کے مضمون کے بارے میں بتانے کے بعد) بادشاہ عورت نے کہا کہ اے دربار والو! تم مجھے میرے معاملہ میں رائے دو (کہ مجھے سلیمان علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟) کیونکہ میں (کبھی) کسی بات کا اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم لوگ میرے پاس نہ ہو (اور اس فیصلہ میں شریک نہ ہو) اور وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم (اپنی ذات سے ہر طرح حاضر ہیں اگر مقابلہ اور جنگ میں مصلحت سمجھی جائے تو ہم) بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور (آگے) تمہیں اختیار ہے، اس لئے (مصلحت) تم ہی دیکھ لو، جو کچھ (تجویز کر کے) حکم دینا ہو، اس عورت نے کہا کہ (میرے نزدیک لڑنا تو مصلحت نہیں، کیونکہ سلیمان بڑے بادشاہ ہیں اور عملاً ہوتا یہی ہے کہ) بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں، اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں (ان کا زور گھٹانے کے لئے) ذلیل (وخوار) کر دیا کرتے ہیں، اور (ان سے جنگ کی جائے تو ممکن ہے کہ انہی کو غلبہ حاصل ہو تو پھر) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے (تو بلا ضرورت پریشانی میں پڑنا مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے جنگ کو تو ابھی ملتوی کیا جائے) اور (اس وقت یہ مناسب ہے کہ) میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ (کسی آدمی کے ہاتھ) بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ وہ بھیجے ہوئے لوگ (وہاں سے) کیا (جواب) لے کر آتے ہیں؟ (اس وقت پھر غور کیا

جائے گا۔ چنانچہ ہدیوں اور تحفوں کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لے کر روانہ ہوا) تو جب وہ بھیجا ہوا ہدیہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا (اور ہدیئے پیش کئے) تو سلیمان (علیہ السلام نے) فرمایا: کیا تم لوگ (یعنی بلقیس اور بلقیس کی حکومت کے سردار (عوام وخواص) مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو (جو یہ ہدیئے لائے ہو؟) تو (سمجھ لو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جو تمہیں دے رکھا ہے (کیونکہ تمہارے پاس صرف دنیا ہے اور میرے پاس دین بھی ہے اور دنیا بھی تم سے زیادہ ہے تو مجھے ان چیزوں کی حرص نہیں ہے) ہاں! تم ہی اپنے اس ہدیئے پر اتراتے ہوگے (تو ہم یہ ہدیئے نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ (اگر وہ اب بھی ایمان لے آئیں تو ٹھیک ہے، ورنہ) ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان (فوجوں) کا بالکل مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور ہم) انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ذلت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے) ماتحت (اور رعایا) ہو جائیں گے (یہ نہیں کہ آزاد چھوڑ دیئے جائیں گے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، بلکہ ہمیشہ کی ذلت ان کے لئے لازم ہو جائے گی)

فائدہ: سلیمان علیہ السلام نے انہیں اسلام کی دعوت دی تھی اور آنے سے مراد جسمانی حاضری نہیں ہے بلکہ اطاعت میں آنا ہے اور ہدیہ کا لوٹانا، اگر ان کی شریعت میں جزیہ کا حکم نہ ہو تو ظاہر ہے اور اگر اس کا حکم ہو تو یہ ہدیہ جزیہ نہ تھا، جو اطاعت کی علامت ہے، بلکہ بغیر اطاعت دوستی کا ذریعہ تھا تو بغیر ضرورت شریعت میں اس کی اجازت نہیں، اور یہ امر کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے نبی ہونے پر دلیل قائم کرنے کے لئے کوئی معجزہ کیوں پیش نہیں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ جب طلب کیا جائے تب اس کی ضرورت ہے، کیونکہ بعض لوگوں کو نبیوں کے معنوی کمالات سے ہی نبوت کا یقین ہو جاتا ہے، اور جس کو یقین نہ ہو وہ خود طلب کر سکتا ہے اور چونکہ خط کا مضمون ممکن ہے کہ قرآن میں معنی کے ذریعہ روایت کے طور پر بیان ہوا ہو، اس لئے ضروری نہیں کہ بسم اللہ اسی طرح ہو۔

﴿ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ ﴾

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا کہ اے اہلِ دربار! تم میں کوئی ایسا ہے جو اُس کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کر دے۔ ایک قوی ہیکل جن نے جواب میں عرض کیا میں اُس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور میں اس پر طاقت رکھتا ہوں امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا،

اُس نے کہا کہ میں اُس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کھڑا کرسکتا ہوں، پس جب سلیمان نے اُس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے کریم ہے۔ سلیمان نے حکم دیا: اُس کے لئے اُس کے تخت کی صورت بدل دو، ہم دیکھیں اُس کو اِس کا پتہ لگتا ہے یا اُس کا، اُنہیں میں شمار ہے جن کو پتہ نہیں لگتا۔

قصہ کا تتمہ:

(غرض وہ قاصد وہ ہدیئے لے کر واپس گیا اور سارا قصہ بلقیس سے بیان کیا، مجموعی حالات سے اسے سلیمان علیہ السلام کے کمالات علم اور نبوت کا یقین ہوگیا اور وہ حاضری کے ارادہ سے اپنے ملک سے چلی) سلیمان علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہوگیا، انھوں نے (اپنے درباروالوں سے) فرمایا کہ اے درباروالو! تم میں سے میرے پاس اس (بلقیس) کے تخت کو کون لائے گا اس سے پہلے کہ وہ لوگ میرے پاس اطاعت کرنے والے بن کر آئیں؟ ﴿مُسۡلِمِیۡنَ﴾ قید واقعی ہے، کیونکہ وہ لوگ اس ارادہ سے آرہے تھے؟ تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے تھا کہ وہ لوگ ایک معجزہ بھی دیکھ لیں، کیونکہ اتنا بڑا تخت اور اتنے سخت پہرے میں رکھا ہوا اور پھر اس طرح اچانک آجانا کہ خبر بھی نہ ہو، انسانی عادت ومعمول کے خلاف ہے اگر جنات کے قابو میں ہونے کی وجہ سے ہے تب بھی ان کا خودبخود مسخر یعنی تابع ہوجانا عادت کے خلاف ہے اور اگر امت کے کسی ولی کی کرامت سے ہو تو ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے اور اگر بغیر واسطہ کے ہے تو سیدھا معجزہ ہے۔ بہرحال ہر طرح سے یہ نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے، لہٰذا یہ مقصود ہوگا کہ باطنی کمالات کے ساتھ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں کہ ایمان واطمینان اور زیادہ ہوجائے) ایک بھاری بھرکم جن نے (جواب میں) عرض کیا کہ اس کو میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، اس سے پہلے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے، مگر) میں اس (کو لانے) کی طاقت رکھتا ہوں (اور اگرچہ بہت قیمتی جواہرات سے سجا ہوا ہے مگر میں) امانت دار (بھی) ہوں (اس میں کوئی خیانت نہ کروں گا) جس کے پاس (اللہ کی) کتاب کا علم تھا (یعنی توریت کا یا وحی کے ذریعہ آئی ہوئی کسی اور کتاب کا جس میں اللہ کے ناموں کی تاثیر ہو۔ زیادہ غالب یہ ہے کہ خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ غرض) اس (علم والے) نے (اس جن سے کہا کہ بس تجھ میں تو اتنی ہی طاقت ہے اور) میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کر رکھ سکتا ہوں (کیونکہ میں معجزہ کی قوت سے لاؤں گا، چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی، ویسے ہی یا کسی اسم الٰہی کے ذریعہ سے اور تخت فوراً سامنے آموجود ہوا) چنانچہ جب سلیمان (علیہ السلام) نے اس کو اپنے سامنے دیکھا تو (خوش ہوکر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے (کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر

کیا) تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدانخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے (اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے (وہ بھی اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میرا رب بے نیاز ہے، کرم کرنے والا ہے (اس کے بعد) سلیمان (علیہ السلام) نے (بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس (کی عقل آزمانے) کے لئے اس تخت کی صورت بدل دو (جس کے بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں، جیسے جواہرات کو ان کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا دیا اور کسی طرح) ہم دیکھیں گے کہ اس کو اس کا پتہ چلتا ہے یا وہ انہی لوگوں میں سے ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں چلتا (لہٰذا پہلی صورت میں معلوم ہوگا کہ وہ سمجھ دار عقلمند ہے اور عقلمند سے حق کو سمجھنے کی زیادہ امید ہے، اور اس کی حق پرستی کا اثر دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، اور دوسری صورت میں حق کو سمجھنے کی امید اور اثر کا دوسروں تک پہنچنا دونوں کم ہیں)

فائدہ: بعض کتابوں میں اس عالم کا سلیمان علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہونا آیا ہے، اس صورت میں ﴿اَنَا اٰتِیْكَ﴾ میں خطاب سلیمان علیہ السلام کو ہوگا اور یہ اس صحابی کی کرامت تھی چونکہ امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے، اس لئے آپ نے شکریہ ادا کیا، لیکن بعض مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے۔ اور کئی وجہوں سے جن کا ذکر تفسیر کبیر میں ہے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور اس صورت میں سلیمان علیہ السلام کا سوال جنات کی عاجزی ظاہر کرنے اور امتحان کے طور پر ہوگا۔ اور [1] یہ پہلی صورت میں بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت ظاہر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سنانے اور دکھانے کے لئے ہو کہ جو قوت مجھ سے فائدہ اٹھانے والوں میں ہے وہ تم میں بھی نہیں اور ہر حال میں اگر کتاب کی تفسیر توریت سے کی جائے تو اس صفت کو حصر کرنے میں کوئی دخل نہ ہوگا، صرف تعریف مقصود ہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ۝۴۲
وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝۴۳ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ
فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ قَالَتْ
رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۴﴾ ع ۱۸

ترجمہ: سو جب بلقیس آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے، وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی اور ہم لوگوں کو اس موقع سے پہلے ہی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں اور اُس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا وہ کافر قوم میں کی تھی، بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو تو جب اُس کا صحن دیکھا تو اُس کو پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیاں

(۱) یعنی اس فائدہ میں جس کا پہلے ذکر ہوا ہے اور وہ یہ کہ الذی عندہ علم الکتاب کا مصداق کوئی صحابی ہوں۔

کھول دیں۔ سلیمان نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے، جو شیشوں سے بنایا گیا ہے۔ بلقیس کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قصہ کا تتمہ:

(ادھر سلیمان علیہ السلام نے یہ سب سامان کر کے رکھا، پھر بلقیس پہنچی) تو جب وہ عورت (بلقیس) آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا (چاہے سلیمان علیہ السلام نے خود کہا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو) کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ ہاں! ہے تو ایسا ہی (بلقیس سے اس طرح سوال اس لئے کیا گیا کہ اس کی ہیئت تو بدل دی گئی تھی البتہ مادہ کے طور پر وہی تخت تھا لیکن اپنی صورت میں وہ نہیں تھا، اس لئے کاف تشبیہ کا بڑھا دیا گیا اور بلقیس اس کو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی، اس لئے سوال بھی جواب کے مطابق دیا) اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی) تحقیق ہو چکی ہے اور ہم (اس وقت دل سے) اطاعت قبول کر چکے ہیں (جب سے کہ قاصد کے ذریعہ آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے، اس معجزہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی) اور (چونکہ اس معجزہ سے پہلے ہی تصدیق اور اعتقاد کر لینا کمال عقل کی دلیل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے عقلمند ہونے کا بیان فرماتے ہیں کہ واقعی وہ سمجھ دار تھی، مگر کچھ دن تک جو ایمان نہیں لائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس کو (ایمان لانے سے) اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت نے روک رکھا تھا (جس کی اس کو عادت تھی، اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ) وہ کافر قوم میں کی تھی (اس لئے جیسا سب کو کرتے دیکھا ویسے ہی آپ کرنے لگی، اور عادت اکثر حقیقت کو سمجھنے میں پردہ بن جاتی ہے۔ مگر چونکہ عقل مند تھی اس لئے جب تنبیہ کی گئی تو حقیقت کو سمجھ گئی، اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ معجزہ اور نبوت کی شان دکھانے کے علاوہ اس کو سلطنت کی ظاہری شان بھی دکھا دی جائے تا کہ اپنے آپ کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم نہ سمجھے، اس لئے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور مچھلیاں بھر کر اس کو شیشہ سے پاٹ دیا اور شیشہ ایسا صاف شفاف تھا کہ پہلی نظر میں دکھائی نہ دیتا تھا، اور وہ حوض ایسی جگہ تھا کہ اس محل میں جانے والے کو لازمی طور پر اس پر سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس تمام سامان کے بعد) بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، ممکن ہے کہ وہی محل قیام کے لئے تجویز کیا ہو تو اس میں جانا اور ٹھہرنا ضروری ہوا۔ غرض وہ چلیں تو راستہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھرا ہوا) سمجھا اور (چونکہ قرینہ سے گمان کیا کہ پانی تھوڑا پاؤں ڈباؤ ہی ہے، لہٰذا اس کے اندر گھسنے کے لئے دامن اٹھائے، اور) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (اس وقت) سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو پورے کا پورا مع صحن) شیشوں سے بنایا گیا ہے (اور یہ حوض بھی شیشہ سے پٹا ہوا ہے، دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں دنیاوی کاری گری اور دوسری خوبیاں بھی ایسی ہیں جو میں نے آج تک نہیں دیکھیں تو ان کے دل میں ہر طرح سے سلیمان

علیہ السلام کی عظمت بیٹھ گئی اور بے ساختہ) کہنے لگی کہ اے پروردگار! میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور (اب) میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی ان کے طریقے پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لے آئی۔

فائدہ: ﴿ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴾ میں بھی ایمان کا اقرار ہے، مگر اس سے خبر دینا مقصود ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغہ سے حاصل ہوا ہے۔ آگے قصہ کے باقی حصہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مگر اس سے کوئی ضروری اور ذکر کے قابل غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی بحث نہیں کی گئی، اور اس قصہ سے بھی کسی سے پڑھے یا سنے بغیر ماضی کی خبر دینے کے علاوہ جو کہ نبوت کی دلیل ہے خود نبیوں کی موافقت کی ترغیب معلوم ہوئی کہ بلقیس پر جب اس شان وشوکت کے باوجود حق واضح ہو گیا تو ایمان لے آئی، اور نبیوں کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر ایمان نہ لاتی تو وہی ہوتا جو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ ﴾ الخ اور یہ سب باتیں ان قصوں کے بعض مقاصد میں سے ہیں، اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ اگر یہ کافر لوگ ایمان نہ لاتے تو سلیمان کے لشکر کی طرح ہم آپ کے لشکر کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ چنانچہ بعد میں جہاد کی اجازت دیدی گئی۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، سو اچانک اُن میں دو فریق ہو گئے جو باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا کہ اے بھائیو! تم نیک کام سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو۔ تم لوگ اللہ کے سامنے معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح نے فرمایا کہ تمہاری نحوست اللہ کے علم میں ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اور اُس بستی میں نو شخص تھے جو سرزمین میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپس میں سب اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح اور اُن کے متعلقین کو جا ماریں گے، پھر ہم اُن کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم اُن

کے متعلقین کے مارے جانے میں موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے اُن کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا۔ سو یہ اُن کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں اُن کے کفر کے سبب سے، بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے دانشمندوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی۔

تیسرا قصہ: صالح علیہ السلام کی قوم کا:

اور ہم نے ثمود (قوم) کے پاس ان کے (برادری کے) بھائی صالح کو (نبی بنا کر) بھیجا۔ یہ (پیغام دے کر) کہ تم (شرک کو چھوڑ کر) اللہ کی عبادت کرو تو (چاہیئے تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے) اچانک ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) آپس میں جھگڑنے لگے (یعنی ایک فریق تو ایمان لے آیا اور ایک نہ لایا اور ان میں جو جھگڑا اور کلام ہوا، اس کا کچھ حصہ سورۂ اعراف آیت ۷۳ سے ۷۹ تک میں بیان ہوا ہے۔ اور کچھ حصہ آگے بیان ہوا ہے۔ ﴿ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ ﴾ الخ اور جب ان لوگوں نے کفر پر اصرار کیا تو صالح علیہ السلام نے نبیوں علیہم السلام کی عادت کے مطابق انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے ﴿ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ تو انھوں نے کہا کہ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے؟ چنانچہ سورۂ اعراف ہی میں آگے ہے ﴿ قَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اس پر) صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے بھائیو! تم نیک کام (یعنی توبہ اور ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو؟ (یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ عذاب کی وعید سن کر ایمان لے آتے نہ یہ کہ ایمان تو لاتے نہیں اور اس کے برخلاف عذاب ہی کی درخواست کرنے لگے، یہ بڑی بے باکی کی بات ہے، عذاب کی اس طرح جلدی مچانے کے بجائے) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے؟ جس سے امید ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں (کہ جب سے تم نے یہ مذہب نکالا ہے اور تمہاری یہ جماعت پیدا ہوئی ہے، قوم میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی اور نا اتفاقی کے جو نقصان اور خرابیاں ہوتے ہیں وہ سب سامنے آنے لگے، لہٰذا ان باتوں برائیوں کا سبب تم ہو) صالح (علیہ السلام) نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے (یعنی تمہارے کفر والے اعمال اللہ کو معلوم ہیں، یہ برائیاں انہی اعمال کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ نا اتفاقی مذمت کے قابل رہی ہے جو حق کی خلاف ورزی کرنے سے ہو، تو اس کا الزام ایمان والوں پر نہیں ہوسکتا بلکہ کفر والوں پر ہی ہوگا، اور بعض تفسیروں میں ہے کہ ان پر قحط پڑا تھا، اور تمہارے کفر کا نقصان ان برائیوں تک ہی محدود نہیں ہے) بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گے، اور (یوں تو اس قوم میں کافر بہت تھے، لیکن اس بستی (یعنی حجر) میں (سرغنہ) نو شخص تھے جو زمین میں (یعنی بستی سے باہر تک بھی فساد مچایا کرتے تھے، اور (ذرا)

اصلاح نہ کرتے تھے (یعنی بعض فسادی ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ فساد کیا، کچھ اصلاح کرلی، مگر وہ ایسے نہ تھے بلکہ خالص مفسد وفسادی تھے۔ چنانچہ ایک بار یہ فساد کیا کہ) انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ سب آپس میں (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کے وقت صالح اور ان سے متعلق لوگوں (یعنی ایمان والوں) کو مار ڈالیں۔ پھر (اگر تحقیق کی نوبت آئے تو) ہم ان کے وارث سے (جو خون کا دعویٰ کرے گا) کہہ دیں گے کہ ہم ان سے متعلق لوگوں (اور خود ان کے) مارے جانے کے وقت موجود (ہی) نہ تھے (مارنا تو دور کی بات) اور (تاکید کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ) ہم بالکل سچے ہیں (اور گواہ کوئی موقع پر دیکھنے کا ہوگا نہیں، تو بات دب دبا جائے گی) اور (یہ مشورہ کرکے) انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی (کہ رات کے وقت اس کارروائی کے لئے چلے) اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور (اس تدبیر کی) انہیں خبر بھی نہ ہوئی (وہ یہ کہ ایک پہاڑ پر سے ایک پتھر ان پر لڑھک آیا اور وہ سب وہاں ہی کچل کر رہ گئے، یعنی ہلاک ہوگئے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) تو دیکھئے کہ ان کی شرارت کا انجام کیا ہوا؟ کہ ہم نے انہیں (مذکورہ طریقہ سے) اور (پھر) ان کی (باقی) قوم کو (آسمانی عذاب کے ذریعہ) سب کو غارت کردیا (جس کا قصہ دوسری آیتوں میں ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ سے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ تک اور ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ تو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر کی وجہ سے ویران پڑے ہیں (جو کہ مکہ والوں کو شام کے سفر میں ملتے ہیں) بلاشبہ اس (واقعہ) میں سمجھنے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو (اس قتل سے بھی جس کا مشورہ ہوا تھا اور قہر کے عذاب سے بھی) نجات دی۔

فائدہ: ﴿لِوَلِيِّهٖ﴾ میں جس وارث کا ذکر ہے وہ یا تو ایمان والا ہوگا، اور کسی وجہ سے اس کے قتل کی رائے نہ ہوئی ہوگی، جیسے وہ بھی عزت ودبدبہ اور شان وشوکت والا ہو۔ یا اگر مؤمن نہ ہوگا تو قریبی عزیز ہونے کی حمیت کے قصاص کے مطالبہ کا سبب ہونے کا احتمال ہوگا۔

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝﴾ ع ۱ ۱۹

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا تھا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو، حالانکہ سمجھ دار ہو۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم جہالت کر رہے ہو۔ سو اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط کو اور اُن کے متعلقین کو بچالیا بجز اُن کی بیوی کے اُس کو ہم نے اُن ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو

عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا۔ سو اُن لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے۔

چوتھا قصہ: لوط علیہ السلام کا:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر ان کی قوم کے پاس) بھیجا تھا جب انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ حالانکہ سمجھ دار ہو (کیا اس کی برائی کو نہیں سمجھتے؟ آگے اس بے حیائی کا بیان ہے، یعنی) کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت کا کام کرتے ہو؟ (اور اس کے ارتکاب کے لئے کوئی شبہ پیدا کرنے والا نہیں ہوسکتا) بلکہ (اس بارے میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو، تو (ان باتوں کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا، سوائے اس کے کہ (آخر میں بے ہودگی کے طور پر) آپس میں کہنے لگے کہ لوط (علیہ السلام) کی پیروی کرنے والوں (یعنی مؤمنوں کو مع لوط علیہ السلام کے) تم اپنی (اس) بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں تو (جب یہاں تک نوبت پہنچی تو) ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان سے متعلق لوگوں کو (اس عذاب سے) بچالیا سوائے ان کی بیوی کے کہ اس کو (اس کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا، جو عذاب میں رہ گئے تھے اور (وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا، یہ تھا کہ) ہم نے ان پر ایک نئی قسم کی بارش برسائی (کہ وہ پتھروں کی بارش تھی) تو ان لوگوں کی کیسی بری بارش تھی جو (پہلے اللہ کے عذاب سے) ڈرائے گئے تھے (جس پر انھوں نے دھیان نہ دیا)

فائدہ: سورۂ اعراف میں اس قصہ سے متعلق بعض ضروری مضامین بیان ہو چکے ہیں، انہیں وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے اور ﴿ تُبْصِرُوْنَ ﴾ اور ﴿ تَجْهَلُوْنَ ﴾ کے ترجمہ کے بیان سے ان میں ٹکراؤ کا شبہ دور ہو گیا کہ ﴿ تُبْصِرُوْنَ ﴾ کا حکم دوسرے امور میں ہے اور ﴿ تَجْهَلُوْنَ ﴾ کا اس امر میں اور ﴿ تُبْصِرُوْنَ ﴾ کا حکم علم کے لحاظ سے ہے اور ﴿ تَجْهَلُوْنَ ﴾ کا عمل کے لحاظ سے۔

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے کہ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں؟

ربط: سورت کے شروع سے یہاں تک رسالت کی بحث تھی۔ اب توحید کی بحث ہے جس کو ایک بلیغ اور مختصر خطبہ سے شروع فرمایا ہے۔

توحید کا خطبہ:

آپ (توحید کے بیان کے لئے خطبہ کے طور پر) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں، اور اس کے ان بندوں پر

سلام (نازل) ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے (یعنی انبیاو صلحا یعنی نیک و صالح لوگ، آگے ہماری طرف سے توحید کا مضمون بیان کیجئے۔ وہ یہ کہ لوگو! یہ بتاؤ کہ) کیا (کمالات اور احسانات میں) اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں (بہتر ہیں) جن کو (معبود ہونے میں) شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی ظاہر اور مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے، لہٰذا عبادت کا مستحق بھی وہی ہوگا، اس میں خیر و بہتر ہونا تو عقلی ہونے کے سبب کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھا اور اس خیر کے لئے معبود کے واحد ہونے کا لازم ہونا عقلی قضیہ ہے، یہ تو مختصر انداز کا بیان تھا جو ان باتوں کے واضح ہونے کی وجہ سے مختصر انداز کے باوجود کافی ہے، مگر وضاحت اور تنبیہ کی زیادتی کے لئے آگے تفصیل ہے)

﴿ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَہۡجَۃٍ ۚ مَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَہَا ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ یَّعۡدِلُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اُس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ ہم نے رونق دار باغ اُگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم اُن کے درختوں کو اگا سکو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا کی برابر ٹھیراتے ہیں۔

توحید کی دلیلوں میں سے پہلی قسم:

(اچھا اللہ تعالیٰ کے کمالات میں غور کر کے بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا؟ اور اس نے آسمان سے پانی برسایا؟ پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے ہم نے رونق والے باغ اگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درختوں کو اگا سکو (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر مشرک لوگ پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسروں کو عبادت میں) اللہ کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

﴿ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَہَاۤ اَنۡہٰرًا وَّ جَعَلَ لَہَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیۡنَ الۡبَحۡرَیۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اُس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حدفاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ ان میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔

دوسری قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کے لئے) قرار کی جگہ بنایا اور

اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے درمیان فاصلہ کی ایک حد بنائی؟ (جیسا کہ سورۂ فرقان میں ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ﴾ آچکا ہے، یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر مشرک لوگ نہیں مانتے) بلکہ ان میں زیادہ تر (تو اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں۔

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو؟

تیسری قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ (تصرف کے اختیار والا) بناتا ہے؟ (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (مگر) تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔

﴿ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو خوش کر دیتی ہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔

چوتھی قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تمہیں خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ سجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو (بارش کی امید دلا کر دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے)

﴿ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو کہ آسمان اور زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ آپ کہیئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

پانچویں قسم:

(اچھا پھر اور کمالات سن کر بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (جو کہ مسلم ہے) پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا (جس پر قطعی دلیل قائم ہے) اور جو کہ آسمان اور زمین سے (پانی برسا کر اور پیڑ پودے نکال کر) تمہیں رزق دیتا ہے (یہ سن کر اب بتاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے؟ (اور اگر وہ یہ سن کر بھی کہیں کہ ہاں اور معبود بھی مستحق ہیں تو آپ کہیئے کہ (اچھا) تم (ان کے عبادت کے مستحق ہونے پر) اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو (اس طرح کہ ان میں عبادت کے تقاضوں کو ثابت کرو)

فائدہ: ﴿رَوَاسِیَ﴾ کی تحقیق سورۂ حجر میں گذر چکی۔ اور ﴿يُجِيْبُ، وَيَكْشِفُ﴾ میں ہمیشہ کا حکم نہیں۔ لہٰذا کچھ اشکال نہیں، اور چونکہ بتوں سے مطلقاً جواب دینا منفی ہے، لہٰذا استدلال مکمل رہا۔

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٦٥ بَلِ ادّٰرَكَ ع
عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ڹ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا
وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝٦٧ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٦٨
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٦٩ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ۝٧٠ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٧١ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝٧٢ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٧٣ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝٧٤ وَمَا مِنْ غَاۗىِٕبَةٍ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٥ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور اُن کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیئے جاویں گے، بلکہ آخرت کے بارے میں اُن کا علم نیست ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اُس سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب خاک ہو گئے اور ہمارے بڑے بھی تو کیا ہم نکالے جاویں گے اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔ اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جئے اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اُس میں سے کچھ تمہارے پاس

ہی آ گاہ ہو اور آپ کا رب لوگوں پر بڑا فضل رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے اور آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو۔

ربط: اوپر نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہو چکا۔ اب آخرت کا ذکر ہے۔ جس کی طرف توحید کی دلیلوں میں ﴿ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ﴾ سے مختصر انداز میں اشارہ بھی ہوا ہے اور چونکہ کافر لوگ اس کو جھٹلانے کی ایک وجہ یہ بھی قرار دیتے تھے کہ قیامت کا وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتایا جاتا، وہ تعیین نہ ہونے کو واقع نہ ہونے کی دلیل ٹھہراتے تھے، اس لئے اس مضمون کو علم غیب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کے بیان سے شروع کیا ہے۔ ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ ﴾ جس میں ان کے اشتباہ کے منشا کا بھی ایک لحاظ سے جواب ہو گیا، پھر ان کے شک اور انکار پر ملامت ہے ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ ﴾ پھر ان کے انکار والے قول کی نقل ہے۔ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ پھر اس انکار پر ڈرایا گیا ہے ﴿ قُلْ سِيْرُوْا ﴾ پھر اس انکار پر آپ کو تسلی ہے ﴿ وَلَا تَحْزَنْ ﴾ پھر اس ڈرانے سے متعلق ان کے ایک شبہ کا جواب ہے۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ الخ پھر ڈرانے کی تاکید ہے ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ ﴾ الخ جیسا کہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہوگا۔

آخرت اور اس سے متعلق امور کی بحث:

(یہ لوگ جو قیامت کا وقت نہ بتانے سے اس کے واقع نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اس کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ (یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ لازم آیا کہ مجھ سے اور تم سے اس تعیین کا علم غائب رہا، تو اس میں اسی کی کیا تخصیص ہے؟ غیب کے بارے میں کلی قاعدہ ہے کہ) اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔ اور اسی وجہ سے ان (مخلوقات) کو یہ خبر (بھی) نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کو تو کسی کے بتائے بغیر سب کچھ خود معلوم ہے اور اس کے سوا کسی کو بھی بتائے بغیر کچھ بھی معلوم نہیں، مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے امور جن کا پہلے سے علم نہیں ہوتا واقع ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ علم کا نہ ہونا واقع نہ ہونے کے لئے لازم نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بعض امور کا غیب رکھنا منظور ہے، تو قیامت کی تعیین بھی انہی امور میں سے ہے اس لئے مخلوق کو اس کا علم نہیں دیا گیا، مگر اس سے واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا، اور یہ تعیین کے ساتھ علم کا نہ ہونا تو سب میں امر مشترک ہے، لیکن ان انکار کرنے والے کافروں میں صرف تعیین کے ساتھ علم کا نہ ہونا ہی نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ) آخرت کے بارے میں (خود) ان کا علم نیست ہو گیا ہے (یعنی انہیں تو قیامت کے واقع ہونے کا بھی علم نہیں، جو اس کے وقت کی تعیین سے بڑھ کر ہے اور مذمت کے قابل بھی ہے کیونکہ آخرت کا علم واجب ہے اور واجب کو چھوڑ دینا مذمت کے قابل ہے) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) یہ لوگ اس (کے واقع ہونے سے) شک میں ہیں (کہ یہ علم نہ ہونے سے بدتر ہے، کیونکہ علم کا نہ ہونا اپنے آپ میں ذہن کے خالی ہونے کو بھی عام ہے، اور شک میں ذہن کے

اس طرف متوجہ ہونے کے باوجود تصدیق کا نہ ہونا ہے) بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) یہ اس سے اندھے ہیں (یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے اس کو مقصود تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح آخرت کی تصدیق کا جو طریقہ ہے یعنی صحیح دلیلیں یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے اس میں غور وفکر نہیں کرتے۔ اس لئے انہیں وہ دلیلیں نظر نہیں آتیں جس سے مطلوب تک پہنچ جانے کی امید ہوتی، اس لئے یہ امر شک سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ شک والا تو بعض اوقات دلیلوں میں غور کر کے شک کو دور کر لیتا ہے اور یہ غور بھی نہیں کرتے، لہٰذا ﴿ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾ یعنی ''دوبارہ کب زندہ کئے جائیں گے؟'' سے بڑھ کر علم کا تدارک ہوا اور اس سے بڑھ کر شک اور اس سے بھی بڑھ کر اندھا ہونا۔ اس طرح یہ انتقالات ترقی کے واسطے ہیں اور بعد والے کی طرف ترقی سے، پہلے والے کی نفی نہیں ہوتی کہ ٹکراؤ کا شبہ ہو، بلکہ ایک اور زیادتی کا اثبات ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ساری صفتیں ثابت ہیں یعنی تعیین کا نہ ہونا بھی، اس تک پہنچنا بھی اور شک بھی اور اندھا ہونا بھی اور چونکہ ہر پہلے والا اپنے بعد والے سے سمجھ کے لحاظ سے عام ہے، لہٰذا اجتماع میں کوئی اشکال نہیں ہے جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے یہ عام وخاص ظاہر ہے اور انکار پر اس برائی کے بعد آگے ان کا ایک قول نقل فرماتے ہیں جس میں ان کا انکار ہے کہ) یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم لوگ اور ہمارے بڑے بھی (مر کر) خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں (محمد ﷺ) سے پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے (کیونکہ تمام نبیوں کا یہ قول مشہور ہے لیکن نہ آج تک ایسا ہوا اور نہ ہی کسی نے یہ بتایا کہ کب ہوگا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) یہ بے سند باتیں ہیں جو پہلے والوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (جب اس کے امکان پر عقلی دلیلیں اور واقع ہونے پر نقلی دلیلیں جگہ جگہ بار بار تمہیں سنا دی گئی ہیں تو تمہیں جھٹلانے سے باز آجانا چاہئے ورنہ جو حال دوسرے جھٹلانے والوں کا ہوا ہے کہ ان پر قہر نازل ہوا وہی تمہارا حال ہوگا اگر ان کی حالت میں شبہ ہو تو) تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا (چنانچہ عذاب کے ذریعہ ہلاکت کے آثار باقی اور نمایاں تھے) اور (اگر ان بلیغ نصیحتوں کے باوجود مخالفت پر اڑے رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں، آپ اس سے تنگ نہ ہوں (کہ دوسرے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے) اور (﴿ قُلْ سِیْرُوْا ﴾ الخ میں اور اس جیسی دوسری آیتوں میں انہیں جو عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے تو چونکہ ان کے دلوں میں تصدیق نہیں ہے اس لئے) یہ لوگ (بے باکی کے ساتھ) یوں کہتے ہیں کہ (عذاب وقہر کا) یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو، اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آلگا ہو اور (اب تک جو دیر ہو رہی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے (اس عام رحمت کی وجہ سے کچھ مہلت دے رکھی ہے) لیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے (کہ تاخیر کو غنیمت سمجھیں۔ اور اس مہلت میں حق طلب کرنے کی کوشش کریں اور اس کو قبول کر لیں کہ عذاب سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو، بلکہ اس کے برعکس اس کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑانے کی غرض سے جلدی

مچاتے ہیں) اور (چونکہ یہ تاخیر مصلحت کی وجہ سے کی جارہی ہے، اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ان افعال پر کبھی سزا ہی نہ ہوگی۔ کیونکہ) آپ کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے، اور جس کا وہ اعلان کرتے ہیں، اور (حق تعالیٰ کو خبر ہونے کے علاوہ سب چیزیں ظاہری طور پر بھی اللہ کے دفتر میں درج ہیں، جس میں صرف انہی کے اعمال کی تخصیص نہیں، بلکہ) آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ چیز نہیں جو واضح کتاب (لوح محفوظ) میں نہ ہو (اور دفتر یہی ہے اور جب اس میں پوشیدہ چیزیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا تو غیر پوشیدہ ظاہری چیزیں تو بدرجۂ اولیٰ موجود ہیں۔ غرض ان کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کو بھی خبر ہے۔ وہ دفتر میں بھی محفوظ ہیں اور خود ان اعمال کا تقاضہ بھی سزا کا۔ اور سزا کے واقع ہونے پر سچی خبریں بھی متفق۔ پھر یہ سمجھنے کی کیا گنجائش ہے کہ سزا نہ ہوگی؟ البتہ دیر کا ہونا ممکن ہے، چنانچہ ان منکروں کو بعض سزائیں دنیا میں ہوئیں، جیسے قحط اور قتل۔ اور بعض برزخ میں ہوں گی کہ یہ سب قریب ہیں اور کچھ آخرت میں ہوں گی۔ اس لئے ردف کے ساتھ لفظ بعض فرمایا)

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝٧٦ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٧٧﴾

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

ربط: چونکہ قیامت کا امکان عقل سے سمجھ میں آنے والا ہے اور اس کے واقع ہونے کی خبریں نقلی و سمعی ہیں یعنی کتابوں میں لکھی ہوئی شکل میں بھی خبر دی گئی ہے اور نبیوں نے بھی بیان کیا ہے اور اوپر اس کے واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے اور خبر کے اثبات کے لئے خبر دینے والے کا سچا ہونا ضروری ہے، اس لئے آگے قرآن کا کہ وہ خبر دینے والا ہے سچ ہونا اس کے معجزہ ہونے کے علاوہ اس کی برکتوں سمیت ثابت فرماتے ہیں۔

قرآن کے حق ہونے کی اور برکتوں کا اثبات:

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (اور پھر ظاہر بھی اس طرح کرتا ہے جس میں بنی اسرائیل کے علماء کو بھی جو ان میں کسی قدر انصاف پسند ہیں، کلام نہیں رہتا، اور علماء کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ان علماء سے اعلم یعنی زیادہ علم رکھنے والا ہونا چاہئے اور اعلم ہونے کے دو طریقے ہیں یا تو خالق سے علوم کا استفادہ کیا ہو یا مخلوق سے۔ اور رسول اللہ ﷺ میں دوسری بات کی تو یقیناً نفی ہے چنانچہ اس احتمال کا اظہار کسی مخالف نے بھی نہیں کیا تھا، لہٰذا لازمی طور پر پہلی بات متعین ہوگئی۔ لہٰذا آپ کا صاحب وحی ہونا اور قرآن کا وحی ہونا ثابت ہوگیا۔ اور وحی کا سچ ہونا یقینی ہے لہٰذا قرآن کا سچ ہونا ثابت ہوگیا جو قیامت کی خبر دینے والا ہے اور اس سے

قیامت کا واقع ہونا ثابت ہوگیا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی مطلوب ہے۔ اور قرآن کے معجزہ ہونے کی دلیل اس کے علاوہ ہے، لہٰذا مذکورہ اختلاف کا دور ہونا معنی کی طرف راجع ہے اور معجزہ ہونا اس کے نظم کی طرف راجع ہے، اور معجزہ ہونے سے بلاواسطہ استدلال کرنا علم بلاغت جاننے والوں کے ساتھ خاص ہے اگرچہ علم بلاغت کے ماہرین کے عاجز ہونے کو دیکھ کر وہ استدلال عام ہوجاتا ہے اور اختلاف دور ہونے سے استدلال اپنے آپ میں علم بلاغت کے ماہرین اور اس کو نہ جاننے والوں کے لئے عام ہے۔ اور شاید اسی عام ہونے کے سبب اس جگہ اس استدلال کو اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی ہو) اور (اس کے ظاہری برکت ہونے کی دلیل ہونا تو موافق ومخالف سب کے لئے عام ہے لیکن اگر کسی کو اس کی معنوی برکتیں دیکھنی ہوں تو ایمان لاکر دیکھ لے کہ) یقیناً وہ ایمان والوں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے (ہدایت طاعتوں کے اعتبار سے اور رحمت ثمرات ونتیجوں کے اعتبار سے)

فائدہ: اگرچہ اس آیت سے رسالت کا اثبات بھی صاف ہے لیکن کلام کا موقع ومحل قرآن کے صحیح وسچ ہونے کے اثبات کے لئے اس کے قیامت کے بارے میں خبر دینے کی حیثیت سے ہے۔ لہٰذا مذکورہ حیثیت میں یہ عبارت النص ہے اور رسالت میں مطلق اثبات اشارت النص ہے، اور اس مقام پر تفسیر حقانی میں بنی اسرائیل کے اختلافات دور کرنے کی کئی مثالیں نقل کی ہیں۔ اس میں ملاحظہ کرلی جائیں۔ احقر ماضی میں آنے والی آسمانی کتابوں سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اور قرآن میں جتنے اختلافی امور کا فیصلہ ہے، اگر بنی اسرائیل میں اختلافی امور اس سے کم تھے تو لفظ اکثر اپنے اصل معنی پر ہے۔ ورنہ لفظ اکثر کثیر کے معنی میں ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ‌ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۚ‌ۙ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّكَ عَلَى الۡحَـقِّ الۡمُبِيۡنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۝ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ‌ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝﴾

ترجمہ: بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے۔ سو آپ اللہ پر توکل رکھئے، یقیناً آپ صریح حق پر ہیں۔ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیویں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے رستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ تو صرف اُنہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ مانتے ہیں۔

ربط: اوپر آخرت کی دلیل یعنی قرآن کا صحیح اور ثابت کرنے والا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا تھا کہ کافر انکار سے باز آجائیں اور وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو اس تقاضا حضور ﷺ کا رنجیدہ ہونا تھا، اس لئے آگے آپ کو تسلی ہے جیسا کہ اوپر آیت ﴿وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ﴾ میں بھی یہ مضمون بیان ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

(آپ ان لوگوں کی حالت پر نہ افسوس کیجئے اور نہ ان کی مخالفت کی فکر کیجئے کیونکہ ان کا کام سمجھانے کی حد سے آگے بڑھ گیا ہے۔ اب یہ عقلی اور شرعی فیصلہ کو نہ مانیں گے بلکہ عملی فیصلہ کی ضرورت ہے، جو اللہ کا کام ہے اور) یقینی طور پر آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (وہ عملی) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا (اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دین حق کیا تھا اور باطل کیا تھا، تو ایسے لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے) اور (اس طرح مخالفت کی فکر بھی نہ کیجئے، کیونکہ) وہ زبردست اور علم والا ہے (لہٰذا اس کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس سے کسی کی نقصان پہنچانے کی تدبیر پوشیدہ نہیں، وہ سب کو جانتا ہے اور اپنی قدرت سے سب کو دور کر سکتا ہے) تو (جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے (کہ مدد پر قدرت تو اوپر ثابت ہوئی اور مدد واقع ہونے کی ترجیح اس امر پر ہے کہ) یقیناً آپ کھلے واضح حق (طریقہ) پر ہیں (اور باطل والوں کے مقابلہ میں حق والوں کی مدد کی جاتی ہے، لہٰذا خوف وفکر نہ کیجئے اور چونکہ خوف وفکر کے مقابلہ میں آپ کو رنج زیادہ ہوتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں پھر دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں، خاص طور سے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھانے والے ہیں آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں (مطلب یہ کہ یہ لوگ تو مردوں، بہروں اور اندھوں کے مشابہ ہیں، پھر ان سے ہدایت پانے اور سمجھنے کی امید رکھنا بے کار ہے، جب امید نہ ہوگی تو رنج بھی نہ ہوگا)

فائدہ: اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں، اس کے باوجود کہ یہاں مردوں سے کفار مراد ہیں، مگر تشبیہ اسی صورت میں صحیح ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں، لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مردوں کا دور سے تو نہیں البتہ قریب سے سننا آیا ہے، اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے سننے کی نفی سے نفع دینے والا سننا مراد ہے، اور اس کا قرینہ حدیث سے ٹکراؤ دور کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ کافروں سے سننے کی مطلق نفی کا ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے، البتہ نفع دینے والے سننے کی ضرور نفی تھی، لہٰذا مردوں سے بھی اس کی نفی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے تو بے کار ہے، کیونکہ وہ جہاں ہیں وہ دار العمل یعنی عمل کا میدان نہیں ہے، اور ثواب سے نفع ہونا یا قرآن کی تلاوت سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے۔ مقصود نصیحتوں کا نفع نہ ہونا ہے اور بعض نے جواب دیا ہے کہ مردے میں اصل مردہ جسم ہے وہ نہیں سن سکتا، مگر اس سے روح کے سننے کی نفی لازم نہیں آتی اور سننے کا انکار کرنے والوں نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے ٹکراؤ کو دور کیا ہے۔ واللہ اعلم

ع ۲ ﴿ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝
وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم
بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا
يَنطِقُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ ۝ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ
وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ
كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ۝
وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب وعدہ اُن پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر اُن کو روکا جاوے گا یہاں تک کہ جب حاضر ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماوے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے اور اُن پر وعدہ پورا ہو گیا بوجہ اس کے کہ انھوں نے زیادتیاں کی تھیں۔ سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انھوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اُس میں آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں۔ بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس دن صور میں پھونک ماری جاوے گی۔ سو جتنے آسمان اور زمین میں ہیں، سب گھبرا جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے اور سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے جو شخص نیکی لاوے گا سو اُس شخص کو اس سے بہتر ملے گا اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اُس روز امن میں رہیں گے اور جو شخص بدی لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جاویں گے۔ تم کو تو انہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر ﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ ﴾ الخ میں قیامت کا ذکر تھا، اب پھر اسی کی طرف واپسی ہے اور درمیان میں اس کے تابع کے طور پر دوسرے مضامین آ گئے تھے جن کی مناسبت ربط کے بیان میں بیان ہو چکی ہے۔ چنانچہ پہلے قیامت کی بعض شرطوں کا ذکر ہے ﴿ وَإِذَا وَقَعَ ﴾۔ پھر حشر کے واقع ہونے کا ذکر ہے ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُ ﴾۔ پھر بعث یعنی زندہ

کر کے اٹھائے جانے کے امکان کی ایک دلیل ہے۔ پھر خود قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے ﴿ وَيَوْمَ يُنْفَخُ ﴾۔ پھر جزا و سزا کے طریقہ کا ذکر ہے۔ ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ﴾ الخ

قیامت اور اس کی علامتوں اور واقعات کے ذکر کی طرف واپسی:

اور جب ان (لوگوں) پر (قیامت کا) وعدہ پورا ہونے کو ہوگا (یعنی قیامت کا زمانہ قریب آ پہنچے گا) تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا، کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر (خاص طور سے جو آیتیں قیامت سے متعلق ہیں، ان پر) یقین نہیں کرتے تھے (تو اب قیامت قریب آ پہنچی ہے۔ چنانچہ اس کی ایک علامت میرا ظاہر ہونا ہے، اس سے مقصود کافروں کو ملامت اور حجت لازم کرنا ہے اور چونکہ یہ عادت اور معمول کے خلاف بہت بڑا واقعہ ہوگا اس لئے بے بسی کے ساتھ اس کی تصدیق کریں گے تو اس میں کافروں کے لئے زیادہ برائی ہے کہ نبیوں کو جھٹلاتے رہے اور اب ایک جانور کی تصدیق کر دی، اور چونکہ یہ سورج کے مغرب سے نکلنے کے زمانہ میں ہوگا چاہے اس سے ذرا پہلے یا ذرا بعد، جیسا کہ تفسیر خازن میں مسلم سے نقل کیا ہے، اس لئے وہ تصدیق قبول نہیں کی جائے گی، یہ واقعہ تو قیامت کے قریب کے زمانہ میں ہوگا) اور (پھر قیامت ہی آ جائے گی جس کے واقعات کا ذکر آگے فرماتے ہیں کہ اس دن کو یاد دلایئے) جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے (یعنی گذشتہ امتوں میں سے بھی اور اس امت میں سے بھی) ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر (انہیں حساب کتاب کے مقام کی طرف حساب کے لئے روانہ کیا جائے گا، اور چونکہ بہت بڑی تعداد میں ہوں گے اس لئے) انہیں (چلتے ہوئے پیچھے والوں کے آ کر مل جانے کے لئے) روکا جائے گا (یعنی تاکہ آگے پیچھے نہ رہیں، سب ساتھ مل کر مقررہ مقام کے لئے چلیں۔ یہ کثرت کی طرف اشارہ ہے کہ زیادہ بڑی تعداد ساتھ ہونے میں ایسا ہوتا ہے چاہے روک ٹوک ہو یا نہ ہو) یہاں تک کہ جب چلتے چلتے مقررہ مقام پر جمع ہو جائیں گے تو (حساب شروع ہوگا اور) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ حالانکہ تم ان کو اپنے علمی دائرے میں بھی نہیں لائے (جس کے بعد غور کرنے کا موقع ملتا اور غور کر کے اس پر رائے قائم کرتے۔ مطلب یہ کہ سنتے ہی بغیر غور وفکر کئے انہیں جھٹلا دیا اور صرف جھٹلایا ہی نہیں) بلکہ (یاد تو کرو، اس کے علاوہ) اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے (جیسے نبیوں کو اور ایمان والوں کو تکلیفیں پہنچائیں جو جھٹلانے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی طرح دوسرے کفر والے عقیدے اور فسق والے اعمال میں مبتلا رہے) اور (اب وہ وقت ہے کہ) ان پر (جرم قائم ہونے کی وجہ سے عذاب کا) وعدہ پورا ہو گیا یعنی سزا کا مستحق ہونا ثابت ہو گیا) اس وجہ سے کہ انہوں نے (دنیا میں (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں (جن کا ظہور آج ثابت ہو گیا) تو (چونکہ ثبوت قوی ہے، اس لئے) وہ لوگ (عذر وغیرہ سے متعلق) بات بھی نہ کر سکیں گے (اور بعض آیتوں میں جو ان کے

عذر کا ذکر ہے وہ شروع میں ہوگا، پھر حجت قائم ہوجانے کے بعد وہ بول بھی نہ سکیں گے اور یہ لوگ جو قیامت کے امکان کے منکر ہیں تو یہ محض حماقت ہے، کیونکہ ان نقلی دلیلوں کے علاوہ جن کا سچ ہونا ثابت ہوچکا، اس پر عقلی دلیل بھی تو قائم ہے، جیسے) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تا کہ لوگ اس میں آرام کریں (اور یہ آرام موت کی طرح ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں (جو کہ بیداری پر موقوف ہے اور وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی طرح ہے چنانچہ) بلاشبہ اس (روزانہ کے سونے اور جاگنے) میں (مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے امکان پر اور ان آیتوں کے حق ہونے پر جو اس پر دلالت کرتی ہیں) بڑی دلیلیں ہیں (کیونکہ موت کی حقیقت ہے جسم سے روح کا تعلق ختم ہونا اور دوسری زندگی کی حقیقت ہے اس تعلق کا پھر سے قائم ہونا اور نیند بھی ایک لحاظ سے اس تعلق کا ختم ہونا ہے، کیونکہ کمزوری بھی اس چیز کے وجود کے درجوں میں سے کسی درجہ کا زوال ہوتا ہے، اور بیداری اس زائل تعلق کا پھر سے لوٹ آنا ہے، لہٰذا دونوں میں مکمل مشابہت ہوئی اور ایک نظیر کے ساتھ قدرت کا تعلق صاف طور سے دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ تعلق کسی علت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ذات واجب یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا تقاضا ہے، اور قدرت کے محل کا امتناع کسی دلیل سے ثابت نہیں، جبکہ امکان اول تو ظاہر ہے پھر اس کی نظیر کا امکان اس ظاہر ہونے کو اور زیادہ قوی و مضبوط کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ قدرت کے تعلق میں کیا کلام ہے اور چونکہ یہ دلیل عقلی ہے اس لئے ہر شخص کے لئے عام ہے مگر یہ عام ہونا نفع اٹھانے کے اعتبار سے) ان (ہی) لوگوں کے لئے (ہے) جو ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ وہ غور کرتے ہیں اور دوسرے لوگ غور نہیں کرتے، اور نتیجہ نکالنے کے لئے غور و فکر ضروری ہے، اس لئے اس سے دوسرے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے) اور (ایک ہولناک واقعہ اس مذکورہ حشر سے پہلے ہوگا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یعنی اس دن کی ہیبت بھی یاد دلایئے) جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی (یہ نفخہ یعنی پھونک پہلی ہے اور جس حشر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ دوسرے نفخہ یعنی پھونک کے بعد ہوگا) تو جتنے آسمانوں اور زمین میں (فرشتے اور آدمی وغیرہ) ہیں۔ سب گھبرا جائیں گے (اور پھر مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں، ان کی روحیں بے ہوش ہوجائیں گی) سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ (وہ اس گھبراہٹ اور موت سے محفوظ رہے گا، ان سے حدیث مرفوع کے مطابق جبرئیل و میکائیل و اسرافیل اور ملک الموت یعنی موت کا فرشتہ اور وہ فرشتے مراد ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، پھر ان سب کی بھی نفخہ کے اثر کے بغیر وفات ہوجائے گی جیسا کہ سورۃ الزمر میں اور الدر المنثور میں ہے) اور (جیسا کہ دنیا میں عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے، اس سے دور بھاگ جاتے ہیں، وہاں کوئی اللہ تعالیٰ سے نہ بھاگ سکے گا، بلکہ) سب کے سب اسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے (یہاں تک کہ زندے مردہ اور مردے بے ہوش ہوجائیں گے) اور (نفخہ سے یہ تبدیلی اور تاثیر جانداروں میں ہوگی اور آگے اس تاثیر کا بیان ہے جو بے جان چیزوں میں ہوگی، وہ یہ کہ اے مخاطب!) تم (اس وقت) پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہے ہو جس سے (ان کے ظاہری استحکام کے سبب پہلی نظر میں) تمہیں خیال ہوتا ہے کہ یہ (ہمیشہ یوں ہی رہیں گے اور کبھی اپنی جگہ سے)

حرکت نہ کریں گے۔ حالانکہ (اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی کہ) وہ بادلوں کی طرح ہلکے پھلکے ہوکر اور گھلے ہوئے اجزا کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں) اڑتے پھریں گے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴾ اور اس بارے میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی بھاری اور سخت چیز کا یہ حال کیسے ہوجائے گا۔ کیونکہ) یہ اللہ کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے (اور ابتدا میں کسی چیز میں کوئی مضبوطی نہ تھی، کیونکہ خود وہ چیز ہی نہ تھی لہٰذا اس کی صفت تو بدرجۂ اولیٰ نہ تھی تو جس طرح اس نے اس کو جس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا وجود بخشا اور کمزور کو طاقتور بنایا۔ اسی طرح اس کا الٹا بھی کرسکتا ہے، کیونکہ ذاتی قدرت کا تعلق تمام اشیا کے ساتھ ایک ہی جیسا ہے خاص طور سے نظر آنے والی چیزوں کی مثال تو اور بھی زیادہ واضح ہے۔ اس طرح دوسری قوتوں والی مخلوقات آسمان وزمین میں زبردست تبدیلی ہونے کا ذکر دوسری آیتوں میں ہے ﴿ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ ﴾ الخ پھر اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے روحیں ہوش میں آکر اپنے بدنوں سے متعلق ہوجائیں گی۔ اور ساری دنیا پھر سے نئے سرے سے پیدا ہوکر درست ہوجائے گی۔ اور اوپر جو حشر کا ذکر تھا وہ اسی دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا، آگے قیامت کے اصل مقصود یعنی جزا وسزا کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کی تمہید کے طور پر ارشاد ہے کہ) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے افعال کی پوری خبر ہے (جو جزا وسزا کے لئے سب سے عظیم شرط ہے اور دوسری شرطیں قدرت وغیرہ بھی مستقل (دلیلوں سے) ثابت ہیں۔ لہٰذا جزا وسزا کا ممکن ہونا تو اس سے ظاہر ہے اور پھر حکمت کا تقاضہ ہے اس کا واقع ہونا، لہٰذا جزا وسزا کا واقع ہونا ثابت ہوگیا۔ چنانچہ تمہید کے بعد آگے اس کا واقع ہونا اس کے قانون اور طریقہ سمیت بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لائے گا تو (وہ ایمان لانے پر جس اجر کا مستحق ہوگا) اس شخص کو اس (نیکی کے مذکورہ اجر) سے بہتر (اجر) ملے گا اور وہ لوگ اس دن بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے (جیسا کہ سورۂ انبیاء میں ہے ﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ﴾ الخ) اور جو شخص بدی (یعنی کفر وشرک) لائے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں تو انہی اعمال کی سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے (یہ عذاب بلاوجہ نہیں ہورہا ہے)

فائدہ: ﴿ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ یعنی زمین سے نکلنے والے جانور سے متعلق در منثور اور روح المعانی میں مرفوع اور موقوف روایتیں کثرت سے نقل کی گئی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب قسم کا پیدا کیا ہوا جانور ہوگا۔ جو مکہ مکرمہ میں قیامت کے قریب نکلے گا، اور انسانوں کی طرح باتیں کرے گا۔ اور لفظ ﴿ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تولّد یعنی پیدا ہونے کے طریقہ پر ظاہر ہوگا، توالد یعنی کسی دوسرے جانور سے نسل کے طور پر نہیں۔ کیونکہ ظاہر میں ﴿ مِّنَ الْاَرْضِ، اَخْرَجْنَا ﴾ سے متعلق ہے اور رات ودن کی تبدیلی سے جو بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے امکان پر استدلال کے بعد لفظ لآیات جمع فرمایا ہے۔ حالانکہ بظاہر دلیل واحد ہے تو ایسا یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن پر دلالت کی جارہی ہے وہ

کئی ہیں، جیسے بعث کا امکان بعد سے متعلق آیتوں کا سچا ہونا۔ جیسا کہ ترجمہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے تو گویا ہر مدلول یعنی جن پر دلالت کی جا رہی ہے ان کے اعتبار سے ایک ایک دلیل ہے یا پھر دلیل کے عظیم ہونے کی وجہ سے اپنے آپ میں کئی دلیلوں کے برابر ہے۔

اور صور پھونکے جانے کی گنتی میں مختلف اقوال ہیں: لیکن آیتوں میں ایک سے زیادہ کئی نفخہ صور ہونے کی تو نص ہے لیکن گنتی کی صراحت نہیں ہے اس لئے کم سے کم دو تو یقینی ہیں اور نفخوں سے متعلق جو واقعات آئے ہیں وہ سب دو نفخوں میں صادق آسکتے ہیں، اس لئے تین چار ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ نقلی اور نہ عقلی۔ واللہ اعلم

اور ان آیتوں میں ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ پہلے فزع الخ یعنی گھبرانے میں سب کے لئے گھبراہٹ ثابت کی گئی، پھر ﴿مِّن فَزَعٍ﴾ الخ میں ایمان والوں سے اس کی نفی کی گئی ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اثبات کرنے والا فزع اور ہے اور نفی کرنے والا فزع اور ہے، پہلا فزع پہلے نفخہ کے وقت ہے اور اس کی حقیقت طبعی ہے اور اس کا اثر موت ہے اور دوسرا فزع دوسرے نفخہ کے بعد ہے اور اس کی حقیقت ہمیشہ کے عذاب سے گھبراہٹ ہے جس کی ہر مومن سے نفی ہے۔ چاہے مطلق گھبراہٹ پائی جائے اور آیت میں ﴿مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ کی طرح ہی ایک اور آیت سورۃ الانعام نمبر ۶۰ آئی ہے، وہاں اس کی تفسیر کے ذیل میں بعض ضروری مضامین ملاحظہ کئے جائیں۔

﴿إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا۟ ٱلْقُرْءَانَ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾﴾ ع ۲

ترجمہ: مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور سب چیزیں اُسی کی ہیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور یہ کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں۔ سو جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آوے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھلا دے گا، سو تم اُن کو پہچانو گے اور آپ کا رب اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

توحید رسالت اور آخرت کی بحثوں کی تلخیص:

(اے محمد ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب (حقیقی مالک) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے (کہ حرم ہونا اسی احترام کا نتیجہ ہے، مطلب یہ کہ عبادت میں شرک

سے دور رہوں جیسا کہ اب تک دور رہوں) اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جب کہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملکیت) ہیں اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ میں (عقائد و اعمال سب میں) فرماں بردار رہوں (یہ تو توحید ہوئی) اور (مجھے) یہ (بھی حکم ملا ہے) کہ میں (تمہیں) قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں (یعنی احکام کی تبلیغ کروں جو نبوت کے لئے لازم ہے) تو (میری تبلیغ کے بعد) جو شخص ہدایت اختیار کرے گا، وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت اختیار کرے گا (یعنی اسے اجر، ثواب اور نجات حاصل ہوگی میں اس سے کسی مال یا عزت و مرتبہ کا نفع نہیں چاہتا) اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میں تو صرف ڈرانے والے (یعنی حکم سنانے والے) رسولوں میں سے ہوں (یعنی میرا کام صرف حکم پہنچانا ہے تو پہنچا کر ذمہ داری سے آزاد ہو جاؤں گا، پھر نہ ماننے کا وبال تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ مطلب یہ کہ میں رسول ہوں اور تم سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔ یہ رسالت کا مسئلہ ہو گیا) اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (تم جو قیامت کا اس بنیاد پر انکار کرتے ہو کہ وہ اب تک واقع نہیں ہوئی۔ اگر قیامت ہے تو اسے واقع کرو جیسا کہ جگہ جگہ کافروں کے جلدی مچانے کا ذکر ہے۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے، کیونکہ واقع نہ ہونا مطلق واقع نہ ہونے کے لئے لازم نہیں ہے اور مجھ سے واقع کرنے کی درخواست کرنا بالکل بے کار ہے، کیونکہ میں نے تو کبھی بھی اس کی قدرت کا وعدہ نہیں کیا، بلکہ) سب خوبیاں صرف اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں (قدرت بھی، علم بھی، حکمت بھی تو اپنے علم کے مطابق اپنی قدرت سے جب حکمت کا تقاضا ہوگا۔ وہ قیامت واقع کر دے گا۔ البتہ مختصر انداز میں اس قدر معلوم ہے کہ قیامت قریب ہے، اس کے آنے میں بہت زیادہ مدت نہیں ہے، بلکہ) وہ تمہیں جلدی ہی اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھادے گا، تو تم (واقع ہونے کے وقت) انہیں پہچانو گے (اور اب انکار کر رہے ہو) اور (صرف دکھانے پر ہی کفایت نہ کی جائے گی بلکہ تمہیں اپنے اعمال کے مطابق بھگتنا بھی پڑے گا، کیونکہ) آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم سب لوگ کر رہے ہو (لہٰذا رسولوں اور مؤمنوں کو جزا اور کافروں کو سزا دے گا، یہ قیامت کا بیان ہو گیا)

فائدہ: چنانچہ خاتمہ میں سورت کے تمام مضامین مختصر انداز میں آگئے۔ سچ ہے: **أحسن الکلام و أبلغ النظام کلام اللہ الملک العزیز العلام**: یعنی سب سے بہتر کلام اور سب سے بلیغ نظام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور حرم کے ضروری احکام سورۂ آلِ عمران آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ کے تحت اور بعض سورۂ مائدہ آیت ۲ اور بعض آیت ۹۵ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور واقعات کو آیات یا تو اس اعتبار سے فرمایا کہ وہ قدرت کی علامتیں ہیں یا اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تصدیق کرنے والی ہیں تو ان کا مشاہدہ آیتوں کے سچ ہونے کا مشاہدہ ہے۔

﴿اللہ کا شکر ہے اس نے سورۃ النمل کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، ہجری سال ۱۴۲۴ کے ختم پر﴾

اللّٰھم وفقنا لکل خیر، وجنبنا من کل ضیر (آمین)

(۲۸) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (۴۹) ایاتہا ۸۸ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿ طٰسٓمٓ ﴾ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔

ربط: قرآن کے برحق ہونے سے شروع کر کے جو کہ تمہید کے طور پر ہے۔ سورت کے آدھے تک پر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور سورت کے ختم کے قریب قارون کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے گذشتہ سورت کے خاتمہ کے جملہ ﴿ وَمَنْ ضَلَّ ﴾ الخ کے مدلول پر یعنی جس پر دلالت کی گئی ہے، ایک لحاظ سے استدلال بھی ہے جو دونوں کے درمیان ربط کا ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اور دونوں قصوں کے درمیان میں ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے مضمون کی مناسبت سے محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات ہے اور اس کے بعد رسالت کی تصدیق کرنے والوں کی مدح وتعریف اور رسالت کو جھٹلانے والوں کی مذمت و برائی ہے۔ اس کے بعد آخرت کا مضمون اور اس کے ساتھ شرک کی مذمت اور توحید کی دلیلیں ہیں۔ اور پھر آخرت کے ذکر کے ساتھ شرک کی مذمت کا بیان ہے اور پھر قارون کے قصہ میں جو جملہ ﴿ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ ﴾ ہے ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ﴾ سے اس کی وضاحت وتائید ہے اور پھر خاتمہ میں یعنی ﴿ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ ﴾ سے آخر تک انتہائی بلاغت واختصار کے ساتھ رسالت اور توحید اور بعث یعنی قیامت کے دن اٹھائے جانے کو خلاصہ کے طور پر دہرایا ہے۔ اور رسالت کے مضمون کے ساتھ آپ کو تسلی اور توحید کے مضمون کے ساتھ تمام ممکن اشیا کے وجود کی کمزوری اور بعث کے مضمون کے ساتھ جزا وسزا کا بیان ہے۔ واللہ أعلم بأسرار کلامہ۔

قرآن کے برحق ہونے سے ابتداء:

﴿ طٰسٓمٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) واضح کتاب (یعنی جس کے معنی واضح ہیں، یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

﴿ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ (بالاختصار)

(جن میں سے اس مقام پر) ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں، ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ قصوں کے مقاصد یعنی عبرت اور نبوت پر استدلال وغیرہ مؤمنوں ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ چاہے وہ حقیقت میں مؤمن ہوں یا اس اعتبار سے کہ بعد میں ایمان لانے کی امید ہو کہ وہ [1] ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: فرعون سرزمین مصر میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ اُن میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، اُن کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم اُن پر احسان کریں اور اُن کو پیشوا بنا دیں اور اُن کو مالک بنائیں اور اُن کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اُن کے تابعین کو اُن کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

بالاختصار واقعہ:

(اور یہ قصہ مختصر طور پر تو یہ ہے کہ) فرعون (کا دماغ مصر کی) زمین میں بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا (اس طرح کہ قبطیوں کو معزز بنا کر رکھا تھا اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو ذلیل اور پس ماندہ بنا رکھا تھا، جس کا آگے بیان ہے) کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح کہ) ان کے بیٹوں کو (جو نئے پیدا ہوتے تھے، جلادوں کے ہاتھوں) ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا (تاکہ ان سے خدمت لی جائے، اور اس لئے بھی کہ ان سے کوئی اندیشہ بھی نہیں تھا)

(۱) یعنی حقیقت میں ارادہ رکھتے ہوں یا حکمی طور پر۔ حقیقتاً ارادہ کے معنی تو ظاہر ہیں اور حکمی طور پر ارادہ سے مراد یہ ہے کہ ان کا کفر، حق واضح نہ ہونے کی بنا پر ہو نہ کہ ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر اور اس کے ساتھ وہ حق کے طالب بھی ہوں اور چونکہ ایسے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر ان پر حق واضح ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں، اس لئے انہیں حکمی طور پر ایمان کا ارادہ رکھنے والا کہہ دیا گیا کیونکہ حق واضح ہونے کے بعد طلب یقینی ہے۔

واقعی وہ بڑا مفسد (فساد پھیلانے والا) تھا (غرض فرعون اس خیال میں تھا) اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا (مصر کی) زمین میں زور گھٹایا جارہا تھا، ہم ان پر (دنیاوی) اور (دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) انہیں (دنیا میں) پیشوا بنادیں اور (دنیا میں) انہیں (ملک کا) مالک بنائیں اور (مالک ہونے کے ساتھ) انہیں (بادشاہ بھی بنائیں یعنی انہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کی اتباع کرنے والوں کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھائیں جن سے وہ بچاؤ کررہے تھے (اس سے سلطنت کا زوال اور ہلاکت مراد ہے کہ اس سے بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ایک خواب کی تعبیر کی بنیاد پر جو فرعون نے دیکھا تھا، اور نجومیوں نے تعبیر دی تھی، قتل کررہا تھا۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ چنانچہ ہمارے قضا وقدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی (یہ قصہ کا مختصر انداز میں بیان ہوا)

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ
اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ
عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ
بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى
اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو اُن کی نسبت اندیشہ ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا۔ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے اور ان کو پیغمبر بنادیں گے تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اُن کے تابعین بہت چوکے اور فرعون کی بی بی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو خبر نہ تھی اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ یقین کئے رہیں۔ انھوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا۔ سو انھوں نے موسیٰ کو دُور سے دیکھا اور اُن لوگوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلائیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ

کی پرورش کریں اور وہ اُن کی خیر خواہی کریں۔ غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

قصہ کی تفصیل:

(اور اس قصہ کی تفصیل شروع سے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اسی فتنوں بھرے زمانہ میں پیدا ہوئے) تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ (جب تک انہیں چھپا کر رکھنا ممکن ہو، تم انہیں دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں ان کے بارے میں (جاسوسوں کو معلوم ہو جانے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف وخطر) انہیں (ایک صندوق میں رکھ کر) دریا (یعنی نیل) میں ڈال دینا، اور نہ تو (ان کے ڈوب جانے کا) کوئی اندیشہ کرنا اور نہ (ان کے جدا ہو جانے پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور انہیں پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) انہیں رسول بنا دیں گے (غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں۔ پھر جب راز کے کھل جانے کا خوف ہوا تو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کا نام لے کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریح کے طور پر فرعون سے متعلق لوگ دریا کی سیر کو نکلے تھے، غرض وہ صندوق دریا کے کنارہ پر آ لگا) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (یعنی صندوق سمیت) اٹھا لیا۔ تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمنی اور غم کا سبب بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ بہت چوکے (کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں لے کر پالا) اور (جب وہ صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لائے گئے تو) فرعون کی بیوی (حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا) نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی اس کو دیکھ کر ہمارا دل خوش ہوا کرے گا، اس لئے) اس کو قتل مت کرو، عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے (اپنا) بیٹا ہی بنا لیں۔ اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی (کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں سے فرعون کی سلطنت تباہ و برباد ہوگی) اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل (طرح طرح کے خیالات کے ہجوم کی وجہ سے) بے قرار ہو گیا (اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ) قریب تھا کہ (انتہائی بے قراری کی وجہ سے) وہ موسیٰ (علیہ السلام) کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہتے کہ یہ ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں (غرض بڑی مشکل سے انھوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی۔ وہ یہ کہ) انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن (یعنی اپنی بیٹی سے) کہا کہ ذرا موسیٰ کا پتہ تو لگاؤ تو (وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق شاہی محل میں لے جا کر کھول لیا گیا ہے، فرعون کے محل میں پہنچ گئیں یا تو کسی وجہ سے ان کا وہاں پہلے سے آنا جانا ہو گا یا کسی حیلہ سے پہنچ گئیں اور انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی (کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس کی تلاش اور فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے (یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے) موسیٰ (علیہ

السلام) پر دودھ پلانے والیوں کی پابندی لگا رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہیں پیتے تھے) تو وہ (اس حال کو سن کر موقع پا کر) کہنے لگیں: کیا میں تمہیں ایسے گھرانہ کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں، اور وہ (اپنی فطرت وعادت کے مطابق دل سے) اس کی خیر خواہی کریں (ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانا مشکل ہو رہا تھا، اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانہ کا پتہ پوچھا، انھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کی گود میں جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا، اور آپ کی والدہ ان لوگوں کی اجازت سے اطمینان کے ساتھ آپ کو اپنے گھر لے آئیں کہ کبھی کبھی لے جا کر انہیں دکھالاتیں) غرض ہم نے موسیٰ (علیہ السلا کو اس طرح اپنے وعدے کے مطابق) ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا، تا کہ (اپنی اولاد کو دیکھ کر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ وہ (جدائی کے) غم میں نہ رہیں اور تا کہ (معائنہ کے مرتبہ میں یعنی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر) اس بات کو (اور زیادہ یقین کے ساتھ) جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے، لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اس کا) یقین نہیں رکھتے (یہ کافروں پر ایک طنز ہے)

فائدہ: بیٹوں کو قتل کرنے کے قانون کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کی وجہ سورۂ طٰہٰ میں گذر چکی ہے۔ ﴿ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ﴾ کہ انہیں جو شخص بھی دیکھتا تھا اسے بے اختیار پیار آتا تھا، اور جس اندیشہ سے یہ قانون بنایا تھا اس کے بارے میں اول تو بچہ کا بنی اسرائیل سے ہونا ان کے نزدیک یقینی نہیں بلکہ صرف ایک خیال تھا، جن کی طرف سے اندیشہ تھا۔ دوسرے اپنے دل کو سمجھا لیا ہوگا کہ جب ہمارا پالا ہوا ہوگا تو ہمارا مخالف اور دشمن کیوں ہوگا؟ یہ خبر نہ تھی کہ خود تو ہمارا مخالف نہ ہوگا، مگر اس ذات جل شانہ کا موافق وفرماں بردار ہوگا جو تمام صفتوں کا جامع ہے جس کے ہم ناحق مخالف ہیں۔ وہ فرماں برداری وموافقت ہمارے ساتھ مخالفت کا سبب ہوگی، اور حق ہوگی۔

اور درمنثور میں ابن جریج سے روایت ہے کہ هم له ناصحون سے فرعون کے لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ لڑکی اس بچہ کو پہچانتی ہے تو انھوں نے مجبور کیا کہ بتاؤ یہ کس کا بچہ ہے ورنہ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ وہ اس کی خیر خواہی کریں گے تو انھوں نے فوراً ذہانت کے ساتھ جواب دیدیا کہ "لَهُ" کی ضمیر سے اشارہ بادشاہ کی طرف ہے، یعنی وہ لوگ سرکار کے خیر خواہ ہیں۔ اس کو علم بدیع میں موجہ کہتے ہیں، دوسرا جواب وہ ہو سکتا ہے جس کی طرف احقر نے ترجمہ میں اس فقرہ سے اشارہ کیا ہے کہ 'اپنی فطرت اور عادت کے مطابق"

اور درمنثور میں مرفوع وموقوف روایتوں میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دودھ پلانے پر اجرت لینا بھی نقل کیا گیا ہے جس پر شبہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کو دودھ پلانا اور پالنا تو واجب ہے پھر واجب پر اجرت لینا کہاں جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید اس شریعت کا یہ حکم نہ ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا جائز ہے، چاہے کسی بھی طریقہ سے ہو۔ تیسرا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت کسی شریعت کا وجود تحقیقی طور پر نہیں پایا جاتا تھا، اس لئے اپنی رائے سے ایسا کیا ہو جو شریعت سے پہلے ملامت کا سبب نہیں۔ یہ مذکورہ شبہ کے جواب تھے، باقی اس میں مصلحت یہ

معلوم ہوتی ہے کہ اجرت نہ لینے میں یہ شبہ ہوتا کہ ماں کی شفقت کی وجہ سے ایسا کر رہی ہیں، لہٰذا انہی کا بیٹا ہے۔

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ
عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٧﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ
خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾
فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا
بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ وَجَاۗءَ
رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢١﴾﴾ ۲ ع ۸ ۵

ترجمہ: اور جب اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور درست ہو گئے ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکو کاروں کو یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا تو ایک ان کی برادری کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جو اُن کی برادری کا تھا اُس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ اُن کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اُس کو گھونسا مارا سو اُس کا کام ہی تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی۔ بیشک شیطان کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے، سو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔ پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے امداد چاہی وہ پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ اُس سے فرمانے لگے: بیشک تو صریح بدراہ ہے۔ سو جب موسیٰ نے اُس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ (اسرائیلی) کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے۔ اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑے ہوئے آئے۔ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ سو آپ چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔ پس موسیٰ وہاں سے نکل گئے، خوف اور وحشت کی حالت میں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو ان ظالموں سے بچا لیجئے۔

قصہ کا باقی حصہ:

اور جب (پرورش پا کر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (جسمانی و عقلی قوت سے) درست ہو گئے، ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا (یعنی نبوت سے پہلے ہی صحیح سمجھ اور عقلمندی عطا فرمائی جس سے اچھائی اور برائی میں فرق کر سکیں) اور ہم نیک لوگوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (یعنی نیک عمل سے علمی فیضان میں ترقی ہوتی ہے۔ اس میں ایک بات کا اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مشرب کو کبھی بھی اختیار نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے بیزار ہی رہے) اور اس زمانہ میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن) موسیٰ (علیہ السلام) شہر (یعنی مصر میں جیسا کہ الروح میں ابن اسحاق سے روایت ہے، کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے تھے، اکثر روایتوں سے یہ دوپہر کا وقت معلوم ہوتا ہے اور بعض روایتوں سے کچھ رات گئے کا وقت معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفوں (یعنی فرعون سے متعلق ملازموں) میں سے تھا (دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور زیادتی اس فرعونی کی تھی) تو جو شخص ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے) اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفوں میں سے تھا مدد چاہی (موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس کو سمجھایا جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا) تو موسیٰ (علیہ السلام نے اسے ظلم سے باز رکھنے کی غرض سے) اسے (ایک) گھونسا مارا، تو اس کا کام ہی تمام کر دیا (یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا) موسیٰ (علیہ السلام امید کے خلاف اس نتیجہ سے بہت پچھتائے اور) کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی، بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا دشمن ہے، غلطی میں ڈال دیتا ہے (اور نادم ہو کر حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا، آپ معاف کر دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے (اگرچہ اس معافی کا ظہور اور علم قطعی طور پر نبوت عطا ہونے کے وقت ہوا، جیسا کہ سورۃ النمل میں ہے ﴿ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور اس وقت چاہے الہام سے معلوم ہو گیا ہو یا بالکل نہ معلوم ہوا ہو) موسیٰ (علیہ السلام) نے ماضی سے توبہ کے ساتھ مستقبل سے متعلق یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعام فرمائے ہیں (جن کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہے ﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴾ سے ﴿ وَلَا تَحْزَنَ ﴾ تک) تو میں کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا (یہاں مجرموں سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ کسی سے گناہ کرانا بھی جرم ہے، لہٰذا اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے، چاہے جان بوجھ کر یا غلطی سے جیسے اس آیت میں ہے ﴿ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴾ یعنی شیطان کے لئے۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان کا کہنا کبھی نہ مانوں گا یعنی جن موقعوں میں خطا کا احتمال ہوگا، ان میں احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر کام کروں گا۔

اور اصل مقصود اتنا ہی ہے مگر حکم کو شامل کرنے کے لئے لفظ مجرمین جمع لایا گیا، کہ اوروں کو بھی عام ہو جائے، غرض اس دوران اس قتل کا چرچا ہو گیا مگر اسرائیلی کے سوا کوئی اور اس راز سے واقف نہیں تھا، اور چونکہ اس کی حمایت کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا تھا، اس لئے اس نے اظہار نہیں کیا، اس وجہ سے قتل کرنے والے کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چلا مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا یہاں تک کہ رات گذر گئی) پھر موسیٰ (علیہ السلام) کو شہر میں صبح ہوئی، خوف اور وحشت کی حالت میں، کہ اچانک (کیا دیکھتے ہیں کہ) وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے (کہ کسی اور سے الجھ پڑا تھا) موسیٰ (علیہ السلام) نے (یہ دیکھ کر اور کل کا واقعہ یاد کر کے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور) اس سے فرمانے لگے: بے شک تو کھلا بہکا ہوا (آدمی) ہے (کہ روز لوگوں سے لڑتا رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو قرائن سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کی طرف سے بھی کوئی بات ہوئی ہے، لیکن فرعونی کی زیادتی دیکھ کر اس کو روکنے کا ارادہ کیا) تو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا (اس سے فرعونی مراد ہے کہ وہ اسرائیلی کا بھی مخالف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ کیونکہ خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں، اور وہ لوگ سب بنی اسرائیل کے مخالف تھے، چاہے متعین طور پر موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی نہ سمجھا ہو اور یا موسیٰ علیہ السلام چونکہ فرعون کے طریقہ سے بیزار تھے اور یہ بات مشہور ہو گئی ہو اس لئے فرعون والے ان کے مخالف ہو گئے ہوں۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو چونکہ اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے اس لئے اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ شاید آج میری پکڑ کریں گے، تو گھبرا کر) وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا (آج) مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) تم دنیا میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور صلح (وملاپ) کرانا نہیں چاہتے (یہ بات اس فرعونی نے سنی تو جہاں قاتل کی تلاش ہو رہی تھی، اتنا سراغ لگ جانا بہت تھا، فوراً فرعون کو خبر پہنچادی۔ فرعون کو اپنے آدمی کے مارے جانے پر پہلے ہی غصہ تھا، یہ سن کر پریشان ہو گیا اور شاید اس کا وہ خواب کا اندیشہ قوی ہو گیا ہو کہ کہیں وہ شخص یہی نہ ہو، خاص طور سے اگر اسے یہ بھی معلوم ہو کہ موسیٰ علیہ السلام فرعونی طریقہ پسند نہیں کرتے تو کچھ عداوت اس وجہ سے ہو گی، اس پر مزید یہ واقعہ ہو گیا، بہر حال اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ ہو گیا) اور (اس مجمع میں) ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے والا اور خیر خواہ تھا، وہ) شہر کے (اس) کنارہ سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا، نزدیک کی گلیوں سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس) دوڑے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ! دربار والے آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں تو آپ (یہاں سے) نکل جائیے، میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں، پس (یہ سن کر) موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے خوف و وحشت کی حالت میں (کسی طرف کو) نکل گئے، (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا، دعا کے طور پر) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں سے بچا لیجئے (اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے)

فائدہ: اس فرعونی کا قتل اس کے حربی ہونے کی وجہ سے مباح تھا اور یہ بندہ کا حق نہیں تھا، جیسا کہ سورۂ النمل آیت ۱۴

کے بعد تفسیر میں بیان ہوا اور قتل عمد نہیں قتل خطا یعنی غلطی سے ہو جانے والا قتل تھا۔ اور مقصود اس کو ظلم سے روکنا تھا، لیکن اولیٰ کے خلاف عمل کو کمال خوف سے گناہ سمجھا۔ بہتر یہ تھا کہ زیادہ زور سے گھونسا نہ مارا جاتا۔ اور نبیوں پر شیطان کا تصرف ہونے نہ ہونے کے بارے میں سورۂ کہف آیت ۶۳ خضر علیہ السلام کے قصہ میں ﴿ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ ﴾ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غیر معصیت کا کام اس کے تصرف سے ہو جائے تو کوئی عذر لازم نہیں آتا، اور یہ امر غیر معصیت کا تھا۔

﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڎ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَي اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڐ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰـنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ﯨ ﴾ ع

ترجمہ: اور جب موسیٰ مدین کی طرف ہو لئے کہنے لگے کہ اُمید ہے میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ چلا دے گا اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو اُس پر آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور اُن لوگوں سے ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے پوچھا: تمہارا کیا مطلب ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر ہٹا کر نہ لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ پس موسیٰ نے اُن کے لئے پانی پلایا پھر ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں، میں اُس کا حاجت مند ہوں۔ سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی۔ کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اُس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا۔ سو جب اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے تمام حال بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان! آپ اُن کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط امانت دار ہو۔ وہ کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔ پھر اگر تم دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے ہے اور میں تم پر کوئی مشقت ڈالنا

نہیں چاہتا۔ تم مجھ کو ان شاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی اُن دونوں مدتوں میں سے جس کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو بات چیت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے۔

باقی قصہ:

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) یہ دعا کرنے کے بعد ایک سمت کو اللہ پر بھروسہ کر کے چلے اور غیبی اشارہ سے) مدین کی طرف ہو لئے (چونکہ راستہ معلوم نہیں تھا، اس لئے دل کی تسلی، تقویت اور بھروسہ کے لئے آپ ہی آپ) کہنے لگے کہ امید ہے میرا رب مجھے (کسی امن کی جگہ کے) سیدھے راستہ پر چلائے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور مدین جا پہنچے) اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا (جو اس کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (کچھ فاصلہ پر) دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک کہ یہ چرواہے (جو کنویں پر پانی پلا رہے ہیں پانی پلانے کے بعد) ہٹا کر نہ لے جائیں (ایک تو شرم وحیا کی وجہ سے دوسرے مردوں سے صنف نازک کہاں ٹکرا سکتی ہے) اور (اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں مگر) ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں ہے اور کام کرنا ضروری ہے، اس مجبوری کی وجہ سے ہمیں آنا پڑتا ہے) تو (یہ سن کر) موسیٰ (علیہ السلام کو ان پر رحم آیا اور انھوں نے) ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلا دیا (اور انہیں انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچا دیا) پھر (وہاں سے) ہٹ کر (ایک) سایہ (کی جگہ) میں جا بیٹھے (چاہے کسی پہاڑ کی چٹان وغیرہ کا سایہ ہو یا کسی درخت کا) پھر (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی (کم یا زیادہ) آپ میرے لئے بھیج دیں، مجھے اس کی (سخت) ضرورت ہے (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہیں ملا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں عورتیں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے ایک لڑکی کو بھیج دیا کہ انہیں بلا کر لے آؤ) موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ایک لڑکی آئی جو شرماتی ہوئی چلتی تھی (جو کہ شریف اور معزز لوگوں کی فطرت ہے۔ وہ آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تمہیں بلا رہے ہیں، تاکہ تمہیں اس کا بدلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا (یہ بات انہیں اپنے والد کی عادت سے معلوم ہوئی ہوگی کہ احسان کا بدلہ چکائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ چل دیئے اگرچہ ان کا مقصود یقینی طور پر بدلہ حاصل کرنا نہیں تھا۔ لیکن امن و پناہ کی جگہ اور وقت کے تقاضے کے مطابق کسی شفقت کرنے والے ساتھی کی تلاش ضرور تھی۔ اور اگر بھوک کی شدت بھی اس کی ایک علت ہو تو کوئی بعید نہیں اور اس کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں، اور میزبانی کی تو درخواست

بھی خاص طور سے ضرورت کے وقت اور خصوصیت کے ساتھ شریف و کریم شخص سے کوئی ذلت کی بات نہیں، کہاں یہ کہ دوسرے کی درخواست پر اس کا قبول کر لینا، راستہ میں موسیٰ علیہ السلام نے ان بی بی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ، میرا تعلق ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہے، اس لئے کسی اجنبی عورت کو بلا وجہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ غرض اس طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے) تو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے سارا حال بیان کیا تو انھوں نے (تسلی دی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ اس مقام پر فرعون کی حکومت نہیں چلتی تھی، جیسا کہ الروح میں ہے، پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان! (آپ کو آدمی کی ضرورت ہے اور ہم بڑی ہوگئی ہیں، اب ہمارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں، گھر میں ہی رہنا مناسب ہے، تو) آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو (اور ان میں دونوں صفتیں ہیں۔ چنانچہ قوت ان کے پانی کھینچنے سے اور امانت ان کے برتاؤ سے خاص طور سے راستہ میں عورت کو پیچھے کر دینے سے ظاہر ہوگئی تھی، اور اپنے والد سے بھی بیان کیا تھا، اس پر) وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں۔ اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو (اور اس نوکری کا بدل وہی نکاح ہے، حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر ہے) پھر اگر تم (دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے (یعنی میری طرف سے جبر نہیں) اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا (یعنی کام لینے اور وقت کی پابندی وغیرہ معاملہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں نرمی و آسانی برتوں گا اور) تم مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ (علیہ السلام رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی، میں ان دونوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو (معاملہ کی) بات کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے (اس کو حاضر و ناظر سمجھ کر عہد پورا کرنا چاہئے)

فائدہ: جو مضامین ترجمہ کے درمیان میں روایت کی قسم کے لکھے ہیں، سب در منثور سے نقل کئے ہیں اور یہ بزرگ شعیب علیہ السلام تھے جیسا کہ الدر میں ابن ماجہ سے مرفوع روایت کے طور پر ہے، اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہونا معلوم ہو گیا تھا، اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شعیب علیہ السلام نے کفو کی تحقیق کیوں نہیں کی؟ اور اس معاہدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسی وقت نکاح ہو گیا ہو، اور نہ ہی ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس نکاح میں کوئی گواہ نہیں تھا، بلکہ اس قول سے جو مقصود تھا، وہ ترجمہ کے بیان سے ظاہر ہے۔

اور معینہ مدت تک مویشیوں کا چرانا، مہر مقرر کیا جانا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے جیسا کہ ردالمختار میں ہے اور اگر یہ بکریاں ان صاحبزادی کی ملکیت تھیں تب تو مہر کا ان کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی ملکیت تھیں تو بالغ لڑکی کی رضامندی سے ایسا معاملہ کرنا اس شریعت میں بھی جائز ہے۔

اور در منثور میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس ہی پورے کئے تھے۔ اور اس قصہ سے بے پردگی کا شبہ نہ کیا

جائے، کیونکہ ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جبکہ وہ اعضاء ڈھکے ہوئے ہوں جن کا پردہ ضروری ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۖ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا
إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا
نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ
الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ
أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿٣١﴾ اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ
وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ۖ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا
قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿٣٣﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ
مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا أَنتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا
الْغَالِبُونَ ﴿٣٥﴾﴾

ترجمہ: غرض جب موسیٰ اُس مدت کو پورا کر چکے اور اپنی بی بی کو لے کر روانہ ہوئے تو اُن کو کوہِ طور کی طرف سے ایک آگ دکھلائی دی۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم سینک لو۔ سو وہ جب اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو اس میدان کے داہنی جانب سے اُس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو۔ سو انھوں نے جب اُس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت۔ تم امن میں ہو۔ تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو۔ وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف کے واسطے اپنا ہاتھ اپنے سے ملا لینا۔ سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے اُن لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا، غالب رہو گے۔

باقی قصہ:

غرض جب موسیٰ (علیہ السلام) اس مدت کو پورا کر چکے اور (شعیب علیہ السلام کی اجازت سے) اپنی بیوی کو لے کر (مصر یا شام کے لئے) روانہ ہوئے تو (ایک رات میں ایسا اتفاق ہوا کہ سردی بھی تھی اور راستہ بھی بھول گئے، اس وقت) انہیں طور پہاڑ کی طرف سے ایک (روشنی کی شکل میں) آگ دکھائی دی۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (راستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دہکتا ہوا) انگارا لے آؤں، تا کہ تم سینک لو۔ تو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس میدان کے داھنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داھنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ انہوں نے ڈال دیا اور وہ سانپ بن کر چلنے لگا) تو انھوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسے پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیٹھ پھیر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو (اور یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں، بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے کہ) تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بغیر کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور (اگر عصا کی تبدیلی کی طرح طبعی طور پر اس معجزہ سے بھی خوف اور حیرت پیدا ہو تو) خوف (دور کرنے) کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان اور بغل) سے (پہلے کی طرح) ملا لینا (تا کہ وہ پھر اصلی حالت پر ہو جائے اور پھر طبعی خوف بھی نہ ہوا کرے) تو یہ (تمہاری نبوت کی) دو نشانیاں (اور دلیلیں) ہیں، تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! (میں جانے کے لئے تیار ہوں، مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے، کیونکہ) میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا، تو مجھے اندیشہ ہے کہ (کہیں پہلے ہی مرحلہ میں) وہ لوگ مجھے قتل کر دیں (کہ تبلیغ بھی نہ ہونے پائے) اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو انہیں بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ (میری بات کی تائید اور) تصدیق (مفصل و مکمل طور سے) کریں (کیونکہ) مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اس کے درباری) مجھے جھٹلائیں (تو اس وقت مناظرہ کی ضرورت ہوگی اور زبانی مناظرہ کے لئے عام حالات میں رواں زبان کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے) ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو مضبوط کئے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور (دوسری درخواست اس طرح منظور ہوئی کہ) ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (وہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر غلبہ نہ ہوگا تو) تم ہمارے معجزے لے کر جاؤ، تم دونوں اور جو تمہاری اتباع کرے گا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔

فائدہ: اس قصہ کے بعض ضروری مضامین سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ نمل میں گذر چکے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ لمبا زمانہ ہونے کی وجہ سے مصر میں چھپ جانے کی امید تھی، لیکن فرعون کے پاس جا کر چھپے رہ جانے کی امید نہیں تھی، اس لئے عذر کیا، اور اگر شام کی طرف جا رہے ہوں تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: غرض جب اُن لوگوں کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا یہ تو محض ایک جادو ہے کہ افترا کیا جاتا ہے اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ نے فرمایا کہ میرا پروردگار اُس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اُس کے پاس لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم دنیا سے اچھا ہونے والا ہے۔ بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے اور فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار! مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان! تم ہمارے لئے مٹی کو آگ میں پکواؤ۔ پھر میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ، تاکہ موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں، اور میں موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں، اور فرعون اور اُس کے تابعین نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ اُن کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے اُس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا، سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے روز کوئی اُن کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

باقی قصہ:

غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری کھلی دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزے دیکھ کر) کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے کہ (خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ پر) گھڑا جاتا ہے (کہ یہ اس کی طرف سے معجزے اور رسالت کی دلیلیں

ہیں) اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ میں بھی ہوئی ہو، اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ (جب صحیح دلیلوں کے قائم ہونے اور اس میں کوئی اور معقول شبہ نہ نکال پانے کے باوجود بھی نہیں مانتے تو یہ ہٹ دھرمی ہے اور آخر کار اس کا جواب یہی ہے کہ) میرا پروردگار (اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے صحیح دین لے کر آیا ہے اور جس کا انجام (یعنی خاتمہ) اس عالم (دنیا) سے اچھا ہونے والا ہے (اور) یقینی طور پر ظالم لوگ (جو کہ ہدایت اور صحیح دین پر نہ ہوں) کبھی فلاح نہ پائیں گے (کیونکہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں کون ہدایت پر ہے اور کون ظالم ہے۔ اور کس کا انجام محمود یعنی تعریف کے لائق ہوگا اور کون فلاح سے محروم ہوگا، لہٰذا ہر ایک کی حالت اور نتیجہ مرنے کے بعد جلدی ظاہر ہو جائے گا، اگر تم اب نہیں مانتے تو تم جانو) اور (موسیٰ علیہ السلام کی دلیلیں دیکھ کر اور سن کر) فرعون (کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم پر عقیدہ رکھنے والے ان کی طرف نہ جھک جائیں تو لوگوں کو جمع کر کے) کہنے لگا کہ اے درباروالو! مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں ہوتا، (اور اس کے بعد بات کو گھمانے کے لئے اپنے وزیر سے کہا کہ اگر ان لوگوں کو اس سے اطمینان نہ ہو تو) اے ہامان! تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں (پزاوہ لگا کر) پکواؤ پھر (ان پختہ اینٹوں سے) میرے لئے ایک بلند عمارت بنواؤ تا کہ (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعوی میں کہ کوئی اور معبود ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کی اتباع کرنے والوں نے دنیا میں ناحق سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ انہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے (اس تکبر کی سزا میں) اس کو اور اس کی اتباع کرنے والوں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) تو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ (اور موسیٰ علیہ السلام کا قول ظاہر و غالب ہو گیا۔ ﴿ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّلِمُونَ ﴾) اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے دن (ایسے بے بس و بے کس رہ جائیں گے کہ) کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں گھاٹے میں مبتلا رہیں گے۔ چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی، اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

فائدہ: لعنت پیچھے لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی ظالموں اور کافروں وغیرہ پر لعنت کرتا ہے چونکہ وہ لوگ بھی ظالم اور کافر تھے، اس لئے وہ لعنت ان لوگوں پر بھی پڑتی ہے۔ فرعون کا محل بنوانے سے مقصد لوگوں کو یہ دھوکا دینا تھا کہ اگر معبود اعظم ہوتا تو اس کا جسم ہوتا۔ اور اعظم ہونے کے سبب اس کا مکان و مقام بھی بہت بلند ہوتا تو میں تحقیق کر کے آؤں گا۔ اس طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کو بڑا محقق سمجھیں اور اس کے محل بننے یا نہ بننے کا ذکر کسی صحیح روایت میں نہیں ہے۔ شاید بات کو ٹالنا مقصود ہو اور بنوایا نہ ہو۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾
فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۙ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ
اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ
اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾ ۧ وَلَقَدْ ع ٥ ٨
وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾ ۭ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اگلی امتوں کے ہلاک ہونے کے پیچھے کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور آپ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو موجود تھے۔ لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر اُن پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں اور آپ طور کی جانب میں اُس وقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے پکارا تھا لیکن آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں۔ اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ سو جب ہماری طرف سے اُن لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی؟ کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے؟ یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اُس کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ کرسکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی

خواہشوں پر چلتے ہیں اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو۔ بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔

ربط: فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب اس قصہ کے عظیم مقاصد یعنی محمد ﷺ کی رسالت کے اثبات کا مضمون ہے، جس کے ساتھ کافروں کے بعض شبہات کے جواب بھی ہیں۔ اور تمہید کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصریح ہے، لہٰذا اس کا آگے پیچھے دونوں طرف سے ربط ہے۔

محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات مع بعض شبہات کے جواب کے:

اور (چونکہ مخلوق اصلاح کی محتاج ہے اس لئے رسالت کا سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (جن کا قصہ ابھی پڑھ چکے ہو) اگلی امتوں (یعنی قوم نوح وعاد وثمود) کی ہلاکت کے بعد (جب زمانوں کے نبیوں کی تعلیمات لوگوں کے سامنے نہیں رہیں اور لوگوں کو ہدایت کی سخت ضرورت تھی) کتاب (یعنی توریت) دی تھی، جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانش مندیوں کا سبب اور ہدایت ورحمت تھی تا کہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں (حق کے طلب گار کی پہلے سمجھ درست ہوتی ہے، یہ بصیرت ہے پھر وہ احکام قبول کرتا ہے، یہ ہدایت ہے، پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قربت اور قبولیت عنایت ہوتے ہیں، یہ رحمت ہے) اور (اسی طرح جب یہ دور بھی ختم ہو چکا اور لوگوں کو پھر نئے سرے سے ہدایت کی ضرورت ہوئی تو سنت کے مطابق جو ہمیشہ سے جاری ہے ہم نے آپ کو رسول بنایا جس کی دلیلوں میں سے ایک یہی یعنی موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یقینی خبر دینا ہے، کیونکہ یقینی خبر دینے کے لئے علم کا کوئی طریقہ ضروری ہے اور وہ طریقہ چار صورتوں میں منحصر ہے: (۱) عقلی امور میں عقل: تو یہ واقعہ عقلی امور میں سے تو نہیں ہے کہ خود بخود عقل میں آجائے (۲) نقلی امور میں یا تو علم والوں سے سننا، تو یہ بھی خبر دینے والوں سے ملنا جلنا اور تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے نہیں پایا جاتا اور یا (۳) مشاہدہ یعنی خود اپنا دیکھنا تو اس کی نفی بالکل ہی ظاہر ہے کہ) آپ (طور کے) مغربی جانب میں موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے (یعنی توریت دی تھی) اور (خاص طور سے وہاں تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہیں تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (لہٰذا مشاہدہ یعنی خود دیکھنے کا بھی احتمال نہ رہا) لیکن (بات یہ ہے کہ) ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر ان پر لمبا زمانہ گذر گیا (جس سے پھر صحیح علوم لوگوں کے سامنے سے غائب ہو گئے اور پھر لوگ ہدایت کے محتاج ہو گئے، اور اگرچہ بیچ بیچ میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے مگر ان کے علوم بھی اسی طرح غائب ہو گئے، اس لئے ہماری رحمت کا تقاضا ہوا کہ ہم نے آپ کو وحی اور رسالت سے مشرف فرمایا، جو کہ یقینی خبر کا چوتھا طریقہ ہے اور دوسرے طریقے علم ظنی کے ہیں یعنی ان میں

صرف گمان ہے یقین نہیں ہے، جو بحث ہی سے خارج ہیں۔ کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں، حاصل یہ کہ یقینی علم کے چار طریقے ہیں ان میں سے تین نہیں پائے جاتے تو چوتھا متعین ہو گیا اور یہی مطلوب ہے) اور (جس طرح آپ نے توریت عطا ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، اور پھر بھی صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں رہنا بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ مدین والوں میں بھی موجود نہیں تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے بارے میں) ہماری آیتیں (اپنے زمانہ کے) ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ رسول بنا کر یہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے) اور (اسی طرح) آپ اس وقت بھی طور کی (مذکورہ مغربی) جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) پکارا تھا (کہ ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ جو کہ انہیں نبوت عطا ہونے کا وقت تھا) لیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا۔ کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کرلیں (کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ کے لوگوں بلکہ ان کے قریب کے باپ دادا نے بھی کسی نبی کو نہیں دیکھا تھا، اگرچہ دوسروں کے واسطہ سے بعض شریعتیں خاص طور سے توحید ان تک پہنچی تھی۔ لہٰذا ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ سے ٹکراؤ نہیں رہا) اور (اگر یہ لوگ ذرا غور و فکر کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ رسول بھیجنے سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ انہی لوگوں کا فائدہ ہے کہ یہ لوگ اچھائی برائی کو سمجھ کر عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ جن امور کی برائی عقل سے معلوم ہو سکتی ہے اس پر رسولوں کو بھیجے بغیر بھی عذاب کا ہونا ممکن تھا۔ لیکن اس وقت انہیں ایک طرح کی حسرت ہوتی کہ ہائے! اگر ہمارے پاس کوئی رسول آجاتا تو ہم زیادہ اچھی طرح سمجھ لیتے اور اس مصیبت میں نہ پڑتے۔ اس لئے رسول بھی بھیج دیا تا کہ انہیں اس حسرت سے بچنا آسان ہو، ورنہ احتمال تھا کہ) ہم رسول نہ بھی بھیجتے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقل کے اعتبار سے برے ہیں) (دنیا یا آخرت میں) کوئی مصیبت نازل ہوتی (جس کے بارے میں انہیں عقل کے یا فرشتے کے ذریعہ سے یقین ہو جاتا کہ یہ اعمال کی سزا ہے) تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم آپ کے احکام کی اتباع کرتے، اور (ان احکام پر اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوتے تو (اس امر کا تقاضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو غنیمت سمجھتے اور اس کے سچے دین کو قبول کرتے، لیکن ان کی یہ حالت ہوئی کہ) جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس حق (یعنی سچا رسول اور سچا دین) پہنچا تو (اس میں شبہ پیدا کرنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ انہیں ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی؟ (یعنی قرآن ایک ہی بار میں توریت کی طرح کیوں نازل نہیں ہوا؟ آگے جواب ہے کہ) تو اس سے پہلے جو کتاب موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی، کیا یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے؟ (چنانچہ ظاہر ہے کہ مشرک لوگ، موسیٰ علیہ السلام اور توریت کو بھی نہیں مانتے تھے، کیونکہ وہ سرے سے اصل نبوت ہی کے منکر تھے) یہ لوگ تو (قرآن اور توریت

دونوں کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یہ اس لئے کہا کہ شریعتوں کے اصول میں دونوں متفق ہیں) اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے (چاہے یہی الفاظ ان کے کہے ہوئے ہوں اور چاہے ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہو۔ اور چاہے دونوں کا ایک ساتھ ہی انکار کیا ہو یا مختلف قول جمع کئے گئے ہوں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا منشا توریت کی طرح قرآن پر ایمان لانا نہیں بلکہ یہ بھی ایک حیلہ اور شرارت ہے۔ آگے اس کا جواب ہے کہ اے محمد! ﷺ) آپ کہہ دیجئے تو اچھا تم (توریت اور قرآن کے علاوہ) اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو۔ میں اسی کی اتباع کرنے لگوں گا اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو کہ دونوں جادو ہیں جس سے مقصود ان دونوں کتابوں کو نعوذ باللہ گھڑا ہوا اور غلط قرار دینا ہے، یعنی مقصود تو حق کا اتباع ہے لہٰذا اگر اللہ کی کتابوں کو حق مانتے ہو تو ان کی اتباع کرو، قرآن کی اتباع تو پوری طرح مطلق طور پر اور توریت کی توحید میں اور محمد ﷺ کی دی ہوئی بشارتوں میں، اگر ان کو حق نہیں مانتے تو پھر تم کوئی حق پیش کرو اور اس کا حق ہونا ثابت کردو جس کو ﴿ اَهۡدٰی ﴾ یعنی ”ہدایت کرنے میں زیادہ بہتر“ ہونے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ حق سے مقصود اس کا ہدایت کا وسیلہ ہونا ہے۔ اگر فرض کرو تم ثابت کردو گے تو میں اس کی اتباع کرلوں گا۔ غرض یہ کہ میں حق ثابت کردوں تو تم اس کی اتباع کرو اور اگر تم حق ثابت کردو تو میں اتباع کے لئے تیار ہوں۔ اور چونکہ قضیہ شرطیہ میں حکم صرف اتصال کا ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی کتابوں کے علاوہ کی اتباع کا اشکال لازم نہیں آتا) پھر (اس حجت کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) مطالبہ ﴿ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبٍ ﴾ الخ) پورا نہ کرسکیں (اور ظاہر ہے کہ نہ کرسکیں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا ﴾ اور پھر بھی آپ کی اتباع نہ کریں تو آپ سمجھ لیجئے کہ (ان سوالات کا منشاء کوئی شبہ اور حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ) یہ لوگ صرف اپنے نفس کی خواہشوں پر چلتے ہیں) ان کا نفس کہتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو، انکار ہی کرنا چاہئے، لہٰذا یہ ایسا ہی کررہے ہیں، چاہے حق بھی واضح ہوجائے) اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنے نفس کی خواہش پر چلتا ہو۔ بغیر اس کے کہ اللہ کی جانب سے کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو (جو کہ حق واضح ہونے کے بعد بغیر کسی صحیح دلیل کے بھی اپنی گمراہی سے باز نہ آئے) ہدایت نہیں کیا کرتا (جس کا سبب خود اس شخص کا گمراہ رہنے کا قصد ہے اور قصد کے بعد فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی عادت ہے، اس لئے ایسا شخص ہمیشہ گمراہ رہتا ہے۔ یہاں تک تو ان کے اس قول ﴿ لَوۡلَاۤ اُوۡتِیَ مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی ﴾ کا الزامی جواب تھا) اور (آگے تحقیقی جواب ہے جس میں قرآن کے ایک ہی بار میں نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً ایک کے بعد ایک کرکے بھیجا تاکہ یہ لوگ (بار بار تازہ بہ تازہ سننے سے) نصیحت حاصل کریں (یعنی ہم تو ایک ہی بار میں بھیجنے پر بھی قادر ہیں، مگر انہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرتے ہیں، پھر کیسی اندھیر گردی ہے کہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے ہیں)

فائدہ: آیت ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ طور کے جس کنارہ پر کلام ہوا تھا، وہ مغربی کنارہ تھا۔ بعض مفسرین نے مستقل طور پر بھی اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ﴿ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ ﴾ کے تحت الروح میں البحر سے روایت ہے۔ اور ان آیتوں میں مشاہدہ یعنی خود دیکھنے کی نفی کرنا مبالغہ ہے۔ جس کی نفی دوسرے احتمالات کے مقابلہ میں خود اچھی طرح ظاہر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے دوسرے احتمال ایسے بعید ہیں کہ جس امر کی نفی کی جارہی ہے، اس سے بہت ہی زیادہ دور ہیں کہ اس کی نفی سے خود اس کی نفی ہوجائے گی یا کم سے کم سب برابر ہیں اور ان کا احتمال ایسا ہے جیسے مشاہدہ کا احتمال اور جس طرح یہ منفی ہے، اسی طرح وہ بھی منفی ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر خود ان کی نفی مستقل طور پر بھی فرمائی گئی ہے، جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور ان آیتوں میں پہلے تو توریت کے دیئے جانے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی جب کہ یہ واقعہ سب سے بعد میں ہوا اور پھر مدین میں رہنے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی اور یہ واقعہ سب سے پہلے ہوا۔ پھر پکارے جانے کے وقت موجود ہونے کی نفی کی گئی، یہ واقعہ درمیان میں ہوا، اس ترتیب کے بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع پر آپ کا موجود نہ ہونا، صاحب وحی ہونے کی مستقل دلیل ہو۔ ورنہ اگر واقعات کے واقع ہونے کی ترتیب کے مطابق بیان کیا جاتا تو سارا مجموعہ ایک ہی دلیل سمجھا جاتا، اور اگر چہ دوسرے اور تیسرے منفی میں واقعات کی ترتیب کے مطابق ترتیب ذکر کی گئی ہے مگر پہلے اور دوسرے منفی میں ترتیب بدلنے سے کئی دلیلوں کے قصہ کی طرف اشارہ ہوگیا، لہٰذا اس سے دوسرے اور تیسرے منفی میں بھی کئی ہونے کا قصد ظاہر ہوگیا۔ جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور مذکورہ آیتوں میں تینوں موقعوں پر پہلی بات کی تلافی کے لئے استعمال ہونے والا لفظ ﴿ لٰكِنْ ﴾ آیا ہے، لیکن پہلے موقع پر ﴿ اَوْحَيْنَآ ، اَرْسَلْنَا ﴾ محذوف ہے اور اس کا دور کا سبب یعنی نسلوں کا پیدا کرنا اور زمانہ کا لمبا کرنا اس کا قائم مقام کیا گیا ہے جو اس پر دلالت بھی کرتا ہے۔ اور دوسرے موقع پر ﴿ كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴾ یعنی ہم ہی رسول بنانے والے ہیں، بیان کیا گیا ہے۔ اور تیسرے موقع میں بھی پہلے کی طرح اصل لفظ مقدر ہے لیکن اس کا قریبی سبب یعنی رحمت بیان ہوا ہے جو مکمل علت یعنی رسول بھیجے جانے کا آخری حصہ ہے۔ اس طرح اس طریقہ کے ذریعہ مقصود کا پہلا اور آخری سبب بھی بتادیا اور پہلے کو پہلے لائے اور آخر والے کو آخر میں۔ اور درمیان میں مقصود کی تصریح فرمادی، جو پہلے اور آخری دونوں کے ساتھ ملا ہوا ہونے کی وجہ سے دونوں جگہ محذوف کی تعیین پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور آیت ﴿ لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ ﴾ میں جواب لما أرسلنا یالاحتمل أنا لم نرسل رسلاً محذوف ہے۔ اور کلام میں اس جواب کی بجائے اس کے سبب یعنی ﴿ اَنْ تُصِيْبَهُمْ ﴾ سے ﴿ فَيَقُوْلُوْا ﴾ تک کا ذکر ہے۔ پھر اس میں بھی اصل سبب ﴿ يَقُوْلُوْآ ﴾ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، لیکن چونکہ اس قول کا سبب خود ''مصیبت کا پہنچنا'' ہے کیونکہ اگر عقوبت، سزا نہ ہو تو اس قول کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی، اس لئے ''اصابت'' کو لفظ ''لولا'' کے بعد لائے اور ﴿ يَقُوْلُوْآ ﴾ کا اس پر

عطف کیا، لہٰذا ارسال یعنی رسول بھیجنے کی جگہ اس کے سبب یعنی قول کا ذکر کیا گیا۔ پھر اس کی جگہ اس کے سبب یعنی مصیبت کا ذکر کیا جیسا کہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ الروح میں ہے۔

اور اس جگہ انجیل وغیرہ کا واضح ذکر نہیں ہے لیکن حکم کے طور پر وہ بھی موجود ہے، کیونکہ نہ ماننے کی علت مشترک ہے اور شاید توریت کی تخصیص اس کی شہرت کی وجہ سے ہو اور قرآن کے بارے میں تو کلام ہو ہی رہا تھا اور قرآن کو سحر کہنے کا ذکر خود قرآن ہی میں موجود ہے جیسا کہ توریت کو یا تو واضح الفاظ میں کہا ہوگا اور یا اسی سے لازم آ گیا۔ کیونکہ جہاں دو آپس میں ایک دوسرے کے موافق ہوں ان میں جو ایک کی صفت ہوگی، وہی دوسرے کی ہوگی۔

اور آیت ﴿مَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ سے متعلق کچھ ضروری مضمون سورۃ النحل آیت ۳۶ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا گیا ہے، دیکھ لیا جائے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دی ہیں، وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو اس سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا۔ اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اُس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمہارا کیا تمہارے سامنے آوے گا۔ ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

ربط: اوپر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے ذریعہ محمد ﷺ کی رسالت پر استدلال تھا جس میں منکروں اور مشرکوں کی مذمت بھی شامل تھی۔ اب گذشتہ آسمانی کتابوں کی بشارتوں کی بنیاد پر انصاف پسند اہل کتاب کے ایمان لانے سے رسالت پر استدلال ہے، ساتھ ہی تصدیق کرنے والوں اور مؤمنوں کی مدح و تعریف بھی ہے۔ یہ آیتیں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں، جن میں سے بعض کے نام کی تصریح بھی آئی ہے، ابو رفاعہ اور ان کے ساتھ نو افراد، سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام، امین بن یامین اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے ساتھی۔ ان میں سے بعض پہلے یہودی تھے اور بعض نصرانی، عیسائی اور انہیں مخالفوں کی طرف سے اذیت بھی پہنچتی تھی جیسا کہ مختلف سندوں سے الدرالمنثور میں ہے۔

بشارتوں والے علماء کے ایمان لانے سے رسالت پر استدلال کی طرف اشارہ:

(اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت گذشتہ کتابوں کی بشارتوں والے علماء کی تصدیق سے بھی ظاہر ہے، چنانچہ) جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو انصاف پسند ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی (اپنی کتابوں میں آنے والی بشارتوں کی بنا پر) مانتے تھے (اب اس کے نازل ہونے کے بعد نئے سرے سے عہد کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو اس کے نازل ہونے سے پہلے تو تصدیق کرتے تھے، اس کو پانے کا شوق رکھتے اور انتظار کرتے تھے، ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ پھر جب یہ آگیا تو اس کو پہچانا نہیں، اس سے انکار کر کے کافر ہو گئے، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بشارت کے آپ ہی مصداق ہیں، لہٰذا یہ بھی نبوت کی ایک دلیل ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾۔

پھر آگے ان ایمان لانے والوں کی فضیلت ہے کہ) ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے (کہ پہلی کتاب پر ایمان رکھنے کے ضمن میں بھی قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور قرآن کے نازل ہونے کے بعد بھی اس ایمان پر قائم رہے، اور نئے سرے سے ایمان لے آئے) دہرا ثواب ملے گا (یہ تو اعتقاد اور جزا کا بیان تھا) اور (آگے ان اعمال واخلاق کا بیان ہے کہ) وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے برائی (اور ایذا) کو دور کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور (جس طرح فعل کے ذریعہ دی ہوئی ایذا پر تحمل کرتے ہیں، اسی طرح) جب (کسی سے اپنے بارے میں) کوئی لغو بات سنتے ہیں (جو کہ قول کے ذریعہ دی ہوئی ایذا ہے) تو اس کو (بھی) ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہوا ہمارے سامنے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا (بس) ہم تمہیں سلام کرتے ہیں (ہمیں لڑنے جھگڑنے سے معاف رکھو) ہم ناسمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

فائدہ: حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں، انہیں دہرا ثواب ملتا ہے اور اس کے علاوہ دو اور لوگوں کے لئے بھی دہرے اجر کا وعدہ ہے: ایک وہ جس کی ملکیت میں شرعی باندی ہو اور وہ اس کو تعلیم دے کر ادب وتمیز سکھا کر اس کی رضامندی سے اس سے نکاح کر لے اور ایک وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی بھی اچھی طرح عبادت واطاعت کرے اور اپنے آقا کی بھی خدمت گذاری وخیر خواہی کرے جیسا کہ شیخین یعنی بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی مشہور وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے دو دو عمل کئے۔ اس لئے دہرا ثواب ہوا اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ پھر ان کی کیا

تخصیص ہے جو بھی شخص دو عمل کرے گا اسے دو ثواب ملیں گے، یہ کہا ہے کہ ان لوگوں کو تمام اعمال میں یا ان ہی دو عملوں میں سے ہر ایک عمل پر دوسرے عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں دوگنا ثواب ملے گا۔ مثال کے طور پر دوسروں کو ہر عمل پر کم سے کم دس گنا ثواب ہوتا ہے تو انہیں ہر عمل پر کم سے کم بیس گنا ثواب ہوگا، جیسا کہ قرض کے بارے میں اٹھارہ گنا ثواب آیا ہے اور پہلی توجیہ بیان کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ ان اعمال کی تخصیص مقصود نہیں، مگر بظاہر تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے، لیکن ازواج مطہرات کو ملانے کے ساتھ جن کے لئے ﴿ نُؤۡتِهَآ أَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ﴾ آیا ہے، اس لئے دوسری توجیہ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور احقر کے نزدیک ﴿ يَدۡرَءُونَ ﴾ میں حبّ جاہ سے اور ﴿ مِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ ﴾ میں مال کی محبت سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اکثر ایمان کے لئے یہی دو امر رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور سورۂ بقرہ آیت ۴۳ ﴿ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرۡكَعُواْ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴾ میں ان اعمال کی تخصیص کا یہی نکتہ بیان کیا گیا ہے، لہٰذا ایمان کے بعد ایمان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے دور کرنے کی طرف اشارہ ہو گیا۔

﴿ إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهۡدِي مَن يَشَآءُۚ وَهُوَ أَعۡلَمُ بِٱلۡمُهۡتَدِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اُسی کو ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کے ایمان واطاعت کا اور اس سے پہلے ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلۡحَقُّ ﴾ الخ میں قریش کے مشرکوں کے کفر اور عناد کا ذکر تھا اور قریش آپ کے قریبی خاندانی رشتہ دار تھے اور اہل کتاب خاندانی رشتہ دار نہیں تھے، چنانچہ جو لوگ قریبی نہ ہوں؛ انہیں ایمان لاتا دیکھ کر قریبی لوگوں کے ایمان نہ لانے پر طبعی طور پر زیادہ رنج ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کے ایمان لانے سے متعلق آپ کو خاص اہتمام اور شوق غالب تھا، اور اس میں کامیابی نہ ہونے پر اور زیادہ رنج ہوتا تھا، اس لئے آگے تسلی کا مضمون بیان ہوا ہے کہ کسی کو ایمان کو توفیق ہونا نہ ہونا یہ اللہ کی قدرت کے قبضہ میں ہے نہ کہ آپ کے اختیار میں۔ پھر رنج کیوں کیا جائے۔

حقیقی ہدایت پر قدرت کی نفی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور (ہدایت دینے کی قدرت تو اللہ کے سوا کسی اور کو کیا ہوتی کسی کو اس کا بھی علم نہیں کہ کون کون ہدایت پانے والا ہے، بلکہ) ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔

فائدہ: اور سورۂ شوریٰ آیت ۵۲ میں جو ارشاد ہے ﴿ إِنَّكَ لَتَهۡدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ﴾ وہ راستہ دکھانے اور عملی

ہدایت کے لحاظ سے ہے اور یہاں نفی مطلوب تک پہنچا دینے اور حقیقی ہدایت کے معنی میں ہے۔ صحیح مسلم میں اس آیت کا شانِ نزول ابو طالب کے بارے میں روایت کیا گیا ہے، لیکن الفاظ کے عموم کے لحاظ سے دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ صاحب روح نے کہا ہے کہ بلا ضرورت اس مسئلہ میں کلام کرنا یا ان کو برا کہنا علویوں کو ایذا پہنچنے کا یقینی سبب ہے اور خود حضور کو ایذا کے سبب کا احتمال ہے، لہٰذا احتیاط بہتر ہے۔

﴿وَقَالُوٓا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں۔ کیا ہم نے اُن کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ربط: اوپر دور سے کافروں کے ایمان نہ لانے کا ذکر چلا آ رہا ہے اور ان کے ایمان لانے میں چند رکاوٹیں تھیں، ایک رکاوٹ ان کا شبہ ﴿لَوۡلَاۤ اُوۡتِىَ مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى﴾ تھا جو مع جواب اوپر بیان ہو چکا۔ دوسری رکاوٹ انہیں ایک خوف کا وہم تھا یعنی زمین چھین لئے جانے سے نقصان کا ہونا اور نفع وفائدہ کا جاتا رہنا۔ تیسری رکاوٹ سامان عیش، چوتھی رکاوٹ کفر کے باوجود ہلاک نہ ہونے کا شبہ۔ پانچواں دنیا سے تعلق اور آخرت سے بے تعلقی۔ آگے ان رکاوٹوں کا ذکر اور ہر ایک کے ساتھ اس کا رد کرنا اور اس کا جواب ہے۔

بہانوں کا دور کرنا اور ایمان کے راستہ کی رکاوٹیں:

پہلی رکاوٹ: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُوۡتِىَ﴾ اوپر گذر چکی۔

دوسری رکاوٹ کا دور کرنا: اور (ان لوگوں کے ایمان لانے میں ایک رکاوٹ یہ ہے کہ) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فوراً اپنی جگہ سے مار کر نکال دیئے جائیں (کہ وطن سے بے وطن ہونے کا بھی نقصان ہوا اور روزگار کی پریشانی الگ ہو۔ لیکن اس عذر کا باطل ہونا بھی بالکل ظاہر ہے) کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور رزقی) سے کھانے کو ملتے ہیں؟ (لہٰذا حرم ہونے کی وجہ سے جس کا سب احترام کرتے ہیں، نقصان لاحق ہونے کا بھی اندیشہ نہیں اور اس نقصان کی نفی ہونے کی وجہ سے رزق کے فائدوں کے فوت ہونے کا احتمال بھی نہیں، لہٰذا ان کو چاہئے تھا کہ اس حالت کو غنیمت سمجھتے اور اس کو نعمت سمجھ کر قدر کرتے اور ایمان لے آتے) لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے (یعنی اس کا خیال نہیں کرتے)

﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے سو یہ اُن کے گھر ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخر کار ہم ہی مالک رہے۔

تیسری رکاوٹ کا دور کرنا: (اور ان کے ایمان نہ لانے کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ اپنے عیش و آرام پر اتراتے ہیں، لیکن یہ بھی حماقت ہے کیونکہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو (جن کے رہنے والے) اپنے عیش کے سامان پر اتراتے تھے تو (دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں، کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے (کہ کسی آنے جانے والے مسافر کا ادھر سے اتفاق سے گذر ہو جائے اور وہ تھوڑی دیر ستانے یا تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھ جائے یا رات کو رہ جائے) اور آخر کار (ان کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے (کوئی ظاہری وارث بھی ان کا نہ ہوا)

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ اُن کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے۔ اور ہم اُن بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اُسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں۔

چوتھی رکاوٹ کا دور کرنا: اور (انہیں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں کی ہلاکت کفر کے سبب سے ہے تو ہم تو مدت سے کفر کرتے آرہے ہیں، ہمیں کیوں نہیں ہلاک کیا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ الخ اور اس شبہ کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) آپ کا رب بستیوں کو (پہلی ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک کہ ان (بستیوں) کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج لیں۔ اور (پھر رسول کو بھیجنے کے بعد بھی فوراً) ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، سوائے اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے بہت زیادہ شرارت کرنے لگیں (یعنی ذکر کے قابل ایک طویل مدت تک کی یاد دہانی اور نصیحت کرنے سے بھی نصیحت حاصل نہ کریں، اس وقت ہلاک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جن بستیوں کی ہلاکت کا اوپر ذکر تھا، وہ بھی اسی قانون کے مطابق ہلاک ہوئیں، تو اسی قانون کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، اس لئے نہ رسول سے پہلے ہلاک کیا اور نہ رسول کے آنے کے بعد ابھی تک ہلاک کیا۔ مگر چند دن گذرنے دو، اگر تمہارا یہی عناد رہا تو سزا ہوگی ہی، چنانچہ بدر وغیرہ میں ہوئی)

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰﴾ ع ۶

ترجمہ: اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی زینت ہے اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے۔

پانچویں رکاوٹ کا دور کرنا: (اور ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دنیا نقد ہے۔ اس لئے پسندیدہ ہے اور آخرت کا معاملہ بعد کا ادھار ہے، اس لئے اس کی طرف رغبت نہیں، لہٰذا دنیا کی رغبت سے دل خالی نہیں ہوتا کہ اس میں آخرت کی رغبت سمائے پھر اس کو حاصل کرنے کا طریقہ تلاش کیا جائے جو کہ ایمان ہے، تو اس کے بارے میں سن رکھو کہ) جو کچھ تمہیں یاد دلایا گیا ہے، وہ صرف (چند دن کی) دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے۔ اور اس کی (زیب و زینت ہے (کہ عمر کے خاتمہ کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے، وہ اس سے کیفیت کے لحاظ سے بھی) بہت زیادہ بہتر ہے اور (مقدار میں بھی) زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم لوگ (اس فرق کی حقیقت کو یا اس کے تقاضہ کو) نہیں سمجھتے؟ (غرض تمہارے عذر اور کفر پر اصرار کے منشا سب بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں، سمجھو اور مانو)

فائدہ: مرکز سے عام طور پر آس پاس کے متعلقہ مقامات میں خبر پہنچ جاتی ہے۔ دوسرے: مرکز کے رہنے والے لوگ علاقوں والوں کے مقابلہ میں زیادہ سمجھ دار اور ہوشیار و خبردار بھی ہوتے ہیں۔ پہلے ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ﴾ سے ثمود وغیرہ کی بستیوں کی طرف اشارہ ہے کہ شام کو آتے جاتے راستہ میں نظر آتی تھیں۔ اور نو مسلموں کو اذیت و تکلیف پہنچنا ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ﴾ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اول تو وہ تخطف یعنی مار کر نکال دیا جانا نہیں ہے۔ دوسرے تعداد کی کمی اس ذلت کا باعث تھی، اگر کثرت کے ساتھ حق کو قبول کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی اور یہاں مضمون سبھی کے ایمان کے سلسلہ میں ہے۔ تیسرے وہ تکلیف باہر والوں نے نہیں پہنچائی اور تخطف یعنی مار کر نکال دیا جانا یہی ہے۔ خود مکہ والوں نے حرم کے احترام و تعظیم کو فوت کر کے تکلیف پہنچائی، حرم سے باہر والوں نے حرم والوں کو نہیں ستایا۔

﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۶۲ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝۶۳ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ

إِنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ۞ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۞ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ۞ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۞

ترجمہ: بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اُس کو پانے والا ہے کیا اُس شخص جیسا ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز اُن لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جاویں گے اور جس دن خدا تعالیٰ اُن کافروں کو پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم سمجھ رہے تھے؟ جن پر خدا کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا۔ وہ (معبود) بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے اُن کو ویسا ہی بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دست برداری کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہا جاوے گا کہ اپنے ان شرکاء کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے سو وہ جواب ہی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش یہ لوگ راہ راست پر ہوتے اور جس دن اُن کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اُس روز اُن سے سارے مضامین گم ہو جاویں گے تو وہ آپس میں پوچھ پاچھ ہی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

ربط: اوپر بہت ساری آیتوں میں کفر اور گمراہی پر ڈرانا دھمکانا اور ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ اور ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ الخ اور ﴿مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ میں ہدایت اور ایمان کی ترغیب کا ذکر تھا۔ آگے کفر و ایمان کے جو نتیجے قیامت کے دن ظاہر ہوں گے، ان کا ذکر ہے۔ پہلے ﴿أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ﴾ میں مختصر انداز میں دونوں کے فرق کا بیان ہے، پھر ﴿يَوْمَ يُنَادِيهِمْ﴾ سے ﴿فَأَمَّا مَنْ تَابَ﴾ تک اس فرق کی تفصیل ہے۔

ہولناکیوں کے دن میں گمراہی اور ایمان کے نتیجوں کا ظہور:

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ شخص اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے، کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا چند دن کا فائدہ دے رکھا ہے؟ پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے (پہلے شخص سے مؤمن مراد ہے، جس سے جنت کا وعدہ ہے اور دوسرے سے کافر مراد ہے جو مجرم کی حیثیت سے آئے گا، اور چونکہ ایسے لوگ دنیاوی سامان ہی کی وجہ سے بھول رہے ہیں، جیسا کہ اوپر آیت ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کی بھی تصریح فرمادی ورنہ برابر نہ ہونا صرف موجودہ صفت کے اعتبار سے ہے، مگر یہ موجودہ حالت سے فائدہ پہنچانے میں رکاوٹ تھی، اس لئے اس کو چھوڑ

دیا گیا) اور (آگے اس موجودہ فرق اور کیفیت کی تفصیل ہے کہ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن اللہ تعالیٰ ان کافروں کو (ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے) کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں کہاں ہیں جنھیں تم (میرا شریک) سمجھ رہے تھے؟ (اس سے شیطان مراد ہیں، کہ انہی کی مطلق اطاعت کی وجہ سے شرک کرتے تھے، اس لئے انہیں "شریک" کہا اس بات کو سن کر شیطان کہ) جن پر (گمراہ کرنے کی وجہ سے) اللہ کا فرمان (یعنی عذاب کا مستحق ہونا، اس قول سے ﴿ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾) ثابت ہو چکا ہوگا (یہ سمجھ کر کہ یہ اب ہمیں بتادیں گے کہ شریک یہ ہیں اور خود بری ہونے کی کوشش کریں گے، پھر ہم سے گمراہ کرنے پر پکڑ اور پوچھ تاچھ شروع ہوگی) وہ (عذر کے طور پر) بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا (یہ جواب کی تمہید ہے۔ اس حکایت کی تصریح اس لئے فرمائی گئی کہ جن کی شفاعت کی انہیں امید ہے، اس کے برعکس وہ ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ اور آگے جواب ہے کہ یقیناً ہم نے انہیں بہکایا ضرور، لیکن) ہم نے انہیں ویسے ہی (جبر وزبردستی کے بغیر) بہکایا جیسے ہم خود (بغیر جبر وزبردستی کے) بہکتے تھے (یعنی جس طرح ہم پر کوئی گمراہ کرنے والا مسلط نہیں کیا گیا، اسی طرح ہمیں ان پر جبر وزبردستی کا غلبہ وتسلط نہیں تھا، ہمارا کام صرف بہکانا تھا، اور اس کو انھوں نے خود اپنے قصد اور رائے سے قبول کیا، جیسا کہ سورۂ ابراہیم آیت ۲۲ ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ ﴾ میں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم بھی مجرم ہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ خود کو معصوم و بے گناہ قرار دیں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دیں) اور ہم آپ کے سامنے ان سے لاتعلق ہونے کا اظہار کرتے ہیں (اور) یہ لوگ (حقیقت میں خاص طور سے صرف) ہمیں (ہی) نہیں پوجتے تھے (یعنی جب یہ اپنے اختیار سے بہکے ہیں نہ کہ صرف ہمارے بہکانے سے تو اس اعتبار سے یہ اپنی خواہشوں کے پجاری تھے نہ کہ صرف شیطان کے پجاری۔ مطلب یہ کہ خود اپنی خواہش سے بگڑے، اس درجہ میں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، البتہ جس قدر ہماری غلطی ہے کہ ہم نے انہیں بہکایا تو اس کا ہم اقرار کرتے ہیں، اس ساری حکایت سے مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ جن معبودوں کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں وہ ان سے لاتعلق ہونے کا اظہار کر دیں گے) اور (جب وہ شریک اس طرح ان سے بیزاری اور بے رخی کا اظہار کریں گے تو اس وقت ان مشرکوں سے حقارت کے ساتھ طنز و مذاق اڑانے کے انداز میں) کہا جائے گا کہ (اب) اپنے ان شریکوں کو بلاؤ چنانچہ وہ (حیرت کی زیادتی سے پریشان ہوکر) انہیں پکاریں گے تو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں سے) عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش! یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستہ پر ہوتے (تو انہیں اس مصیبت کا سامنا کرنا نہ پڑتا) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ (چونکہ اس ڈراوے اور دھمکی کے جواب میں یہ احتمال تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ ہمارے پاس رسول نہیں آئے، اس لئے اس سوال کے ذریعہ یہ بھی جتا دیا جائے گا کہ رسول تو آئے تھے اور انہوں نے سمجھایا بھی تھا، تو یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں کہ کوئی نہیں آیا، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے کیا جواب دیا؟) تو اس دن ان (کے ذہنوں) سے سارے مضمون

گم ہو جائیں گے، تو وہ (خود بھی نہ سمجھ سکیں گے اور) آپس میں پوچھ گچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ البتہ جو شخص (دنیا میں کفر وشرک سے) توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو امید ہے کہ ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے (اور ان آفتوں سے محفوظ رہیں گے)

﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اُن لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد کے لائق دنیا وآخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اُسی کی ہوگی اور تم اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ؟ کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

ربط: اوپر شرک کرنے پر ڈرانے اور دھمکانے کی حکایت میں شرک کی مذمت کا ذکر ہوا ہے، آگے توحید کا اور اس کے ضمن میں انعاموں اور احسانوں کا اثبات ہے۔

توحید اور بعض انعاموں کا اثبات:

اور آپ کا رب (انفرادی طور پر کمال کی صفتوں کا مالک ہے، چنانچہ وہ) جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (تو پیدا کرنے اور وجود بخشنے کے اختیار بھی اسی کو حاصل ہیں) اور (وہ جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے (اور نبیوں کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے لہٰذا شریعت وقانون بنانے کے اختیار بھی اسی کو حاصل ہیں) ان لوگوں کو (احکام) تجویز (کرنے) کا کوئی

حق (حاصل) نہیں (کہ جو حکم چاہیں تجویز کرلیں جیسے یہ مشرک اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کررہے ہیں اور اس کے منفرد ہونے سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (کیونکہ جب وجود بخشنے و پیدا کرنے اور شریعت وقانون بنانے اور مختار ہونے میں وہ منفرد یعنی تنہا ہے تو معبود ہونے کے حق میں بھی کہ پیدا کرنے اور شریعت بنانے کا مالک ہونے پر موقوف ہے، وہی منفرد ہے) اور آپ کا رب (ایسا کامل علم رکھتا ہے کہ وہ) سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اور کسی کا[1] ایسا علم بھی نہیں۔ اس سے بھی منفرد ہونا ثابت ہوا) اور (آگے اس کی تصریح ہے کہ) اللہ وہی (کامل صفتوں والا) ہے، اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (وثنا) کے لائق دنیا وآخرت میں وہی ہے (کیونکہ اس کے تصرفات دونوں عالم میں ایسے ہیں جو صفتوں کے کمال پر دلالت کرتے ہیں کہ حمد کی اہلیت کی بنیاد ہیں) اور (اس کے سلطنت کے اختیار ایسے ہیں کہ) حکومت بھی (قیامت میں) اس کی ہوگی اور (اس کی سلطنت کی قوت ووسعت ایسی ہے کہ تم) سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (یہ نہیں ہوسکتا کہ اس سے بچ جاؤ اور کہیں جا کر پناہ لے لو، لہٰذا یہ بھی معبود کے ایک ہونے کا تقاضا ہوا اور اس کی قدرت کے اظہار کے لئے) آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آئے؟ (لہٰذا قدرت میں بھی وہی منفرد وتنہا ہے) تو کیا تم (توحید کی ایسی صاف دلیلوں کو سنتے نہیں؟ (اور قدرت کے اسی اظہار کے لئے) آپ (ان سے اس کے برعکس کے بارے میں بھی) کہیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے دن ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے؟ جس میں تم آرام پاؤ۔ کیا تم (قدرت کے اس ثبوت کو) دیکھتے نہیں؟ (چنانچہ قدرت میں منفرد ہونے کا تقاضہ بھی معبود ہونے میں منفرد ہونے کا ہے) اور (وہ ایسا انعام دینے والا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو (اس طرح انعام میں منفرد ہوجانے کا تقاضا بھی معبود ہونے میں خاص ہونے کا ہے، لہٰذا کمال کی تمام صفتیں جن کا اس مقام پر استدلال کے لئے ذکر کیا گیا، یہ ہوئیں: (۱) خالق ہونا (۲) شریعت وقانون بنانے میں مختار ہونا (۳) علم (۴) حکومت (۵) سلطنت کی وسعت وقوت (۶) قدرت (۷) نعمت عطا کرنا۔

فائدہ: ہمیشہ کے لئے رات ہونا اس طرح کہ سورج کو افق سے نکلنے نہ دے یا اس کی روشنی چھین لے اور ختم کردے۔ اور ہمیشہ کے لئے دن کا ہونا اس طرح کہ سورج کو غروب نہ ہونے دے یا بغیر سورج کے ایسا نور پیدا کردے۔

﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝٧٤ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝٧٥ ﴾ ع۱۰/۱۵

(۱) یعنی جیسے کوئی اور خالق نہیں اور جیسے کسی اور کو تکوینی وتشریعی اختیار نہیں جس کا اوپر ذکر تھا۔

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو، سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سچی بات خدا ہی کی تھی اور جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے کسی کا پتہ نہ رہے گا۔

ربط: اوپر توحید کی دلیلوں سے پہلے بھی شرک پر ڈرانے دھمکانے کی حکایت میں شرک کی مذمت کا ذکر تھا۔ اب توحید کی دلیلوں کے بعد پھر اسی انداز سے شرک کی مذمت کا ذکر ہے اور دونوں میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ پہلی جگہ دعویٰ کے بیان کے طور پر ہے اور توحید کی دلیلوں سے اس پر استدلال ہے کہ شرک کا مذمت کے قابل ہونا ان دلیلوں سے ثابت ہے۔ اور اس جگہ نتیجہ اور فرع کے طور پر ہے کہ ان دلیلوں سے شرک کا مذمت کے قابل ہونا ثابت ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ: العالم حادث لأنه متغير و كل متغير حادث، فالعالم حادث [1]: یا اس کو اہتمام اور مبالغہ کی غرض سے تکرار کہا جائے۔

قیامت کے دن مشرکوں کی توبیخ یعنی ڈرانے ودھمکانے کی حکایت:

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا (تا کہ دوسرے لوگ بھی ان کی رسوائی سن لیں) کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے؟ اور (اگرچہ خود ان کے قول سے بھی ان پر حجت قائم ہو جائے گی، لیکن اقرار کے ساتھ شہادت بھی جمع کر دی جائے گی، اس طرح سے کہ) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ (بھی) نکال کر لائیں گے (اس سے نبی مراد ہیں کہ وہ ان کے کفر کی گواہی دیں گے) پھر ہم (ان مشرکوں سے) کہیں گے کہ (اب شرک کے دعویٰ کی صحت پر) اپنی (کوئی) دلیل پیش کرو تو (اس وقت) انہیں (پورے یقین کے ساتھ) معلوم ہو جائے کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی (جو نبیوں کے ذریعہ بتائی گئی تھی اور شرک کا دعویٰ جھوٹا تھا) اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا (کیونکہ حق کے انکشاف کے لئے باطل کا غائب ہو جانا لازم ہے)

فائدہ: اوپر ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ﴾ میں کافروں سے نبیوں کو دیئے ہوئے جواب کے بارے میں سوال کا ذکر تھا، اور یہاں خود نبیوں سے شہادت دلانے کا ذکر ہے، اس فرق سے بھی مجموعہ بدل گیا اور تکرار نہ رہی۔

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ

(۱) ترجمہ: جہاں نو پید ہے، اس لئے کہ وہ ایک حالت پر برقرار نہیں اور جو چیز ادلتی بدلتی رہتی ہو وہ نو پید ہوتی ہے، پس دنیا جہاں نو پید ہے ۱۲

عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً
وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ
الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا
الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ
وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ
بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸/۱۱

ترجمہ: قارون، موسیٰ کی برادری میں سے تھا۔ سو وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اُس کو اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں جبکہ اُس کو اُس کی برادری نے کہا کہ تو اِترا مت واقعی اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اُس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔ قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے۔ کیا اُس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع اُن کا زیادہ تھا اور اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔ پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی، وہ کہنے لگے کہ ارے تمہارا ناس ہو! اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور اُن ہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ پھر ہم نے اُس قارون کو اور اُس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اُس کو اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔ اور کل جو لوگ اُس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے، وہ کہنے لگے: بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیدیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

ربط: اوپر ﴿وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی﴾ سے ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ تک مختلف عنوانوں سے کفر کا اللہ کے نزدیک غضب اور گھاٹے کا سبب ہونا اور روزگار و رزق پر اترانا اور دنیا کی زندگی کے سامان کا ہلاکت و عذاب

سے نہ بچا سکنا معلوم ہوا ہے۔اب قارون کے قصہ کے ذریعہ ان سب باتوں کی تائید فرمائی جا رہی ہے۔

قارون کا قصہ:

قارون (کا حال دیکھ لو کفر اور نافرمانی کرنے کی وجہ سے اسے کیسا اور کتنا نقصان پہنچا، اور اس کا مال ومتاع سازوسامان کچھ کام نہ آیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ مال ومتاع بھی برباد ہو گیا۔اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ وہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) میں سے تھا (بلکہ ان کا چچازاد بھائی تھا جیسا کہ الدر میں ہے) تو وہ (مال کی کثرت کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور (اس کے پاس مال کی اتنی کثرت تھی کہ) ہم نے اسے اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی طاقت ور لوگوں کے لئے بھاری ہوتی تھیں (یعنی ان سے مشکل سے اُٹھتی تھیں، تو جب کنجیاں اس کثرت سے تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے بہت ہی زیادہ ہوں گے اور تکبر اس وقت کیا تھا) جب اس سے اس کی برادری کے لوگوں نے (سمجھانے کی غرض سے) کہا کہ تو (اس مال ودبدبہ پر) اتراوے مت۔اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور (یہ بھی کہا کہ) تجھے اللہ نے جتنا دے رکھا ہے، اس میں آخرت کی بھی فکر کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت کے لئے لے جانا) فراموش مت کر اور (ابتغ اور لاتنس کا مطلب یہ ہے کہ) جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور (اللہ کی نافرمانی کر کے اور واجب حقوق ضائع کر کے) دنیا میں فساد پھیلانے کی کوشش مت کر (یعنی گناہ کرنے سے دنیا میں فساد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ خاص طور سے وہ گناہ جن کے اثرات دوسروں تک پہنچتے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا (یہ سب نصیحتیں مسلمانوں کی طرف سے ہوئیں۔شاید یہ مضامین پہلے موسیٰ علیہ السلام نے فرمائے ہوں گے اور پھر مسلمانوں نے انہیں دہرایا ہوگا۔ یہ سن کر) قارون کہنے لگا کہ مجھے تو یہ سب کچھ میرے اپنے ہنر سے ملا ہے (یعنی میں روزگار کی تدبیریں اور وجہیں وصورتیں خوب جانتا ہوں۔اسی سے میں نے یہ سب جمع کیا ہے، پھر میرا فخر کرنا بیجا نہیں ہے اور نہ ہی اس کو غیبی احسان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی کا کچھ حق ہو سکتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اس کے اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قارون) کو متواتر خبروں کے ذریعہ یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے پچھلی امتوں میں ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو (مالی) قوت میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور ان کا مجمع (بھی اس سے) زیادہ تھا اور (صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ ان کے جرم، کفر کے ارتکاب اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کی وجہ سے انہیں قیامت میں بھی عذاب ہوگا۔جیسا کہ وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ) مجرم لوگوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال کرنا نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے۔اگرچہ ڈرانے دھمکانے اور جتانے کے لئے سوال ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ یعنی "ہم ان سے سب سے ضرور سوال کریں گے" مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی

جہالت کی بات نہ کہتا کیونکہ دنیاوی ہلاکت سے حقیقی قدرت کے تحت اور آخرت کی گرفت و مواخذہ سے حقیقی حکومت کے تحت داخل ہونا ظاہر ہے۔ پھر ایسے شخص کی کیا قدرت ہے کہ اپنی کمائی کو حقیقی علت قرار دے اور ایسے شخص کی رائے کی کیا حیثیت ہے کہ واجب حقوق کی نفی کرے؟ پھر (ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ) وہ اپنی برادری کے سامنے اپنی شان وشوکت کے ساتھ نکلا تو جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے، چاہے وہ مؤمن ہوں، جیسا کہ ان کے اگلے قول ﴿ وَيۡكَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ) کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ ہمیں بھی وہ ساز وسامان ملا ہوتا۔ جیسا کہ قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بڑی قسمت والا ہے (یہ تمنا حرص کی تھی، اس سے ان کا کافر ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ اب بھی بعض لوگ مسلمان ہونے کے باوجود رات دن دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں) اور جن لوگوں کو (دین کی) سمجھ عطا ہوئی تھی وہ (ان حرص کرنے والوں سے) کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو! (تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دنیا کی شان وشوکت سے) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر ایمان و نیک عمل والوں میں سے بھی) وہ (ثواب پوری طرح) انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو (دنیا کی حرص و لالچ سے) صبر کرنے والے ہیں (لہٰذا تم لوگ ایمان کی تکمیل اور نیک عمل حاصل کرنے کی فکر و کوشش میں لگو اور شرعی حد کے اندر دنیا حاصل کر کے اس کی حرص و لالچ سے صبر کرو) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل کو (اس کی شرارت بڑھ جانے پر) زمین میں دھنسا دیا تو کوئی جماعت ایسی نہیں ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیتی (اگرچہ وہ بڑی جماعت والا تھا) اور نہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا اور کل (یعنی گذشتہ دنوں میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اس کے زمین میں دھنسائے جانے کو دیکھ کر) کہنے لگے بے شک معلوم ہو گیا کہ (رزق کی وسعت اور تنگی کا دارومدار خوش نصیبی یا بدنصیبی پر نہیں ہے بلکہ یہ تو وجود بخشنے اور پیدا کرنے کی حکمت سے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، بس) اللہ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیدیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) تنگی سے دینے لگتا ہے (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کو خوش نصیبی سمجھتے تھے، ہماری توبہ ہے اور واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہمیں بھی دھنسا دیتا (کیونکہ حرص کی معصیت اور دنیا کی محبت کے مرتکب ہم بھی ہوئے تھے) بے شک معلوم ہو گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے (چاہے چند دن مزے لوٹ لیں مگر آخر انجام خسارہ ہی ہے، چنانچہ وہ فلاح و کامیابی جو ذکر کے قابل ہے، ایمان والوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے)

فائدہ: بعض نا سمجھ افراد کو کنجیوں کے مضمون کو سمجھنے میں دشواری محسوس ہوئی ہے، لیکن اگر تھوڑا غور کیا جائے تو کوئی پریشانی نہیں ہے، مثال کے طور پر آیت میں لفظ عصبة استعمال ہوا ہے جو دس آدمیوں تک کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اہل لغت کا قول ہے اور ایک کے لئے پانچ سیر کا وزن فرض کیا جائے کہ کنجیوں کو لے کر چلنے کا جو طریقہ ہے کہ ہاتھ میں یا جیب میں یا کمر بند وغیرہ میں رکھی جاتی ہیں اور اگرچہ خزانہ کی دھات کا وزن کم ہوتا ہے مگر ٹھوس چیزوں کے

مقابلہ میں ان کو اٹھانے میں تکلف ہوتا ہے، چاہے دونوں کا وزن برابر ہی کیوں نہ ہو اور تکلف کے معنی کا دائرہ بھی وسیع کیا جائے اور کنجی ایک تولہ کی قرار دی جائے تو بھی ہر شخص کے حصہ میں چار سو کنجیاں آتی ہیں، اس طرح دس آدمیوں کے حصہ میں چار ہزار کنجیاں ہوتی ہیں، اگر ہر کنجی ایک صندوق کی مانی جائے تو چار ہزار صندوق ہوئے تو ایک بڑے مالدار کے پاس چار ہزار صندوقوں کا نقد رقم سے بھرا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، یقیناً اتنے اتنے روپیوں کے مالک اب بھی ہوں گے۔

اور ﴿ وَيْلَكُمْ ﴾ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، اس سے مقصود بددعا نہیں ہے، بلکہ پیار ومحبت، رحم اور غلطی جتانے کے لئے ایسے الفاظ ہماری زبان کے محاوروں میں بولے جاتے ہیں، اسی طرح یہ عربی کا محاورہ ہے۔ اور ﴿ لَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴾ میں جو کامل کی قید لگائی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مطلق مؤمن کے لئے نفس ثواب حاصل ہے۔

اور قارون کو جس شرارت کی وجہ سے دھنسایا گیا، اس کے بارے میں درمنثور میں کئی محدثین نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام سے شرعی احکام خاص طور سے زکوٰۃ کے حکم کی وجہ سے دشمنی وعداوت تھی، اس نے کسی فاجر عورت سے کچھ روپے دینے کا وعدہ کر کے پھسلایا کہ تو مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر برے کام کی تہمت لگا دینا، لیکن جب اس کا موقع آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو ہدایت دی اور اس نے سچائی بیان کر دی۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا، آپ نے بددعا فرمائی جس سے وہ اپنے گھر بار سمیت زمین میں دھنس گیا۔

اور قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے: ﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ﴾ آگے اس کی تفصیل میں فرمایا ہے ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ﴾ اور ذنب عام ہے، ممکن ہے کہ اسی ذنب کا ذکر ہو یا اس کے علاوہ اور بھی ہو۔ اور سب سے بڑا ذنب کفر کرنا اور ایمان نہ لانا ہے، شاید یہ پہلے ہی ایمان نہ لایا ہو، جیسا کہ سورۂ مؤمن آیت ۲۳ و ۲۴ ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ الخ سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آوے گا، اُس کو اُس سے بہتر ملے گا اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں، اُتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

ربط: اوپر قارون کے قصہ میں ﴿ فَبَغٰی عَلَیۡہِمۡ ﴾ اور ﴿ لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ ﴾ سے تکبر، معصیت اور فخر کرنا واترانا اور اس کا مذموم اور مردود ہونا اور ﴿ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ ﴾ سے آخرت کا ثواب اور ایمان و نیک عمل کا خیر اور مقصود ہونا بیان ہوا ہے، اور اس سے پہلے بھی عیش کے سامان پر اترانا اور دنیا کی متاع کا باطل و فانی ہونا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کا خیر اور باقی ہونا ارشاد ہوا تھا۔ اب اس کی تقویت و توضیح کے لئے آخرت کے ثواب کا حاصل ہونا گھمنڈ اور فساد کا نہ ہونا اور تقوی کی شرطوں کا ہونا اور آخرت میں اعمال کا مدار ہونا بیان فرماتے ہیں۔

آخرت کی جزاوسزا کے لئے طاعت ومعصیت کا مدار ہونا:

یہ آخرت کا عالم (جس کے ثواب کا مقصود ہونا اوپر ﴿ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ ﴾ الخ میں بیان ہوا ہے) ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو نہ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا (یعنی نہ تکبر کرتے ہیں کہ نفسانی معصیت ونافرمانی ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ کرتے ہیں خاص طور سے ایسا گناہ جس کا اثر دوسروں تک پہنچے۔ جیسا کہ فرعون اور قارون بڑا بننے یعنی تکبر اور فساد کے مرتکب ہوئے جیسا کہ ارشاد ﴿ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا ﴾ سے ﴿ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴾ تک اور ﴿ فَبَغٰی عَلَیۡہِمۡ ﴾ اور ﴿ لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ ﴾ میں ہے۔ اور (صرف جن باتوں وکاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے رک جانا ہی کافی نہیں، بلکہ) نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے (جو کہ جن باتوں اور کاموں سے منع کیا گیا ہے، ان سے رکنے کے ساتھ ساتھ جن کاموں اور باتوں کا حکم دیا گیا ہے انہیں انجام بھی دیتے ہوں، اور جن کاموں اور باتوں کو کرنے سے منع کیا گیا اور جن کا حکم دیا گیا۔ انہیں انجام دینے اور انجام نہ دینے پر آخرت میں نتائج سامنے آنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ) جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا، اس کو اس (کے تقاضے) سے بہتر (بدلہ) ملے گا (کیونکہ تقاضا تو صرف اس قدر ہے کہ عمل کی حیثیت کے مطابق بدلہ ملے، مگر وہاں زیادہ ملے گا، جس کا کم سے کم درجہ دس گنا ہے) اور جو شخص بدی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے (یعنی اس کے تقاضہ سے زیادہ نہ ملے گا)

فائدہ: یہ تکبر اور گھمنڈ وفساد اگر کفر کی حد تک ہے تب تو مطلق آخرت کا ثواب حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے اور اگر کفر کی حد تک نہیں ہے تو آخرت کے ثواب کے کمال کے حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اور ﴿ یُرِیۡدُوۡنَ ﴾ میں اشارہ ہے کہ معصیت کا ارادہ بھی معصیت ہے چاہے، معصیت پر اختیار نہ ہو۔ اور اس موقع سے متعلق کچھ مضامین سورۂ انعام آیت ۱۶۰ میں ﴿ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ ﴾ کی تفسیر میں گذر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡہُدٰی وَ مَنۡ ہُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَہِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعۡدَ

اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَيۡكَ وَادۡعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ ﴿ ع ۱۲ ﴾

ترجمہ: جس خدا نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو اصلی وطن میں پھر پہنچادے گا۔ آپ فرمادیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جاوے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے۔ اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پاوے کہ یہ لوگ آپ کو اُن احکام سے روک دیں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جیے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اُس کی ذات کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔

ربط: اوپر رسالت اور توحید اور بعث کے مضمون دور سے چلے آ رہے ہیں۔ بلکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے محمد ﷺ کی رسالت پر استدلال کے اعتبار سے اس قصہ کو بھی رسالت کے مضمون سے متعلق کہا جائے تو گویا سورت کے شروع ہی سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ آگے خاتمہ میں انتہائی بلاغت اور اختصار کے ساتھ انہی رسالت توحید اور بعث کے مضمونوں کو خلاصہ کے طور پر دہرایا جا رہا ہے۔ اور رسالت کے مضمون کے ساتھ آپ کی تسلی اور توحید کے مضمون کے ساتھ ساری ممکن چیزوں کے وجود کی کمزوری اور بعث کے مضمون کے ساتھ جزا و سزا کا بیان ہے۔ اس طرح گویا خاتمہ سورت کے مضمونوں کا اختصار و خلاصہ ہے۔ ان آیتوں کی تفسیر میں بعض روایتوں کو بھی دخل ہے۔

پہلی روایت: جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ کے لئے چلے تو جحفہ پہنچ کر آپ کو مکہ کا اشتیاق ہوا جو کہ آپ کا وطن تھا وہاں وعدہ کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ ﴾ الخ جس میں آپ کو مکہ میں دوبارہ جانے کی خبر دی گئی جو فتح مکہ کے دن نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتھ پوری ہوئی۔ جیسا کہ الدرالمنثور میں کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں بخاری کی روایت بھی ہے۔

دوسری روایت: مکہ کے کافر آپ سے کہا کرتے تھے ﴿ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ ﴾ "بیشک آپ گمراہ ہیں" اس کا جواب دیا گیا ﴿ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ ﴾ الخ

تیسری روایت: مکہ کے کافر آپ سے کہا کرتے تھے کہ آپ اپنے باپ دادا کا دین اختیار کر لیجئے اس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿ فَلَا تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ یعنی "آپ کافروں کی تائید نہ کیجئے" یہ آخر کی دو روایتیں محی السنہ نے معالم میں نقل کی ہیں اور اگرچہ سند ذکر نہیں کی ہے، لیکن قرآن کے الفاظ کے مطابق ہونے سے اس روایت کے صحیح ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور ایسی باتوں کا کافروں کا کہنا یقینی ہے، چاہے عنوان اور الفاظ کچھ بھی ہوں واللہ اعلم۔

اور اس تحریر کے بعد لباب میں مع سند کے اس قسم کی روایت نظر سے گذری جو سورۂ احزاب کی تفسیر کے شروع میں تلخیص کے طور پر اور اس کے عربی حاشیہ میں مکمل بیان کی گئی ہے اور اگر چہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس سے تائید میں کوئی نقصان نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہاں یہ عبارت مذکورہ تفسیر کی عبارت لکھتے وقت بڑھائی گئی ہے۔

رسالت، توحید اور بعث کے بیان پر خاتمہ:

(اور آپ کے ان مخالفوں نے آپ کو پریشان کر کے جو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا ہے جس سے زبردستی کی جدائی کی وجہ سے آپ کو بہت صدمہ ہے تو آپ تسلی رکھیں) جس اللہ نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے (جو مجموعی طور پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے) وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور سلطنت کے مالک ہوں گے اور اگر ایسی حالت میں قیام کے لئے دوسری جگہ تجویز کی جاتی ہے تو مصلحت کے تحت اور اختیار سے ہوتی جس سے رنج نہیں ہوتا، اور مبتدا ﴿اَلَّذِیْ فَرَضَ﴾ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس میں اس پیشین گوئی کے سچ ہونے پر تنبیہ ہے، کیونکہ کلام کا حاصل یہ ہے کہ جس نے آپ کو نبی اور صاحب وحی بنایا ہے اور نبی سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ وحی کے قطعی ہونے کی وجہ سے یقیناً سچ ہوتا ہے۔ وہ آپ سے یہ وعدہ کرتا ہے، لہٰذا یقیناً واقع ہوگا اور اس میں ﴿فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ سے نقل کے طور پر اور پیشین گوئی کے واقع ہونے سے عقلی طور پر آپ کی نبوت کی دلیل ہوگئی اور آپ کی نبوت کی تحقیق ہونے کے باوجود یہ لوگ جو آپ کو غلطی پر اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں تو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون (اللہ کی جانب سے) سچا دین لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں (مبتلا) ہے (یعنی میرے حق ہونے پر اور تمہارے باطل ہونے پر قطعی دلائل موجود ہیں، مگر جب تم ان دلیلوں سے کام نہیں لیتے تو آخر میں جواب یہی ہے کہ خیر اللہ کو معلوم ہے وہ بتا دے گا) اور (آپ کی یہ دولت صرف اللہ کی دی ہوئی ہے، یہاں تک کہ خود) آپ کو (نبی ہونے سے پہلے) یہ امید نہیں تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی۔ مگر صرف آپ کے رب کی مہربانی سے یہ نازل ہوئی تو آپ (ان لوگوں کی خرافات یعنی بے کار باتوں کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کافروں کی بالکل تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پائے (جیسا کہ اب تک نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو ان احکام سے روک دیں) اور آپ (اس طرح) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیئے اور (جس طرح اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ بھی کبھی) ان مشرکوں میں شامل نہ ہوں اور جس طرح اب تک شرک سے معصوم ومحفوظ ہیں، اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا (ان آیتوں میں کافروں اور مشرکوں کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور گفتگو کا رخ انہی کی طرف ہے۔ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو، اس میں

کامیابی کا کبھی بھی کوئی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے، اس سے بات نہیں کیا کرتے اور اپنے محبوب سے باتیں کر کے اسے سنایا کرتے ہیں۔ اور ﴿ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا ﴾ الخ اس سے کلام شروع کیا تا کہ منع کی ہوئی چیزوں کے منفی ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے کہ جو شخص محض فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت سے نوازا گیا ہو، بھلا وہ کافروں کی موافقت کیسے کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام پر عمل سے کیسے رکے گا؟ اور جب وہ دوسروں کو حق کی طرف بلاتا ہے تو خود مشرک کیسے بن جائے گا اور ایسے معبود کو چھوڑ کر جو فضل و کرم کرنے والا ہے دوسرے باطل معبود کو کیسے اختیار کرلے گا؟ اور اس توجیہ کی تائید ابن عباسؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو معالم میں ہے کہ یہ صرف ظاہر میں آپ کو خطاب ہے، مقصود آپ نہیں ہیں۔

یہاں تک رسالت سے متعلق مضمون قصداً تھا اگرچہ ضمناً توحید کا مضمون بھی آ گیا۔ آگے توحید کا مضمون قصداً ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، سوائے اس کی ذات کے) لہٰذا کسی چیز کا نہ ہونا اس کے قدیم نہ ہونے کی دلیل ہے اور قدیم نہ ہونا واجب نہ ہونے کی دلیل ہے اور عبادت کا مستحق ہونے کے لئے واجب ہونا شرط ہے اور شرط کے فوت ہونے کے لئے مشروط کا فوت ہونا لازم ہے، لہٰذا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہ ٹھیرا۔ یہ توحید کا مضمون ہو گیا۔

آگے بعث یعنی آخرت کا مضمون ہے کہ) اسی کی حکومت ہے (جو پوری طرح قیامت میں ظاہر ہوگی) اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے (لہٰذا وہ سب کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا، یہ آخرت کا مضمون بھی ختم ہو گیا۔

اور شاید رسالت کا مضمون ذرا زیادہ اس لئے ہوا کہ اس کے ماننے سے باقی دونوں مسئلے آسانی کے ساتھ مان لئے جاتے، اس لئے اس کا زیادہ اہتمام ہوا ہو۔ واللہ اعلم

فائدہ: جن روایتوں میں جنت وجہنم اور عرش و کرسی کا فنا نہ ہونا آیا ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو جائیں تو بھی دلیل کے صحیح ہونے اور استدلال کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ ھالک یعنی ہلاک ہونے والا ھالک الذات اور ھالک الصفات یعنی ذات اور صفتوں کے ہلاک ہونے کے لئے عام ہو جائے گا اور صفتیں سب کی بدلتی ہیں، خاص طور سے زمانہ کی قید کے ساتھ کہ اس سے پاکیزہ مطلق یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں، لہٰذا سب ہالک یعنی ہلاک ہونے والے ثابت ہوئے اور چونکہ حوادث کا محل و موقع خود حادث ہوتا ہے، اس لئے سب حادث ہوئے اور حدوث واجب نہ ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا استدلال بھی عام رہا۔

بحمد للہ! سورۃ القصص کی تفسیر ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی۔ و اللّٰہ الموفق لإتمام الباقی ﴿

(۲۹) سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵)
اٰيَاتُهَا ٦٩ ‏ رُكُوْعَاتُهَا ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: ﴿ الٓمّٓ ﴾ کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جاوے گا اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں، وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے؟ ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے۔ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

ربط: اس سورت میں زیادہ تر دین پر قائم رہنے میں رکاوٹوں سے متعلق احکام ہیں۔ ایک رکاوٹ کافروں کا مسلمانوں کو عملاً اذیت پہنچانا تھا جس سے سورت شروع کی گئی ہے یا قول کے لحاظ سے جیسے حد سے گذر جانے والے بعض اہل کتاب ایسی باتیں کہتے تھے۔ ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ﴾ یا نبوت کا انکار کرتے تھے جس کے سلسلہ میں آیت چھیالیس ﴿ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ ﴾ الخ میں ارشاد ہوا ہے۔ دوسری رکاوٹ بعض کافروں کا مسلمانوں پر قولی یا زبان سے جبر و زیادتی کرنا تھا جس کا بیان آیت چھ ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ ﴾ میں ہے۔ تیسری رکاوٹ تھی کافروں کا مسلمانوں کو بہکانا۔ جس کا بیان آیت ۱۲ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ میں ہے۔ اور مذکورہ امور میں سے اکثر کا مقصود کافروں کو ان کے دین سے ہٹا دینا تھا اور یہی مضمون گذشتہ سورت کے خاتمہ کی آیت ﴿ وَلَا يَصُدُّنَّكَ ﴾ الخ میں خاص عنوان سے بیان ہوا تھا۔ اس سے اس سورت کے شروع اور گذشتہ سورت کے

خاتمہ سے ربط بھی ظاہر ہوگیا۔ اور ان رکاوٹوں کے درمیان دوسرے مناسب مضمون بھی آگئے ہیں، پھر تسلی کے لئے بعض گذشتہ امتوں کے قصے بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک اس امر کے معلوم ہونے سے تسلی ہوسکتی ہے کہ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کی مخالفت کرتے رہے ہیں جس کا ذکر مختصر انداز میں آیت ۲ ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ ﴾ الخ میں بھی ہوا تھا۔ دوسری تسلی اس سے ہوئی کہ آخر میں اہل باطل ہی ناکام نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہوئے، یہ بھی مختصر انداز میں آیت ۴ ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ میں بیان ہوا ہے۔ تیسری تسلی اس سے ہوئی کہ اہل حق کو ان کے صبر واستقلال کا ثمرہ دنیا اور آخرت میں ملتا ہے جس کی آیت ۲۷ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا ﴾ الخ میں ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں تصریح ہے۔ اور سورت کے شروع میں آیت ۷ و ۹ میں بھی عام عنوان سے ذکر ہے جو ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے شروع ہوئی ہیں۔ چوتھی رکاوٹ ہجرت سے رزق کی فکر تھی جس کی طرف آیت ۵۶ سے ۶۰ تک یعنی ﴿ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ سے ﴿ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ﴾ تک اشارہ ہے اور ان سب آیتوں کے درمیان میں توحید اور نبوت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ جو کافروں کی اس تمام تر مخالفت اور اذیت کا بڑا سبب تھا، آیت ۴۱ ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا ﴾ الخ میں اور آیت ۶۳ ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ ﴾ سے آیت ۶۵ ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ ﴾ تک توحید اور آیت ۴۸ ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا ﴾ سے مناظرہ کے طور پر اور آیت ۴۵ ﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ سے آیت ۵۴ ﴿ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ﴾ الخ تک نبوت اور ان اصولی مسئلوں کے ساتھ بعض فروعی احکام تھے جو بہت اعظم اور بڑی شان والے تھے۔ آیت ۴۵ ﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِىَ ﴾ الخ میں (وہ احکام) ذکر فرمادیئے گئے ہیں جو نبوت پر بھی دلالت کرتے ہیں اور ان اصولوں کے انکار پر بعض آیتوں میں کافروں کو لعنت وملامت فرمائی گئی ہے اور آخر میں آیت ۶۹ ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا ﴾ میں کافروں کی ان دشواریوں، پریشانیوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اور دین پر قائم رہنے والوں کو عظیم خوش خبری دے کر سورت ختم کردی گئی اور چونکہ اس محنت وشفقت کا شروع کی آیت ۶ ﴿ وَمَنْ جَاهَدَ ﴾ الخ میں بھی ذکر تھا، اس لئے سورت کے شروع اور آخر میں بھی مناسبت ہوگئی اور اگر شروع میں آیت ۶ میں ﴿ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ﴾ اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ ﴾ کے اثر میں جو جیت اور آخر میں آیت ۶۹ ﴿ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ اور ﴿ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ کے اثر میں جو انسیت ہے، ان پر نظر کی جائے تو اس ترتیب سے جو ترتیب کا لطف معلوم ہوتا ہے، اس سے ایک وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کافروں کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرنے پر

مؤمنوں کو ابھارنا اور دونوں فریق کے لئے جزاوسزا کا بیان

﴿ الٓمّٓ ﴾ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، بعض مسلمان جو کافروں کی اذیتوں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان

لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں (طرح طرح کی مصیبتوں سے) آزمایا نہ جائے گا (یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحان بھی پیش آئیں گے) اور ہم تو (ایسے ہی واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) گذر چکے ہیں (یعنی دوسری امتوں کے مسلمانوں پر بھی اسی طرح کے معاملے گذرے ہیں) تو (اسی طرح ان کی بھی آزمائش کی جائے گی، اور اس آزمائش میں) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعوے میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا (چنانچہ جو سچائی اور پکے عقیدہ کے ساتھ مسلمان ہوتے ہیں، وہ امتحانوں میں ثابت قدم رہتے ہیں، بلکہ اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں، اور جو وقت کو ٹالنے اور گذارنے کے لئے مسلمان ہو جاتے ہیں، وہ ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں یعنی امتحان کی ایک یہی حکمت ہے، کیونکہ خلط ملط ہونے میں بہت سے نقصان ہوتے ہیں۔ خاص طور سے ابتدائی حالت میں۔

یہ مضمون تو مسلمانوں سے متعلق ہوا۔ آگے ان اذیت و تکلیف دینے والے کافروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) تو کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے۔ ان کی یہ تجویز نہایت ہی بے ہودہ ہے (یہ جملہ معترضہ کے طور پر تھا، جس میں کافروں کا برا انجام سنا کر مسلمانوں کی ایک حد تک تسلی کر دی کہ ان اذیتوں کا ان کافروں اور مشرکوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

آگے پھر کلام کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے کہ) جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو (اس کو تو ایسی ایسی باتوں اور حادثوں سے پریشان ہونا ہی نہیں چاہئے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (کے ملنے) کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے (جس سے سارے دکھ درد و غم دور ہو جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾) اور وہ سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے) نہ کوئی قول اس سے پوشیدہ، ڈھکا چھپا ہے اور نہ ہی کوئی فعل۔ لہٰذا آخرت میں ملاقات کے وقت ساری قولی و فعلی طاعتوں کا صلہ دے کر سب غم دور کر دے گا) اور (یاد رکھو کہ ہم جو تمہیں مشقتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی فائدہ و نفع نہیں، بلکہ) جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے (ورنہ) اللہ تعالیٰ کو (تو) تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں (اس میں بھی تکلیفوں اور پریشانیوں پر صبر و تحمل کی ترغیب ہے، کیونکہ اپنے نفع کی خبر ہونے سے وہ فعل زیادہ آسان ہو جاتا ہے) اور (جو نفع طاعت سے ہوتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے (جن میں بعض گناہ جیسے کفر و شرک تو ایمان سے دور ہو جاتے ہیں اور بعض گناہ توبہ سے جو کہ نیک اعمال میں داخل ہیں اور بعض گناہ صرف نیک کام کرنے سے اور بعض صرف اللہ کے فضل سے معاف ہو جائیں گے۔ اور کوئی گناہ تھوڑی سزا کے بعد، اور تکفیر (معاف کرنا) سب کے لئے عام ہے) اور انہیں ان کے (ان) اعمال (ایمان اور نیک اعمال) کا (مستحق ہونے سے) زیادہ اچھا بدلا دیں گے (لہٰذا اتنی ترغیبوں پر طاعت اور مجاہدہ پر قائم رہنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے)

فائدہ: ﴿النَّاسُ﴾ میں الف لام عہد کا ہے جس کا مصداق خاص خاص مؤمنین ہیں، جو اس وقت مصیبتوں میں مبتلا تھے یا یہ الف لام جنس کا ہے جس کے سچا ہونے کے لئے بعض افراد کا پایا جانا کافی ہے، للہذا دونوں تقدیروں پر یہ شبہ نہ رہا کہ بعض مؤمنوں کو کوئی بھی تکلیف پیش نہیں آئی۔ اور ﴿لَيَعْلَمَنَّ﴾ کے ترجمہ میں ظاہری کی قید کی شرح سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ ﴿لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دونگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہونگے اور نیک عمل کئے ہونگے ان کو نیک بندوں میں داخل کردیں گے۔

ربط: کافر لوگ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کی فکر و کوشش میں لگے رہتے تھے، بعض اذیتیں پہنچاتے تھے جن کا اوپر بیان ہوا۔ اور بعض دوسرے طریقوں سے مجبور کرتے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان سے کہا کہ اللہ کا والدین کی اطاعت کا حکم ہے تو میں قسم کھاتی ہوں کہ جب تک تو اسلام کو نہ چھوڑے گا میں کھانا پینا نہیں چکھوں گی، چاہے میری جان نکل جائے۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی، جیسا کہ اللباب میں مسلم اور ترمذی سے روایت ہے، جس میں ارشاد ہے کہ ایسی بات میں والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اس کے آخر میں اس سے متعلق ترغیب و ترہیب مختصر انداز میں اور دوسری آیت میں اللہ کی طاعت پر ترغیب صراحت کے ساتھ ارشاد ہے۔

دین کے خلاف کرنے میں والدین کی اطاعت سے روکنا مع ترہیب و ترغیب:

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں ہے (اور ہر چیز ایسی ہی ہے بلکہ تمام اشیا کے معبود نہ ہونے پر دلیلیں قائم ہیں) تو (اس بارے میں) تو ان کا کہنا نہ ماننا، تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، تو میں تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتادوں گا اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انھوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ہم انہیں نیک بندوں (کے درجہ یعنی جنت) میں داخل کریں گے (اور اسی طرح) برے اعمال پر ان کے لئے مناسب سزا دیں گے، للہذا اسی بنا پر جس نے والدین کی اطاعت کو

ہماری اطاعت پر مقدم رکھا ہوگا، وہ سزا پائے گا اور جس نے اس کے برعکس کیا ہوگا، وہ نیک جزا پائے گا، حاصل یہ ہوا کہ جس واقعہ کا اوپر ذکر ہوا اس میں ماں کی نافرمانی سے گناہ کا وسوسہ نہ کیا جائے)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہِ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذارسانی کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا۔

ربط: اوپر امتحان کے بارے میں خبر دینے کے ساتھ مختصر انداز میں ارشاد ہوا تھا ﴿ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جو جھوٹے تھے اور بعد میں اس کی تفصیل میں سچ بولنے والوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب جھوٹوں کا بیان ہے جو ذرا سی پریشانی سے گھبرا کر دین پر قائم نہیں رہ پاتے، اور خلاصہ کے طور پر اس مختصر انداز کے بیان کو اس کے مضمون کے ختم پر لایا گیا ہے اور یہ مضمون بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے جو مکہ سے ایمان لا کر ہجرت کر کے چلے آئے تھے، مکہ کے بعض سردار انہیں ہٹا لے گئے اور انہیں تکلیفیں پہنچائیں تو وہ دین پر ثابت قدم نہ رہ پائے جیسا کہ الدر میں السدی کے حوالہ سے ابن ابی حاتم سے روایت ہے اور الطبری نے اسے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

دین میں کمزور لوگوں کو ملامت:

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کے تکلیف پہنچانے کو اللہ کے عذاب کی طرح (بہت عظیم اور زیادہ) سمجھ لیتے ہیں (کہ جس سے آدمی بالکل ہی مجبور ہو جائے، اسی طرح اس تکلیف سے گھبرا کر دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے، اب تو یہ حال ہے) اور اگر (کبھی مسلمانوں کو) کوئی مدد (آپ کے رب کی طرف پہنچ جاتی ہے (جیسے جہاد ہوا اور اس میں ایسے لوگ بھی ہاتھ آ جائیں) تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم (دین وعقیدہ میں) تمہارے ساتھ تھے (یعنی مسلمان ہی تھے، اگرچہ جبر وزیادتی کی وجہ سے ظاہر میں کافروں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (یعنی ان کے دل ہی میں ایمان نہیں تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ

ایمان والوں کو اور منافقوں کو معلوم کر کے رہے گا۔

فائدہ: رد سے یہ مقصود نہیں ہے کہ ان کا اسلام قبول نہیں ہوگا بلکہ ماضی میں اسلام پر قائم رہنے کے دعوی میں انہیں جھوٹا قرار دیا گیا ہے اور اس کے باوجود کہ جبر وزیادتی میں زبان سے کفر کا کلمہ کہنے کی اجازت ہے، مگر یہاں اس پر ملامت ہے کہ دل سے کیوں کفر اختیار کیا تھا، جیسا کہ لفظ ﴿ صُدُوْرِ ﴾ سے معلوم ہے، اور کمزور طبیعت کے لوگ دل ہی سے یہ سوچ کر پھر جاتے ہیں کہ روز روز کے جھگڑے کون برداشت کرے، لاؤ انہی میں شامل رہو، اور آیت میں انہیں اسی اعتبار سے منافق فرمایا کہ گذشتہ زمانہ میں واقع میں تو مؤمن نہیں تھے لیکن مؤمن ہونے کا دعوی کرتے تھے۔ واللہ اعلم

اور احقر کے نزدیک اللہ کے عذاب سے تشبیہ دینے کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ عذاب دینے کے وقت جو زبان سے کہے گا وہی دل میں ہوگا، لہٰذا اشارہ اس طرف ہے کہ لوگوں کے فتنہ کی وجہ سے جو کفر کا کلمہ کہتا ہے، اس میں دل کو بھی بغیر ضرورت کے اس کے مطابق کر لیتا ہے، اور بغیر ضرورت اس لئے کہا کہ دل کی خبر تو جبر وزیادتی کرنے والے کو نہیں ہوتی پھر دل سے کفر اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳ ﴾ ع۱۲

ترجمہ: اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہونگے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور، اور یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے بازپُرس ضرور ہوگی۔

ربط: اوپر کافروں کے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ان دوسرے طریقوں کا ذکر تھا جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کی کوشش کرتے تھے، ان میں سے ایک طریقہ کا بیان اب ہے، وہ یہ کہ قریش کے کافر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اس دین میں وہ تمام چیزیں جن کے تم عادی ہو، حرام ہیں۔ تم اس دین سے ہٹ جاؤ، اگر قیامت واقع ہوئی تو تمہارے گناہ ہم اپنے ذمہ لے لیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ الدر میں مجاہد اور ابن الحنفیہ سے روایت ہے۔

کافروں کا جھوٹا اور معذب ہونا گناہوں کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی شکل میں:

اور کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم (دین میں) ہمارے راستہ پر چلو اور (قیامت میں) تمہارے گناہ (جو کفر اور دوسری نافرمانیوں سے ہوں گے) ہمارے ذمہ ہیں (اور تم ان سے بری ہو) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے

ذرا بھی (اس طرح کہ وہ بری ہو جائیں) نہیں لے سکتے، یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں، اور (البتہ یہ تو ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ (پورے پورے) اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے، اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ ہی) کچھ گناہ اور (بھی لادے ہوئے ہوں گے اور یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے سبب یہ اتراتے تھے، مگر اصل گنہ گار پھر بھی بری نہ ہوں گے۔ غرض دوسروں کا بوجھ تو ہلکا نہ ہوا، البتہ اس بہکانے اور گمراہ کرنے کے نتیجہ میں خود ان پر اور زیادہ بوجھ ہو گیا۔ چاہے بہکانے کا اثر نہ ہو، مگر ان کی طرف سے تو سبب کا عزم پایا گیا) اور یہ لوگ جیسی جھوٹی جھوٹی باتیں بناتے تھے (اس بارے میں) قیامت میں ان سے پوچھ تاچھ (اور پھر سزا) ضرور ہوگی۔

فائدہ: ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ﴾ اور ﴿لَيَحْمِلُنَّ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت سے ٹکراؤ کا وسوسہ دور ہو گیا۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان نے آ دبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔ پھر ہم نے اُن کو اور کشتی والوں کو بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔

ربط: اوپر کفار کی ایذاؤں اور مخالفتوں کا بیان تھا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تھا، اب تسلی کے لئے گذشتہ امتوں کے بعض واقعات ذکر فرماتے ہیں، اور یہ واقعات کس طرح تسلی ہیں اس کا تذکرہ سورت کی تمہید میں کیا گیا ہے۔

پہلا واقعہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (اور قوم کو سمجھاتے رہے) پھر (جب اس پر بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے تو) انہیں طوفان نے آ دبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے (کہ اتنی لمبی مدت تک سمجھانے پر بھی متاثر نہ ہوئے) پھر (اس طوفان کے آنے کے بعد) ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو (جو ان کے ساتھ سوار تھے، اس طوفان سے) بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے (جن کو قطعی ویقینی طور پر خبر پہنچی) عبرت کا سامان بنا دیا (کہ غور کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے)

فائدہ: روح المعانی میں ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن المنذ ر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وحاکم کی روایت سے حاکم کے صحیح قرار دینے کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اور انھوں نے ساڑھے نو سو برس نصیحت فرمائی، پھر طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے، اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار

پچاس سال ہوئی۔ واللہ اعلم

﴿ وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پُوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر کرو اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

دوسرا قصہ ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو (رسول بنا کر) بھیجا، جب انھوں نے اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو (اور ڈر کر شرک چھوڑ دو) یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (برخلاف شرک کے طریقہ کے کہ وہ محض بدتر ہے، کیونکہ) تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو (جو بالکل عاجز و مجبور اور ناکارہ ہیں) پوج رہے ہو وہ تمہیں کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے تو تم لوگ رزق اللہ کے پاس سے تلاش کرو (یعنی اسی سے مانگو کہ رزق کا مالک وہی ہے) اور (جب رزق کا مالک وہی ہے تو) اسی کی عبادت کرو اور (چونکہ پچھلا رزق بھی اسی کا دیا ہوا ہے تو) اس کا شکر کرو (ایک تو عبادت کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ نفع کا مالک ہے) اور (دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ نقصان کا بھی مالک ہے۔ چنانچہ) تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے (اس وقت وہ تمہیں کفر پر سزا دے گا) اور اگر تم لوگ (عبادت اور شکر کے واجب ہونے میں اور بعث کی خبر دینے میں) مجھے جھوٹا سمجھو تو (یاد رکھو کہ میرا کوئی نقصان نہیں، چنانچہ) تم میں سے پہلے بھی بہت سی ایسی امتیں (اپنے رسولوں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں (مگر ان لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے (منوانا اس کا کام نہیں، چنانچہ سارے نبی تبلیغ یعنی بات پہنچا دینے کے بعد اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے، اسی طرح میں بھی بری ہوں، لہٰذا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا، البتہ ماننا تمہارے ذمہ واجب تھا، اس کو چھوڑ دینے سے تمہارا نقصان ضرور ہوا)

فائدہ: یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا بیان ہوا۔ آگے کئی آیتوں کے بعد قوم کا مقولہ اور ﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ

﴿قَوۡمِهٖۤ﴾ سے باقی قصہ اور دعوت کا مضمون آئے گا اور درمیان میں ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا﴾ سے ﴿عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ تک جملہ معترضہ کے طور پر بعث وجزا سے متعلق جس کا ذکر اوپر ﴿اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ میں بھی تھا، گفتگو کا رخ عرب کے کافروں کی طرف اس مناسبت سے ہے کہ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخالفت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مشابہ تھے، اس لئے انہیں خبردار کردیا گیا کہ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعوت تھی، جس میں ﴿اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ بھی شامل ہے، جو بعث پر دلالت کرتا ہے اور اگر اب بھی اس میں شبہ ہو تو اگلا مضمون سن لیں۔

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنۡشِئُ النَّشۡاَۃَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿۲۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِکَ یَئِسُوۡا مِنۡ رَّحۡمَتِیۡ وَ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۳﴾﴾ ع ۹ ۱۴

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحمت فرماوے گا اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور خدا کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ میری رحمت سے نا اُمید ہونگے اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا۔

ربط: اوپر والی آیتوں کے فائدہ کے ذیل میں بیان ہو چکا۔

بعث اور جزا و سزا کا بیان:

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (کہ جو چیز پہلے کہیں موجود نہیں ہوتی اس کو وجود میں لاتا ہے) پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے (بلکہ دیکھا جائے تو دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلہ میں بہت زیادہ آسان ہے اگرچہ ذاتی قدرت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور یہ لوگ پہلے امر کا تو اعتراف کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ اور دوسرا معاملہ اسی کی طرح ہے لہٰذا اس کی قدرت ہونا بھی اس دلیل سے معلوم ہوگیا اس لئے ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا﴾ اس سے بھی

متعلق ہوسکتا ہے اور زیادہ اہتمام کے لئے اب پھر یہی مضمون عنوان کے تھوڑے فرق کے ساتھ سنانے کے لئے حضور ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (پہلے عنوان ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ ﴾ میں پہلی بار پیدا کرنے سے عقلی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ اس پر ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا ﴾ دلالت کرتا ہے اور دوسرے عنوان ﴿ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا ﴾ میں پہلی بار پیدا کرنے کے حسی علم سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال ہے جیسا کہ ﴿ فَانْظُرُوْا ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے جس میں پہلے کے مقابلہ میں ترقی ہے کہ جس سے استدلال کیا جارہا ہے وہ صرف عقلی امر نہیں بلکہ حسی امر ہے۔ یہ تو بعث کا اثبات تھا۔

آگے جزا کا بیان ہے کہ بعث کے بعد (جس کو چاہے گا عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے گا رحمت فرمائے گا (یعنی جو اس کا اہل ہوگا) اور (اس عذاب دینے اور رحمت میں کسی اور کا دخل نہ ہوگا، کیونکہ) تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (نہ کہ کسی اور کے پاس) اور (اس کے عذاب دینے سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، چنانچہ) تم نہ زمین میں چھپ کر اللہ کو) ہرا سکتے ہو (کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ) اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی مددگار (چنانچہ نہ اپنی تدبیر سے بچ سکتے ہو اور نہ ہی دوسرے کی حمایت سے) اور (ہم نے جو اوپر کہا تھا ﴿ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اب ایک کلی قاعدہ سے اس کا مصداق بتاتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے اور (خاص طور سے) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے (یعنی وہ اس وقت دیکھ لیں گے کہ ہم امید کے مستحق نہیں ہیں) اور یہی ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا۔

فائدہ: ﴿ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ سے مقصود اگر اللہ تعالیٰ کا نقصان کا مالک ہونا کہا جائے اور ﴿ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴾ سے دوسرے کا مالک نہ ہونا لیا جائے تو مضمون کی تکرار نہ رہے گی۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تاکید مقصود ہے، اور عنوان کا مختلف ہونا تو ظاہر ہے اور چونکہ فکر کو روشن کرنے کے لئے ایک چیز کا مشاہدہ کافی ہے اور نظر کو روشن کرنے کے لئے بہت ساری چیزوں کے مشاہدہ کی ضرورت ہے، اس لئے ﴿ فَانْظُرُوْا ﴾ کے ساتھ ﴿ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾ آیا ہے اور چونکہ نظر کے اس امر سے زیادہ اہتمام مقصود ہے، اس لئے قل کی تصریح بھی فرمائی۔ اور اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ متصل عنوان ”آخری بار بھی پیدا فرمائے گا“ اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ ﴿ یُبْدِئُ ﴾ کی تفسیر اور وضاحت ہو جائے، جو اہتمام کا تقاضہ ہے اور عقل سے مستقبل کا علم بھی ہوتا ہے اور نظر سے صرف اس کا علم ہوتا ہے جو پہلے بن کر اب تک موجود ہے۔ اس لئے ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا ﴾ کے ساتھ ﴿ یُبْدِئُ ﴾ مضارع اور ﴿ فَانْظُرُوْا ﴾ کے ساتھ ﴿ بَدَاَ ﴾ ماضی نہایت مناسب ہوا۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے ذہن میں آیا۔

﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: سوان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو، سو اللہ نے ان کو اُس آگ سے بچالیا، بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں اور ابراہیم نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے پس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جاوے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سو صرف لوط نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیم نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے اُن کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے۔

ربط: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ﴾ الخ کے فائدہ کے ذیل میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

ابراہیم علیہ السلام کا باقی قصہ:

تو (ابراہیم علیہ السلام کی دل پر اثر کرنے والی اس تقریر کے بعد) ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (وہ آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) تو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا (جس کا قصہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے) بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں، کئی نشانیاں ہیں (یعنی اس واقعہ سے کئی امور پر دلالت ہوتی ہے: (۱) اللہ کا قادر ہونا (۲) ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا (۳) کفر و شرک کا باطل ہونا۔ اس طرح ایک دلیل کئی امور کے اعتبار سے اعتبار کے مختلف ہونے سے کئی دلیلوں کی جگہ ہوگئی) اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (وعظ و نصیحت میں یہ بھی) فرمایا (چاہے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد یا اس سے پہلے بھی) کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے تو یہ تمہارے دنیاوی آپسی تعلقات کی وجہ سے ہے (چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی اپنے علاقہ اور دوستی اور رشتہ داروں کے طریقہ، رسم و رواج پر پایا تو اس وجہ سے چلتا ہے کہ وہ حق کے سلسلہ میں غور ہی نہیں کرتا اور یا سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ اگر اس طریقہ اور رسم و رواج کو چھوڑے گا تو یہ سب چھوٹ جائیں گے) پھر

قیامت میں (تمہارا یہ حال ہوگا کہ) تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے (جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے ﴿لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ اور سورۂ سبا میں ﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ﴾ اور سورۂ بقرہ میں ہے ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا﴾ الخ) اور (اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا تو (اتنے وعظ و نصیحت پر بھی ان کی قوم نے نہ مانا) صرف لوط (علیہ السلام) نے ان کی تصدیق فرمائی۔ اور (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا کہ میں (تم لوگوں کے درمیان نہیں رہتا، بلکہ) وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی جگہ کی) طرف چلا جاؤں گا، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے (وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھے اس کا صلہ دے گا) اور ہم نے (ہجرت کے بعد) انہیں اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمائے اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی اونچے درجہ کے) نیک بندوں میں ہوں گے (اس صلہ سے مراد قرب اور قبولیت ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ہے ﴿لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا﴾ الخ

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۞ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞ وَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞﴾ ع ۱۵

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو، سو ان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو اُن فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیم

نے فرمایا کہ وہاں تو لوط ہیں، فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم اُن کو اور اُن کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز ان کی بی بی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں سے ہوگی۔ اور جب ہمارے وہ فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگدل ہوئے اور فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے، بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان رہنے دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

تیسرا قصہ: لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو رسول بنا کر بھیجا، جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا، کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام یہی ہے) اور (اس کے علاوہ دوسری نامعقول حرکتیں بھی کرتے ہو، جیسے یہ کہ) تم ڈاکہ ڈالتے ہو (جیسا کہ الدر میں ابن زید سے روایت ہے) اور (غضب یہ ہے کہ) اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو (اور [1] معصیت ونافرمانی کا اعلان واظہار یہ خود ایک معصیت اور عقلی برائی ہے) تو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ، اگر تم (اس بات میں) سچے ہو (کہ یہ افعال عذاب کا سبب ہیں) لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ان مفسد لوگوں پر غالب (اور انہیں عذاب سے ہلاک) کردے اور (ان کی دعا قبول ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دینے کے لئے فرشتے مقرر فرمائے اور ان فرشتوں کو دوسرا کام یہ بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیں۔ چنانچہ) ہمارے (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس (ان کے فرزند اسحاق کے پیدا ہونے کی خوش خبری لے کر آئے تو (گفتگو کے دوران جس کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ ہے) ان فرشتوں نے (ابراہیم علیہ السلام سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو (جس میں لوط علیہ السلام کی قوم آباد ہے) ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہاں تو لوط (علیہ السلام بھی موجود) ہیں (وہاں عذاب نہ بھیجا جائے کہ انہیں تکلیف ہوگی) فرشتوں نے کہا کہ ہمیں سب معلوم ہے کہ وہاں کون کون ہے، ہم انہیں اور ان کے خاص متعلقین کو (یعنی ان کے خاندان والوں کو اور جو دوسرے مؤمن ہیں، اس عذاب سے) بچالیں گے (اس طرح کہ عذاب کے نازل ہونے سے پہلے انہیں بستی سے باہر نکال لے جائیں گے) سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (جس کا ذکر سورۂ ہود

(۱) اس سے وہی اتیان رجال مراد ہے کہ سرعام کرتے تھے۔

اور سورۂ حجر میں گذر چکا۔ یہ گفتگو تو ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی) اور (پھر وہاں سے فارغ ہوکر) جب ہمارے وہ بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے (اس لئے) سخت پریشان ہوئے (کہ وہ بہت حسین جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے انہیں آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نا معقول حرکت کا خیال آیا) ان (کے آنے کے سبب ان) کا دل تنگ ہوا اور (فرشتوں نے یہ حال دیکھا تو وہ) فرشتے کہنے لگے کہ آپ (کسی بات کا) اندیشہ نہ کریں اور نہ رنج کریں (ہم آدمی نہیں ہیں، عذاب کے فرشتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ اور اس عذاب سے) ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہنے والوں میں ہوگی (اور آپ کو متعلقین سمیت اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (باقی) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب (یعنی غیر طبعی اور غیر زمینی اسباب سے) ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں (چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور غیبی قسم کے پتھر برسائے گئے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (اب تک) چھوڑ رکھے ہیں، ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں (چنانچہ مکہ والے لوگ شام کے سفر میں ان ویران مقامات کو دیکھتے تھے اور جو عقل والے تھے، وہ اس سے عبرت بھی حاصل کرتے اور ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھاتے تھے کہ ڈر کر ایمان لے آتے تھے۔

فائدہ: سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں یہ قصہ گذر چکا ہے، اس سے متعلق ضروری فائدے وہاں لکھے گئے ہیں۔

﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٣٧﴾

ترجمہ: اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا، سو انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

چوتھا قصہ: شعیب علیہ السلام کا:

اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان (کی برادری) کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا تو انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو (اور شرک چھوڑ دو) اور قیامت کے دن سے ڈرو (اور بعث کا انکار چھوڑ دو) اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ (یعنی اللہ کے اور بندوں کے حقوق کو ضائع مت کرو، جیسا کہ وہ کفر اور شرک کے ساتھ کم ناپنے تولنے کے بھی عادی تھے اور عدل وانصاف قائم کرنے کو چھوڑنے کا فساد ہونا ظاہر ہے) تو ان لوگوں نے شعیب علیہ السلام) کو جھٹلایا چنانچہ زلزلہ نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے۔

فائدہ: یہ قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں ضروری فوائد سمیت گذر چکا ہے۔

﴿ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ
جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا
بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا
بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آرہا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور ان کو راہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ ہوشیار تھے۔ اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا اور ان کے پاس موسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں بعضوں پر ہم نے تند ہوا بھیجی اور اُن میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبایا اور اُن میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور اُن میں بعض کو ہم نے ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں قصہ: عاد، ثمود، قارون، فرعون اور ہامان کا (بالاختصار)

اور ہم نے عاد و ثمود کو بھی (ان کے عناد اور مخالفت کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تمہیں ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آرہا ہے (کہ ان کی ویرانی و بربادی کے آثار ان سے ظاہر ہیں۔ اور یہ مقامات شام کو جاتے ہوئے ملتے تھے) اور (ان کی یہ حالت تھی کہ) شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو ان کی نظر میں اچھا بنا کر رکھا تھا، اور اس (ذریعہ سے) انہیں (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور (ویسے) وہ لوگ ہوشیار تھے (مجنون و دیوانے نہیں تھے، مگر انھوں نے اس معاملہ میں اپنی عقل سے کام نہ لیا) اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان (تینوں) کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی (حق کی) دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان لوگوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا، اور (ہمارے عذاب سے) بھاگ نہ سکے تو ہم نے (ان پانچوں میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا تو ان میں سے بعض پر تو ہم نے سخت ہوا بھیجی (اس سے قوم عاد مراد ہے) اور ان میں سے بعض کو ہولناک آواز نے آدبایا (اس سے ثمود مراد ہے جیسا کہ سورۂ ہود میں ارشاد ہے: ﴿ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ﴾) اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا دیا (اس سے قارون مراد ہے) اور ان میں سے بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا (اس سے فرعون و ہامان مراد ہیں) اور (ان لوگوں پر جو عذاب نازل ہوئے تو) اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا (کہ بغیر وجہ کے سزا دیتا، جو ظاہر میں شبہ

کے مشابہ ہے اگرچہ واقع میں اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کی وجہ سے یہ بھی ظلم نہ ہوتا) لیکن یہی لوگ (شرارتیں کرکے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے (کہ خود کو عذاب کا مستحق بنایا اور تباہ و برباد ہوئے تو خود اپنا نقصان کیا)

فائدہ: عاد و ثمود کا قصہ سورۃ اعراف اور ہود میں گذر چکا ہے۔ اور باقی تین کا سورۂ قصص میں۔

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مکڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے اور ایمان والوں کے لئے اس میں بڑی دلیل ہے۔

ربط: سورت کے شروع سے کافروں کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے مضمون کا سلسلہ یہاں تک چلا آیا ہے۔ اب توحید اور نبوت کی تحقیق ہے جو ایذا و تکلیف پہنچانے کی بنیاد تھی اور اس سے اس تکلیف پہنچانے کا ناحق ہونا بھی واضح ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ الخ

شرک کا بوداپن اور توحید کا اثبات:

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کام بنانے والے تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے (تو جس طرح اس مکڑی نے اپنے زعم میں ایک پناہ گاہ بنائی ہے مگر واقع میں وہ پناہ گاہ انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح یہ مشرک اپنے باطل معبودوں کو اپنے زعم میں اپنی پناہ گاہ سمجھتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ پناہ گاہ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے) اگر وہ (حقیقت کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے (یعنی شرک نہ کرتے، لیکن وہ نہیں جانتے تو کیا ہوا؟) اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور کمزوری) کو جانتے ہیں جن کو وہ لوگ اللہ کے سوا پوج رہے ہیں (لہٰذا وہ چیزیں تو نہایت کمزور ہیں) اور وہ (یعنی خود اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے (جس کا حاصل علمی و عملی قوت میں کامل ہونا ہے) اور (چونکہ ہم ان چیزوں کی حقیقت کو جانتے ہیں، اس لئے) ہم ان (قرآن کی مثالیں (جن میں سے ایک مثال اس مقام پر بیان کی گئی ہے) لوگوں کے (سمجھانے کے)

لئے بیان کرتے ہیں اور (ان مثالوں سے چاہئے تھا کہ ان لوگوں کا علم نہ ہونا جو ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے، علم سے بدل جاتا مگر) ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں (چاہے اس وقت علم رکھتے ہوں یا بعد میں علم حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں یعنی علم اور حق کے طالب ہوں اور یہ لوگ طالب بھی نہیں، اس لئے جہالت میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن ان کی جہالت کے باوجود حق ہی حق رہے گا جس کو اللہ جانتا ہے اور اپنے بیان کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے لہٰذا اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کا عبادت کا مستحق نہ ہونا تو ثابت ہوا۔ آگے اللہ تعالیٰ کے عبادت کے مستحق ہونے کی دلیل ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے (چنانچہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں) ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے عبادت کے مستحق ہونے کی) بڑی دلیل ہے۔

﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا جس کے ربط کی وجہ اس سے پہلے تمہید میں بیان ہو چکی ہے۔ اب نبوت کا ذکر ہے، اس ترتیب سے کہ پہلے ﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ ﴾ سے حضور ﷺ کو قولی تبلیغ اور ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ سے فعلی تبلیغ کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد اعمال کی فضیلت اور علم الٰہی کے بیان سے شریعتوں کی ترغیب وترہیب ہے، جس کا متعین مقصود تبلیغ ہے اور ﴿ لَا تُجَادِلُوْٓا ﴾ الخ سے ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ ﴾ تک رسالت کا انکار کرنے والوں سے خطاب ہے پہلے اہل کتاب سے پھر غیر اہل کتاب سے اور آگے ﴿ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ ﴾ الخ سے بعض رسالت کا انکار کرنے والوں کے ایک شبہ کا جواب ہے۔

رسالت سے متعلق کلام:

(اے محمد ﷺ! چونکہ آپ رسول ہیں اس لئے) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ (تبلیغ کے واسطے لوگوں کے سامنے) اس کو پڑھا کیجئے (اور قولی طور پر شریعت کے نفاذ کی کوشش کے ساتھ فعلی طور پر شریعت کے نفاذ کی کوشش بھی کیجئے کہ انہیں دین کے کام کر کے دکھائیے۔ خاص طور پر) نماز کی (جو کہ سب سے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے) پابندی رکھئے (تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی اتباع کریں، اور اس اتباع کے لئے اس کی فضیلت سنائی جاتی ہے کہ) بے شک نماز (اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے) بے حیائی اور غیر مناسب کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے (یعنی اپنے حال کی زبان سے کہتی ہے کہ جس معبود کی تم اتنی تعظیم کرتے ہو فحش ومنکر کاموں کا مرتکب ہو کر اس کی بے تعظیمی کرنا نہایت نامناسب

ہے) اور (اسی طرح نماز کے سوا جتنے بھی نیک اعمال ہیں، سب پابندی کے قابل ہیں کیونکہ وہ سب قول کے اعتبار سے یا فعل کے اعتبار سے اللہ کی یاد ہیں، اور) اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (یعنی اس میں بڑی فضیلت ہے، اس لئے پابندی کے قابل ہے) اور (ترغیب کے یعنی شوق ورغبت کے ساتھ ترہیب یعنی ڈرانے کا مضمون بھی عام عنوان سے سن لو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے (اور جیسا کام کرو گے ویسا بدلہ ملے گا۔ بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا)

فائدہ: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی﴾ کی جو وضاحت ترجمہ میں کی گئی ہے، اس سے مشہور شبہ جاتا رہا کہ اکثر لوگ نماز کے پابند ہونے کے باوجود برے کام بھی کرتے ہیں۔ شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نہی کے لئے انتہا یعنی روکنے کو لازم سمجھ لیا گیا۔ مذکورہ وضاحت کی بنیاد یہ ہے کہ روک دینا نہی کے لئے لازم نہیں، چنانچہ یہ نہی ایسی ہے جیسے حدیث میں قرآن مجید کی آیت ﴿جَآءَکُمُ النَّذِیْرُ﴾ کی تفسیر شیب یعنی بڑھاپے کے ساتھ آئی ہے جس سے بڑھاپے کا روکنے والا ہونا معلوم ہوا مگر بعض بوڑھے بھی نہیں ڈرتے، البتہ اگر حال کی زبان سے اس روکنے پر بار بار نظر پڑتی رہے تو اکثر اس کی وجہ سے معصیتوں سے رک جاتے ہیں۔ اور اس حدیث کے یہی معنیٰ ہیں جو روح المعانی میں احمد، ابن حبان اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے کسی شخص کا حال بیان کیا گیا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے ہی چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سینھاہ ما یقول: یعنی وہ جو کہہ رہے ہیں وہ اس کو چوری سے روک دے گا، تو آپ کو وحی کے ذریعہ خاص اس شخص کا حال معلوم ہو گیا ہوگا کہ خالی نہی ہی اس کے لئے مؤثر ہو جائے گی۔ اس سے عموم لازم نہیں آتا جس کی وجہ سے اشکال واقع ہو۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ۭ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں! جو ان میں زیادتی کریں، اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں، اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے بجز کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

ربط: ابھی اوپر بیان ہوا ہے۔

رسالت کے سلسلہ کا باقی کلام:

اور (جب رسول ﷺ کی رسالت ثابت ہے تو اے مسلمانو! رسالت کا انکار کرنے والوں میں سے جو اہل کتاب ہیں ہم تمہیں ان سے گفتگو کا طریقہ بتاتے ہیں اور یہ تخصیص اس لئے ہے کہ اول تو وہ اہل علم ہونے کی وجہ سے بات کو سنتے ہیں اور مشرک تو بات کو سننے سے پہلے ہی اذیت پہنچانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ دوسرے اہل علم کے ایمان لے آنے سے عوام کے ایمان کی زیادہ توقع ہو جاتی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ) تم کتاب والوں کے ساتھ اچھے طریقہ کے سوا بحث مت کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں زیادتی کریں (تو انہیں ہاتھ کے ہاتھ اور پورا پورا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ افضل پھر بھی اچھا طریقہ ہی ہے) اور (وہ اچھا و مہذب طریقہ یہ ہے کہ جیسے ان سے) یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو تم پر نازل ہوئیں (کیونکہ ایمان کا مدار اللہ کی طرف سے نازل ہونا ہے لہٰذا جب ہماری کتاب کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا تمہاری کتابوں سے بھی ثابت ہے تو پھر تمہیں قرآن پر بھی ایمان لانا چاہئے) اور (یہ تم بھی مانتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا﴾ الخ جب توحید پر اتفاق ہے اور احبار و رہبان یعنی پادریوں و راھبوں وغیرہ کی اطاعت کی وجہ سے اپنے وقت کے نبی پر ایمان نہ لانا توحید کے خلاف: تو تمہیں ہمارے نبی پر ایمان لانا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الخ) اور (اس گفتگو کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا تنبیہ کے لئے سنا دو کہ) ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں (اس میں عقائد و اعمال سب آ گئے یعنی تمہیں بھی یہی کرنا چاہئے جب کہ تقاضا موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾) اور (جس طرح ہم نے پہلے نبیوں پر کتابیں نازل کیں) اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے (جس کی بنیاد پر احسن طریقہ سے بحث کرنے کی تعلیم دی گئی) تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب کی (نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (اور ان سے بحث کی نوبت بھی کبھی کبھار ہی آتی ہے، اور ان (جاہل عربوں) میں سے بعض ایسے (منصف) ہیں کہ وہ اُس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (خواہ خود سمجھ کر یا اہل علم کے ایمان سے استدلال کر کے، اور (دلائل واضح ہونے کے بعد) ہماری اس (کتاب کی) آیتوں سے علاوہ (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

فائدہ: مشرکوں کے ساتھ بھی احسن طریقہ سے بحث کا حکم سورۂ نحل آیت ۱۲۵ میں آیا ہے، یہاں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ خود ترجمہ کی وضاحت میں لکھ دی گئی۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت ہی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ انکار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں؟ آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن کو سنائی جاتی رہتی ہے بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔ آپ یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں۔

رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:

اوپر بحث کی وضاحت کی دلیل نقلی تھی جس سے خاص اہل نقل کو خطاب تھا، اب دلیل عقلی ہے جس میں عام خطاب ہے یعنی) اور جو لوگ آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، ان کے پاس شبہ کا کوئی مقصد بھی تو نہیں، کیونکہ) آپ اس کتاب (یعنی قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں باطل کو ماننے والے لوگ کچھ شبہ کرتے (کہ یہ پڑھے لکھے آدمی ہیں، آسمانی کتابیں دیکھ کر پڑھ کر ان کی مدد سے مضامین سوچ کر فرصت میں بیٹھ کر لکھ لیتے ہیں اور یاد کر کے ہمیں سنا دیتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو شبہ کا کوئی منشا تو ہوتا، اگرچہ اس وقت بھی یہ شبہ کرنے والے باطل ہوتے، کیونکہ قرآنی اعجاز پھر بھی نبوت پر دلالت کے لئے کافی تھا، لیکن اب تو شبہ کا اتنا منشا بھی نہیں اس لئے اس کتاب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں) بلکہ یہ کتاب (ایک کتاب ہونے کے باوجود چونکہ اس کا ہر حصہ معجز یعنی دوسروں کو عاجز و بے بس اور مجبور کرنے والا ہے اور اس کے حصے بہت سارے ہیں، اس لئے وہ تنہا گویا) خود بہت سی دلیلیں ہیں۔ ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے اور (اعجاز کے ظاہر ہو جانے کے باوجود) ہماری ان آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کئے جاتے ہیں (ورنہ انصاف پسند کو تو ذرا بھی شبہ نہیں رہنا چاہئے) اور یہ لوگ (قرآن کا معجزہ عطا کئے جانے کے باوجود محض عناد کی غرض سے) یوں کہتے ہیں کہ ان (رسول) پر ان کے رب کے پاس

سے (ہماری فرمائش والی) نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو اللہ کے قبضہ (قدرت) میں ہیں اور (میرے اختیار کی چیزیں نہیں) میں تو صرف ایک صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (یعنی رسول) ہوں (اور رسول ہونے پر صحیح دلیلیں رکھتا ہوں، جن میں سب سے عظیم قرآن ہے، پھر خاص دلیل کی کیا ضرورت ہے؟ خاص طور سے جب کہ اس (نشانی) کے واقع نہ ہونے میں حکمت بھی ہو۔ آگے قرآن کا دلالت میں سب سے عظیم ہونا بیان فرماتے ہیں) کیا (نبوت پر دلالت میں) ان لوگوں کے لئے یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ (معجز) کتاب نازل فرمائی ہے جو انہیں (ہمیشہ) سنائی جاتی رہتی ہے (کہ اگر ایک بار سننے سے اعجاز ظاہر نہ ہو تو دوسری بار میں ہو جائے یا اس کے بعد ہو جائے اور دوسرے معجزوں میں تو یہ بات بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا عام عادت کے خلاف ہونا بار بار ظاہر نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے اور اس معجزہ میں ترجیح کی ایک بات یہ ہے کہ) بلاشبہ اس کتاب میں (معجزہ ہونے کے ساتھ) ایمان لانے والوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے (رحمت یہ کہ احکام کی تعلیم ہے جو نفع ہی نفع ہے اور نصیحت ترغیب وترہیب کے ذریعہ ہے۔ بھلا یہ بات دوسرے معجزہ میں کہاں ہوتی؟ لہٰذا ان ترجیحوں کی بنیاد پر تو اس کو غنیمت سمجھتے اور ایمان لے آتے، اور اگر ان واضح دلیلوں کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو آخری جواب کے طور پر) آپ یہ کہہ دیجئے کہ (ٹھیک ہے مت مانو!) اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسے سب کی خبر ہے۔ اور (جب میری رسالت اور اللہ کے علم کا سب کا احاطہ کرنے والا ہونا ثابت ہو گیا تو) جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی باتوں کے منکر ہیں (جن میں رسالت بھی داخل ہے) تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (یعنی جب اللہ کے ارشاد سے میری رسالت ثابت ہے تو اس کا انکار اللہ کا انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم سب کا احاطہ کرنے والا ہے، تو اس کو اس انکار وکفر کی بھی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ کفر پر گھاٹے کی سزا دیتے ہیں، لہٰذا لازمی بات ہے کہ ایسے لوگ گھاٹے میں ہوں گے)

فائدہ: ﴿مُبْطِلُوْنَ﴾ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ انہیں مبطل یعنی باطل کے ماننے والے کہنا صرف نہ پڑھنے اور نہ لکھنے کے زمانہ کے اعتبار سے ہی نہیں ہے بلکہ پڑھنے اور لکھنے پر بھی شک کرنے سے باطل کے ماننے والے ہی ہوئے۔

اور ﴿فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ کا ترجمہ اوپر مختصر انداز میں کیا گیا ہے، اس کا تفصیلی مقصود یہ ہے کہ اہل علم سے مراد مؤمن ہیں، یہ حضرت حسن نے کہا ہے جیسا کہ الدر میں ہے اور یہ صفت قرآن کی تعریف کے لئے بڑھائی ہے کہ یہ حافظہ کی قوت میں محفوظ ہے اور لکھ کر محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں، جس سے اس کے اپنے آپ میں عجیب ہونے اور گذشتہ کتابوں کی اس پیشین گوئی کے مصداق ہونے کے علاوہ کہ أنا جیلھم فی صدورھم "ان کی دینی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی" خود اس کتاب کے لئے تحریف اور تبدیلی سے حفاظت کا سبب بھی ہے اور اس صفت کا تعریف

کرنے والا ہونا ظاہر ہے۔

اور در منثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ اہل علم سے اہل کتاب مراد ہیں، اور ھو کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ ﴿ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ﴾ الخ کی صفتوں کے اعتبار سے، جس کا حاصل امی ہونا ہے، اہل کتاب کے دلوں میں جو کہ علم کی جگہ ہیں، گویا خود اپنے سچے اور نبی ہونے کی دلیل ہیں۔ اور اس وضاحت کی بنیاد پر ھُوَ کی ضمیر قرآن کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور دونوں احتمالوں میں اس کا حاصل یہ ہوگا ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ الخ اور ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ﴾ ان کا دلیل نہ ماننے والا ہونے کے باوجود ان کے مقابلہ میں جواب ہے، مگر پھر بھی اس میں دلیل کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اللہ کی شہادت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سچے اور نبی ہونے پر دلیلیں قائم کیں اور باطل عموم میں تمام خواہشیں اور باطل معبود داخل ہو گئے۔

﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گا جس دن کہ ان پر عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرمادے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو چکھو۔

رسالت کے سلسلہ میں باقی کلام:

اور یہ (کافر) لوگ آپ سے عذاب (کے واقع ہونے) کا تقاضا کرتے ہیں (اور عذاب نہ آنے کی وجہ سے آپ کی رسالت کا انکار اور شبہ کا اظہار کرتے ہیں) اور اگر (اللہ کے علم میں عذاب آنے کے لئے) میعاد متعین نہ ہوتی تو (ان کی درخواست کے ساتھ ہی) ان پر عذاب آ چکا ہوتا (تو عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے نہ کہ نبوت کی تحقیق نہ ہونا جیسا کہ ان کا فاسد زعم ہے) اور (جب وہ میعاد آ جائے گی تو) وہ عذاب ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی (آگے ان کی جہالت اور عقل کے گھٹیا ہونے کے اظہار کے لئے ان کی جلد بازی کی دوبارہ حکایت کے ساتھ اس میعاد کی تعیین اور اس عذاب کی تعیین فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور (عذاب کی صورت یہ ہے کہ) اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو (ہر طرف سے) گھیر لے گا، جس دن کہ ان پر (اس جہنم کا) عذاب ان کے اوپر سے اور

ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور (اس وقت ان سے حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کچھ (دنیا میں) کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو (تو وہ عذاب جہنم کا عذاب اور وہ میعاد قیامت کا دن ہے)

فائدہ: اور قیامت کا عذاب اچانک اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگرچہ برزخ میں عذاب کا مشاہدہ ہو چکا ہوگا لیکن وہاں کا عذاب اور بھی زیادہ سخت ہوگا، اس کا پہلے مشاہدہ نہیں ہوا ہوگا، اگرچہ علم کے انداز میں علم ہو مگر عین یقین کے مرتبہ کا انکشاف تو اچانک ہی ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ واللہ اعلم

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: اے میرے ایماندار بندو! میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو۔ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی عداوت و دشمنی اور اوپر کی قریب کی آیتوں میں توحید اور رسالت کے انکار کے ضمن میں حق اور اہل حق کے ساتھ ان کی دشمنی اور عناد کا ذکر ہے۔ اور یہ عداوت و عناد شرعی واجبات کے قیام میں رکاوٹ ہونے کی وجہ سے اکثر وطن سے بے وطن ہونے یعنی ہجرت کا تقاضہ کرتی ہے، اس لئے اب ہجرت کا امر فرماتے ہیں، اور چونکہ اس میں کبھی وطن اور خاندان اور رشتہ داروں کے چھوٹنے کا خیال اور کبھی فقر و فاقہ کا اندیشہ رکاوٹ بن جاتا ہے، اس لئے ہجرت کے حکم کے ساتھ ان رکاوٹوں کا باطل ہونا اور ساتھ ہی پریشانیوں اور نیکیوں میں صبر اور رزق میں توکل یعنی بھروسہ اور ہجرت میں شرعی امور کے قیام کا اجر ہجرت کی ترغیب کے لئے بیان فرماتے ہیں۔

ہجرت کی ترغیب اور اس کی تقویت رکاوٹوں کو دور کرنے اور اسباب کے ذکر کے ذریعہ:

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو (جب یہ لوگ انتہائی عداوت و عناد کی وجہ سے تمہیں شرعی امور کے قیام اور دین کو

اختیار کرنے پر اذیتیں پہنچاتے ہیں تو یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟) میری زمین بہت وسیع ہے تو (اگر یہاں رہ کر عبادت نہیں کر سکتے تو اور کہیں چلے جاؤ اور وہاں جا کر) صرف میری ہی عبادت کرو (کیونکہ اہل شرک کا زور ہے تو ایسی عبادت جو خالص توحید پر مبنی ہو اور شرک سے بالکل پاک ہو یہاں مشکل ہے البتہ اگر اللہ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت ہو تو یہ ممکن ہے، مگر وہ عبادت ہی نہیں ہوتی، اور اگر تمہیں ہجرت میں اپنے متعلقین، دوستوں اور وطن کی جدائی مشکل معلوم ہو تو یہ سمجھ لو کہ ایک نہ ایک دن تو یہ ہونا ہی ہے، کیونکہ) ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ضروری ہے (آخر اس وقت سب چھوٹیں گے اور) پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (اور نافرمان ہو کر آنے میں سزا کا خوف ہے) اور (اگر یہ جدائی ہماری رضا کے واسطے ہو تو ہمارے پاس پہنچنے کے بعد اس وعدہ کے مستحق ہو جاؤ گے کہ) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے (جس کے لئے کبھی کبھی ہجرت ضروری ہو جاتی ہے تو ایسے وقت ہجرت بھی کی تو) ہم انہیں جنت کے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور ان نیک) عمل کرنے والوں کے لئے کتنا اچھا اجر ہے جنھوں نے واقع ہونے والی سختیوں پر جن میں ہجرت کی سختی بھی شامل ہوگئی) صبر کیا اور (جن تکلیفوں کے واقع ہونے کا احتمال ہے ان کے اندیشہ کے وقت جن میں دوسری سختیوں کے احتمال کے ساتھ رزق کا اندیشہ بھی آگیا جس کا ذکر آگے ہوگا) وہ اپنے رب پر بھروسہ کیا کرتے تھے۔ اور (ہجرت میں) تمہیں یہ وسوسہ ہو کہ پردیس میں کھانے کو کہاں سے ملے گا تو یہ سمجھ لو کہ) کتنے ہی جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھا کر نہیں پھرتے (یعنی جمع نہیں کرتے، اگرچہ بعض جمع بھی کرتے ہیں، مگر کتنے ہی ہیں جو جمع بھی نہیں کرتے) اللہ ہی انہیں (مقدر میں لکھا ہوا) رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی (مقدر میں لکھا ہوا رزق پہنچاتا ہے۔ چاہے تم کہیں بھی ہو، اس لئے دل میں ایسا وسوسہ، خیال مت لاؤ بلکہ دل کو مضبوط کر کے اللہ پر بھروسہ رکھو) اور (وہ بھروسہ کے لائق ہے، کیونکہ) وہ سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے (اسی طرح وہ دوسری صفتوں میں کامل ہے، اور جو صفتوں میں اس طرح کامل ہو وہ ضرور بھروسہ کے قابل ہے)

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ ع ۱۲
الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اور اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، پھر کدھر اُلٹے چلے جا رہے ہیں، اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہی سب چیز کے حال سے واقف ہے اور اگر ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہئے کہ الحمد للہ! بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔ اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے، پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناقدری کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں پھر قریب ہی ان کو سب خبر ہوئی جاتی ہے کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو نکالا جا رہا ہے، پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبود پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس شخص سے زیادہ کون نا انصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچی وہ اس کو جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کو جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا؟

ربط: اوپر ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا﴾ الخ میں شرک کے رد اور توحید کے اثبات کا مضمون تھا اور پھر رسالت و ہجرت کا بیان آ گیا تھا چونکہ توحید کا امر انتہائی اہتمام والا ہے اس لئے اب پھر سورت کے ختم تک توحید کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

شرک کی تردید اور توحید کے اثبات کی طرف واپسی:

اور (معبود کی توحید کی جو بنیاد ہے یعنی کائنات دنیا جہان کو پیدا کرنے اور اس کا نظام چلانے والے کا اکیلا ہونا وہ تو ان لوگوں کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ (بھلا) وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے؟ تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، پھر جب تکوین میں توحید یعنی کائنات، دنیا جہان کو پیدا کرنے اور اس کا نظام چلانے والے کا اکیلا ہونا مانتے ہیں تو الوہیت میں توحید یعنی معبود کے اکیلا ہونے کے بارے میں) کدھر اُلٹے جا رہے ہیں؟ (اور جس طرح خالق یعنی پیدا کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے، اسی طرح رازق یعنی رزق دینے والا بھی اکیلا) اللہ ہی (ہے چنانچہ وہ) اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی وسیع کر دیتا

ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز کے حال سے واقف ہے (جیسی مصلحت دیکھتا ہے ویسی ہی روزی دیتا ہے۔ غرض روزی دینے والا وہی ٹھہرا تو رزق کے لئے بھی شرک کرنا بے ہودہ امر ٹھہرا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾) اور (جس طرح انہیں تکوین میں توحید تسلیم ہے، اسی طرح باقی رکھنے اور تدبیر میں بھی توحید انہیں تسلیم ہے۔ چنانچہ) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے خشک پڑی ہوئی زمین کو (جو پیڑ پودے اگانے کے قابل نہیں تھی) تر و تازہ (پیڑ پودے اگانے کے قابل) کر دیا؟ تو (جواب میں) وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے۔ آپ کہئے کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (اللہ کا شکر ہے اتنا تو اقرار کیا جس سے معبود کی توحید بدیہی طور پر ثابت ہوئی، مگر یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں (اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس عقل نہیں ہے بلکہ عقل تو ہے مگر اس عقل سے کام نہیں لیتے اور غور نہیں کرتے، اس لئے ظاہر بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتا) اور (ان کے غور نہ کرنے کی وجہ ان کا دنیا کے کاموں میں مشغول رہنا ہے، حالانکہ) یہ دنیاوی زندگی (جس کی یہ ساری مشغولیتیں ہیں اپنے آپ میں) ایک کھیل اور دل کے بہلاوے کے سوا کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے (اور اسی کی زندگی اصل زندگی ہے، چنانچہ دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی ہونے کی وجہ سے یہ دونوں مضمون ظاہر ہیں، لہٰذا فانی میں اس قدر مشغولیت اختیار کرنا کہ باقی رہنے والی زندگی سے غفلت اور محرومی ہو جائے یہ خود بے عقلی کی بات ہے) اگر انہیں اس کا (کافی) علم ہوتا تو (وہ) ایسا نہ کرتے (کہ فنا ہونے والے میں مشغول ہو کر باقی رہنے والے کو بھلا دیتے اور اس کے لئے سامان و انتظام نہ کرتے بلکہ یہ لوگ دلیلوں میں غور کرتے اور ایمان لے آتے جیسا کہ ان کے تکوین اور باقی رکھنے میں توحید کے اقرار کا تقاضا ہے) پھر (جس طرح ان کے تکوین میں توحید کے اقرار کا تقاضا معبود کی توحید ہے کبھی کبھی اس کا بھی اظہار اور اقرار ہوتا ہے چنانچہ) جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں (اور وہ کشتی دریا یا سمندر میں الٹ پلٹ ہونے لگتی ہے) تو (اس وقت) اپنے دین کو خالص کرتے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ ﴿لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ یعنی اے پروردگار! اگر آپ ہمیں اس آفت اور پریشانی سے نجات دیدیں تو ہم توحید کی بنیاد پر صرف آپ ہی کی عبادت کرنے والے ہو جائیں جس سے معبود کی توحید میں اور بھی حجت لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ حالت دنیاوی مشغولیتوں کی وجہ سے زیادہ دیر تک نہیں رہ پاتی۔ چنانچہ اس وقت تو سب توحید کے قائل ہو جاتے ہیں مگر) جب انہیں (اس آفت سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت (نجات وغیرہ) ان کو دی ہے، اس کی ناقدری کرتے ہیں، اور یہ لوگ (شرک کے عقیدوں اور فسق کے اعمال میں نفسانی خواہشوں کی اتباع کر کے) تھوڑے دن اور مزے کر لیں پھر جلدی ہی انہیں معلوم ہو جائے گا (اور اب دنیا میں اس مشغولیت کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تو ان کے لئے توحید سے ایک رکاوٹ تو یہ مشغولیت ہے اور رکاوٹ کا

دوسرا ایک نامعقول حیلہ نکالا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ﴿ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ﴾ حالانکہ ذرا سا غور کرنے سے اس کا لغو ہونا خود ہی معلوم ہوسکتا ہے، کیونکہ) کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر مکہ کو) امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے آس پاس (کے مقامات) میں جو حرم سے باہر ہیں) لوگوں کو (ان کے برخلاف مار دھاڑ کر کے ان کے گھروں سے) نکالا جارہا ہے (جب کہ یہ امن سے بیٹھے ہیں اور یہ بات خود محسوس کی جانے والی چیزوں میں سے ہے تو ظاہر اور واضح چیزوں سے گذر کر محسوس کی جانے والی چیزوں میں بھی مخالفت کرتے اور مار پیٹ کر نکال دیئے جانے کے خوف کو ایمان لانے میں رکاوٹ کے لئے عذر بتاتے ہیں، اور) پھر (حق کے واضح ہوجانے کے بعد اس حماقت اور ضد کا) کیا (ٹھکانا ہے کہ) یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے ہیں؟ (جس پر ایمان لانے کا کوئی تقاضا نہیں اور رکاوٹیں بہت سی ہیں) اور اللہ (جس پر ایمان لانے کے بہت سے تقاضے ہیں اور صحیح معنی میں رکاوٹ ایک بھی نہیں ہے، اس) کی نعمتوں کی ناشکری (یعنی اللہ کے ساتھ شریک) کرتے ہیں (کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی بھی ناشکری نہیں ہے کہ پیدا کرنے، رزق دینے، باقی رکھنے اور تدبیر کرنے وغیرہ کی نعمت تو وہ عطا فرمائے اور عبادت جو ان نعمتوں کا شکر ہے دوسرے کے لئے تجویز کی جائے) اور (واقعہ یہ ہے کہ) اس شخص سے زیادہ ناانصافی کرنے والا کون ہوگا جو (بغیر دلیل کے اللہ پر جھوٹ گھڑے (کہ اس کا کوئی شریک ہے) اور جب اس کے پاس سچی بات (دلیل کے ساتھ) پہنچے تو وہ اس کو جھٹلادے (ناانصافی ظاہر ہے کہ بغیر دلیل بات کی تو تصدیق کرے اور دلیل والی بات کو جھٹلادے) کیا ایسے کافروں کا (جو اس قدر ناانصافی کریں) ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا (یعنی ضروری ہے، کیونکہ سزا، جرم کے مطابق ہوتی ہے چنانچہ جیسا جرم عظیم، ایسی ہی سزا بھی عظیم)

فائدہ: لہو و لعب یعنی کھیل اور دل بہلاوے کی چیز کے ساتھ فی نفسہ یعنی ''اپنے آپ میں'' کی قید اس لئے لگائی کہ اگر دنیا کی زندگی دین حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے تو پھر وہ لہو و لعب نہیں بلکہ نتیجہ کے اعتبار سے وہ بھی باقی رہنے والی ہے۔ اور آیت ﴿ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى ﴾ الخ جس کا ذکر ﴿ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ ﴾ کے ترجمہ میں آیا ہے، سورۃ القصص آیت ۵۷ میں گذری ہے، وہاں اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹ ﴾ ۷ ع ۶ ۳

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

ربط: اس سورت میں سارے وہ مضامین ہیں جن سے مسلمانوں پر مشقتوں کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ شروع میں تو قصوں کے ساتھ فتنوں کی کھلی حکایت ہے اور آخر کے قریب ہجرت کا مضمون ہے اور اس میں مشقت ظاہر ہے اور

توحید و رسالت کے جو مضامین ہیں، ان میں گفتگو کرنے سے اکثر اہل دین کو مشقت پیش آتی ہے اس طرح تمام مضامین مشقت پر مشتمل ہیں، اس لئے خاتمہ میں دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کو عظیم خوش خبری دے کر سورت کو ختم فرماتے ہیں جیسا کہ شروع میں آیت ۶ ﴿ وَمَنْ جَاهَدَ ﴾ الخ میں دوسرے عنوان سے یہ مضمون تھا جس کے متعلق سورت کی تمہید میں بھی کچھ بیان ہوا ہے۔

خاتمہ: دین کے لئے مشقت برداشت کرنے والوں کے لئے خوش خبری:

(یعنی اوپر تو ان کا حال تھا جو اہل کفر اور نفس کے پجاری ہوں) اور (اب ان کی ضد کا بیان ہے کہ) جو لوگ ہمارے راستہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے (قرب اور ثواب یعنی جنت) کے راستے ضرور دکھائیں گے (جس سے وہ جنت میں جا پہنچیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا ﴾ الخ) اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

فائدہ: "راستے" اس لئے کہا گیا کہ جنت میں جانے والے بہت سارے لوگ ہوں گے تو ایک راستے کے بہت سے حصے ہوں گے۔ واللہ اعلم

﴿ الحمدللہ! آج انیسویں محرم الحرام روز چہار شنبہ وقت ضحیٰ ۱۳۲۵ھ مقام تھانہ بھون میں سورۂ عنکبوت کی تفسیر ختم ہوئی، جس کے ختم سے بفضلہ تعالیٰ مجموعہ تفسیر ہذا کے دو ثلث اختتام کو پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ ان دو ثلث مکمل کو مقبول اور ثلث باقی کو مقبولیت کے ساتھ مکمل فرماویں، آمین یارب العالمین ﴾

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و سید الخلائق محمد وعلی اخوانہ من النبیین وعلی آلہ وأصحابہ وذریتہ أجمعین.

آیاتہا ۶۰ (۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۸۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ
سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ﴾

ترجمہ: ﴿ الٓمّٓ ﴾ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آجاویں گے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہونگے۔ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ربط: اس سورت میں یہ مضامین ہیں: اول اہل اسلام کی خوشی کا سبب بننے والے بعض واقعات کی پیشین گوئی جس میں نبوت پر دلالت کے ساتھ اوپر کی سورت کے مضامین کے مطابق کافروں کے تکلیف پہنچانے سے مسلمانوں کو جو رنج ہوتا تھا، جس پر اس کے خاتمہ میں مجاہدہ، صبر و تحمل اور مشقتوں کی فضیلت کا ذکر ہوا تھا، اس رنج کو دور بھی کیا گیا ہے اور اس سے دونوں میں ربط بھی ظاہر ہوگیا۔ دوسرے کافروں کی دشمنی و عناد اور انہیں کفر اور جھٹلانے پر ملامت اور اس کی تقویت کے لئے مختصر انداز میں گذشتہ زمانہ کے کچھ جھٹلانے والوں کا برا انجام۔ تیسرے آخرت کا اثبات اور اس کے احوال و ہولناکیاں جس سے دوسرے مضمون کی بھی تقویت ہوتی ہے۔ چوتھے توحید کا اثبات اور اس کی دلیلیں۔ پانچوے بعض اہم فروعی اعمال جو توحید کے عقیدہ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں، پھر خاتمہ میں ان بلیغ مضمونوں سے کافروں کے متاثر نہ ہونے پر حضور ﷺ کی تسلی۔ واللہ اعلم

اہل اسلام کی خوشی کا سبب بننے والی پیشین گوئی:

جس قصہ سے متعلق یہ پیشین گوئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں اذرعات اور بصری کے درمیان (جیسا کہ الروح میں مختلف طریقوں سے ہے، جبکہ ابن حجر نے اس کو ترجیح دی ہے) لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہوگئے۔ مکہ کے مشرک مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارس والے غیر اہل کتاب ہیں۔

چنانچہ فارس کا روم پر غالب آنا اس امر کی فال ہے کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں پیشین گوئی ہے کہ نو سال کے اندر رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ اس سے ساتویں برس پھر دونوں کا مقابلہ ہوا اور رومی غالب آگئے، جس سے وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی، اور اتفاق سے جس زمانہ میں روم کا یہ غلبہ ہوا یہاں مسلمان جنگ بدر میں مشرکوں پر غالب آئے تھے، بعض نے ﴿ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ کی یہی تفسیر کی ہے اور اس کو دوسری پیشین گوئی قرار دیا ہے، یہ سب روایتیں درمنثور میں مختلف سندوں سے بیان ہوئی ہیں۔

آیتیں اور تفسیر: ﴿ الٓمّٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) روم والے پاس ہی واقع ایک جگہ میں (یعنی ملک روم کی ایسی جگہ میں جو فارس کے مقابلہ میں عرب سے زیادہ قریب ہے، اس سے اذرعات اور بصریٰ مراد ہے جو ملک شام میں دو شہر ہیں، جیسا کہ القاموس میں ہے اور روم کی حکومت کے تحت ہونے کی وجہ سے روم میں داخل ہیں، ایسے موقع میں روم والے، فارس والوں کے مقابلہ میں) مغلوب ہوگئے (جس سے مشرک خوش ہوئے) اور وہ (رومی) اپنے (اس) مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی یعنی چند سال (تین سے نو سال) کے اندر اندر پھر غالب آجائیں گے (اور یہ مغلوب اور غالب ہونا سب اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ مغلوب ہونے سے) پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا (جس نے مغلوب کردیا تھا) اور (مغلوب ہونے کے) بعد بھی (اللہ ہی کو اختیار ہے، جو غالب کردے گا) اور اس دن (یعنی جب روم والے غالب آئیں گے) مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے (اس امداد سے یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بات میں غالب فرمادے گا، کیونکہ اس پیشین گوئی کو مسلمانوں نے کافروں پر ظاہر کیا اور انھوں نے اس کو جھٹلادیا تو اس کے واقع ہونے سے مسلمانوں کی جیت ہوجائے گی اور یا یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کو جنگ میں بھی غالب کردے گا۔ چنانچہ وہ جنگ بدر میں اللہ کی مدد ملنے کا وقت تھا اور ہر حال میں مدد اہل اسلام ہی کی ہوئی، اور مسلمانوں کی ظاہری مغلوبیت کی حالت دیکھ کر مقابلہ میں اس امداد کو مشکل نہ سمجھا جائے یا دو آدمیوں کی ظاہری مغلوبیت کی حالت دیکھ کر مسلمانوں کی امداد کو مشکل نہ سمجھا جائے کیونکہ نصرت، امداد (اللہ کے قبضہ میں ہے) وہ جس کو چاہے غالب کردیتا ہے اور وہ زبردست ہے (کافروں کو جب چاہے قول کے اعتبار سے یا فعل کے اعتبار سے مغلوب کرادے اور) رحم کرنے والا (بھی) ہے (مسلمانوں کو جب چاہے غالب کردے) اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (اس لئے یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی چاہے ایک مراد ہو یا دو) لیکن اکثر لوگ (اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو) نہیں جانتے (بلکہ صرف ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان اسباب پر حکم لگادیتے ہیں اس لئے اس پیشین گوئی کو مشکل سمجھتے ہیں، حالانکہ اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان کا مالک حق تعالیٰ ہے۔ اس کے لئے اسباب کو بدلنا بھی آسان ہے جن امور کے لئے اسباب بنائے جاتے ہیں اسباب کے خلاف ان امور کا واقع کرنا بھی آسان ہے اور جس طرح واقع ہونے سے پہلے اسباب کو دیکھ کر اللہ کے وعدہ کے سچا ہونے کا یقین نہیں کرتے، اسی طرح واقع ہونے کے بعد اس کو اللہ کے وعدہ کا ظہور نہیں جانتے جس سے

اس وعدہ کی پیشگی خبر دینے والے کی نبوت پر استدلال کرنا لازم تھا، اس طرح ﴿ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ میں دونوں امر آ گئے)

فائدہ: مسلمانوں کا کافروں سے اس پیشین گوئی کا دعوی سے اظہار کرنا ترمذی میں موجود ہے۔

﴿ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔ کیا انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا اور جتنا انھوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو خدا تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کا انجام جنھوں نے برا کام کیا تھا برا ہی ہوا اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔

ربط: اوپر غیب کی خبر دینے کے ساتھ جو کہ نبوت کی دلیل بھی ہے ﴿ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ سے کافروں کا جہل یعنی علم نہ ہونا بیان فرمایا تھا جس سے ان لوگوں کو نبوت کا علم نہ ہونا ظاہر ہوا تھا۔ اب انہیں آخرت کا علم نہ ہونا بیان فرماتے ہیں جو کہ نبوت کا علم نہ ہونے کی فرع ہے، اس کے ساتھ ہی اس کا عظیم سبب یعنی دنیا میں مشغولیت ڈانٹ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

دنیا کی محبت اور کفر و انکار پر ڈانٹ:

ان لوگوں کو (اللہ اور نبوت کا علم نہ ہونے کا سبب جو کہ اوپر معلوم ہوا یہ ہے کہ) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کی ظاہری (حالت) جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے (بالکل) بے خبر ہیں (کہ وہاں کیا ہوگا، اس لئے نہ انہیں عذاب و سزا کے اسباب یعنی کفر و انکار سے اندیشہ ہے نہ نجات کے اسباب یعنی تصدیق و ایمان کی فکر ہے) کیا (آخرت کے واقع ہونے کی دلیلیں سن کر بھی ان کی نظر دنیا ہی تک محدود رہی؟ اور) انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے (جیسا کہ اس نے آیتوں میں خبر دی ہے کہ ان حکمتوں میں سے ایک جزا و سزا ہے اور میعاد معین قیامت ہے، اگر وہ اپنے دلوں میں غور کرتے تو ان واقعات کا ممکن ہونا عقل سے، ان کا واقع ہونا نقل سے اور اس نقل کا سچا ہونا اعجاز کی صفت سے سامنے آجاتا اور آخرت کے منکر نہ ہوتے مگر غور نہ کرنے کی وجہ سے منکر ہو رہے ہیں) اور (یہی کیا اور) بہت سے لوگ اپنے رب کے ملنے سے انکار کرتے ہیں، کیا یہ لوگ (کبھی گھر سے نہیں نکلے اور) زمین میں چلے پھرے نہیں، جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (انکار کرنے والے) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، ان کا (آخری) انجام کیا ہوا؟ (ان کی کیفیت یہ تھی کہ) وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی (ان سے زیادہ) بویا جاتا تھا اور جتنا انھوں نے (سامان اور مکان سے) اس کو آباد کر رکھا ہے، اس سے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے (جن کو انھوں نے نہیں مانا اور عذاب سے ہلاک ہوئے، جن کی ہلاکت کے آثار ان کی کھنڈر بستیوں سے جو شام کے راستہ میں ملتی ہیں، ظاہر ہیں) تو (اس ہلاکت میں) اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (کہ رسولوں کا انکار کر کے ہلاکت کے مستحق ہوئے۔ یہ تو ان کی حالت (دنیا میں ہوئی اور) پھر (آخرت میں) ایسے لوگوں کا انجام برا ہی ہوا، جنھوں نے (ایسا) برا کام (یعنی رسولوں کا انکار) کیا تھا (محض) اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو (یعنی احکام کو اور خبروں کو) جھٹلایا تھا اور (جھٹلانے سے بڑھ کر یہ کہ) ان کی ہنسی اڑاتے تھے (وہ انجام جہنم کا عذاب ہے)

﴿ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا پھر اس کے پاس لائے جاؤ گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جاویں گے۔ اور ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا۔ اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جاویں گے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا ہو جاویں گے۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے تو وہ باغ میں مسرور ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا تو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہونگے۔

ربط: اوپر آخرت کے انکار کے جہل پر ملامت تھی۔ اب آخرت کا واقع ہونا اور انکار اور جھٹلانے کے انجام اور ایمان

وتصدیق کا ذکر ہے۔

آخرت کے واقع ہونے کی خبر اور اس میں جزاوسزا کا بیان:

اللہ تعالیٰ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر (پیدا ہونے کے بعد) اس کے پاس (حساب کتاب کے لئے) لائے جاؤ گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی (جس میں مذکورہ واپسی ہونے والی ہے) اس دن مجرم (یعنی کافر) لوگ (پوچھ تاچھ کے وقت) حیرت میں رہ جائیں گے (یعنی ان سے کوئی بات بن نہیں پائے گی) اور ان کے (گھڑے ہوئے) شریکوں میں سے (جن کو عبادت میں شریک کرتے تھے) ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور (اس وقت خود) یہ لوگ (بھی) اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے (کہ ﴿ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾) اور جس دن قیامت قائم ہوگی، اس دن (مذکورہ واقعہ کے علاوہ ایک واقعہ یہ بھی ہوگا کہ مختلف طریقوں کے) سب آدمی الگ الگ ہو جائیں گے، یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو (جنت کے) باغ میں خوش ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا، وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (الگ الگ ہونے کے یہ معنی ہیں)

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝ ﴾

ترجمہ: سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

ربط: اوپر ایمان اور نیک عمل یعنی اس پر جنت ملنے کا ذکر تھا۔ اب ایک خاص جامع عنوان کے ذریعہ ایمان اور نیک عمل کی ترغیب ہے، کیونکہ تسبیح اور حمد کا جو آگے ذکر آرہا ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے ایک[1] صراحت کے ساتھ اور دوسری اشارہ سے۔ وہ عبادت کی تمام قسموں کے لئے جامع ہے جس کی سب سے عظیم فرد نماز ہے، جس سے اوقات کے ذکر کو خاص مناسبت اور تعلق ہے۔

پاکی بیان کرنے اور تعریف کرنے کا حکم:

(جب ایمان اور نیک عمل کی فضیلت تمہیں معلوم ہوگئی) تو تم (اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کیا کرو (عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور دل کے اقرار کے ساتھ بھی، جس میں ایمان آگیا اور قول کے طور پر بھی اور زبان سے بھی جس میں اقرار اور

(۱) یہ پہلے والے امر یعنی مامور بہ سے متعلق ہے نہ کہ بعد والے لیعنی جامع سے، مطلب یہ ہے کہ تسبیح کا تو صراحت کے ساتھ حکم ہے اور تمہید کی صراحت سے تو خبر دی گئی ہے، لیکن اس کا اشارہ کے طور پر حکم دیا گیا ہے، کیونکہ خبر سے مقصود امر و ترغیب ہے۔

دوسرے ذکر آگئے اور عمل کے اعتبار سے بھی اور رکن کے طور پر بھی جس میں تمام عبادتیں عام طور پر اور نماز خاص طور سے آگئیں۔ غرض تم ہر وقت اللہ کی تسبیح کیا کرو) اور خاص طور سے شام کے وقت اور صبح کے وقت اور (اللہ کی تسبیح کرنے کا جو حکم ہوا ہے تو وہ واقعی اس کا مستحق بھی ہے، کیونکہ) تمام آسمانوں اور زمین میں اس کی حمد ہوتی ہے (یعنی آسمان میں فرشتے اور زمین میں بعض اختیاری طور پر اور بعض مجبوری کی صورت میں اس کی حمد وثنا کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ یعنی زمین میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان نہ کرتی ہو، لہٰذا جب وہ ایسی تعریف کے قابل صفتوں والا کامل ذات والا ہے تو تمہیں بھی ضرور اس کی تسبیح کرنی چاہئے) اور سورج ڈھلنے کے بعد (بھی تسبیح کیا کرو) اور ظہر کے وقت (بھی تسبیح کیا کرو کہ یہ اوقات نئی نعمت حاصل ہونے اور قدرت کے آثار کے ظہور کی زیادتی کے ہیں، ان میں تسبیح کی تجدید یعنی نیا ہونا مناسب ہے، خاص طور سے نماز کے لئے بھی یہی اوقات مقرر ہیں۔ چنانچہ مسا یعنی شام میں مغرب اور عشا آگئیں اور عشی میں ظہر اور عصر دونوں داخل تھے، لیکن چونکہ آگے ظہر کا الگ سے اور صراحت کے ساتھ ذکر ہے اس لئے عشی سے مراد صرف عصر رہ گئی اور صبح کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ
تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ ع ۹
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَ
الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾﴾ ع ۳

ترجمہ: وہ جاندار کو بیجان سے باہر لاتا ہے اور بیجان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی روزوں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے۔ اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس

میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اُس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور اُمید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلاوے گا تو تم یکبارگی نکل پڑو گے۔ اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اُسی کے ہیں سب اُسی کے تابع ہیں۔ اور وہی ہے جو اوّل بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ اُس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمان اور زمین میں اُسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر والی سرخی سے پہلے آخرت کے واقع ہونے کا ذکر تھا جو کافر اور مشرک لوگ اس کے ممکن ہونے ہی کا انکار کرتے تھے۔ اس لئے اب اس کے امکان اور صحت کو ثابت کرنے کے لئے قدرت کی دلیلیں بیان فرماتے ہیں اور درمیان میں تسبیح اور حمد بیان کرنے کا ذکر آ گیا تھا۔

اس استدلال کی توجیہ یہ ہے کہ قیامت کا واقع ہونا اپنے آپ میں ممکن ہے، کیونکہ اس کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور اگر محال ہونے کا شبہ ہو تو جو امور قدرت سے واقع ہوئے ہیں یہ قیامت ان سے زیادہ محال نہیں ہے، لہٰذا وجود کے قبول کرنے میں سب برابر ہیں، پھر قدرت ذاتی ہے جس کی نسبت تمام مقدورات سے برابر ہے اور امکان کا ثبوت اور محال کے استبعاد کی نفی صحیح خبر سے ثابت ہے لہٰذا اس کا واقع ہونا ضروری ہے۔ آگے کی آٹھ آیتیں اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

بعث کے صحیح ہونے پر قدرت کی دلیلوں سے استدلال:

(اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ اس کی ایسی قدرت ہے کہ) وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے (مثال کے طور پر نطفہ اور بیضہ یا انڈے سے انسان اور بچہ) اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے (مثال کے طور پر انسان اور پرندہ سے نطفہ اور انڈا) اور زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہوجانے کے بعد زندہ (یعنی تروتازہ) کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ (قیامت کے دن قبروں سے) نکالے جاؤ گے اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک (امر) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یا اس طرح کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو تمام ذریت پر مشتمل تھے۔ اور یا اس طرح کہ نطفہ کی اصل غذا ہے اور اس کی اصل عناصر ہیں جن میں غالب جز مٹی ہے) پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد (کیا ہوا کہ) تم آدمی بن کر (زمین پر) پھیلے ہوئے چلتے پھرتے (نظر آتے) ہو۔ اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) کہ اس نے تمہارے

(فائدہ کے واسطے تم ہی (تمہاری جنس) میں سے تمہاری بیویاں بنائیں (اور وہ فائدہ یہ ہے کہ) تاکہ تمہیں ان کے پاس (جا کر بیٹھ کر) آرام ملے اور تم میں آپس میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس (مذکورہ امر) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو سوچ سمجھ سے کام لیتے ہیں (کیونکہ استدلال کے لئے فکر کرنے، سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے اور آیات یعنی نشانیاں جمع کا لفظ اس لئے فرمایا کہ "مذکور" امور کئی امور پر مشتمل ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے (زبانوں میں لغات، آواز اور گفتگو کا انداز وغیرہ سب آ گئے) اس (مذکورہ امر) میں (بھی) دانش مندوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں (یہاں بھی لفظ آیات کے جمع کی وہی توجیہ ہو سکتی ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے تمہارا رات میں اور دن میں سونا لیٹنا ہے (چاہے رات کو زیادہ اور دن میں کم ہو) اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے (دن کو زیادہ اور رات کو کم، اسی لئے دوسری آیتوں میں اس کے لئے خاص طور سے دن کہا گیا ہے) اس (مذکورہ امر) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو (نفع دینے والی) عقل رکھتے ہیں اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم (یعنی ارادہ) سے قائم ہیں (اس میں ان کے باقی رکھنے کا بیان ہے اور اوپر ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں ان کے حادث یعنی پیدا ہونے کا ذکر تھا اور دنیا کا یہ نظام جس کا ذکر ہوا یعنی تمہارا پیدا ہونا نسل چلنا اور آپس میں نکاح اور میاں بیوی کے تعلقات کا ہونا اور آسمان اور زمین کا اس ہیئت کے ساتھ موجود اور قائم ہونا اور زبانوں اور رنگتوں کا فرق اور اختلاف اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں خاص مصلحتوں کا ہونا اور بارش کا ہونا اور اس کے ابتدائی مرحلوں، بنیادی امور و آثار کا ظاہر ہونا یہ سب اسی پہلی زندگی کے باقی رہنے تک کا سلسلہ ہے اور ایک دن یہ سب ختم ہو جائے گا) پھر (اس وقت یہ ہوگا کہ) جتنے (فرشتے اور انسان وغیرہ) آسمان اور زمین میں موجود ہیں، سب اسی کی (ملکیت) ہیں (اور) سب اسی کے تابع (یعنی قدرت کے تحت کام کرنے والے) ہیں اور (اس ثبوت اور پوری قدرت اسی کے لئے خاص ہونے سے یہ ثابت ہو گیا کہ) وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے (چنانچہ یہ مخاطب لوگوں کو بھی تسلیم تھا) پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (جیسا کہ مذکورہ دلیلوں کے ساتھ سچی خبر کے ملانے سے معلوم ہوا) اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا اس کے نزدیک) مخاطب لوگوں کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلہ میں، پہلی بار سے) زیادہ آسان ہے (جیسا کہ انسانی قدرت کے اعتبار سے عام و غالب عادت یہی ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار بنانے کے مقابلہ میں دوسری بار بنانا زیادہ آسان ہوتا ہے) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان (سب سے) اعلیٰ ہے (یعنی نہ کوئی آسمانوں میں اتنا بڑا ہے اور نہ ہی زمین میں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾) اور وہ بڑا زبردست (یعنی قادر مطلق پوری و مکمل قدرت والا اور) حکمت والا ہے (چنانچہ اوپر جن تصرفات کا ذکر ہوا ہے ان سے قدرت اور حکمت دونوں ظاہر ہیں لہٰذا قدرت سے دوبارہ پیدا کرے گا اور جتنی دیر ہو رہی ہے، اس میں حکمت اور مصلحت ہے۔ لہٰذا قدرت اور حکمت کے ثبوت سامنے آ جانے کے بعد اس وقت واقع نہ ہونے کی وجہ سے انکار کرنا جہل ہے)

فائدہ: ﴿ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴾ یہاں دوبارہ شاید اس لئے لائے ہوں کہ یہاں بعث کا ذکر ہے اور یہ اس کا خاص نمونہ ہے اور آیتوں کے ختم پر مختلف الفاظ ﴿ یَتَفَکَّرُوۡنَ، لِّلۡعٰلِمِیۡنَ، یَّسۡمَعُوۡنَ ﴾ اور ﴿ یَعۡقِلُوۡنَ ﴾ کا لانا عبارت میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے جو بلاغت کی وجہوں میں سے ہے اور اس کی دوسری توجیہات کرنا تکلف سے خالی نہیں: وللناس فیما یعشقون مذاهب: یعنی ہر ذہن کے لوگوں کے اپنے اپنے سوچنے کے طریقے ہیں۔ اور ﴿ اَللّٰهُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ﴾ جو اس سے پہلے کی آیت میں آیا ہے، وہ دعویٰ پیش کرنے کے طور پر ہے اور یہاں مطلوب تفریع کے طور پر ہے، اور درمیان میں ﴿ تُخۡرَجُوۡنَ ﴾ اس لئے آیا ہے کہ یہ مقصود تاکید کے زیادہ مناسب ہے۔

﴿ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ شُرَكَآءَ فِىۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ
فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ تَخَافُوۡنَهُمۡ كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ فَمَنۡ يَّهۡدِىۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ
لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۳۱﴾
مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا
رَبَّهُمۡ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ
اٰتَيۡنٰهُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا ٙ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۵﴾
وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً فَرِحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ ﴿۳۶﴾
اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ
ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ
الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ
تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ
هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِكُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں۔ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اُس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کیا کرتے ہو۔ ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے سو جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لاوے۔ اور ان کا کوئی

حمایتی نہ ہوگا، تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے۔ پس سیدھا دین یہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، تم خدا کی طرف رجوع ہو کر فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو۔ اور اُس سے ڈرو۔ اور نماز کی پابندی کرو۔ اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو جن لوگوں نے اپنے کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اُن کے پاس ہے اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو پس اُن میں سے بعضے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو اُن کو دیا ہے اُس کی ناشکری کرتے ہیں۔ سو چند روز اور حظ حاصل کر لو۔ پھر جلدی تم معلوم کر لو گے۔ کیا ہم نے اُن پر کوئی سند نازل کی ہے کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شریک کرنے کو کہہ رہی ہے۔ اور جب ہم لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر اُن کے اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں اُن پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو بس وہ لوگ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ پھر قرابت دار کو اُس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔ اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے، وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

ربط: اوپر بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا مضمون تھا، جس پر استدلال کرنے کے لئے حق تعالیٰ کے کمال کی صفتوں اور افعال کو بیان کیا گیا تھا۔ اب توحید کا مضمون مستقل مقصود کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ بعث اور توحید کے مسئلے خود بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی صفتیں اور توحید ایک دوسرے سے زیادہ چمٹے ہوئے ہیں، اس لئے آگے پیچھے دونوں سے ربط ہو گیا اور یہ مضمون آیت ۴۰ تک یعنی ۱۳ آیتوں پر پھیلا ہوا ہے، صرف درمیان میں توحید کی دلیلوں میں سے رزاق ہونے کی مناسبت سے اضافہ اور تفصیل اور فرع کے طور پر مال خرچ کرنے سے متعلق فروعی امور اور اس کے اغراض کا بیان آ گیا ہے۔ باقی اصل مقصود توحید کا مضمون ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

توحید کا اثبات:

(اللہ تعالیٰ شرک کی مذمت اور اس کو باطل ثابت کرنے کے لئے) تم سے ایک عجیب مضمون تمہارے ہی حالات میں

سے بیان فرماتے ہیں (وہ یہ کہ غور کرو) کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی شخص تمہارے اس مال میں شریک ہے جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اور وہ (اختیارات کے اعتبار سے) اس میں برابر ہو، جس کا تم (تصرفات کے وقت) ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس (کے آزاد وخود مختار ساجھی لوگوں اور حصہ داروں) کا خیال کرتے ہو؟ (اور ان سے اجازت لے کر تصرف کیا کرتے ہو یا کم سے کم ان سے مخالفت ہی کا اندیشہ رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا لہٰذا جب تمہارا غلام جو مختلف پہلوؤں سے تمہارا ساتھی اور ساجھی ہے، صرف ایک امر کا مالک اور غلام ہونا تمہارے اور اس کے درمیان امتیاز کا سبب ہے، تمہارے خاص تصرف کے حق میں تمہارا شریک نہیں ہوسکتا تو تمہارے قرار دیئے ہوئے باطل معبود جو کہ حق تعالیٰ کی ملکیت اور مخلوق ہیں اور ذات یا صفت کے کمال میں اللہ تعالیٰ کی طرح نہیں بلکہ بعض تو ان میں خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں، پھر یہ معبود حق تعالیٰ کے معبود ہونے کے خاص حق میں کس طرح اس کے شریک ہوسکتے ہیں؟ اور ہم نے جس طرح شرک کے باطل ہونے کی کافی وشافی دلیل بیان فرمائی) ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے صاف صاف دلیلیں بیان کرتے رہتے ہیں، اور بیان اور تفصیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ حق کا اتباع اختیار کر لیتے اور شرک چھوڑ دیتے مگر وہ حق کا اتباع اختیار نہیں کرتے) بلکہ ان ظالموں نے بغیر (کسی صحیح) دلیل کے (محض) اپنے (فاسد) خیالات کا اتباع کر رکھا ہے، تو جس کو (اس کے اپنے عناد ودشمنی اور باطل پر اصرار کی وجہ سے) اللہ (ہی) گمراہ کرے اس کو کون ہدایت دے؟ (اس میں ان کے عذر کا بیان نہیں، بلکہ ہدایت ورہنمائی کرنے والے رسول ﷺ کی تسلی ہے) اور (جب ان گمراہوں کو عذاب ہونے لگے گا تو) ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا (اور جب اوپر کے مضمون سے توحید کی حقیقت واضح ہوگئی) تو (مخاطب لوگوں میں ہر ہر شخص سے کہا جاتا ہے کہ) تم (باطل دینوں سے) پوری طرح الگ ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو (جو حق ہے، اور سب) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو، جس (قابلیت) پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (آیت میں لفظ فطرت استعمال کیا گیا ہے اور فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرتی اور پیدائشی طور پر ہر شخص میں یہ قابلیت اور صلاحیت رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو اس کی سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کی اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد یعنی قابلیت سے کام لے اور اس کے تقاضہ یعنی حق کو سمجھنے پر عمل کرے۔ غرض اس فطرت کا اتباع کرنا چاہئے اور (اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہیں چاہئے، سیدھا دین (کا راستہ) یہی ہے لیکن اکثر لوگ (سوچنے سمجھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اس کو) نہیں جانتے (اس لئے اس کا اتباع نہیں کرتے۔ غرض) تم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فطرت کا اتباع کرو اور اس (کی مخالفت اور اس مخالفت کے عذاب) سے ڈرو اور (اسلام قبول کر کے) نماز کی پابندی کرو (کہ توحید پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے) اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو، جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (یعنی حق تو یہ ایک تھا اور باطل بہت ہیں، انھوں نے حق کو چھوڑ دیا اور باطل کی مختلف راہیں اختیار کرلیں۔ یہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے کہ ایک نے ایک لے لیا

دوسرے نے دوسرا) اور بہت سے (مختلف) گروہ ہو گئے (اور اگر حق پر رہتے تو ایک گروہ ہوتے اور اس کے باوجود کہ حق کو چھوڑنے والے ان سب لوگوں کے طریقے باطل ہیں مگر پھر بھی انتہائی جہالت کی وجہ سے (ان میں) ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے اور (جس توحید کی طرف ہم بلاتے ہیں، عام طور پر لوگوں کے حال کو دیکھنے اور ان کے کہنے پر مجبور ہونے کے وقت اس اختلاف اور انکار کے باوجود اس کا اظہار اور اقرار بھی ہونے لگتا ہے جس سے اس کے فطری ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ) جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (اس وقت بے قرار ہو کر) اپنے (حقیقی) رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں (اور سارے معبودوں کو چھوڑ دیتے ہیں، مگر) پھر (قریب ہی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ) جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ (پھر) اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے جو انہیں (عیش و آرام) دیا ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں (جو عقل کے لحاظ سے بھی برا ہے) تو (خیر) چند دن اور مزے کر لو پھر جلد تمہیں (حقیقت) معلوم ہو جائے گی (اور یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خاص طور سے توحید کے بعد ان سے کوئی پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟) کیا ہم نے ان پر کوئی سند (یعنی کوئی کتاب) نازل کی ہے کہ وہ ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے لئے کہہ رہی ہے؟ (یعنی ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور پریشانی کی حالت میں واضح طور سے عقل کے تقاضہ کے خلاف ہونا خود ان کے تسلیم کرنے سے ظاہر ہے، لہٰذا سراسر باطل ٹھہرا) اور آگے اوپر والے مضمون ﴿ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ﴾ کو پورا کیا گیا ہے اور ﴿ اَمْ اَنْزَلْنَا ﴾ الخ درمیان میں عقلی دلیل کی نفی کی مناسبت سے نقلی دلیل کے لئے آ گیا تھا۔ وہ باقی حصہ یہ ہے کہ) جب ہم (ان) لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے (اس طرح) خوش ہوتے ہیں (غفلت و مشغولیت میں پڑ کر شرک کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر آیا) اور اگر ان کے ان (برے) اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ میں اصل مقصود پہلا جملہ ﴿ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ ﴾ ہے کہ اس میں شرک کے سبب یعنی خوشی اور غفلت کا ذکر ہے، اور اس مقصود کی مناسبت سے دوسرا جملہ بیان کر دیا کہ دونوں میں مقابلہ ہے اور اس میں دونوں کی شرکت بھی ہے کہ یہ دونوں اللہ کے ساتھ ایسے لوگوں کے تعلق کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ اصل مضمون توحید کے اثبات اور شرک کو باطل قرار دینے ہی کا ہے۔ آگے اس کی دوسری دلیل ہے کہ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں تو) کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے (اور یہ مشرکوں کو تسلیم بھی تھا کہ روزی کا گھٹانا بڑھانا اصل میں اللہ ہی کا کام ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾) اس (امر) میں (بھی توحید کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی وہ سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی سمجھ سکتے ہیں یعنی جو بھی ایسا قادر ہو گا عبادت کا مستحق وہی ہو گا) پھر (جب توحید کی دلیلوں میں

معلوم ہوگیا کہ رزق کی وسعت اور تنگی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوئی کہ کنجوسی مذمت کے قابل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تقدیر سے زیادہ نہیں مل سکتا، پھر روک کر رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، تو اے مسلمانو! بھلائی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں کنجوسی مت کیا کرو بلکہ) قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دیا کرو اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو بھی (ان کے حقوق دیا کرو جن کی تفصیل شرعی دلیل سے معلوم ہے) یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور (ہم نے جو خیر ہونے کے لئے ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ کی قید لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلق خیر کے لئے خرچ کرنا فلاح و کامیابی کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ) جو سود تم (دنیا کی غرض سے دو گے، مثال کے طور پر کوئی چیز) اس غرض سے (کسی کو) دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں (شامل ہو کر یعنی ان کی ملکیت و قبضہ میں) پہنچ کر (تمہارے لئے) زیادہ ہو (کر آ) جائے (جیسا کہ دنیاوی رسموں میں نیوتہ وغیرہ اکثر اسی غرض سے دیا جاتا ہے کہ ہماری رسم کے موقع پر یہ شخص کچھ اور شامل کر کے دے گا) تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (کیونکہ اللہ کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لئے دیا جائے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ ایک مقبول تمر یعنی کھجور احد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اور چونکہ اس میں یہ نیت نہیں تھی، لہٰذا نہ مقبول ہوا اور نہ زیادہ ہوا) اور جو زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ (اپنے دیئے ہوئے کو) اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے (جیسا کہ ابھی حدیث کا مضمون گذرا۔ اور دینے یا خرچ کرنے کا یہ مضمون توحید پر دلالت کرنے والے رزق دینے والے مضمون کے ساتھ تابع ہو کر آ گیا جیسے اوپر توحید کے ذکر کے ساتھ صلوٰۃ یعنی نما کا امر آ گیا تھا جس سے بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا ذکر ہو گیا باقی اصل مقصود (توحید کا مضمون ہے، اس لئے آگے پھر اس کا ذکر ہے) اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر (قیامت میں) تمہیں جلائے گا (جس میں کچھ مخاطب لوگوں کے اقرار سے ثابت ہے اور کچھ دلیلوں سے۔ غرض وہ تو ایسا قدرت والا ہے، اب یہ بتاؤ کہ) کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ) وہ ان کے شرک سے پاک اور اعلیٰ و برتر ہے (یعنی اس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا توحید کا ثبوت ہو گیا اور شرک باطل ہو گیا)

فائدہ: ﴿فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، اس کے سلسلہ میں حدیث میں ہے کہ وہ پیدائشی کافر تھا، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قسمت میں یہ تھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر ہوگا نہ یہ کہ اس میں حق کے قبول کی استعداد کے معنی والی فطرت نہ تھی، حدیث میں طبع کافرا کا یہی مطلب ہے۔ اور ﴿فَرِحُوْا بِهَا﴾ میں اسی خوشی کا امر ہے جو شکر کے طور پر ہو۔ لہٰذا ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں اور آیت ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ الخ کے مضمون سے متعلق ایک ضروری مضمون سورۂ یونس آیت ۱۲ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ الخ کے ذیل میں لکھا گیا

ہے جو ملاحظہ کے قابل ہے۔ اور آیت ﴿ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ ﴾ اگر مکی ہو تو زکوٰۃ مطلق صدقہ کے معنی میں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی۔

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعضے اعمال کا مزہ اُن کو چکھادے تاکہ وہ باز آجاویں۔ آپ فرمادیجئے کہ مُلک میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا اخیر کیسا ہوا۔ اُن میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو تم اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجاوے جس کے واسطے پھر خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جاویں گے۔ جو شخص کفر کر رہا ہے اُس پر تو اُس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

ربط: اوپر توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا، اب معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کا ذکر ہے جن میں شرک اور کفر دنیا میں وبال اور اعمال کی برائی کے لحاظ سے سب سے عظیم اور سب سے زیادہ قبیح یعنی برے ہیں۔ اور مضمون کو پورا کرنے اور ان گناہوں کے مقابلہ کے لئے توحید اور طاعتوں کا نیک انجام بیان کیا گیا ہے۔

شرک وگمراہی اور برے اعمال کے وبال کا ذکر:

(شرک ومعصیت ایسی بری چیز ہے کہ) خشکی اور تری (یعنی ساری دنیا) میں لوگوں کے (برے) اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں (مثال کے طور پر قحط، طوفان اور وبا) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال (کی سزا) کا انہیں مزہ چکھادے تاکہ وہ (اپنے ان اعمال سے) باز آجائیں (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ اور ﴿ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر سب کو یہ عقوبتیں دیدی جائیں تو کوئی بھی زندہ نہ رہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ اس معنی کی وجہ سے اوپر والی آیت میں ﴿ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ فرمایا ہے۔ غرض جب برے اعمال مطلق وبال کا سبب ہیں تو شرک وکفر تو سب سے بڑھ کر عذاب کا سبب ہوں گے، اور اگر ان مشرکوں کو اس کے ماننے میں کچھ

ہچکچاہٹ ہو تو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جو (کافر و مشرک) لوگ پہلے گذر چکے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ ان میں اکثر مشرک ہی تھے (تو دیکھ لو وہ آسمانی عذاب سے کس طرح ہلاک ہوئے جس سے صاف واضح ہوا کہ شرک کا بڑا وبال ہے۔ اور ان میں سے بعض کفر کی دوسری قسموں میں بھی مبتلا تھے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم اور قارون اور جن کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے تھے کہ آیتوں کو جھٹلا کر اور احکام کی مخالفت کر کے کفر اور لعنت میں مبتلا ہوئے اور شاید خاص طور سے شرک کا ذکر اس لئے ہو کہ مکہ کے کافروں کی خصوصی اور مشہور حالت یہی تھی اور جب شرک کے وبال کا سبب ہونے کی تحقیق ہوگئی) تو (اے مخاطب!) تم اپنا رخ اس سچے دین (یعنی اسلامی توحید) کی طرف رکھو، اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے جس کے واسطے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا (یعنی جس طرح دنیا میں خاص عذاب کے وقت کو اللہ تعالیٰ قیامت کے وعدہ پر ہٹاتا جاتا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر اس کو ہٹایا نہ جائے گا اور نہ وہ روکا جائے گا نہ مہلت دی جائے گی۔ اس جملہ میں شرک کے آخرت کے وبال کا ذکر ہو گیا جیسا کہ اوپر ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ﴾ اور ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ﴾ الخ میں دنیاوی وبال کا ذکر تھا اور) اس دن (یہ ہوگا کہ) سب (عمل کرنے والے) لوگ (جزا کے اعتبار سے) الگ الگ ہو جائیں گے (اس طرح کہ) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کے کفر کا (وبال) پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے تو یہ لوگ (اپنے نفع کے) لئے سامان کر رہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (اور اس سے کافر محروم رہیں گے جیسا کہ اوپر ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ سے معلوم ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ) واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا (بلکہ ان کے کفر پر ان سے ناخوش ہے اور کفر ہے بھی ناراضی کی بنیاد اس لئے اس دولت سے محروم ہیں)

فائدہ: بعض مفسرین نے بر و بحر یعنی خشکی و تری دونوں سے آبادی مراد لی ہے اول سے وہ جو دریا یا سمندر سے دور ہوں اور دوسرے سے وہ جو دریا یا سمندر سے قریب ہوں، اور اگر بلاؤں کے معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کا نتیجہ ہونے پر شبہ ہو کہ اکثر معاصی نہ کرنے والوں پر بھی حادثات واقع ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق حادثات کی علت صرف معاصی میں منحصر ہونا مقصود نہیں بلکہ جو حادثات سزا کے طور پر ہوں۔ ان کی علت صرف معاصی ہیں۔ اور جن حادثات میں دوسری مصلحتیں ہوں جیسے درجوں کا بڑھایا جانا یا اخلاق کا سنوارنا اور اچھا کرنا ان کی یہ علت نہیں اور معاصی کا پہلے ہونا اور پہلے نہ ہونا دونوں کے فرق کا قرینہ علامت ہے یعنی جس حادثہ سے پہلے معصیت ہوئی ہو اس کو معصیت کا سبب کہیں گے اور جس سے پہلے معصیت نہ ہو جیسے نبیوں میں، اس کو معصیت کا سبب نہیں کہیں گے۔ اور آیت ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ الخ میں جو دو حکم ہیں، دوسری آیت میں سے یعنی ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ کی علت ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ﴾ الخ بیان فرمانا اور دوسرے حکم یعنی ﴿فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ﴾ کو حاصل کے عنوان سے (دوبارہ تاکید کے لئے ذکر فرمانا جس پر عاقبت کے لام سے دلالت ہوتی ہے اور علت کی بجائے ﴿مِنْ فَضْلِهِ﴾ بڑھا دینا اس امر کا اشارہ ہے کہ

سزا تو بغیر علت کے نہیں ہوتی، لیکن رحمت بغیر علت کے محض فضل سے ہوتی ہے اور رحمت کے اہتمام کی طرف بھی اشارہ ہے جو تکرار اور تاکید سے ظاہر ہے اور چونکہ موقع کفر کے وبال کے ذکر کا ہے، اس لئے پہلی آیت کو اسی سے شروع کرنا اور دوسری آیت کو اسی پر ختم کرنا مناسب ہوا اور درمیان میں ایمان اور اس کی جزا کو اسے پورا کرتے ہوئے بیان فرما دیا۔ واللہ اعلم

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ اَللّٰهُ الَّذِيْ
يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ
خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝۴۹ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵۰ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ
يَكْفُرُوْنَ ۝۵۱ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۲ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۵۳ ﴾ ع ۱۲ ۵ ۸

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش خبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دے اور تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ اُن کے پاس دلائل لے کر آئے سو ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے۔ اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اُس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اُن کے اندر سے نکلتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر برسے نا اُمید تھے۔ سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اگر ہم ان پر اور ہوا چلا دیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔ سو آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور آپ اندھوں کو اُن کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس اُن کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا۔ اب عنوان کے اختلاف کے ساتھ پھر اسی کی طرف واپسی ہے اور وہ عنوان کا اختلاف

یہ ہے کہ پہلے اثبات دلیلوں کے ذکر کے پیرایہ میں تھا اور یہاں بارش سے متعلق پہلے کے حالات اور آثار کے بعض خاص انعاموں کے ذکر کے پیرایہ میں تقاضا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور ﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾ میں شکر کی ترغیب اور نعمتوں کا ذکر فرمانا اور ﴿لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ﴾ میں طبیعت کے خلاف حالت میں ناشکری پر شکایت فرمانا اس کا قرینہ ہے۔ ان تمام باتوں کا حاصل یا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی دلیل ہونے کے اعتبار سے بھی توحید کو ثابت کرنے والی ہیں، اور نعمت ہونے کے اعتبار سے بھی اس لئے توحید کا تقاضا ہیں کہ نعمت کا تقاضا شکر ہوتا ہے اور شرک اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے، اور چونکہ مشرک ان دلیلوں میں غور و فکر اور ان نعمتوں پر شکر سے منہ پھیرے ہوئے اور شرک و اختلاف پر اصرار کئے ہوئے تھے اور اس پر نبی اکرم ﷺ کو دکھ، رنج و ملال ہوتا تھا۔ اس لئے آیت ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ الخ کے علاوہ اوپر والے مضمون میں اور اس مضمون کے ختم پر آیت ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ﴾ الخ میں آپ کی تسلی فرمائی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ غور و فکر نہ ہونا تو اس لئے ہے کہ یہ موتی یعنی مردہ صم یعنی بہرے اور اعمی یعنی اندھے کی طرح ہیں، لہٰذا ان سے امید نہ کی جائے کہ ان سے جلدی انتقام لیا جائے گا اور چونکہ توحید سے متعلق پورے مضمون میں ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا﴾ سے پہلے استدلال کی حیثیت سے غور و فکر نہ کرنے کے مضمون پر اس لئے اثبات کیا گیا تھا کہ استدلال سے متعلق ہے۔ کلام کا اختتام بھی مناسب ہوا کہ کسی چیز کا شروع اور ختم ایک ہی ہونا مناسب ہونے کا سب سے بلیغ طریقہ ہے۔ اس لئے ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ﴾ کو آخر میں لائے اور ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ کو جس میں شکر نہ کرنے سے متعلق تسلی شامل ہے، ہواؤں کے احوال کے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لے آئے۔ اس طرح پہلے مضمون کی تسلی بعد میں اور بعد کے مضمون کی تسلی پہلے ہوگئی اور چونکہ اوپر قیامت کا ذکر شرک کی آخرت میں ملنے والی سزا کے بیان کے ضمن میں آیا تھا اور کافروں کو اس میں بھی کلام تھا، اس لئے نعمتوں کے مضمون میں زمین کو زندہ یعنی تروتازہ کرنے کے مضمون کے حوالہ سے جملہ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ میں مختصر انداز میں قیامت کا اثبات بھی فرمادیا، جو بعد میں یعنی ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ﴾ الخ کی آیت کے لئے تمہید کے طور پر بھی ہوگیا جس میں آخرت کی تفصیل ہے۔ واللہ أعلم بأسرار کتابه۔

توحید کے مضمون کی طرف واپسی اور تسلی اور آخرت کا مختصر انداز میں اثبات:

اور اللہ تعالیٰ کی (قدرت وحدت اور نعمت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی) خوش خبری دیتی ہیں (لہٰذا ان کا بھیجنا ایک تو دل خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے) اور (اس واسطے بھی) تاکہ اس کے بعد بارش ہو اور) تمہیں اپنی (رحمت و بارش) کا مزہ چکھادے (یعنی بارش کے فائدے عنایت فرما دے) اور (ہوا اس واسطے بھی بھیجتا ہے) تاکہ اس کے ذریعہ سے ہوا سے چلنے والی (کشتیاں) اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ (اس ہوا کے ذریعہ سے کشتیوں کو چلا کر سفر کر کے) تم اس کی روزی تلاش کرو (یعنی کشتیوں کا چلنا اور فضل تلاش کرنا دونوں ہوائیں بھیجنے کے مسبب ہیں، اول (کشتی کا چلنا سبب قریب یعنی بلاواسطہ ہے اور دوسرا یعنی روزی تلاش کرنا سبب

بعید بالواسطہ ہے) اور تاکہ (روزی حاصل کر کے اس پر جو کہ مسبب بواسطہ ثانی (یعنی کشتیاں چلنے کے واسطہ سے ہے یا سبب امور پر یعنی دونوں واسطوں پر)[1] تم شکر کرو اور (ان پوری پوری دلیلوں اور پوری پوری نعمتوں پر بھی، یہ مشرک لوگ حق تعالیٰ کی جو ناشکریاں کرتے ہیں کہ وہ شرک اور رسول کی مخالفت اور مؤمنوں کو ایذا پہنچاتا ہے تو آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ ہم جلدی ہی ان سے انتقام لینے والے اور اس میں ان کو مغلوب اور اہل حق کو غالب کرنے والے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی ہوا ہے۔ چنانچہ) ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس (حق کی) دلیلیں لے کر آئے (جن پر بعض ایمان لائے اور بعض نہ لائے) تو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور وہ جرائم حق کو جھٹلانا اور اہل حق کی مخالفت ہیں، اور اس انتقام میں ہم نے انہیں مغلوب اور اہل ایمان کو غالب کیا) اور اہل ایمان کا غالب کرنا (وعدہ اور عادت کے مطابق) ہمارے ذمہ تھا (وہ انتقام، اللہ کا عذاب تھا، اور اس میں کافروں کو ہلاک ہونا ان کا مغلوب ہونا ہے اور مسلمانوں کا عذاب سے بچ جانا ان کا غالب آنا ہے۔ غرض ان کافروں سے اسی طرح انتقام لیا جائے گا، چاہے دنیا میں چاہے موت کے بعد۔ اور دوسری صورت میں جس میں کہ سب کچھ مشترک ہے انتقام کے مقام سے قطع نظر مطلق انتقام مراد ہے اور تسلی کا یہ مضمون جملہ معترضہ کے طور پر تھا۔

آگے ہواؤں کو بھیجنے کے بعد آثار کی تفصیل ہے جن کا اوپر مختصر انداز میں ذکر کیا گیا۔ کہ (اللہ ایسا قدرت والا، حکمت والا اور نعمت دینے والا) ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو (جو کہ کبھی ان ہواؤں سے پہلے بھاپ اٹھ کر بادل بن چکتے ہیں اور کبھی وہ بھاپ ان ہواؤں سے بلند ہو کر بادل بن جاتے ہیں۔ پہلی صورت میں پہلے سے موجود بادلوں کو اور دوسری صورت میں بعد میں اٹھنے والے بالوں کو وہ ہوائیں ان کی جگہ سے جو کہ پہلی صورت میں زمین سے قریب اور دوسری صورت میں خود زمین سے) اٹھاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس (بادل) کو (کبھی تو) جس طرح چاہتا ہے آسمان (کی جہت یعنی فضا کی بلندی) میں پھیلا دیتا ہے اور (کبھی) اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لفظ ﴿يَبْسُطُ﴾ کی اصل بسط ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جمع کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے اور ﴿كَيْفَ﴾ کا مطلب یہ کہ کبھی تھوڑی دور تک، کبھی بہت دور تک اور ﴿كِسَفًا﴾ کا مطلب یہ کہ جمع نہیں ہوتا متفرق یعنی الگ الگ بکھرا رہتا ہے) پھر (دونوں حالتوں میں) تم بارش کو دیکھتے ہو کہ اس (بادل) کے اندر سے نکلتی ہے (جمع کئے ہوئے بادل سے برسنا تو اکثر ہوتا ہے اور بعض موسموں میں اکثر متفرق چھوٹی چھوٹی بدلیوں سے بھی بارش ہو جاتی ہے) پھر (بادل سے نکلنے کے بعد) جب وہ (بارش) اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں اور وہ لوگ اس سے پہلے یعنی اس کے

---

(۱) یعنی رزق حاصل کرنے پر کہ ہواؤں کے بھیجنے سے دوسرے واسطہ یعنی روزی کمانے اور کوشش سے مسبب ہے۔ اس طرح اس مقام پر ہواؤں کے بھیجنے کے تین مسبب ہوئے: اول کشتیوں کا چلانا دوسرے اسی کے واسطہ سے روزی کمانے کی کوشش کرنا اور تیسرے اس کے واسطہ سے رزق حاصل ہونا۔

برسنے سے پہلے (بالکل ہی) ناامید (ہو رہے) تھے (یعنی ابھی ابھی ناامید تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ جس طرح لفظ ﴿ لَمُبْلِسِيْنَ ﴾ یعنی ناامید ہونے کی اصل ابلاس: ینزل کی اصل تنزیل یعنی نازل کرنے یا بارش برسنے سے قریب ہے، اسی طرح تنزیل، ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ کی اصل استبشار یعنی خوش ہونا، استبشار کے قریب ہے کہ ابلاس کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور ایسا ہی دیکھا بھی جاتا ہے کہ انسان کی کیفیت ایسی حالت میں بہت ہی جلد بدل جاتی ہے) تو (ذرا) اللہ کی رحمت (یعنی بارش) کے آثار (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ (اسی کے ذریعہ سے) زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہونے کے بعد کس طرح زندہ (یعنی تروتازہ) کرتا ہے (اور یہ بات نعمت اور وحدت کی دلیل ہونے کے علاوہ بعث پر قدرت کی دلیل بھی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس اللہ نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا) کچھ شک نہیں کہ وہی (اللہ) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے (لہٰذا عقل کے اعتبار سے ممکن ہونے میں دونوں برابر اور قدرت کا ذاتی ہونا دونوں کے ساتھ نسبت و برابر ہونے میں لازم اور دونوں امر کا حسی طور پر مشابہ ہونا محال کو دور کرنے والا ہے، لہٰذا جب ایک پر قدرت ثابت ہے تو دوسرے پر بھی ثابت ہے) اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (مردوں کو زندہ کرنے کا یہ مضمون زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے جملہ معترضہ تھا)

اور (آگے پھر بارشوں اور ہواؤں سے متعلق مضمون ہے جس میں اہل غفلت کی ناشکری کا بیان ہے جس کے قبیح یعنی برے ہونے پر نعمتوں والی آیتیں دلالت کر رہی ہیں یعنی اہل غفلت ایسے حق کو نہ پہچاننے والے اور ناشکرے ہیں کہ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے بعد) اگر ہم ان پر دوسری (قسم کی) ہوا چلا دیں پھر (اس ہوا سے) یہ لوگ کھیتی کو (خشک اور) پیلی پڑتی ہوئی دیکھیں (کہ اس کی ہریالی اور شادابی جاتی رہی ہے) تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں (اور پچھلی تمام نعمتوں کو بھلا دیں) تو (جب ان کی غفلت اور ناشکری پر اقدام اس درجہ پر ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بالکل ہی بے حس ہیں، تو ان کے ایمان نہ لانے اور آیتوں میں غور و فکر نہ کرنے پر غم کرنا بھی بے کار ہے، کیونکہ) آپ مردوں کو (تو) نہیں سنا سکتے۔ اور بہروں کو (بھی) آواز نہیں سنا سکتے (خاص طور سے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں (کہ اشارہ کو بھی نہ دیکھیں) اور (اسی طرح) آپ (ایسے) اندھوں کو (جو کہ دیکھنے والے کا اتباع نہ کریں) ان کی گمراہی سے سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے (یعنی یہ تو ان کی طرح ہیں جن کے حواس اور زندگی سب ماؤف ہو چکے ہیں) آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں (اور جب یہ لوگ مردوں، بہروں اور اندھوں کی طرح ہیں تو پھر ان سے ایمان کی امید مت رکھئے اور غم نہ کیجئے)

فائدہ: سورۂ نمل کی آیت ۸۰ و ۸۱ میں بھی ایسا ہی مضمون آیا ہے۔ وہاں سماع موتی یعنی مردوں کے سننے کی تحقیق گذر چکی ہے، دیکھ لی جائے۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ

الْمُجْرِمُوْنَ ۥ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بوڑھا کیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ لوگ اُلٹے چلا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو نوشتۂ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے لیکن تم یقین نہ کرتے تھے۔ غرض اُس روز ظالموں کو اُن کا عذر کرنا نفع نہ دے گا اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا، اب بعث سے متعلق مضمون ہے جو اوپر توحید کے مضمون کے شروع میں آیت ﴿ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ﴾ میں اور اس کے درمیان میں ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴾ میں بھی اور اس کے ختم پر اضافہ اور تفصیل کے طور پر ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ میں بھی آچکا ہے۔

بعث کے امکان اور واقع ہونے کا اثبات:

اللہ ایسا ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں بنایا (اس سے بچپن کی ابتدائی حالت مراد ہے) پھر (اس) کمزوری کے بعد توانائی (یعنی جوانی) عطا کی؛ پھر (اس) توانائی کے بعد کمزور اور بوڑھا کیا (اور) وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور وہ (ہر تصرف کو) جاننے والا (اور اس تصرف کے نافذ کرنے پر) قدرت رکھنے والا ہے (لہٰذا جو ایسا قادر یعنی قدرت والا ہو اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ یہ تو بعث کے امکان کا بیان تھا) اور (آگے اس کے واقع ہونے کا بیان ہے، یعنی) جس دن قیامت قائم ہوگی) مجرم (یعنی کافر) لوگ (وہاں کی ہولناکی، مصیبت اور پریشانی کو دیکھ کر قیامت کے آنے کو انتہائی ناگوار سمجھ کر) قسم کھا بیٹھیں گے کہ (قیامت بہت جلدی آگئی اور) وہ لوگ (یعنی ہم لوگ برزخ کے عالم میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے (یعنی قیامت کے آنے کی جو میعاد مقرر تھی، وہ بھی پوری نہیں ہونے پائی کہ قیامت آگئی، جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر پھانسی والے کی میعاد ایک مہینہ مقرر کی جائے تو جب مہینہ گذر جائے گا تو اسے ایسا معلوم ہوگا جیسے مہینہ نہیں گذرا اور مصیبت جلدی آگئی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں) الٹے چلا کرتے تھے (یعنی جس طرح یہاں آخرت میں قیامت کی ایک واقعی حالت کا کہ وہ اپنے معین وقت پر واقع ہو رہی ہے، غلط انکار کر دیا اور انکار بھی قسم کے ساتھ تاکید کے طور پر، اسی طرح دنیا میں قیامت کی ایک واقعی حالت کا کہ اس کا نفس واقع ہونا ہے، غلط انکار کیا کرتے تھے، اور انکار بھی تاکید کے طور پر جیسے ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ وغیرہ) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا

ہے (ان سے ایمان والے لوگ مراد ہیں کہ انہیں شرعی خبروں کا علم حاصل ہے) وہ (ان مجرموں کے جواب میں) کہیں گے کہ (تم برزخ میں میعاد سے کم تو نہیں رہے، جیسا کہ تمہارا غلط دعویٰ ہے بلکہ) تم تو اللہ کے لکھے ہوئے (مقررہ) وقت کے مطابق قیامت کے دن تک رہے ہو، تو قیامت کا دن یہی ہے (جو برزخ میں رہنے کی میعاد تھی) لیکن (اس بات کی وجہ کہ اس کو مقررہ وقت سے پہلے آیا ہوا سمجھتے ہو یہ ہے کہ) تم (دنیا میں قیامت کے واقع ہونے کا) یقین (اور اعتقاد) نہ کرتے تھے (بلکہ جھٹلایا اور انکار کیا کرتے تھے، اس انکار کے وبال میں آج پریشانی کا سامنا ہوا۔ اس وجہ سے گھبرا کر خیال ہوا کہ ابھی تو میعاد بھی پوری نہیں ہوئی۔ اور اگر تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تو اس کے واقع ہونے کو جلدی نہ سمجھتے، بلکہ یوں چاہتے کہ اس سے بھی جلدی آجائے کہ طبعی عادت ہے کہ راحت کے وقت کا وعدہ جلدی آنا چاہتا ہے اور انتظار مشکل ہوتا ہے اور اس کی مدت لمبی معلوم ہوا کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ کافر قبر میں کہتا ہے: رب لا تقم الساعۃ: یعنی اے پروردگار! قیامت قائم نہ فرما جب کہ مؤمن کہتا ہے: رب أقم الساعۃ: اے میرے پروردگار! قیامت قائم فرما، اور مؤمنوں کے اس جواب سے بھی جو یہاں بیان ہوا ہے کہ کم کہاں رہے بہت رہے (اس سے) ظاہر ہوتا ہے کہ مشتاق تھے اور جلدی آنے کا مطالبہ کر رہے تھے) غرض اس دن ظالموں (یعنی کافروں کی پریشانی اور مصیبتوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان) کو ان کا (کسی قسم کا جھوٹا سچا) عذر کرنا نفع نہ دے گا، اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے گا (یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں)

فائدہ: مجرموں میں اس قسم یعنی ﴿مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ کہنے والے ایسے ہی جھوٹے ہوں گے جیسے سورۂ انعام آیت ۲۲ میں ان کا یہ قول ہے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ جس پر ارشاد ہوا ہے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ الخ اور سورۂ طٰہٰ آیت ۱۰۳ ﴿يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾ میں جو ان کے اس قول کو جھٹلایا نہیں گیا تو وہاں ان کے اس قول سے اور مقصود ہے جو وہاں بیان ہوا ہے دیکھ لیا جائے اور یہاں مقصود اور ہے، اس لئے وہاں جھٹلایا نہیں گیا اور یہاں جھٹلایا گیا۔

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝﴾ ع ۹

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے واسطے قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور اگر آپ اُن کے پاس کوئی نشانی لے آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں، یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر یونہی مہر کر دیا کرتا ہے سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے

برداشت نہ کرنے پاویں۔

ربط: اب اس سورت کے خاتمہ میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں جو سورت کے نتیجہ کے طور پر ہیں، یعنی سورت کے تفصیلی مضمونوں کے مجموعہ کی مدح وتعریف اور بلاغت کا مختصر انداز میں بیان ہے جس کا حاصل ان مضمونوں کی فاعلی قوت اور تاثیر کا کمال ہے اور اس مؤثر ہونے کی شدت کے باوجود کافروں کے نہ ماننے پر حضور پر نور ﷺ کی تسلی کے لئے کافروں کی جہالت اور عناد کا ذکر ہے، جس کا حاصل ان کی انفعالی قوت کا فقدان اور تأثر کا نہ ہونا ہے۔

قرآن کے مضامین کی بلاغت، سرکشی ونافرمانی کرنے والوں کا عناد اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے اس قرآن (کے مجموعہ یا اس کے خاص حصہ یعنی اس سورت) میں ہر طرح کے عمدہ (اور عجیب وضروری) مضمون بیان کئے ہیں (جو اپنی بلاغت اور کمال کی وجہ سے اس امر کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ان کافروں کو ہدایت ہو جاتی، مگر ان لوگوں نے انتہائی عناد کی وجہ سے اس کو قبول نہ کیا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھایا) اور (قرآن کی کیا تخصیص ہے ان لوگوں کا عناد اس قدر بڑھ گیا ہے کہ) اگر (قرآن کے علاوہ عادت کے خلاف ان امور یعنی معجزوں میں سے جن کی یہ خود فرمائش کیا کرتے ہیں) آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب (یعنی رسول ﷺ اور مؤمن جو شریعت کے قوانین والی اور تکوینی یعنی پیدائش والی آیتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں) کہ تم تو بالکل باطل کے ماننے والے ہو (رسول کو جادو کی تہمت لگا کر صاحب باطل کہیں گے اور مسلمانوں کو جادو کی تصدیق کرنے والے اہل باطل کہیں گے اور ان لوگوں کے اس عناد کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ) جو لوگ (آیتوں اور دلیلوں کی تکرار کے باوجود حق کا) یقین نہیں کرتے (اور نہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یوں ہی مہر لگا دیا کرتا ہے (جیسا کہ ان کے دلوں پر لگ رہی ہے یعنی حق کو قبول کرنے کی قبولیت والی استعداد روزانہ کمزور ہوتی جا رہی ہے، اس لئے اطاعت میں کمزوری اور عناد میں قوت بڑھتی جا رہی ہے) تو (جب یہ ایسے عناد رکھنے والے ہیں تو ان کی مخالفت اور اذیت پہنچانے اور بدکلامی وغیرہ پر) آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ (کہ آخر میں یہ ناکام اور اہل حق کامیاب ہوں گے) سچا ہے (وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا، للہذا صبر وتحمل تھوڑے ہی دن کرنا پڑتا ہے) اور جو لوگ یقین نہیں لاتے آپ کو ہرگز ہلکا نہ کر پائیں (یعنی ان کی طرف سے چاہے کیسی ہی بات پیش آئے، مگر ایسا نہ ہو کہ آپ برداشت نہ کریں)

فائدہ: مطلب یہ کہ نفسانی انتقام اگرچہ اپنے آپ میں جائز ہے مگر صاحب تبلیغ کے لئے اور خاص طور سے بات چیت وخطاب کے وقت جب کہ اسلام کی ابتدائی حالت تھی، مصلحت کے خلاف ہے، اور جہاد نفسانی انتقام نہیں ہے، اس لئے دونوں میں ٹکراؤ نہیں کہ نسخ اور ناسخ ومنسوخ کا قائل ہونا پڑے۔

الحمد للہ! سورۃ الروم کی تفسیر ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۴۲۵ھ کو تمام ہوئی

(۳۱) سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ (۵۷)
اٰیاتہا ۳۴　　رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں یہ مضمون ہیں: شروع میں قرآن کی مدح و تعریف جو گذشتہ سورت کے ختم پر بھی بیان کی گئی ہے اور قرآن کی مدح کے ساتھ سورۂ بقرہ کے شروع کی طرح اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح اور جھٹلانے والوں اور منہ پھیرنے والوں کی مذمت، پھر جھٹلانے والوں کی سزا ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ اور ﴿ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ پھر تصدیق کرنے والوں کی جزا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ الخ میں پھر ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ﴾ سے ﴿ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴾ تک توحید اور درمیان میں لقمان کے قصہ کے باقی حصہ کے لئے ﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ سے بعض فروعی احکام اور ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا ﴾ سے مشرکوں کی دلیل کی کمزوری اور توحید کے ماننے والوں کی دلیل کی قوت اور ﴿ مَنْ كَفَرَ ﴾ سے مشرکوں کے لئے وعید کے بیان کے ساتھ حضور ﷺ کی تسلی اور ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے وعظ و نصیحت کے پیرایے میں جو آیت ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ﴾ الخ کا مدلول ہے اور قیامت کے واقع ہونے کے وقت کی وضاحت اور ختم پر غیب کے علم کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا بیان ہے۔ واللہ اعلم

﴿ الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ ﴾

ترجمہ: ﴿ الٓمّٓ ﴾ یہ آیتیں ہیں ایک پُر حکمت کتاب کی۔ جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے رستہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور بعض آدمی ایسا ہے جو اُن باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تا کہ

اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے۔اور اس کی ہنسی اڑادے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے۔سو اس کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے ،البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

قرآن کی اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح وتعریف اور اس سے منہ پھیرنے والوں، گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کی مذمت اور دونوں فریقوں کا انجام:

﴿ الٓمّٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ ایک حکمت والی کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (جو اس سورت یا قرآن میں بیان کی گئی ہیں) جو نیک کام کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (کا سبب) ہے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (تو) یہ لوگ (اس قرآن کے اعتقاد اور عمل کی بدولت) اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ (اس ہدایت کی بدولت) فلاح پانے والے ہیں (اس طرح قرآن ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہوگیا جس کا اثر فلاح ہے۔چنانچہ بعض لوگ تو ایسے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا) اور (ان کے برخلاف) لوگوں میں کوئی ایسا (بھی) ہے جو (قرآن سے منہ پھیر کر) ان باتوں کا خریدار بنتا ہے (یعنی ایسی باتیں اختیار کرتا ہے) جو (اللہ سے) غافل کرنے والی ہیں (تو اول تو لہو ولعب کی بے کار باتوں کا اختیار کرنا جب کہ اللہ کی آیتوں سے منہ پھیرنا بھی اس میں شامل ہو خود ہی کفر اور گمراہی ہے۔پھر خاص طور سے جب کہ اس کو اس غرض سے اختیار کیا جائے کہ اس (حق کی راہ) کی ہنسی اڑائے (تاکہ دوسروں کے دل سے اس کی وقعت اور تاثیر بالکل نکل جائے، تب تو کفر سے بڑھ کر کفر اور گمراہ ہونے کے ساتھ گمراہ کرنا بھی ہے اور) ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب (ہونے والا) ہے (جیسا کہ ان کی ضد والے عمل کرنے والوں کے لئے فلاح کا ہونا معلوم ہوا) اور (اس مذکورہ شخص کے منہ پھیرنے کی یہ حالت ہے کہ) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا (ایسی بے توجہی سے) منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کان بہرے ہیں۔تو اس (شخص) کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے (یہ تو منہ پھیرنے والے کی سزا کا بیان ہوا۔آگے اہل ہدایت کی جزا کا ذکر ہے جو کہ اس فلاح کی تفصیل ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، یعنی) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے (لہٰذا قدرت کے کمال سے وعدہ اور وعید کو پورا کرسکتا ہے اور حکمت سے اس کو وعدہ کے مطابق پورا کرے گا)

فائدہ: اگرچہ آیت ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ ﴾ الخ کا شانِ نزول خاص ہے کہ نضر بن حارث ایک کافر رئیس تھا، وہ تجارت کے لئے فارس جاتا تو وہاں عجم کے بادشاہوں کے قصے اور تاریخ کی باتیں انہیں رقم دیدے کر لکھا کر اور سن کر لے آتا۔ اور قریش سے کہتا کہ محمد ﷺ تمہیں عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور کسراؤں یعنی فارس کے بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، لوگ اس کے قصوں میں دلچسپی لیتے اور قرآن کو نہ سنتے۔ اس کو الروح میں واحدی کی اسباب النزول کے حوالہ سے کلبی اور مقاتل سے روایت کیا ہے اور اسی طرح الدر میں بیہقی کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور اس نے ایک گانے والی باندی خریدی تھی، جب کسی کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو اس کو اس باندی کے پاس لے جاتا اور باندی سے کہتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا اور اس شخص سے کہتا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف محمد ﷺ بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور اپنی جان دو، اس کو الدر میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ مگر الفاظ کے عموم کی وجہ سے اس آیت کا حکم عام ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث مرفوع ہے کہ گانے والی باندیوں کی تجارت مت کرو اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اسی طرح کے معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ ﴾ الخ اور بخاری نے ادب مفرد میں ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے: **لھو الحدیث ھو الغناء واشباھه**: جیسا کہ الروح میں ہے۔ چنانچہ لفظ مثل اور اشباہ سے عموم ظاہر ہے۔ اس بنا پر جو مشغولیت دین اسلام سے گمراہ ہونے یا گمراہ کرنے کا سبب بن جائے وہ حرام بلکہ کفر ہے اور آیت میں یہی مقصود ہے۔ چنانچہ ﴿ مَنْ يَّشْتَرِىْ ﴾ کا مقابلہ مؤمنوں کے ذکر کے ساتھ اور خود ﴿ يَشْتَرِىْ ﴾ کہ باطل کو حق سے بدلنے پر دلالت کرتا ہے اور ﴿ وَلّٰى ﴾ سے اس کے گمراہ ہونے پر دلالت اور ﴿ لِيُضِلَّ ﴾ سے اس کے گمراہ کرنے پر اور اس کی وعید میں ﴿ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ اور ﴿ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ کا آنا جو کافروں کے لئے مخصوص ہے، سب اسی مقصود کے قرینے ہیں اور دوسری شرعی دلیلوں سے مستقل طور پر ثابت ہے کہ جو لہو شرعی فروعی اعمال سے روکے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے، وہ صرف معصیت ہے اور جو لہو کسی واجب امر کو فوت کرنے والا نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی فرض اور مصلحت بھی نہ ہو، وہ مباح ہے، لیکن بے کار و بے مقصد ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے، اور چونکہ گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی یا جسمانی و دماغی ورزش کے مقابلہ میں کوئی ذکر کے قابل غرض تھی، اس لئے حدیث میں اس کو باطل لہو سے مستثنیٰ فرمایا اور غنا اور سماع کے مسئلہ پر اس آیت کی دلالت ہونا ضروری نہیں، اس کا حکم تفصیل کے ساتھ مستقل طور پر لہو کی دوسری قسموں کی طرح حدیث اور فقہ کی دوسری دلیلوں سے اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اس تفصیل سے تمام مشغلوں اور تفریحوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آ گئے۔ واللہ اعلم

اور زکوٰۃ اگرچہ مدینہ میں فرض ہوئی مگر مکہ میں مشروع ہو سکتی ہے، اس لئے مکی سورتوں میں جیسے اس سورت میں یا سورۂ مؤمنون یا سورۂ روم میں اس کے ذکر کے پائے جانے پر اشکال کی گنجائش نہیں، جس کو احقر نے ان دو مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں صدقہ سے تعبیر کیا ہے۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ
فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱﴾ ع ۱۱/۱۰

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون کے بنایا تم اُن کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانوا ڈول نہ ہونے لگیں اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اُس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اُس کے سوا جو ہیں انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

ربط: اوپر قرآن اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی مدح وتعریف اور منہ پھیرنے والوں کی مذمت تھی۔ اب دور تک توحید کا مضمون ہے جو قرآن کی اہم تعلیم ہے۔

توحید:

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا (چنانچہ) تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں (بھاری بھاری) پہاڑ جما رکھے ہیں کہ وہ تمھیں لے کر ہلنے نہ لگے اور اس (زمین) میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح (کے پیڑ پودوں) کی عمدہ قسمیں اُگائیں (اور ان لوگوں سے جو شرک کرتے ہیں کہئے کہ) یہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں (تو اگر تم دوسروں کو معبود ہونے میں شریک قرار دیتے ہو تو) اب تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا جو (معبود بنا رکھے) ہیں، انھوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (تا کہ ان کا معبود ہونے کا حق ثابت ہو اور اس دلیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ ہدایت پر آجاتے، مگر انھوں نے ہدایت قبول نہیں کی) بلکہ یہ ظالم لوگ (پہلے کی طرح ہی) کھلی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

فائدہ: اس استدلال سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معبود ہونے کے حق کے لئے ممکن چیزوں کا ایجاد کرنا لازم ہے کیونکہ معبود ہونے کا حق تو قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے، اگر ایجاد اس کے لئے لازم امور میں سے ہوگا تو خود ایجاد اور عالم بھی قدیم ہو جائے گا تو اس سے عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ممکن چیزوں کو وجود سے جوڑنا یعنی جب وہ موجود ہوں تو لازم ہے کہ ان کو ایجاد کرنے والا وہی ہو جو معبود ہونے کا مستحق ہو، اب مذکورہ اندیشہ دور ہو گیا، خوب سمجھ لو۔ اور ﴿تَرَوْنَهَا﴾ کی تحقیق سورۂ رعد آیت ۲ میں اور ﴿اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ﴾ کی تحقیق سورۂ حجر آیت ۱۹ میں گذر چکی ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۱۲ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ
فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ
خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ
فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ۲ ع ۸ ۱۱

ترجمہ: اور ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو۔ اور جو شخص شکر کرے گا، وہ اپنے نفع ذاتی کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھیرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے۔ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اُس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔ اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر میں تم کو جتلاؤں گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔ بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بیں باخبر ہے۔ بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر۔ اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اُس پر صبر کیا کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر، بیشک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

ربط: اب بھی اوپر کی طرح توحید کا مضمون ہے اور اس کی وضاحت کے لئے لقمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جن کی وصیت میں توحید کی تعلیم بھی ہے جو اعتقادی تکمیل کی فرد اعظم ہے پھر عملی تکمیل کی تعلیم ہے جس کا ذکر علم اور عمل کی مناسبت سے کر دیا گیا۔ اور سب سے عظیم مقصود توحید کا ذکر معلوم ہوتا ہے، اور توحید کی تاکید کے لئے قصہ کے درمیان میں

ضمیمہ کے طور پر آیت ﴿ وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ ﴾ آگئی ہے۔

لقمان کی حکایت اور توحید وغیرہ سے متعلق ان کی وصیتیں:

اور ہم نے لقمان کو سمجھ داری عطا فرمائی (جس کی حقیقت علم کے ساتھ عمل ہے، اور ساتھ ہی یہ حکم دیا) کہ عموماً ساری نعمتوں پر اور خاص طور سے حکمت کی اس نعمت پر جو کہ تمام نعمتوں میں سب سے افضل ہے) اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے ہی شکر کرتا ہے یعنی اس میں اس کا اپنا نفع ہے کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ دنیاوی نعمت میں تو کبھی خود نعمت کے اعتبار سے اور ثواب کے اعتبار سے ہمیشہ اور دینی نعمت میں جیسے علم وغیرہ کہ دونوں طرح پر یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے) اور جو ناشکری کرتا ہے تو (وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بے نیاز (اور سب) خوبیوں والا ہے (یعنی چونکہ وہ اپنی ذات میں کامل ہے جس پر لفظ حمید دلالت کرتا ہے۔ اس لئے وہ غنی یعنی بے نیاز یا سب سے بے پرواہ ہے کہ اس کو کسی شکر و ثنا کی حاجت نہیں، کہ اس میں دوسرے سے کامل ہونا لازم آتا ہے اور چونکہ لقمان میں حکمت یعنی علم وعمل کی صفت پائی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے شکر کی تعلیم پر بھی عمل کیا ہوگا، لہٰذا وہ شاکر یعنی شکر کرنے والے بھی تھے اور شاکر ہونے سے ان کی حکمت میں ترقی بھی ہوئی ہوگی، لہٰذا وہ اعلیٰ درجہ کے حکیم ہوئے) اور (ایسے حکیم کی تعلیم لازمی طور پر عمل کے قابل ہونی چاہئے، تو ان کی تعلیمات کا ان لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے (جس کی حقیقت: **وضع الشيئ في غير محله**: ہے یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا، اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرک میں بہت ہی زیادہ بھاری ہے) اور (قصہ کے درمیان میں توحید کے امر کی تاکید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے (کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے کیونکہ انھوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خاص طور سے ماں نے۔ چنانچہ) اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا کیونکہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے حاملہ کی کمزوری بڑھتی جاتی ہے) اور (پھر) دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (ان دنوں میں بھی وہ ہر طرح کی خدمت کرتی ہے، اسی طرح اپنی حالت کے مطابق باپ بھی مشقت اٹھاتا ہے، اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ چنانچہ یہ ارشاد کیا) کہ تم میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کرو (حق تعالیٰ کی شکر گذاری تو حقیقی عبادت واطاعت کے ساتھ اور ماں باپ کی شکر گذاری ان کی خدمت اور شرعی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ، کیونکہ سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (اس وقت میں اعمال کی جزا و سزا دوں گا۔ اس لئے احکام کی بجا آوری ضروری ہے) اور (اس کے باوجود کہ ماں باپ کا اتنا بڑا حق

ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا، لیکن توحید کا امر ایسا عظیم الشان ہے کہ) اگر تجھ پر وہ دونوں (بھی) اس بات کے لئے زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے میں شریک ہونے) کی تیرے پاس کوئی دلیل (اور سند) نہیں (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں کہ جس کے شریک ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو بلکہ مستحق نہ ہونے پر دلیلیں قائم ہیں۔ لہٰذا مراد یہ ہوئی کہ اگر وہ کسی چیز کو بھی معبود ہونے میں شریک ٹھہرانے کا تجھ پر زور ڈالیں) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں یہ ضروری ہے کہ) دنیا (کی حاجتوں اور معاملوں جیسے مال خرچ کرنا اور خدمت وغیرہ) میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا اور (دین کے بارے میں صرف) اس شخص کی راہ پر (ہی) چلنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے (یعنی جو میرے احکام پر یقین وعقیدہ رکھنے والا اور عمل کرنے والا ہو) پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر (آنے کے وقت) میں تمہیں جتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو (اس لئے کسی امر میں میرے حکم کے خلاف مت کرو، آگے پھر لقمان کی وصیتوں کے قصہ کی تکمیل ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو اور نصیحتیں بھی کیں۔ چنانچہ توحید اور عقیدوں کے بارے میں بھی یہ نصیحت کی کہ) اے میرے بیٹے! (حق تعالیٰ کا علم اور قدرت اس (درجہ کی ہے کہ) اگر (کسی کا) کوئی عمل (کیسا ہی پوشیدہ ہو جیسے فرض کرو کہ وہ) رائی کے دانہ کے برابر (مقدار میں) ہو (اور) پھر (فرض کرو کہ) وہ کسی پتھر کے اندر (چھپا ہوا رکھا) ہو (جو کہ ایسا حجاب ہے کہ اس کا دور ہونا دشوار ہے اور بغیر دور کئے کسی کو اس کے اندر کا علم نہیں ہوتا) یا وہ آسمانوں کے اندر ہو (جو کہ عام مخلوق سے مقام کے لحاظ سے بہت دور ہے) یا وہ زمین کے اندر ہو (جہاں خوب اندھیرا رہتا ہے، اور مخلوق کے علم سے کسی چیز کے پوشیدہ رہنے کے یہی اسباب ہیں، کیونکہ کبھی انتہائی چھوٹی ہونے کی وجہ سے کوئی چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے، کبھی حجاب کے سخت ہونے کی وجہ سے، کبھی جگہ کے دور ہونے کی وجہ سے اور کبھی اندھیرے کی وجہ سے۔ لیکن حق تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر پوشیدہ ہونے کے اتنے اسباب بھی جمع ہوں تب بھی (قیامت کے دن حساب کے وقت) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کردے گا (جس سے علم اور قدرت دونوں ثابت ہوئے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریکی سے دیکھنے والا (اور) باخبر ہے (اور اعمال کے سلسلہ میں یہ نصیحت کی کہ) بیٹا نماز پڑھا کرو (کہ عقیدوں کو صحیح کرنے کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ کا عمل ہے) اور (جس طرح عقیدوں اور اعمال کو صحیح کرکے اپنی تکمیل کی ہے۔ اسی طرح (دوسروں کی تکمیل کی بھی کوشش کرنی چاہئے، لہٰذا لوگوں کو) اچھے اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو، اور برے کاموں سے منع کیا کرو، اور (اس نیکی وبھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے میں خاص طور سے اور ہر حالت میں عام طور پر) تم پر جو مصیبت واقع ہو، اس پر صبر کیا کرو۔ یہ (صبر کرنا) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور (اخلاق وعادتوں کے سلسلہ میں یہ نصیحت کی کہ اے میرے بیٹے!) لوگوں سے اپنا رخ مت پھیرو اور زمین پر اترا کر مت چلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی چال میں درمیانی راستہ اختیار کرو (نہ بلاضرورت بہت دوڑ کر چلو کہ وقار کے خلاف ہے اور گر جانے کا بھی اندیشہ ہے اور نہ ہی بہت گن گن کر قدم رکھو کہ گھمنڈ کرنے والوں کا طریقہ ہے۔ بلکہ

بے تکلفی کے ساتھ اور درمیانی رفتار سے تواضع اور سادگی کے ساتھ چلا کرو جس کو دوسری آیت میں اس عنوان سے بیان کیا ہے ﴿ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ﴾ اور (بولنے میں) اپنی آواز پست کرو (یعنی بہت شور مت مچاؤ، لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ آواز اتنی پست کرلو کہ دوسرا سن بھی نہ پائے۔ آگے شور مچانے سے نفرت دلاتے ہیں کہ) بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز (ہوتی) ہے (ظاہر ہے آدمی ہو کر گدھوں کی طرح چیخنا چلانا مناسب نہیں، اور چیخنے چلانے سے بعض اوقات دوسروں کو وحشت واذیت بھی ہوتی ہے)

فائدہ: حضرت لقمان کو عکرمہ اور لیث نے نبی کہا ہے، لیکن حکیم ترمذی نے نوادر میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ لقمان کو داؤد علیہ السلام سے پہلے خلافت دی جارہی تھی، انھوں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر میری مرضی پر ہے تو میں معافی چاہتا ہوں، پھر بعد میں وہ خلافت داؤد علیہ السلام کو دی گئی، یہ سب روایتیں درمنثور میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لقمان علیہ السلام نبی نہیں تھے اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی درمنثور میں ان کے نبی نہ ہونے کی روایتیں ہیں۔ اور حکیم ترمذی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا زمانہ داؤد علیہ السلام سے قریب تھا۔ لہٰذا ان کے نبی نہ ہونے کی بنیاد پر انہیں یہ حکم ہونا ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ﴾ یا تو الہام کے طور پر ہوگا یا اس زمانہ کے کسی نبی کی تعلیم کے ذریعہ سے اور جس فرزند کو انھوں نے نصیحت کی ہے، صحیح اور صریح طور پر کہیں یہ نہیں دیکھا کہ ان کے فرزند کا کیا طریقہ تھا۔ کیا پہلے ہی سے توحید کے ماننے والے تھے یا اس نصیحت کے بعد توحید کے پیروکار بنے؟ واللہ اعلم

اور ظاہر میں ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ بھی حضرت لقمان کا قول معلوم ہوتا ہے اور صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیت ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ ﴾ کے نازل ہونے کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک پورے قول کی نسبت حضرت لقمان کی طرف فرمائی۔ اور اس آیت میں جو دو سال میں دودھ چھڑانے کا ذکر ہے، اس کے برعکس جو علماء دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال کہتے ہیں وہ اس کو غالب عادت قرار دیں گے۔ اور عمل کی صفت جو ﴿ مِثْقَالَ حَبَّةٍ ﴾ یعنی رائی کے دانہ کے برابر قرار دی ہے یہ معقول کی مثال محسوس سے دینے کی بنا پر ہے اور عزم کو واجب کے معنی میں اس لئے نہیں لیا گیا کہ ضمیر کے بعض افراد صرف مستحب ہیں، اس لئے اس کے دوسرے معنی لئے گئے جیسا کہ القاموس میں ہے عزم جد فی الأمر اور اس مقام پر جن امور کا ذکر ہے ان میں بعض آداب اور مستحبات میں سے ہیں۔

﴿ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ

اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ
كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ
اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ وَلَوْ اَنَّ مَا
فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ
اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۹ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ
ع ۱۱/۱۲ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور اُس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری و باطنی پوری کر رکھی ہیں۔ اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں بدوں واقفیت اور بدوں دلیل اور بدون کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم اُس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی۔ اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا۔ اور جو شخص کفر کرے، سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے۔ ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے سو ہم اُن کو جتلادیں گے جو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں، ہم ان کو چند روزہ عیش دیئے ہوئے ہیں۔ پھر ان کو کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آویں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ الحمد للہ! بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں موجود ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے۔ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر اس میں شامل ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں

ختم نہ ہوں۔ بیشک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے، تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔ اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں، بالکل ہی لچر ہیں۔ اور اللہ ہی عالی شان اور بڑا ہے۔ اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تا کہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلا دے۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کے لئے جو صابر شاکر ہو۔ اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعضے اُن میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکر ہیں۔

ربط: اوپر سے توحید کا مضمون چلا آ رہا تھا اور اسی کی مناسبت سے لقمان کی وصیتوں کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون ہے۔

توحید کے مضمون کی تاکید:

کیا تم لوگوں کو (مشاہدے یعنی دیکھنے سے اور دلیلوں سے) یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں (موجود) ہیں اور جو کچھ زمین میں (موجود) ہیں (واسطہ سے یا بغیر واسطہ کے) تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں (ظاہری وہ کہ ان کا حواس سے پتہ چل جائے اور باطنی وہ کہ ان کا عقل سے پتہ چلنے اور نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو آسمانوں اور زمین کو کام میں لگانے سے حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا اس سے بھی سارے مخاطبوں کا مشرف بہ اسلام ہونا لازم نہیں آتا) اور اس کے باوجود کہ اس دلیل سے توحید ثابت ہوتی ہے، مگر بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے (یعنی اس کی توحید کے) بارے میں بغیر واقفیت (یعنی ضروری علم) اور بغیر دلیل (یعنی استدلالی عقلی علم) اور بغیر کسی واضح کتاب (یعنی استدلالی نقلی علم) کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (یعنی حق کو ثابت کرنے والی دلیل میں غور کر کے اس کا اتباع کرو) تو (وہ جواب میں) کہتے ہیں کہ (ہم اس کا اتباع نہیں کرتے) ہم (تو) اسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے (آگے ان پر رد ہے کہ) کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو جہنم کے عذاب کی طرف (یعنی گمراہی کی طرف جو کہ جہنم کے عذاب کا سبب ہے) بلاتا رہا ہو، تب بھی (انہی کا اتباع کریں گے؟ مطلب یہ کہ ایسے عناد رکھنے والے ہیں کہ اس کے باوجود کہ انہیں دلیل کی طرف بلایا جاتا ہے مگر پھر بھی بغیر دلیل کے بلکہ) دلیل کے خلاف محض گمراہ باپ داداؤں کی راہ پر چلتے ہیں، یہ حالت تو گمراہ لوگوں کی ہوئی) اور جس شخص نے (حق کا اتباع کر کے) اپنا رخ اللہ کی طرف

کر دیا (یعنی عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی فرماں برداری اختیار کر لی، اس سے اسلام اور توحید مراد ہے) اور (اس کے ساتھ) وہ مخلص بھی ہو (یعنی محض ظاہری اسلام نہ ہو) تو اس نے بڑا مضبوط سہارا تھام لیا (یعنی وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جو کسی مضبوط رسی کے حلقے کا سہارا لے کر گرنے سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح یہ شخص ہلاکت اور گھاٹے سے محفوظ ہو گیا) اور سب کاموں کا آخری فیصلہ اللہ ہی کی طرف پہنچے گا (لہٰذا یہ اعمال یعنی باطل کا اتباع اور حق کا اتباع بھی اسی کے حضور میں پیش ہوں گے۔ لہٰذا وہ ہر ایک کو مناسب جزا و سزا دے گا) اور جو شخص (حق کو ثابت کرنے والی ان دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود) کفر کرے تو آپ کے لئے اس کا کفر غم کا سبب نہیں ہونا چاہئے (یعنی آپ غم نہ کریں) ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم انہیں سب جتا دیں گے جو کچھ وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تو) دلوں کی باتیں (تک) خوب معلوم ہیں (ظاہر کی تو کیا حیثیت ہے۔ لہٰذا ہم سے کوئی امر ڈھکا چھپا نہیں، سب جتا دیں گے اور مناسب سزا دیں گے، اس لئے آپ کچھ غم نہ کریں اور اگر یہ لوگ محض کچھ دن کے مزے پر پھول رہے ہیں تو ان کی بڑی غلطی ہے کیونکہ عیش و مزہ ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ بلکہ) ہم نے انہیں چند دن مزے کرنے کا موقع دے رکھا ہے پھر انہیں ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لے آئیں گے (لہٰذا اس پر ناز کرنا محض جہل ہے) اور (ہم جس توحید کی طرف انہیں بلا رہے ہیں، اس سے متعلق باتوں کو خود یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر اس سے نتیجہ نکالنے کا کام نہیں لیتے، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (اس پر) آپ کہئے: الحمد للہ (جو معاملہ سب سے زیادہ اہمیت اور شان والا تھا وہ تو تمہارے اعتراف سے ثابت ہو گیا اور دوسرا معاملہ بہت ہی زیادہ ظاہر ہے کہ جو خود مخلوق ہے پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہو وہ معبود ہونے کا مستحق نہیں ہے، لہٰذا مقصود ثابت ہو گیا۔ مگر یہ لوگ مقصود کو نہیں مانتے) بلکہ ان میں اکثر (تو معاملات کے مجموعہ کو بھی) نہیں جانتے (چنانچہ دوسرے واضح معاملہ کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ معبود ہونے کا حق خالق کی خصوصیتوں میں سے ہے اور اللہ کی وہ شان ہے کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، سب اللہ ہی کا (مملوک یا ملکیت) ہے (لہٰذا سلطنت تو ان کی ایسی ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ (خود اپنی ذات میں بھی) بے پروا (اور) سب خوبیوں والا ہے (لہٰذا معبود ہونے کے لائق وہی ہے) اور (اس کی خوبیاں اس کثرت سے ہیں کہ) ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں (یعنی جیسا عام طور سے قلم پایا جاتا ہے اس کے برابر ان کے ٹکڑوں کے قلم بنا لئے جائیں اور ظاہر ہے کہ اس طرح ایک ایک درخت میں ہزاروں قلم تیار ہوں) اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ (روشنائی کی جگہ) اس میں سات سمندر اور شامل ہو جائیں (اور پھر ان قلموں اور اس روشنائی سے حق تعالیٰ کے کمالات لکھنے شروع کریں) تو (سارے قلم اور روشنائی ختم ہو جائیں، اور) اللہ کی باتیں (یعنی وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ کے کمالات کی حکایت ہو) ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست، حکمت والا ہے (کہ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم میں بھی اور چونکہ یہ دونوں صفتیں تمام صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہیں، شاید اس لئے عموم کے بعد ان کو

خاص طور سے بیان فرمایا، اور قدرت کی صفت کے کمال کی ایک فرع بعث بھی ہے جس کو نا سمجھ لوگ دشوار سمجھ رہے ہیں، حالانکہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ) تم سب کا (پہلی بار) پیدا کرنا اور (دوسری بار) زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا (پیدا کرنا اور زندہ کرنا، اگرچہ یہاں موقع کے قرینہ سے مقصود بعث کا ذکر فرمانا ہے، لیکن خلق یعنی پیدائش کے ذکر سے استدلال اور زیادہ قوی ہوگیا) بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ (لہٰذا جو لوگ ان دلیلوں کے باوجود بعث کا انکار کر رہے ہیں اور اس جرأت پر فسق و فجور کرتے ہیں، ان سب کو سن رہا ہے، دیکھ رہا ہے، انہیں سزا دے گا۔ آگے پھر توحید ہے کہ) اے مخاطب! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت (یعنی قیامت) تک چلتا رہے گا۔ اور (کیا تمہیں) یہ (معلوم نہیں) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے (لہٰذا فعل میں اس کمال درجہ کی مضبوطی اور عمل پر اس اطلاع کا تقاضا یہ ہے کہ شرک کو چھوڑ دیا جائے اور اوپر جو ان مضبوط افعال کا بیان کیا گیا ہے جن پر ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ اور ﴿یُوْلِجُ﴾ اور ﴿سَخَّرَ﴾ کا حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان کیا گیا ہے) یہ (خاص ہونا) اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل (اور واجب الوجود) ہے۔ اور یہ لوگ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں، یہ سب بالکل ہی بے کار ہیں۔ اور اللہ ہی اعلیٰ شان والا اور (سب سے) بڑا ہے (اس لئے یہ سب تصرفات اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر دوسرے باطل، ہلاک ہونے والے اور ممکن چیزیں نہ ہوتیں، بلکہ نعوذ باللہ اگر کوئی دوسرا بھی واجب الوجود ہوتا تو پھر یہ تصرفات حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہ ہوتے۔ چنانچہ ظاہر ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کا وجوب، وجود اور علو اور کبریائی کے ساتھ خاص ہونا تصرفات کے خاص ہونے کی لمی دلیل ہے، اس لئے اس پر حرف "ب" لایا گیا۔ اور تصرفات کا خاص ہونا کمالات کے خاص ہونے کی انی دلیل ہے جیسا کہ اوپر سے اسی استدلال کے موقع و محل کا مقصود ہونا ظاہر ہے، لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ اوپر تو افعال کے ذریعہ توحید کا اثبات ہے اور اس آیت میں توحید کے ذریعہ افعال کا اثبات ہے، اصل یہ ہے کہ پہلا اثبات ذہن میں ہے اور دوسرا خارج میں، پہلا یعنی ذہنی اثبات دلیل انی کہلاتا ہے اور دوسرا اثبات دلیل لمی۔ اور) اے مخاطب! کیا تمہیں (توحید کی) یہ (دلیل) معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاوے (چنانچہ ہر ممکن یعنی جس کا امکان ہوا اور ہر محدث یعنی جو پہلے سے موجود نہ ہو اور پھر وجود میں آئے وجودِ واجب اور محدث کے وجود کی دلیل ہے۔ اسی طرح) اس میں (بھی) ہر ایسے شخص کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو صبر کرنے والا شکر کرنے والا ہو (اس سے مؤمن مراد ہے کہ صبر و شکر میں کامل ہونا اس کی صفت ہے اور صبر و شکر، عالم کی تدبیر کرنے والے کی یاد کے لئے محرک ہے۔ اور استدلال کے لئے یاد اور غور و فکر ضروری ہے، اس لئے یہاں یہ دونوں صفتیں خاص طور سے کشتی کی حالت کے اعتبار سے مناسب ہوئیں کہ موجوں کا اٹھنا صبر کا موقع محل ہے اور سلامتی کے ساتھ کنارہ پر پہنچ جانا شکر کا موقع و محل ہے، لہٰذا جو لوگ ان سب

واقعات میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں استدلال کی توفیق انہی کو ہوتی ہے) اور (جس طرح اوپر آیت ﴿ وَلَىِٕنۡ سَاَلۡتَهُمۡ ﴾ میں ان کافروں کی طرف سے دلیل سے متعلق امور کا اعتراف ثابت ہے بعض اوقات وہ لوگ خود دلیل کے نتیجہ یعنی توحید کا بھی اعتراف کرتے ہیں، جس سے توحید اچھی طرح واضح ہوگئی۔ چنانچہ) جب ان لوگوں کو موجیں، سائبانوں (یعنی بادلوں) کی طرح (احاطہ کرکے) گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں بعض درمیانی راہ پر رہتے ہیں (یعنی شرک کے ٹیڑھے پن کو چھوڑ کر توحید کو جو کہ سب سے زیادہ اعتدال کا طریقہ ہے، اختیار کر لیتے ہیں) اور (بعض پھر ہماری آیتوں اور نشانیوں کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ اور) ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں (کہ کشتی میں جو توحید کا عہد کیا تھا، اس کو توڑ دیا اور خشکی میں آنے کا جو تقاضا تھا، شکر کرنا، اس کو چھوڑ دیا)

فائدہ: سات سمندر مثال کے طور پر فرض کئے گئے ہیں، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سمندر تو ایک ہی ہے۔ اور یہاں ﴿ خَتَّارٍ كَفُوۡرٍ ﴾ کے مقابلہ میں ﴿ مُّقۡتَصِدٌ ﴾ کا آنا مؤمن کے مطلق ارادہ کا قرینہ ہے اور سورۂ فاطر میں ﴿ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ﴾ اور ﴿ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ ﴾ کے مقابلہ میں ﴿ مُّقۡتَصِدٌ ﴾ کا آنا خاص قسم کے مؤمن کے ارادہ کا قرینہ ہے جو نہ طاعتوں میں بڑھا ہوا ہو نہ معاصی میں۔ لہٰذا اس مقام پر تقسیم کا حصر پیدا کرنے والا نہ ہونے کا شبہ نہ کیا جائے۔ اور ﴿ كُلٌّ يَّجۡرِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ میں دلالت صرف ﴿ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ تک چلنا ہے، اگر ﴿ اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ سے پہلے یہ چلنا کسی دن عادت کے خلاف ہو جائے یا ﴿ اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ کے بعد بھی جب تک اللہ چاہے چلنے کا عمل جاری رہے تو اس سے ان دونوں کی نفی لازم نہیں آتی۔

> ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَاخۡشَوۡا يَوۡمًا لَّا يَجۡزِىۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۚ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۳۳﴾ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو وہ دھوکہ باز اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔

ربط: اوپر شرک کا باطل ہونا اور ﴿ نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ﴾ میں اس پر مختصر انداز میں وعید تھی۔ اب عام وعظ ونصیحت کے انداز میں اس پر قیامت کے ذکر سے تفصیل کے ساتھ ڈرایا گیا ہے جس کی طرف مختصر انداز میں ﴿ مَا خَلۡقُكُمۡ ﴾ میں اشارہ بھی ہو چکا ہے۔

وعید کے دن سے ڈرانا:

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (اور کفر و شرک چھوڑ دو) اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے (اور یہ دن ضرور آنے والا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے۔ اور) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا (ہوتا) ہے تو تمہیں دنیاوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (کہ اس میں مشغول ہو کر اس دن سے غافل رہو) اور نہ تمہیں وہ دھوکہ باز (یعنی شیطان) اللہ سے دھوکہ میں ڈالے (کہ تم اس کے اس بہکانے میں آجاؤ کہ اللہ تمہیں عذاب نہیں دے گا جیسا کہ کہا کرتے تھے ﴿وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰی﴾)

فائدہ: یجزی کی تحقیق سورۂ بقرہ آیت ۴۸ ﴿وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ﴾ الخ کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکی ہے اور اسی سے جزا اور شفاعت میں فرق بھی معلوم ہو جائے گا، لہٰذا شفاعت کی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ وہاں شفاعت کی جس اعتبار سے نفی ہے، اس کا بھی وہاں ہی بیان ہوا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾﴾ ع ۱۴

ترجمہ: بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے۔ اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

ربط: اوپر قیامت کے دن کی وعید تھی اور انکار کرنے والے، انکار کے طور پر اس کا وقت پوچھا کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرۡسٰهَا﴾ اس لئے اگلی آیت میں کہ در منثور میں اس کے شانِ نزول میں بھی بعض لوگوں کا حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں سوال کرنے کا ذکر ہے، جواب کے طور پر علم غیب کا اپنے ساتھ خاص ہونا ارشاد فرمایا۔ جن میں سے بعض وجہوں سے بعض کو خاص طور سے ذکر بھی فرمایا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے قیامت کے وقت کو نہ جاننے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اس آیت میں دوسری مخلوقات سے جن میں باطل معبود بھی آگئے علم غیب کی نفی فرمانے سے توحید کی تاکید ہوگئی کہ ایسا ناقص علم والا معبود نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس آیت کا گذشتہ آیت سے دو طرح سے ربط ہو گیا اور پوری سورت کا خلاصہ یہی دو امر تھے ایک توحید اور دوسرے جزا و سزا۔ جس کا اصل وقت قیامت ہے، لہٰذا اس طرح یہ آیت، سورت کے تمام مضامین کی جامع ہو گئی، اس لئے اس پر سورت کا خاتمہ عین بلاغت ہوا۔

علم غیب کے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے پر سورت کا خاتمہ:

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی (اپنے علم کے مطابق) بارش برساتا ہے (لہٰذا اس کا علم اور قدرت بھی اسی کے ساتھ خاص ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ (حاملہ کے) رحم میں ہے (یعنی لڑکا یا لڑکی) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اس کی خبر بھی اسی کو ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا (اس کی خبر بھی اسی کو ہے، جتنے بھی غیب کے امور ہیں اور ان سب چیزوں کی کیا خصوصیت ہے) بے شک اللہ ہی (ان) سب باتوں کا جاننے والا (اور ان سے) باخبر ہے (کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں)

فائدہ: یہاں چند امور ذکر کے قابل ہیں:

اول: جب غیب کا علم یعنی ہر چیز کا بغیر واسطہ علم اور تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والا علم حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھر خاص طور سے ان پانچ چیزوں کے ذکر کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: ایک تو یہ کہ سوال انہی چیزوں کے بارے میں کیا گیا تھا جیسا کہ الدر میں مجاہد اور عکرمہ سے روایت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ان چیزوں کے علم کی خواہش زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ الروح میں ہے۔

دوسرا امر: بعض اوقات علامتوں سے جنین یعنی ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچہ کا حال اور بارش کا وقت دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ پھر خاص ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق علم کا خاص ہونا مراد نہیں، بلکہ غیب کے علم کا خاص ہونا مراد ہے خواہ دوسری دلیل سے مطلق کی بھی نفی ہو، جیسے قیامت کا علم کہ اس کی مطلق نفی ہے یا مطلق علم ثابت ہو، جیسے مسئول عنہ محل میں علم واسطہ سے ہے جو کہ غیب کا علم نہیں۔

تیسرا امر: ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ میں صرف بارش برسانے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے نہ کہ اس کے علم کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موقع ومحل کے قرینہ سے اس علم کی نسبت کا مقصود ہونا معلوم ہوگیا۔ اور اس تعبیر میں یہ نکتہ ہے کہ بارش برسانے کے ساتھ بہت سے منافع وفوائد متعلق ہیں۔ ﴿يُنَزِّلُ﴾ کی نسبت صریح طور پر اس کی اہمیت اور شان والی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر یعلم تنزیل الغیث فرمایا جاتا تو یہ اشارہ حاصل نہ ہوتا۔

چوتھا امر: بارش یا رحم میں کیا ہے؟ اس کے علم سے علم کے خاص ہونے پر کیسے دلالت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موقع ومحل کے قرینہ سے ہوئی۔

پانچواں امر: ﴿عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ کو جملہ اسمیہ سے اور ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ کو جملہ فعلیہ سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ساعت یعنی قیامت تو ایک امر متعین ہے اور بارش کا برسنا اور بچہ کا رحم میں رہنا بار بار پیش آنے والے امور ہیں کہ وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں، یہ وجہ اس تعبیر کے فرق کی ہوئی۔

چھٹا امر: اللہ تعالیٰ کے علم کے اثبات میں علم کا مادہ لایا گیا اور مخلوق کے علم کی نفی میں مادہ درایت لایا گیا ہے، اس میں کیا نکتہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ درایت اس علم کو کہتے ہیں جو کوشش اور کسی حیلہ وذریعہ سے حاصل ہو۔ لہٰذا اس میں اشارہ ہوگیا کہ علم غیب حیلہ اور کوشش سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

ساتواں امر: ﴿مَّاذَا تَكْسِبُ﴾ میں اپنے کمائے ہوئے کو خاص کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تاکہ کسی دوسرے کے کمائے ہوئے کی نفی زیادہ بہتر طور پر ہوجائے۔

آٹھواں امر: ﴿بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ میں جگہ کے علم کی نفی کی گئی، حالانکہ زمانہ اور وقت کا بھی علم نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جگہ بعض اوقات دیکھی ہوئی بھی ہوتی ہے۔ اور جس جگہ اس وقت موجود ہیں، وہ تو یقینی طور پر دیکھی ہوئی ہے۔ برخلاف زیادہ وقت کے، لہٰذا اس کی نفی اور بھی زیادہ بہتر طور پر ہوگئی۔

نواں امر: پہلے جملوں میں خاص ہونے کو اللہ کے علم کے اثبات سے تعبیر کیا اور بعد کے جملوں میں خاص ہونے کو مخلوق کے علم کے نفی سے تعبیر کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کمانا اور موت اپنا حال ہونے کی وجہ سے علم سے قریب ہے اور دوسری معلومات دوسری اشیا کا حال ہونے کی وجہ سے دور ہیں۔ اور قریب والے میں علم کا احتمال تھا، اس لئے واضح انداز میں نفی کی گئی اور دور والے میں نفی خود ہی ظاہر ہے، وہاں اپنے علم کی نفی سے اللہ کے علم سے دور ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لئے واضح طور پر اثبات کیا گیا۔

دسواں امر: حدیث میں: مفاتیح الغیب خمس: یعنی غیب کی پانچ کنجیاں آیا ہے۔ اس سے مثال دینا مراد ہے، لہٰذا پہلے امر میں جو تحقیق بیان کی گئی ہے وہ حدیث سے نہیں ٹکرا رہی ہے۔

﴿سورۂ لقمان کی تفسیر یکم صفر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی اور آج ہی آئندہ سورت کی تفسیر شروع کر دی﴾

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲) (۷۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں توحید اور آخرت کے مضامین تھے، اس سورت کے شروع میں قرآن کے حق ہونے کا اور رسالت کا اثبات ہے جس کی مناسبت توحید اور آخرت سے ظاہر ہے۔ پھر ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ سے توحید کا بیان ہے اور ﴿ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا ﴾ سے آخرت کا ذکر اور پہلا مضمون ایک لحاظ سے دوسرے پر بھی مشتمل ہے پھر ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى ﴾ سے رسالت کے مسئلہ کی تائید اور جھٹلانے والوں کے معاملہ میں صاحب رسالت کی تسلی ہے اور ﴿ اَوَلَمْ يَهْدِ ﴾ سے آخر تک جھٹلانے والوں کی ملامت اور ان کے بعض اقوال کا جواب ہے۔

﴿ الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿ الٓمّٓ ﴾ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے بلکہ یہ کتاب سچی ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں۔

رسالت کا اور قرآن کے برحق ہونے کا اثبات:

﴿ الٓمّٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اس کتاب کا نازل ہونا بلاشبہ عالموں کے رب کی طرف سے ہے (جیسا کہ اس کا اعجاز یعنی معجزہ ہونا خود اس ی دلیل ہے) کیا یہ (منکر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ اسے رسول (ﷺ) نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے (یعنی یہ کہنا بالکل بکواس اور جھوٹ ہے، یہ رسول کا بنایا ہوا یا گھڑا ہوا نہیں ہے) بلکہ یہ سچی کتاب ہے آپ کے رب کی طرف سے (آئی ہے) تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) ایسے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ تاکہ وہ لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں۔

فائدہ: سورۂ نحل کی آیت ۳۶ ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا ﴾ میں مضمون ﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا ﴾ الخ سے کچھ لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اُس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ بدوں اُس کے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔ سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر اُسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ وہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اُس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا، پھر اُس کے اعضاء درست کیے اور اُس میں اپنی روح پھونکی۔ اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

ربط: اوپر رسالت کا اثبات تھا۔ اب توحید کا اثبات اور ضمنی طور پر آخرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

توحید کا اثبات:

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں (موجود) ہے، چھ دن (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر عرش پر (جو سلطنت کے تخت کی طرح ہے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، وہ ایسا عظیم ہے) کہ اس (کی رضا و اجازت) کے بغیر نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا (البتہ اجازت سے شفاعت ہو جائے گی اور مدد و نصرت [1] کے ساتھ اجازت ہی متعلق نہ ہوگی) تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو (کہ ایسی ذات کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور) وہ (ایسا ہے کہ) آسمانوں سے لے کر زمین تک (جتنے امور ہیں) ہر امر کی (وہی) تدبیر (اور انتظام) کرتا ہے، پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جائے گا۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت میں [2] تمام امور اپنے تمام فائدوں اور نقصانوں سمیت اسی کے حضور میں

(۱) اس طرف اشارہ ہے کہ ﴿ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴾ اپنے اطلاق پر باقی ہے۔

(۲) قیامت کے دن کی مقدار کی تحقیق سورۂ حج میں بیان ہوئی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

پیش ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾ وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا زبردست، رحمت والا ہے جس نے ہر چیز بہت اچھی بنائی (یعنی جس مصلحت کے لئے اسے بنایا اس کے مناسب بنایا) اور انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس (انسان یعنی آدم) کی نسل کو خلطوں کے خلاصہ یعنی ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے بنایا (جو غذا کے چوتھے ہضم کا فضلہ ہے جو استحالہ کے بعد خلط میں بدل جاتا ہے) پھر (ماں کے رحم میں) اس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل (یعنی ظاہری اور باطنی ادراک کی قوتیں) دیں (اور ان سب کا جو کہ قدرت اور انعام پر دلالت کرنے والی ہیں، تقاضا یہ تھا کہ اللہ کا شکر کرتے جس کی سب سے عظیم فرد توحید ہے، مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے)

فائدہ: سورۂ مؤمنون آیت ۱۲ میں چونکہ ﴿ سُلٰلَةٍ ﴾ کے ساتھ ﴿ مِنْ طِيْنٍ ﴾ بھی ہے جس میں لفظ مِن ابتدا کے لئے ہے، اس لئے وہاں احقر نے غذا کے ساتھ تفسیر کی اور یہاں ﴿ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴾ ہے جس میں مِن بیان کے لئے ہے اسی لئے خلطوں کے خلاصہ سے تفسیر کی اور چونکہ ﴿ سُلٰلَةٍ ﴾ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے کچھ ٹکراؤ نہیں اور روح اگر مادی ہو تب توفیہ کے معنی ظاہر ہیں اور اگر مجرد یعنی مادہ سے خالی ہو تو بدن کے ساتھ تعلق کے لئے مجاز قرار دیا جائے گا اور ﴿ رُّوْحِهٖ ﴾ میں اضافت تشریفی یعنی عزت وشرافت کے لئے ہے جیسے بیت اللہ میں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں اللہ میں کوئی روح ہے۔ اس کا کوئی جز انسان میں پیدا کر دیا، نعوذ باللہ منہ اور اس دن کو ایک جگہ ﴿ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ یعنی پچاس ہزار سال کے برابر کہنا بعض کے لحاظ سے ہے یعنی بعض کو زیادہ شدت کی وجہ سے زیادہ لمبا محسوس ہوگا۔

﴿ وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾
قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ ع ۱۴
الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا
وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ السجدۃ ۱۵
خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ؗ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ
النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۵

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آویں گے بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں گے جبکہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہونگے۔ اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا۔ اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عطا فرماتے لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔ تو اب اُس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے ہم نے تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔ بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو خوابگاہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں، سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔ تو جو شخص مؤمن ہو گیا، وہ اُس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو؟ وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے! جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے سو اُن کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو اُن کے اعمال کے بدلہ میں بطور اُن کی مہمانی کے ہیں۔ اور جو لوگ بے حکم تھے سو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اُس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں دھکیل دیئے جاویں گے اور اُن کو کہا جاوے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اُس بڑے عذاب سے پہلے چکھاویں گے تا کہ یہ لوگ باز آویں۔ اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس کو اُس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاویں پھر وہ اُس سے اعراض کرے ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا۔ اب بعث و جزا کا بیان ہے اور منکروں کو زیادہ ڈرانے کے لئے قیامت کی سزا سے پہلے ایک جزا کا بیان فرما دیا۔ جس کو عذاب ادنیٰ یعنی کم درجہ کا کہا ہے اور اس کے ساتھ سزا کے مستحق ہونے کی علت کی وضاحت کر دی کہ وہ زیادہ ظالم اور زیادہ مجرم ہوتا ہے۔

بعث وجزا کا اثبات:

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب زمین (یعنی مٹی) میں (مل کر) بے نام ونشان ہو گئے تو کیا ہم پھر (قیامت میں) نئے جنم میں آئیں گے (اور یہ لوگ اس بعث ونشر یعنی زندہ کر کے اٹھا کر پھیلا دیئے جانے پر صرف تعجب ہی نہیں کرتے ہیں جیسا کہ بظاہر ان کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے) بلکہ (حقیقت میں) وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں (اور ان کا یہ استفہام یعنی سوال کرنا اصل میں انکار ہے) آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر (اللہ کی طرف سے) متعین ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے (جواب میں اصل مقصود تو یہی ﴿ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ ہے اور ﴿ یَتَوَفّٰکُمۡ ﴾ بیچ میں بڑھا دینا ڈرانے کے لئے ہے کہ موت بھی فرشتہ کے ذریعہ آئے گی جو تمہاری جان نکالنے کے وقت مار دھاڑ بھی کرے گا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَاَدۡبَارَہُمۡ ﴾ الخ اس لئے مرجانے کا انجام صرف خاک ہی میں مل جانا نہ ہوگا۔ جیسا کہ تمہارے قول ﴿ ءَاِذَا ضَلَلۡنَا ﴾ الخ سے ظاہر ہوتا ہے) اور (اس رجوع کے وقت جس پر ﴿ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ دلالت کرتا ہے) اگر آپ (ان لوگوں کا حال) دیکھیں گے تو عجیب حال دیکھیں گے۔ جب کہ یہ مجرم لوگ (انتہائی شرمندگی کی وجہ سے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے (کھڑے) ہوں گے (اور کہتے ہوں گے) کہ اے ہمارے پروردگار! بس (اب) ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے (اور معلوم ہو گیا کہ رسولوں نے جو کچھ کہا سب حق تھا) تو ہمیں (دنیا میں) پھر بھیج دیجئے، ہم (اب کی بار جا کر خوب) نیک کام کیا کریں گے (اب) ہمیں پورا یقین آ گیا اور (ان کا یہ کہنا بالکل بے کار ہوگا، کیونکہ دنیا میں تو انہیں جب بھیجتے کہ خواہ مخواہ ان کا تکوینی طور پر راستہ پر آنا ضرور مطلوب ہوتا اور دوبارہ بھیجنے میں ان کا راستہ پر آنا ضرور واقع ہوتا۔ حالانکہ دونوں باتوں کی اصلاً نفی ہے: اول کی نفی تو اس لئے کہ) اگر ہمیں (یہ) منظور ہوتا (کہ یہ ضرور ہی راہ پر آئیں) تو ہم ہر شخص کو اس (کی نجات) کا راستہ (مطلوب تک پہنچانے کے درجہ میں ضرور) عطا فرماتے (جیسا کہ انہیں مطلوب کو دکھا دینے کے معنی میں ہدایت عطا فرمائی ہے) لیکن میری (تو) یہ (ازل میں لکھی ہوئی تقدیر کی) بات (بہت سی حکمتوں سے) متحقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں دونوں (میں جو کافر ہوں گے ان) سے ضرور بھروں گا۔ (اور بعض حکمتوں کا بیان سورۂ ہود آیت ۱۱۹ کی تفسیر میں گذرا ہے۔ غرض پہلے امر کی نفی تو اس لئے ہے، دوسرے امر کی نفی سورۂ انعام آیت ۲۸ ﴿ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا ﴾ الخ میں بیان کی گئی ہے تو جب دونوں امروں کی جن پر دنیا کی طرف رجوع موقوف ہے، نفی ہے تو رجوع کی بھی نفی ہے اور جب رجوع کی نفی ہے) تو (ان سے کہا جائے گا کہ) اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے، ہم نے تمہیں بھلا دیا (یعنی رحمت سے

محروم کر دیا جس کو بھلانا مجاز کے طور پر کہہ دیا) اور (ہم جو کہتے ہیں کہ مزہ چکھو تو ایک دو دن کا نہیں، بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اپنے (برے) اعمال کی بدولت ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو (یہ تو کافروں کا حال اور انجام ہوا۔ آگے مؤمنوں کے حال اور انجام کا ذکر ہے۔ یعنی) بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں، تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں (جس کی تحقیق سورۂ مریم آیت ۵۸ میں گذر چکی ہے) اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ (ایمان سے) تکبر نہیں کرتے (جیسا کہ کافر کا حال آیا ہے ﴿وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا﴾۔ یہ تو ان کی تصدیق، اقرار اور اخلاق کا حال تھا۔ اور اعمال کا یہ حال ہے کہ رات کو) ان کے پہلو سونے کی جگہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشا کے لئے یا تہجد کے لئے بھی، اور اس نے سب روایتیں جمع ہو گئیں اور خالی علاحدہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اس طرح (علاحدہ ہوتے ہیں) کہ وہ لوگ اپنے رب کو (ثواب کی) امید سے اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں (اس میں نماز اور دعا وذکر سب آ گیا) اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے والوں کی یہ صفتیں ہیں جن میں بعض تو وہ ہیں جن پر نفس ایمان موقوف ہے اور بعض پر ایمان کا کمال) تو کسی شخص کو خبر نہیں کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو جو سامان ایسے لوگوں کے لئے غیب کے خزانہ میں موجود ہے۔ یہ ان لوگوں کو ان کے (نیک) اعمال کا صلہ بدلہ ملا ہے (اور جب دونوں فریقوں کا حال اور انجام معلوم ہو گیا) تو (اب بتاؤ) جو شخص مؤمن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جائے گا جو نافرمان (یعنی کافر) ہو؟ (نہیں) وہ آپس میں نہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اور نہ ہی انجام کے لحاظ سے) برابر نہیں ہو سکتے (چنانچہ معلوم بھی ہوا ہے اور خاص انجام کے برابر نہ ہونے کی تفصیل کے لئے تاکید پھر بھی سن لو کہ) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال کے بدلے میں ان کی مہمانی کے طور پر ہیں (یعنی مہمان کی طرح انہیں یہ چیزیں عزت کے ساتھ ملیں گی، نہ کہ محتاج بھکاری کی طرح بے قدری اور بے وقعتی کے ساتھ) اور جو لوگ نافرمان تھے تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے (اور کنارہ کی طرف بڑھیں گے اگرچہ اس کی گہرائی اور دروازوں کے بند ہونے کی وجہ سے نکل نہ سکیں گے۔ مگر ایسے وقت میں یہ حرکت طبعی وفطری ہوتی ہے) تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اور یہ عذاب تو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، آخرت میں ہوگا) اور انہیں قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا عذاب بھی اس سے بڑے عذاب (جس کا آخرت کے لئے وعدہ کیا گیا ہے) سے پہلے چکھا دیں گے (جیسے مختلف قسم کے امراض اور مصیبتیں جیسا کہ الدر میں مرفوع اور موقوف روایتیں ہیں جو کہ آیت ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ﴾ الخ کے مطابق معاصی کے سبب آتی ہیں) تا کہ یہ لوگ (متاثر ہو کر کفر سے) باز آ جائیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ﴾ سے ﴿يَرْجِعُوْنَ﴾ تک۔ پھر جو باز نہ آئے اس کے لئے عذاب اکبر ہے ہی) اور (ایسے لوگوں پر عذاب واقع

ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ) اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، پھر وہ ان سے نہ پھرے (تو اس کے عذاب کے مستحق ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اس لئے) ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝ ﴾

ع ۳ ۱۹

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، سو آپ اُس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا۔ اور ہم نے اُن میں بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کئے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔ آپ کا رب قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلے اُن امور میں کردے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس میں صاف نشانیاں ہیں کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔ کیا انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اُس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے اُن کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں؟ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ اُس فیصلہ کے دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور اُن کو مہلت بھی نہ ملے گی۔ سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہئے یہ بھی منتظر ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ ﴾ اور ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ اور ﴿ كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ﴾ اور ﴿ فَسَقُوْا ﴾ اور ﴿ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ اور ﴿ اَعْرَضَ ﴾ اور ﴿ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ میں کافروں کے جھٹلانے ومخالفت کا ذکر آیا ہے، کیونکہ جھٹلانے وغیرہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کو رنج وملال ہوتا تھا اور مخالفت کے بعض آثار جیسے ایذا وغیرہ مؤمنوں کے لئے بھی اذیت کا سبب ہوتے تھے، اس لئے اب آپ کے اور مؤمنوں کے لئے تسلی کا بیان ہے اور تسلی کے مضمون کے لئے کافروں کے بعض شبہات وسوالات تھے ان کا جواب ہے اور اسی پر سورت ختم ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں کی تسلی اور تسلی کے مضمونوں سے متعلق کافروں کے بعض شبہات کا جواب:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (آپ ہی کی طرح) کتاب دی تھی (جس کی اشاعت میں انہیں تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، اسی طرح آپ کو برداشت کرنا چاہئے۔ ایک تسلی تو یہ ہوئی پھر اس طرح آپ کو بھی کتاب دی) تو آپ (اپنی) اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ ﴾ الخ مطلب یہ کہ آپ صاحب کتاب اور صاحب خطاب ہیں، لہٰذا جب آپ اللہ کے نزدیک اتنے مقبول ہیں تو اگر گنتی کے چند احمق آپ کو قبول نہ کریں تو کوئی غم کی بات نہیں۔ ایک تسلی کی بات یہ ہوئی) اور ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کی) اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا (اسی طرح آپ کی کتاب سے بہت سارے لوگوں کو ہدایت ہوگی، آپ خوش رہئے، ایک تسلی یہ ہوئی) اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں بہت سے (دین کے) پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ جب کہ وہ لوگ (تکلیفوں پر) صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے (اس لئے ان کی اشاعت اور مخلوق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے۔ یہ مؤمنوں کے لئے تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو اور جب تم صاحب یقین ہو یعنی تمہیں پورا یقین ہے اور یقین کا تقاضا صبر کرنا ہے تو تمہارے لئے صبر ضروری ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بھی دین کا امام اور پیشوا بنا دیں گے۔ یہ تو دنیا کے اعتبار سے تسلی ہے اور ایک تسلی تمہیں آخرت کے اعتبار سے رکھنی چاہئے اور تسلی کا ذریعہ وہ امر یہ ہے کہ) آپ کا رب قیامت کے دن ان سب کے (درمیان ان امور میں (عملی) فیصلہ کر دے گا۔ جن میں یہ آپس میں اختلاف کرتے تھے (یعنی مؤمنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں ڈال دے گا اور قیامت بھی کچھ دور نہیں، اس سے بھی تسلی حاصل کرنی چاہئے۔ اور اس مضمون کو سن کر کافر لوگ دو شبہے کر سکتے تھے، ایک یہ کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا کفر ناپسند ہے، جیسا کہ ﴿ يَفْصِلُ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم قیامت ہی کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ آگے دونوں شبہوں کو دور کرنے کے لئے دو مضمون ہیں: پہلا یہ کہ انہیں جو کفر کے ناپسند ہونے میں شبہ ہے تو) کیا ان لوگوں کے لئے یہ امر رہنمائی کا سبب نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے (ان کے کفر و شرک ہی کے سبب) کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں (کہ ان کی ہلاکت کے طریقہ سے اور نبی کی پیشین گوئی کے بعد عادت کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر واقعہ کے پیش آنے سے اللہ کا عذاب ٹپکتا تھا جس سے کفر کا ناپسند ہونا صاف واضح ہوتا ہے) جن کی بستیوں میں یہ لوگ (شام کے سفر کے دوران) آتے جاتے (گذرتے) ہیں، اس (امر) میں (تو) کفر کے مبغوض یعنی غضب کے قابل اور ناپسند ہونے میں) صاف نشانیاں (موجود) ہیں، کیا یہ لوگ (ان گذشتہ امتوں کے قصے) سنتے نہیں ہیں؟ (کہ دوسری مشہور زبانوں میں جن کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا مضمون یہ ہے کہ انہیں قیامت کے ناممکن ہونے کا جو شبہ ہے تو) کیا انھوں نے اس بات

پر نظر نہیں کی کہ ہم (بادلوں یا نہروں وغیرہ کے ذریعہ سے) خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا (اس بات کو رات دن) دیکھتے نہیں ہیں؟ (یہ مردہ کے زندہ کرنے کا صاف نمونہ ہے جیسا کہ کئی جگہ اس کا بیان گذر چکا ہے۔ لہٰذا دونوں شبہے دور ہو گئے) اور یہ لوگ (قیامت اور فیصلہ کا ذکر سن کر مذاق اڑانے کی غرض سے جلدی مچاتے ہوئے یوں) کہتے ہیں کہ اگر تم (اس بات میں) سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے کہ (تم بے کار ہی اس کا تقاضا کرتے ہو تمہارے لئے وہ پوری مصیبت کا دن ہے، کیونکہ) اس فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا (بالکل) نفع نہ دے گا (اور بچاؤ کی یہی ایک صورت تھی اور وہ بھی موجود نہیں ہے) اور (نجات کا نفع تو کیا ہوتا) انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی تو (اے رسول ﷺ) ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے (جن کے خیال سے غم ہوتا ہے) اور آپ (اس فیصلہ کا جس کا وعدہ کیا گیا ہے) انتظار کیجئے یہ بھی (اپنے زعم میں آپ کے ضرر و نقصان کے) انتظار کرنے والے ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴾ مگر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انتظار واقع کے مطابق ہے اور کس کا نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴾

فائدہ: شاید موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہو کہ آپ میں اور موسیٰ علیہ السلام میں مشابہت کی بہت ساری وجہیں جمع ہیں۔ واللہ اعلم

﴿الحمد للہ! سورۃ الم السجدۃ کی تفسیر ۲/صفر سنہ ۱۴۲۵ھ میں پوری ہوئی﴾

(۳۳) سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۹۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: سورت کے مضامین میں جوامر مشترک ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک منصور و محبوب، خاص اور عزت والا ہونے پر مختلف وجہوں سے دلالت ہے، اور بہت سارے طریقوں سے آپ کی تعظیم کے واجب ہونے اور لوگوں پر مختلف قسموں سے اذیت کے حرام ہونے پر دلالت ہے۔ باقی مضامین یا تو اس سے متعلق ابتدائی باتیں ہیں یا ان کو پورا کرنے والے ہیں، چنانچہ تھوڑے غور کرنے سے مختصر انداز میں اور میرے رسالہ سبق الغایات کو دیکھنے سے اور اس سے زیادہ اس تفسیر میں سورت کی آیتوں کی تمہیدوں کو دیکھنے سے تفصیلی طور پر معلوم ہوسکتا ہے اور گذشتہ سورت کا خاتمہ بھی حضور ﷺ کی تسلی پر تھا، کہ وہ بھی محبوب ہونے کی دلیل ہے اور چونکہ رسول کو اذیت پہنچانا، کلی طور پر ایذا کی چند قسموں کو شامل ہے ان میں بعض سخت و شدید ہیں اور بعض ہلکی و خفیف۔ چنانچہ اس کی طرف (حرمتِ ایذاء بانواع متشتتہ) میں اشارہ بھی ہوا ہے تو ان میں سے کافروں کی طرف سے ایک اذیت قولی تھی کہ آپ سے درخواست کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ اسلام کی دعوت سے باز رہیں، تو ہم آپ کو اتنا مال دیدیں گے۔ اور بعض نے قتل کی دھمکی دیدی، جیسا کہ الدر میں ہے۔ اس پر آپ کو رنج ہوا چنانچہ سورت اسی سے متعلق مضمون سے شروع کی گئی۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾﴾

ترجمہ: اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہئے۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اُس پر چلئے۔ بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے۔ اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے۔

کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی پہلی قسم اسلام کی دعوت سے روکنے پر نبی ﷺ کی تسلی:

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہئے (اور کسی دوسرے سے مت ڈریئے، اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پروا نہ کیجئے) اور کافروں کو (جو کہ کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں) اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے (جو کہ ڈھکے چھپے ان لوگوں جیسی ہی

رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ اللہ ہی کی بات مانئے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (ان کے ہر حکم میں بے شمار فائدے اور مصلحتیں شامل ہوتی ہیں) اور (اللہ کی بات ماننا یہ ہے کہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کو جو حکم کے ذریعہ دیا جاتا ہے، اس پر چلئے (اور اے لوگو!) بے شک تم لوگوں کے سارے اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتے ہیں (تم میں سے جو لوگ ہمارے رسول کی مخالفت کررہے ہیں اور تکرار رہے ہیں، ہم سب کو سمجھیں گے) اور (اے نبی!) آپ (ان لوگوں کے ڈرانے کے بارے میں) اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی مددگار اور کام بنانے والا ہے (اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی، اس لئے کچھ اندیشہ نہ کیجئے۔ البتہ اگر خود اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت کا تقاضہ کوئی آزمائش ہو تو وہ خود بہت بڑا نفع ہے۔ غرض یہ لوگ نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے)

فائدہ: ﴿اتَّقِ﴾ ﴿لَا تُطِعِ﴾ ﴿اتَّبِعْ﴾ اور ﴿تَوَكَّلْ﴾ ان سب امر ونہی پر آپ پہلے ہی سے عمل کررہے ہیں۔ یہاں زیادہ مقصود مخالفوں کو سنانا ہے کہ ہمارے نبی تو اس حالت پر رہیں گے تم ناکام ونامراد ہو کر بیٹھے رہو۔ اور احقر نے منافقین کے ترجمہ کے ساتھ جس عبارت کی وضاحت کردی ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اگر وہ لوگ ایسے مشورے دین کے خلاف دیتے تھے تو وہ منافق کیسے رہے کھلے کافر ہوگئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے چالاکی کے طور پر کسی مباح عمل کے پردے میں یہ مشورہ اعلانیہ دیا ہو۔ مثال کے طور پر یہی کہا ہو کہ جن امور میں اختلاف ہے ان میں کچھ خاموشی اختیار کرنا دلوں کو جوڑنے کا سبب اور اسلام کی طرف میلان کا سبب ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ بعض موقعوں پر ایک خاص وقت تک خاموشی اختیار کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس صورت میں ﴿لَا تُطِعِ﴾ کی توجیہ اور بھی آسان ہوجائے گی کیونکہ ایسا ارادہ کرنا عصمت کے خلاف اور نبوت کی شان کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کرلیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنادیا۔ اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنادیا۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔ تم اُن کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک

راستی کی بات ہے۔اور اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جاوے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا، لیکن ہاں جو دل سے ارادہ کر کے کرو۔اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ربط: اوپر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کی قسموں میں سے ایک قسم سے متعلق مضمون بیان ہوا ہے۔قولی اذیت کی دوسری قسم یہ واقع ہوئی تھی کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا جن کو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دیدی تھی، اور ان زید کو حضور ﷺ نے متبنی یعنی لے پالک یا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔اس قصہ کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ زید عربی نسل کے بنی کلب میں سے ہیں۔یہ اپنی نانہیال بنی معن میں گئے ہوئے کہ وہاں لوٹ مار ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر عکاظ کے بازار میں فروخت کر دیئے گئے۔ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حکیم بن حزام سے ایک ہوشیار غلام خریدنے کے لئے کہا تھا۔بازار میں حکیم نے انہیں خرید لیا۔پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ نے نکاح کیا تو آپ نے حضرت زید کو ان سے ہبہ کے طور پر لے لیا، یہ ایک بار شام کے سفر میں اپنی قوم کے پاس سے گذرے تو انہیں ان کے چچا اور باپ نے پہچان لیا اور سارا حال سن کر مکہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں مانگا۔آپ نے انہیں اختیار دے دیا، انھوں نے آپ ہی کے پاس رہنا پسند کیا، ان کے عزیزوں نے کہا بھی کہ تم غلامی کو پسند کرتے ہو؟ انھوں نے کہا چاہے کچھ بھی ہو میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔آپ نے خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔اس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے۔اس طرح رسول اللہ کی بعثت سے پہلے یہ زید بن محمد کہلاتے تھے۔اور بعد میں بھی آیت ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ کے نازل ہونے تک محمد کے بیٹے ہی کہلاتے رہے۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زید بن حارثہ پکارے جانے لگے، جیسا کہ الدر میں ہے۔غرض جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو مخالفوں نے طعنہ دیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، جیسا کہ ترمذی میں ہے۔آگے اس طعنہ کی بنیاد کا مختصر انداز میں جواب دینا مقصود ہے۔﴿ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ الخ اور یہ مضمون تفصیل کے ساتھ آیت ۳۶ سے ۴۰ تک میں آئے گا۔اور جواب کی تقویت کے لئے دو مضمون جو اس کی نظیر ہیں ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ ﴾ اور ﴿ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ ﴾ الخ اور بیان فرمادیئے۔اور ان دونوں مضمونوں میں بھی منہ بولے بیٹے کے مسئلہ کی طرح جاہلیت کی بعض غلطیوں کی اصلاح مقصود ہے۔

کافروں کی طرف سے قولی اذیت کی دوسری قسم کی بنیاد کو ختم کرنا اور بعض نظیروں سے اس کی تقویت:

(متبنی یعنی منہ بولے بیٹے کو بیٹا سمجھنا اور اس بنیاد پر اس کی طلاق دی ہوئی بیوی سے نکاح کرنے پر طعنہ دینا، اسی طرح غلط مشہور ہو گیا ہے۔جیسے بیوی کو زبان سے ماں قرار دینا اور اس بنیاد پر اس کو نکاح سے خارج سمجھنا یا کسی شخص کو زیادہ

ہوشیار و سمجھ دار ہونے کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ اس کے دو دل ہیں، غلط مشہور ہو گیا ہے اور واقع میں) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور (اسی طرح) تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو (بیویوں سے یوں کہہ دیتے ہو کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے) تمہاری ماں نہیں بنا دیا۔ اور (اسی طرح سمجھ لو) کہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو (بھی) تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (جو واقع کے مطابق نہیں۔ اور غلط ہے اور غلط بات پر کسی واقعی امر کی بنیاد نہیں ہوتی، لہٰذا منہ بولے بیٹے کی طلاق دی ہوئی بیوی سے نکاح پر طعنہ دینا بالکل جہالت ہے) اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے (چنانچہ ان تینوں غلطیوں کی اصلاح فرمائی اور جب وہ واقع میں تمہارے بیٹے نہیں ہیں تو) تم ان کی نسبت (منہ بولا بیٹا بنانے والوں کی طرف مت کیا کرو یعنی ان کا بیٹا مت کہا کرو، بلکہ) ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف کیا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک صحیح طریقہ ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (انہیں اپنا بھائی، اپنا دوست قرار دے کر پکارو، کیونکہ آخر) وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور تمہارے دوست ہیں اور تمہیں اس میں جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جو دل سے ارادہ کر کے کہو (تو اس سے گناہ ہوگا) اور (اگر اس سے بھی استغفار کر لو، غلطی مان کر معافی مانگ لو تو پھر معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ) اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: جاہلیت میں یہ تینوں غلط باتیں مشہور تھیں کہ ذہنی اور بہت عقلمند آدمی کے دو دل سمجھا کرتے تھے۔ اور ظہار سے ہمیشہ کی حرمت کا حکم لگاتے تھے اور متبنی کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح قرار دیتے تھے۔ یہاں سے سلسلہ کلام کے ذریعہ زیادہ مقصود تیسری غلطی کا دور کرنا ہے مگر اس کی تقویت کے لئے دو غلطیاں اور دور کر دیں اور ان میں جس کی نفی زیادہ ظاہر تھی، اس کو پہلے رکھا ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ﴾ الخ اور ظاہر ہونا اس لئے کہ اول تو یہ امر محسوس کئے جانے والے امور میں سے ہے۔ تشریح بدن کے اعضاء کے علم) سے یا لاش چیر کر اس کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ دوسرے امور کے برخلاف کہ وہ معنوی امور میں سے ہیں۔ اس کی حقیقت دوسرے آثار سے بھی سہولت کے ساتھ معلوم ہو جاتی تھی چنانچہ روح المعانی میں ایک شخص کی حکایت ہے کہ جو دو دل ہونے کا دعوی کرتا تھا، کہ بدر کے میدان سے اس حال میں بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے اس حال میں دیکھ کر ٹوکا تو اس نے کہا کہ میں دونوں جوتے پاؤں میں سمجھ رہا تھا۔ اس سے اس کے ذو القلبین یعنی دو دل والا یا ذہن و عقلمند ہونے کے دعوی کا جھوٹا ہونا صاف واضح ہو گیا۔ اس کے بعد ظہار سے متعلق غلطی کو دور کیا۔ جس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں ہے چونکہ ظہار میں تشبیہ و مشابہت اور غیر ہونے کی وضاحت ہوتی ہے اس سے اس کی تاثیر کی کمزوری خود ظاہر ہے، جس سے ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہونا محال نہیں ہے، اس لئے اصل مقصود سے اس کو بھی پہلے رکھا کہ مقصود کو سمجھنے میں اس سے ڈھیرے ڈھیرے مدد حاصل ہو۔ اور ان سے مقصود کی

تقویت یا تو مثال کے قیاس کے طور پر ہے اور سب میں ایک واقعی امر مشترک اور ایک غیر واقعی امر کا جمع نہ ہونا ہے۔ چنانچہ ایک دل واقعی ہے اور دوسرا محض دعویٰ کا غیر واقعی، لہٰذا دونوں جمع نہیں ہوئے اور بیوی ہونا واقعی ہے اور دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کا حرام ہونا غیر واقعی۔ لہٰذا دونوں جمع نہیں ہوئے، اسی طرح بیٹا ہونا حقیقی باپ کے اعتبار سے واقعی اور غیر حقیقی باپ کے اعتبار سے غیر واقعی تو یہ بھی جمع نہ ہوں گے اور اس جمع نہ ہونے میں دو باتوں میں سے ایک بات یقیناً ثابت ہے۔ لہٰذا منطقی قاعدہ کے اعتبار سے جمع نہ ہونے میں پہلے والے کے استثنا کا نتیجہ بعد والے کے خلاف ہے اور بعض والے کے استثنا کا نتیجہ پہلے والے کے خلاف ہے۔ دوسری بات غیر حقیقی باپ کے اعتبار سے بیٹا ہونا ہوگا۔ یا پھر تقویت صرف اس وجہ سے ہے کہ متبنی کا بیٹا ہونا صرف ایک بات مشہور ہونے کی بنیاد پر ہے، اور یہ کوئی حجت نہیں۔ چنانچہ دیکھو فلاں فلاں امر بھی مشہور ہیں، حالانکہ بالکل غلط ہیں۔

اور اس زمانہ میں بعض اخباروں کی یہ خبر کہ امریکہ کے کسی شخص کے دو دل ہیں، اگر اس خبر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں، کیونکہ آیت میں ﴿مَا جَعَلَ﴾ ماضی ہے، اس سے مستقبل کی نفی نہیں ہوئی دوسرے کبھی لفظ کل استعمال کر کے اکثر مراد ہوتا ہے، اور اکثر ایسا نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اور اس جملہ پر جو ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ﴾ کی توضیح میں لکھا گیا ہے کہ غلط بات پر کسی واقعی امر کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ظہار سے کفارہ کا واجب ہونا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور غلام کو بیٹا کہہ دینے سے اس کا آزاد ہو جانا جیسا کہ حنفی فقہ میں بیان کیا گیا ہے، کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ کفارہ ایسا کہنے کی سزا ہے، اس طرح کہ یہ قول جنایت یعنی گناہ اور ناپسندیدہ امر ہے، اور جنایت کی سزا ایک خاص وقت کے لئے حرام ہونا ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے کفارہ ہوا۔ اور موجودہ[1] قول واقعی ہے۔ اور آزاد کرنا مجازی معنی میں ہے۔ اور آزاد کرنے کے انشا کی صحت مجازی لفظ سے بھی واقعی امر ہے جس کا واقعی ہونا جاہلیت کے دعوؤں کے برخلاف صحیح دلیل سے متحقق ہے[2]۔ کہ ان کی بنیاد حقیقی وجود کے اعتبار سے یقیناً غلط ہے اور حکمی وجود یعنی تاثیر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں اور مذکورہ ممانعت میں یہ صورت داخل نہیں جو شفقت اور مجاز کے اعتبار سے بیٹا کہہ دیا جائے، بلکہ جاہلیت کے طور پر ان مخصوص آثار کے واقع ہونے کے اعتقاد کے ساتھ بیٹا کہنے کی ممانعت ہے۔ اور جس امر کی ممانعت ہو اس کو قصداً کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہی جس کا ذکر ہوا۔ دوسری یہ کہ بات کرنے والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر یقین کے ساتھ جانتا ہو کہ اس سے جاہلیت کے امر کو رواج ہوگا تب بھی قصداً کہنے کی ممانعت ہے اور رواج پانے کے اسی خوف کے وقت اگر پرانی عادت کے مطابق بھول چوک سے یا بلا اختیار

(۱) موجودہ قول واقعی ہے لہٰذا ایک امر واقعی پر دوسرا امر واقعی مبنی ہوا اور امر غیر واقعی پر امر غیر واقعی مبنی نہیں ہوا۔

(۲) لفظ بنا بلا اضافت مبتدا ہے اور لفظ وجود لفظ اعتبار کا حقیقی مضاف الیہ ہے۔

زبان سے نکل جائے، وہ ﴿ اَخۡطَاۡتُمۡ ﴾ کا مصداق ہے۔

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾ ﴾

ترجمہ: نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جاچکی تھی۔

ربط: سورۃ کی تفسیر کی تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ سورت کا حاصل حضور ﷺ کی شان کی عظمت پر مختلف عنوان سے دلالت کرنا ہے، ان میں سے ایک اذیت کا حرام ہونا ہے جس کی بعض قسموں کا ذکر ہو چکا ہے اور بعض کا ذکر آگے آئے گا۔ اور ان میں سے ایک اتباع اور تعظیم کا واجب ہونا ہے اور اس کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم جو ایک لحاظ سے تمام قسموں کی جامع ہے، اب بیان کی جارہی ہے، یعنی مؤمنوں کے ساتھ آپ کا اولیٰ ہونا۔ اور اس اولیٰ ہونے کے معنوی ہونے کی مناسبت سے ایک وراثت کے مسئلہ کی تحقیق جس کو اولیٰ ہونے کی صورت سے تعلق ہے۔

پہلی قسم: رسول کی شان کا عظیم ہونا اقربیت کی دلیل سے اور وراثت کے بعض احکام:

نبی (ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ خود ان کے نفس (اور ذات) سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (کیونکہ اگر نفس برا ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ بدخواہ ہے اور حضور ﷺ ہر حال میں خیر خواہ ہیں۔ اور اگر نفس اچھا ہے تب بھی اس سے بعض فائدے نفع و مصلحتیں پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان مصلحتوں کا مشورہ وہ نفس نہیں دے سکتا اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری مصلحتوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تعلیم فرمائی ہے، بہر حال آپ سے نفع ہی نفع ہے اور پھر ہر قسم کا نفع پہنچتا ہے اس لئے آپ کا اپنی جان سے بھی زیادہ حق ہے اور آپ کی اطاعت مطلق اور تعظیم کمال درجہ کی واجب ہے اور اس میں تمام احکام و معاملات آگئے) اور (اس مذکورہ اولیٰ ہونے کی فرع جو کہ معنوی باپ ہونا ہے، یہ بھی ہے کہ) آپ کی بیویاں (تعظیم کے واجب ہونے میں) ان (مؤمنوں) کی مائیں ہیں، اور (یہ باپ ہونا چونکہ معنوی ہے، اس لئے اس کے لازمی امور میں سے مؤمنوں کا صوری بھائی ہونا نہیں ہے کہ اس کے لئے وراثت لازم ہو، بلکہ ایمان و ہجرت کے تعلق کی وجہ سے بعض مصلحتوں سے ایک محدود وقت تک کے لئے وراثت کو جاری رکھا گیا اور اب مصلحتوں کے بدل جانے کی

وجہ سے اس کو منسوخ کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اللہ کی کتاب (بعض شرعی حکم) میں دوسرے مہاجروں اور مؤمنوں کے مقابلہ میں رشتہ دار (میراث کا) ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے (ان) دوستوں سے (وصیت کے طور پر) کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے۔ یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی (کہ شریعت کا حکم آخر میں رشتہ داری کی بنیاد پر وراثت کا ہو جائے گا)

فائدہ: رسول اللہ کی بیویوں کا مؤمنوں کی ماں ہونا تعظیم کے اعتبار سے ہے اور تعظیم کی ایک قسم حرام ہونا بھی ہے، اس لئے ان سے نکاح کا حرام ہونا بھی واقعی ہوا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ﴾ اور بے پردہ ہونے کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ پردہ کرنا تعظیم سے زیادہ قریب ہے، اس لئے ان احکام یعنی خلوت یعنی تنہائی میں ملنے، دیکھنے، اور چھونے وغیرہ کے جائز ہونے میں ماں کے درجہ میں ہونے کا حکم ثابت نہیں۔ اور جب ماں کے درجہ میں ہونے کی اصل حقیقت تعظیم ہے تو ازواج مطہرات یعنی رسول اللہ کی بیویاں ام المؤمنات یعنی ایمان والی عورتوں کی مائیں بھی ہیں، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: أنا أم الرجال منكم والنساء: یعنی ہم تمہارے مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں اسے الروح میں ابن سعد سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو نقل کیا گیا: أنا أم رجالكم لا أم نساء كم: یعنی ہم تمہارے مردوں کی مائیں ہیں، تمہاری عورتوں کی نہیں جیسا کہ اسے بھی الروح میں ابن سعد سے اور سنن البیہقی سے روایت کیا ہے وہ اصل اور فرع کے مجموعہ کے اعتبار سے ہے جو کہ فرع کی نفی یعنی نکاح کی حرمت سے بلند ہے کیونکہ نکاح کی حرمت نکاح کے قابل ہونے پر موقوف ہے اور وہ قابلیت عورتوں میں عورتوں کے ساتھ موجود نہیں ہے، اور معنوی باپ ہونا اپنی اصل کے ساتھ جس کا ذکر ہوا تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے، اس لئے لوط علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ ﴾ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں چنانچہ روح میں مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ كل نبى أب لأمته یعنی ہر نبی اپنی امت کے لئے باپ ہے۔ اس اصل کی فرع یعنی انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا ہے، اس پر کوئی دلیل نفی یا اثبات کے طور پر کافی نہیں، البتہ روح میں مواہب سے اس کا حضور ﷺ کی خصوصیتوں میں سے ہونا نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور سورۃ النساء آیت ۳۳ ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ﴾ اور سورت الانفال آیت ۷۵ ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ ﴾ الخ کی تفسیر میں اسلام اور ہجرت سے وراثت سے متعلق پوری تحقیق گذر چکی ہے۔

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ ﴾ ع ۱ ۸ ۱۷

ترجمہ: اور جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے اُن کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا۔ تا کہ ان سچوں سے اُن کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار رکھا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں فقرہ ﴿ اتَّبِعْ مَا يُوحٰٓى اِلَيْكَ ﴾ میں حضور ﷺ کو وحی کی اتباع کا اور اوپر اس سے پہلی والی آیت ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى ﴾ الخ میں مؤمنوں کو صاحب وحی کی اتباع کا حکم ہوا ہے۔ اب ان کی تاکید کے لئے انبیاء سے عہد لینے کا اور انبیاء کا انکار کرنے والوں کے عذاب کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں۔

انبیاء سے عہد اور دشمنوں کو عذاب:

اور (وہ وقت ذکر کے قابل ہے) جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد و اقرار لیا (کہ احکام کا اتباع کرنا جس میں تبلیغ اور مدد کرنا بھی شامل ہے) اور (ان نبیوں میں) آپ سے بھی (اقرار لیا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہم السلام) سے بھی اور (ایسا ویسا عہد نہیں لیا بلکہ) ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تا کہ (قیامت کے دن) ان سچے لوگوں سے (یعنی نبیوں سے جو کہ اپنے اس قول و قرار میں سچے تھے) ان کے سچا ہونے کی تحقیقات کرے (جس سے ان کی عزت و شرف اور نہ ماننے والوں پر حجت ظاہر ہو جائے، لہٰذا اس عہد اور اس مقصد سے دونوں امر کا واجب ہونا ثابت ہو گیا۔ صاحب وحی پر وحی کے اتباع کا واجب ہونا اور غیر صاحب وحی پر صاحب وحی کے اتباع کا واجب ہونا) اور کافروں کے لئے (جو صاحب وحی کی اتباع کے خلاف ہیں) اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ: لفظ ﴿ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کا اپنے عہد کو پورا کرنا ظاہر فرما دیا، لہٰذا ان کا تو ﴿ اتَّبِعْ مَا يُوحٰٓى ﴾ کے امر پر عمل ثابت ہو گیا، اب دوسرے لوگ رہ گئے جن کو اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ان کو اتباع ترک کرنے پر وعید سنانے کے لئے ﴿ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ فرمایا ہے اور چونکہ تاکید کے لئے ڈرانا زیادہ مناسب ہے، اس لئے یہاں اتباع ترک کرنے کی وعید پر اکتفا فرمایا گیا۔ اور سورۃ آلِ عمران آیت ۸۱ میں نبیوں کے عہد کی تحقیق ہو چکی ہے۔ دیکھ لی جائے۔ اور مشکوٰۃ میں مسند احمد کے حوالہ سے مرفوع روایت آئی ہے: خصوا بميثاق آخر في الرسالة والنبوة وهو قوله تعالىٰ ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ﴾: یعنی ان کو رسالت اور نبوت کے دوسرے عہد کے ساتھ خاص کیا گیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و اقرار لیا اور سورۂ مائدہ کی آیت ۱۱۹ ﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ ﴾ الخ میں رسولوں کے سچا ہونے کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا
زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿١١﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ
اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ
عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا
اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ
الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ
سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ
فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا
ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ
بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ ع ۲/۱۸
فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا
وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَ
كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ
وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ ع ۳/۱۹

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے

اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کررہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اُس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کررکھا ہے۔ اور جبکہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ یثرب کے لوگو! ٹھہرنے کا موقع نہیں سولوٹ جاؤ۔ اور بعض لوگ اُن میں سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے اُن پر کوئی آگھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاوے تو یہ اُس کو منظور کرلیں اور اُن گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے خدا سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے، اُس کی بازپُرس ہوگی۔ آپ فرمادیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو۔ اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خدا سے بچاسکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو خدا کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے۔ اور وہ خدا کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔ تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے۔ سو جب خوف پیش آتا ہے تو اُن کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو۔ پھر جب وہ خوف دور ہوجاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال پر حرص لئے ہوئے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کررکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لشکر گئے نہیں اور اگر یہ لشکر آجاویں تو یہ لوگ یہی پسند کریں کہ کاش! ہم دیہاتوں میں باہر جارہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں۔ اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔ تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمانداروں نے اُن لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور رسول نے خبر دی تھی۔ اور اللہ ورسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس سے اُن کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہوگئی۔ ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اُس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کرچکے۔ اور بعضے ان میں مشتاق ہیں۔ اور انھوں نے ذرا تغیر تبدل نہیں کیا۔ یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو اُن کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے اُن کو توبہ کی توفیق دے۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اُن کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹادیا کہ اُن کی کچھ بھی

مراد پوری نہ ہوئی۔اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہوگیا۔اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے۔اور جن اہل کتاب نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو ان کے قلعوں سے نیچے اُتار دیا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا۔بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا۔اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

ربط:اوپر ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى ﴾ الخ میں مؤمنوں کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم ہے جو کہ آپ کے اللہ کی طرف سے رسول اور اللہ کی وحی پہنچنے کا مقام ہونے کی وجہ سے بالکل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے،آگے اللہ کی اس اطاعت کی تاکید کے لئے اپنی ایک عظیم نعمت یعنی دو غزووں میں کامیابی اور بڑی پریشانی کا دور ہونا یاد دلاتے ہیں تاکہ نعمت کو یاد کرنے کی وجہ سے اطاعت کی ترغیب ہو۔جیسا کہ اوپر ﴿ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ میں معصیت پر عذاب وسزا کے ذکر کے ڈرایا گیا تھا۔اور اس نعمت کے بیان کرنے میں کافروں اور منافقوں کے برابر ہونے کا بیان ہے کہ ایک کا قتل وقتال اور دوسرے کے اقوال جیسے ﴿ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ ﴾ الخ اور ﴿ لَا مُقَامَ لَكُمْ ﴾ الخ اور ﴿ اِنَّ بُيُوْتَنَا ﴾ الخ اور زبان درازی جس پر ﴿ سَلَقُوْكُمْ ﴾ دلالت کرتا ہے:رسول اللہ ﷺ کے لئے اذیت کا سبب تھے اور خود رسول کے لئے اذیت کا برا ہونا بھی سورت کے مقاصد میں سے ہے،جیسا کہ تمہید میں بیان ہوا۔اور اس بیان سے آپ کا اللہ کی طرف سے منصور ہونا ظاہر ہے جو کہ محبوب ہونے کا اثر ہے،اور رسول کی عزت وشرف بھی سورت کے مقاصد میں سے ہے اس طرح تمام وجہوں سے اس حکایت کے ارتباط کی زیادہ تاکید ہوگئی۔

اللہ کی نعمتوں کے جلو میں غزوۂ احزاب وغزوۂ بنوقریظہ کی حکایت:

اور اللہ کے مدد فرمانے کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی جلالتِ شان کی طرف اشارہ:

اور کفار کی طرف سے قتال کے ذریعہ ایذا رسانی کی برائی اور

منافقوں کا باتوں سے تکلیف پہنچانے کا تذکرہ

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہود بنی نضیر کو جن کا قصہ سورۂ حشر میں آئے گا،مدینہ سے نکال دیا تھا انھوں نے چار یا پانچ ہجری میں عرب قبائل کو بہکایا اور سب مل کر دس بارہ ہزار آدمی مدینہ پر چڑھ آئے،آپ نے مدینہ کے آس پاس (یعنی جہاں جہاں سے آنے کا موقع تھا) خندق کھدوائی اور تین ہزار آدمی ساتھ لے کر ان کے مقابلہ میں پہنچے اور دور دور سے کچھ لڑائی بھی ہوتی رہی،تقریباً ایک مہینہ تک یہ محاصرہ رہا،آخر اللہ تعالیٰ نے بظاہر ایک آندھی کے ذریعہ اور باطنی طور پر فرشتوں کے لشکر کے ذریعہ سے سارے کافروں کو شکست دیدی اور انہیں بکھیر دیا چونکہ بنوقریظہ کے یہودیوں

نے اپنے معاہدہ کے برخلاف محاصرہ کرنے والوں کی مدد کی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ان کے مقابلہ کے لئے چلے۔ وہ پہلے اپنے قلعہ کے اندر بند ہو گئے اور بیس پچیس دن تک محاصرہ میں رہے، آخر میں محاصرہ سے تنگ ہو کر نکلے اور بعض قتل اور بعض قید کئے گئے۔ اس واقعہ میں منافقوں نے بھی بے مروتی کی باتیں کیں۔ اور چونکہ اس میں بہت سے گروہ چڑھ آئے تھے اور خندق بھی کھودی گئی تھی، اس لئے اس کا نام غزوۂ احزاب بھی ہے اور غزوۂ خندق بھی۔ یہاں سے آگے ۱۹ آیتوں میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اب آیتوں کی تفسیر بیان کی جاتی ہے:

آیتیں اور ان کی تفسیر: اے ایمان والو! اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے اوپر ہوئی ہیں۔ جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے (یعنی عیینہ کا لشکر اور ابوسفیان کا لشکر اور بنو قریظہ کے یہود) پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی (جس نے انہیں پریشان کر دیا اور ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے) اور (فرشتوں کی) ایسی فوج بھیجی جو تمہیں (عام طور سے) دکھائی نہ دیتی تھی (اگرچہ بعض صحابیوں جیسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بعض فرشتوں کو انسانوں کی شکل میں دیکھا بھی کہ یہ کافروں کے لشکر میں جاسوسی کے لئے بھیجے گئے تھے، وہاں سے یہ آواز بھی سنی کہ بھاگو بھاگو، یہ فرشتے لڑے نہیں تھے، صرف دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجے گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے (اس وقت کے) اعمال کو (جیسے خندق کھودنا اور قتل و قتال کے دوران ثابت قدم اور مستقل مزاج رہنا) کو دیکھتے تھے (اور خوش ہو کر تمہاری امداد فرما رہے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ وہ (دشمن) لوگ تم پر (ہر طرف سے یلغار کر کے) آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (یعنی کوئی قبیلہ مدینہ کی نیچے کی طرف سے اور کوئی اوپر کی طرف سے) اور جب کہ آنکھیں (دہشت کے مارے) کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے (جیسا کہ شدت کے مواقع میں فطری طور پر مختلف وسوسے آیا کرتے ہیں، اور یہ کوئی بری بات نہیں اور نہ ہی اس کے منافی ہے کہ آگے اہل ایمان کا قول آئے گا ﴿ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ کیونکہ اس میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ احزاب یعنی گروہوں کا آنا ہے، جیسا کہ اس کی تفسیر میں معلوم ہوگا، لہٰذا چونکہ اس کی خبر دی گئی تھی، اس لئے یہ یقینی تھا، لیکن اس واقعہ کا انجام نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے اس میں غالب اور مغلوب ہونے کے مختلف احتمالات پیدا ہوئے تھے) اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا (جس میں وہ پورے اترے) اور (سخت) زلزلہ میں ڈالے گئے اور (یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق اور شک کا) مرض ہے، یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دہی کا وعدہ کر رکھا ہے (جیسا کہ معتب بن قشیر اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شعلہ سا نکلا اور حضور ﷺ نے ہر بار میں ارشاد فرمایا کہ مجھے فارس اور روم و شام کے محل اسی کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب احزاب

یعنی گروہوں کے جمع ہونے کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ حالت تو یہ ہے اور اس پر روم وفارس کی فتح کی خوش خبریاں ہیں، یہ صرف دھوکہ ہے اور اگر چہ وہ اس کو اللہ کا وعدہ نہیں سمجھتے تھے نہ ہی آپ کو رسول مانتے تھے پھر یہ کہنا ﴿ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ ﴾ یا تو جس کی حکایت بیان کی جارہی ہے، اس کا قول نہیں تھا صرف حکایت میں ہے اور یا فرض اور مذاق کے طور پر ہے) اور (یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جب کہ ان (منافقوں) میں سے بعض لوگوں نے (جنگ کے معرکہ میں موجود دوسرے لوگوں سے) کہا کہ یثرب (یعنی مدینہ) کے لوگو! (یہاں) ٹھہرنے کا موقع نہیں (کیونکہ یہاں رہنا موت کے منہ میں جانا ہے) تو (اپنے گھروں کو) لوٹ چلو (یہ بات اوس بن قیظی نے کہی تھی اور کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ایسی بات کہنے میں شامل تھے) ان (منافقوں) میں سے بعض لوگ نبی (ﷺ) سے (اپنے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (صرف عورتیں اور بچے رہ گئے ہیں، دیواریں اطمینان کے قابل نہیں، کبھی چور نہ آگھسیں، یہ قول ابوعرابہ اور بنی حارثہ میں سے بعض دوسرے لوگوں کا تھا) حالانکہ وہ (ان کے خیال میں غیر محفوظ نہیں ہیں (یعنی انہیں چوری وغیرہ کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور نہ ہی جانے سے ان کی یہ نیت ہے کہ ان کا انتظام اطمینان کے قابل کر کے چلے آئیں گے) یہ صرف بھاگنا ہی چاہتے ہیں، اور (ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر مدینہ میں اس کے آس پاس سے کوئی (کافروں کا لشکر) ان پر آگھسے (جب یہ اپنے گھروں میں ہوں) پھر ان سے فساد (یعنی مسلمانوں سے لڑنے) کی درخواست کی جائے تو یہ (فوراً) اس (فساد) کو منظور کرلیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں (یعنی اتنا ہی ٹھہریں کہ کوئی ان سے درخواست کرے اور یہ منظور کریں اور اس کے بعد فوراً ہی تیار ہوجائیں۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پہنچ جائیں اور کچھ بھی گھروں کا خیال نہ کریں کہ ہم تو دوسروں کو لوٹ مار کرنے جارہے ہیں کبھی کوئی ہمارے ہی گھروں کو لوٹ لے تو ان گھروں کی حفاظت مقصود ہو تو اس صورت میں گھروں میں کیوں نہیں رہے؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل میں انہیں مسلمانوں سے دشمنی وعداوت اور کافروں سے محبت وہمدردی ہے، اس لئے لوگوں کی تعداد کی زیادتی سے بھی مسلمانوں کی مدد گوارا نہیں کرتے، گھروں کا تو صرف بہانہ ہے) حالانکہ یہ لوگ (اس سے) پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ (دشمن کے مقابلہ میں) پیٹھ نہ پھیریں گے (یہ عہد اس وقت کیا تھا جب بعض بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے تو بعض منافق بھی خالی خولی ہمدردی جتانے اور مفت کی محبت وتعریف حاصل کرنے کے لئے کہنے لگے کہ افسوس ہم شریک نہ ہوئے، ورنہ ایسا کرتے، ویسا کرتے۔ اور جب وقت آیا تو پھر ساری حقیقت کھل گئی) اور اللہ سے جو (اس قسم کا) عہد کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ (تم جو بھاگے بھاگے پھرتے ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾ تو) تمہارے لئے بھاگنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں سوائے تھوڑے دنوں کے (کہ وہ مقدر میں لکھی ہوئی یا

باقی عمر ہے، زندگی سے) اور زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے (یعنی بھاگنے سے عمر نہیں بڑھ سکتی، کیونکہ اس کا وقت مقدر میں لکھا ہوا ہے، اور جب مقدر میں لکھا ہوا ہے تو وقت سے پہلے مر نہیں سکتے، لہٰذا نہ قرار یعنی ٹھہرنے سے کوئی نقصان اور نہ ہی فرار یعنی بھاگنے سے کوئی فائدہ۔ ایسے میں بھاگنا کھلی بے عقلی و ناسمجھی ہے۔ اور تقدیر کے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے (ان سے) یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہارے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہے؟ مثال کے طور پر تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کیا تمہیں کوئی بچا سکتا ہے، جس طرح تم بھاگنے میں نفع کا خیال کرتے ہو؟) یا وہ کون ہے جو اللہ کے فضل کو تم سے روک سکے، اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے؟ (مثال کے طور پر وہ زندہ رکھنا چاہے جو کہ دنیاوی رحمت ہے تو کیا کوئی اس کے لئے رکاوٹ ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ جنگ کے میدان میں ٹھہرنے کو زندگی کا خاتمہ سمجھتے ہو) اور وہ لوگ (سن رکھیں کہ) اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے (جو نفع پہنچائے) اور نہ کوئی مددگار (جو نقصان سے بچائے، اب تقدیر کے مسئلہ کے بعد پھر منافقوں کے لئے ملامت کا سلسلہ چلا ہے یعنی) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو (دوسروں کو لڑائی کے میدان میں جانے سے) منع کرتے اور روکتے ہیں اور رکاوٹ بنتے ہیں اور جو اپنے (نسب و نسل کے یا وطن کے) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ (وہاں) جا کر کیوں مرتے ہو؟ یہ بات ایک شخص نے اپنے حقیقی بھائی سے کہی تھی اور اس وقت یہ کہنے والا بھنا ہوا گوشت اور روٹی کھا رہا تھا۔ مسلمان بھائی نے کہا: افسوس تو تو اس چین میں ہے اور حضور ﷺ ایسی تکلیفوں کا سامنا کر رہے ہیں، وہ بولا تم بھی یہاں ہی چلے آؤ) اور ان کی بزدلی اور لالچ اور بخل و کنجوسی کی یہ حالت ہے کہ) لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں (کہ جس میں ذرا نام ہو جائے یہ تو ان کی بزدلی کا حال ہے اور آتے بھی ہیں تو) تمہارے معاملہ میں بخل اور (کنجوسی) کرتے ہوئے (یعنی آنے میں بڑی نیت یہ ہوتی ہے کہ غنیمت کا سارا مال و سامان مسلمانوں کو ہی نہ مل جائے۔ برائے نام شریک ہونے سے غنیمت کے سامان میں حصہ کے مستحق ہونے کا دعویٰ تو کسی درجہ میں کر سکیں گے) تو (جب ان کی کنجوسی اور بزدلی دونوں باتیں ثابت ہو گئیں تو اس مجموعہ کا اثر یہ ہے کہ) جب (کوئی) خوف (کا موقع پیش آتا ہے تو انہیں دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں پتھرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو (یہ تو بزدلی کا اثر ہوا) پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں (غنیمت کے) مال پر حرص لئے ہوئے (یعنی غنیمت کا مال لینے کے لئے دلوں کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کرتے ہیں کہ کیا ہم شریک نہیں تھے؟ کیا ہمارے ہی ساتھ ہونے کی وجہ سے تمہیں یہ جیت و کامیابی میسر نہیں ہوئی؟ یہ کنجوسی اور لالچ کا اثر اور حال ہے، یہ معاملہ تو ان کا تم سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ یہ ہے کہ) یہ لوگ (پہلے ہی سے ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام (نیک) اعمال (پہلے ہی سے) بے کار کر رکھے ہیں (آخرت میں کچھ ثواب نہ ملے گا) اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے (کوئی اس سے

ٹکرا نہیں سکتا کہ ہم ان کے اعمال کا صلہ لیں گے اور یہ حالت تو ان کے گروہوں کے جمع ہونے کے وقت تھی۔ مگر ان کی بزدلی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ ان گروہوں کے چلے جانے کے بعد بھی) ان لوگوں کا خیال ہے کہ (ابھی تک) یہ لشکر گئے نہیں ہیں اور (انتہائی بزدلی کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر (فرض کرو) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آجائیں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں گے کہ کاش ہم وہ (کہیں) دیہاتوں میں باہر چلے جائیں کہ (وہاں ہی بیٹھے بیٹھے آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے رہیں (اور وہ جگر دکھانے والی لڑائی اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں) اور اگر (اتفاق سے یا سب یا کچھ لوگ دیہاتوں میں نہ جاسکیں بلکہ) تمہارے درمیان ہی رہیں تو بھی (اس وقت کی لے دے سن کر بھی کچھ غیرت نہ آئے اور محض نام کرنے کو) کچھ لڑائی میں کم ہی حصہ لیں (آگے جنگ کے میدان میں ثابت قدم رہنے میں رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور پیروی کا ایمان کا تقاضا ہونا بیان فرماتے ہیں تاکہ منافقوں کو شرم آئے کہ ایمان کا دعوی کرنے کے باوجود اس کے تقاضہ کے خلاف کیا اور مخلص لوگوں کو خوش خبری ہو کہ یہ لوگ لازمی طور پر ﴿ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ ﴾ کے مصداق ہیں، لہٰذا ارشاد فرماتے ہیں کہ) تم لوگوں کے لئے یعنی جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو (یعنی پورا مؤمن ہو یہ جو ا میں مبدا اور معاد کا اعتقاد آ گیا اور اللہ کے ذکر میں ساری طاعتیں آگئیں۔ غرض ایسے شخص کے لئے) اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ موجود تھا (کہ جب آپ شریک رہے تو آپ سے زیادہ کون پیارا ہے کہ وہ پیروی نہ کرے اور اپنی جان بچاتا پھرے) اور (آگے منافقوں کے مقابلہ میں مخلص مؤمنوں کا ذکر ہے کہ) جب ایمان والوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ وہی (موقع) ہے جس کی ہمیں اللہ و رسول نے خبر دی تھی (چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۴ ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا ﴾ میں اسی کا اشارہ صراحت کے ساتھ ہے، کیونکہ سورۃ البقرہ، سورۃ الاحزاب سے پہلے نازل ہوئی ہے، جیسا کہ الاتقان میں ہے) اور اللہ اور (اس کے) رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس (احزاب یعنی گروہوں کو دیکھنے) سے (جو کہ پیشین گوئی کی تصدیق کرنے والا ہے) ان کے ایمان اور طاعت میں ترقی ہوگئی (یہ خوبی تو سارے مؤمنوں میں مشترک ہے اور بعض خوبیاں بعض مؤمنوں میں خاص بھی ہیں، جس کا بیان یہ ہے کہ) ان مؤمنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا، اس میں سچے اترے (اس تقسیم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے عہد کیا اور پورے نہیں اترے، بلکہ یہ تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ بعض نے عہد ہی نہیں کیا تھا، اور پھر بھی یعنی بغیر عہد کے بھی ثابت قدم رہے ان عہد کرنے والوں کے ذکر کی تصریح اوپر والی آیت کے مقابلہ میں ہے جو منافقوں کے حق میں ہے ﴿ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ ﴾ الخ اور ان عہد کرنے والوں سے مراد حضرت انس بن النضر اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے بدر کے غزوہ میں

شریک نہیں ہو سکے تھے تو انہیں افسوس ہوا اور انھوں نے عہد کیا کہ اگر اس بار کوئی جہاد ہوا تو اس میں ہم جان توڑ کوشش کریں گے، مطلب یہ تھا کہ منہ نہیں موڑیں گے چاہے قتل ہو جائیں) پھر ان (عہد کرنے والوں) میں (دو قسمیں ہو گئیں) بعض تو وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (نذر سے وہ عہد مراد ہے جس کا پورا کرنا نذر کی طرح واجب ہے، مطلب یہ کہ وہ شہید ہو چکے اور آخری وقت تک منہ نہیں موڑا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ احد کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی) اور بعض ان میں (اس عہد کو پورا کرنے کے آخری اثر یعنی شہادت کے) شوق میں ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور انھوں نے (اب تک اس عہد میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی (یعنی اپنے عزم پر قائم ہیں، لہٰذا پوری قوم کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک منافق جن کا اوپر بیان ہوا، دوسرے مؤمن، پھر مؤمنوں کی دو قسمیں: ایک عہد کرنے والے دوسرے عہد نہ کرنے والے۔ اور ثابت قدم رہنا دونوں میں مشترک ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ الخ۔ پھر عہد کرنے والوں کی دو قسمیں ایک شہید ہو جانے والے دوسرے شہادت کا شوق رکھنے والے۔ اس طرح ان آیتوں میں کل چار قسموں کا ذکر ہے، آگے اس غزوہ کی ایک حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچا ہونے کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے تو انہیں (نفاق سے) توبہ کی توفیق دے (کیونکہ ایسی مصیبتوں اور حادثوں میں مخلص اور بناوٹی الگ الگ ہو جاتے ہیں، اور کبھی کبھی ملامت کی وجہ سے بعض بناوٹی لوگ بھی متاثر ہو کر مخلص ہو جاتے ہیں، اور بعض اسی حال میں رہتے ہیں) بے شک اللہ بخشنے والے رحم فرمانے والے ہیں (اس لئے توبہ کا قبول ہونا محال یا ناممکن نہیں، اس میں توبہ کی ترغیب ہے) یہاں تک اس اسلامی امت کی مختلف قسموں کے معاملات تھے) آگے مخالف کافروں کی حالت کا ذکر ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے کافروں (یعنی مشرکوں کو خاص پر عام کا اطلاق کرتے ہوئے) ان کے غصہ کی حالت میں منہ پھیر دیا کہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہ ہوا (اور ان میں اسی کا غصہ بھرا ہوا تھا) اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا (یعنی کافروں کو عام طور سے ہونے والی جنگ اور قتل و قتال کی نوبت بھی نہ آئی کہ پہلے ہی چلے گئے، اور متفرق طور پر ہلکی لڑائی کی نفی نہیں ہے) اور (اس طرح کافروں کا ہٹا دینا کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا، بڑا زبردست ہے (اس کے لئے کچھ مشکل نہیں، یہ تو مشرکوں کا حال ہوا) اور (مخالفوں میں دوسرا گروہ یہود بنو قریظہ کا تھا۔ آگے ان کا ذکر ہے کہ) جن اہل کتاب نے ان (مشرکوں) کی مدد کی تھی انہیں (اللہ تعالیٰ نے) ان کے قلعوں سے (جن میں وہ محاصرہ کی حالت میں تھے) نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا (جس کی وجہ سے وہ قلعوں سے نیچے اتر کر باہر نکل آئے اور پھر) بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی (تمہیں اپنے ازلی علم میں مالک بنا رکھا ہے) جس پر تم نے (ابھی) قدم (تک) نہیں رکھا (اس میں مستقبل کی

فتوحات کی عمومی طور پر یا خیبر کی فتح کی خاص طور سے جو کہ اس کے بعد ہوئی بشارت ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (اس لئے ان امور کا واقع ہونا کوئی بڑی بات نہیں)

فائدہ: قتل، قید، منقولہ اور غیر منقولہ غنیمتوں کی ملکیتوں کے احکام فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے موجود ہیں، اور ان آیتوں کے ترجمہ کی وضاحت میں جتنے مضامین روایت کی قسم سے ہیں سب درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں، اور بعض زندہ صحابیوں کے بارے میں جو ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾ یعنی "ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے" یہ اجر و ثواب کے اعتبار سے تشبیہ کے طور پر ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اے نبی! آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں بے ہودگی کرے گی اس کو دہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار رکھی ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔ اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے۔ اور تم اُن آیات الٰہیہ کو اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ راز داں ہے پورا خبردار ہے۔

ربط: رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے کی ممانعت کا سورت کے مقاصد میں سے ہونا سورت کی تمہید میں گذر چکا اور اذیت کی بعض قسموں کی مذمت الگ الگ بھی آیتوں میں گذر چکی ہے، اس کی ایک قسم اگرچہ تمام قسموں میں ہلکی ہے کہ وہ ایذا کے قصد سے خالی تھی اور دل کی محبت اس میں شامل تھی وہ اذیت تھی جو ازواج مطہرات یعنی خود آپ کی بیویوں کے کچھ زیادہ دنیاوی سامان کے تقاضے کے ساتھ مانگنے سے آپ کے دل کو پہنچی تھی جس سامان کو کہ وہ غلطی سے زیادہ نہیں سمجھی تھیں جس کی وجہ سے آپ ناخوش ہو کر ایک مہینہ کے لئے سب سے الگ ہو گئے اس سے متعلق اگلی آیتیں ان ازواج مطہرات کو سمجھانے کے لئے ارشاد ہوئیں۔ حدیثوں میں یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور غالباً اس مانگنے کی وجہ یہ ہوئی کہ خیبر وغیرہ کی فتح کی وجہ سے کسی قدر مالی وسعت حاصل ہو گئی تھی تو ازواج مطہرات نے اپنے خیال میں اس تقاضہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے تکلیف کا سبب نہیں سمجھا اور یہ قصہ خیبر کی فتح کے بعد ہوا۔ چنانچہ اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے نکاح میں آچکی تھیں جو خیبر سے حاصل ہوئی تھیں، اور اس ذکر کا فتح خیبر کے بعد آنا جسے ﴿ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ﴾ یعنی ایسی زمین جس پر تم نے قدم نہیں رکھا کا مصداق قرار دیا گیا ہے، انتہائی حسن رکھتا ہے۔

نبی ﷺ کی اذیت کی پانچویں قسم جو سب سے ہلکی ہے، اس سے منع کرنے کے ضمن میں ازواج مطہرات سے خطاب:

اے نبی! (ﷺ) آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے (تم سے دوٹوک بات کہی جاتی ہے تا کہ قصہ ہمیشہ کے لئے ایک طرف ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ اگر تم دنیاوی زندگی (کا عیش و آرام) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ (یعنی لینے کے لئے متوجہ ہو) میں تمہیں کچھ (دنیاوی) سامان دیدوں (اس سے یا تو جوڑا مراد ہے جو اس بیوی کو جس کے ساتھ خلوت یعنی تنہائی میں ملاقات ہو چکی ہو، طلاق کے وقت دینا مستحب ہے، یا عدت کا نان ونفقہ مراد ہے یا اس میں دونوں شامل ہیں) اور (سامان دے کر تمہیں خوبی کے ساتھ رخصت کروں) یعنی سنت کے مطابق طلاق دیدوں تا کہ جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کرو) اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور (اس جگہ اللہ کو چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ) اس کے رسول کو چاہتی ہو، یعنی اسی طرح کی حالت میں جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرتے ہوئے رسول کے نکاح میں رہنا چاہتی ہو) اور آخرت کے عالم (کے اعلیٰ درجات) کو (چاہتی ہو جو کہ رسول کی بیوی کی حیثیت سے رہنے پر ملنے والے ہیں) تو (یہ تمہارے کردار کا نیک ہونا ہے اور) تم میں سے نیک کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے (آخرت میں) عظیم اجر تیار کر رکھا ہے (یعنی وہ ثواب جو

نبی کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے کہ وہ دوسری نیک بیویوں کے اجر سے عظیم ہے اور جس سے نبی کی بیوی نہ رہنے کی صورت میں محرومی مقدر بنے گی۔ اگرچہ عام دلیلوں سے مطلق ایمان اور نیک اعمال کے ثمرات اس صورت میں بھی حاصل ہوں گے۔ یہاں تک تو اختیار دینے کا مضمون ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف سے اپنی بیویوں کو خطاب ہوا۔ آگے حق تعالیٰ خود ان کو خطاب کر کے وہ احکام فرماتے ہیں جن کا بیوی رہنے کی صورت میں اہتمام کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی غلط حرکت کرے گی (اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں تو) اس کو (اس پر آخرت میں) دوگنی سزا دی جائے گی (یعنی اس عمل پر جتنی سزا کسی دوسرے شخص کو ملتی ہے اس سے دوگنی سزا ہوگی) اور یہ بات اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے (ایسا نہیں کہ دنیاوی حاکموں کی طرح کبھی سزا بڑھانے سے مجرم کی بڑائی اس کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے اور اس سزا کے بڑھنے کی علت ابھی اجر کو دوگنا کرنے کے بیان میں آتی ہے) اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی (یعنی جن امور کو اللہ تعالیٰ نے واجب فرمایا ہے انہیں ادا کرے گی اور خود رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہونے کے جو حقوق و فرائض، اطاعت وغیرہ واجب ہیں، وہ ادا کرے گی۔ کیونکہ رسالت کی حیثیت کے حقوق اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں داخل ہو گئے) اور (جو امور واجب نہیں ہیں، ان میں سے جو) نیک کام (ہیں، انہیں) کرے گی تو ہم اس کو اس کا (بھی) دوگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے (اس دوگنے اجر کے علاوہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے) ایک (خاص) عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے (جو جنت میں نبی ﷺ کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے اور جو عمل کے صلہ سے زیادہ ہے۔ اجر کے اس دوگنا کرنے کی علت اور اسی طرح سزا دوگنی کرنے کی علت جو اس سے پہلے بیان ہوئی ہے نبی کی بیوی کا شرف ہے جس پر ﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ ﴾ دلالت کر رہا ہے، کیونکہ خصوصی تعلق رکھنے والوں کی نافرمانی یا گناہ بھی دوسروں کی نافرمانی یا گناہ سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ان کی اطاعت و فرماں برداری بھی دوسروں کی اطاعت و فرماں برداری سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اس طرح وعدہ اور وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، اور خاص طور سے اس مقام پر جہاں کلام ہو رہا ہے، یہ کہنا ممکن ہے کہ مؤمنوں کی ماؤں کی یعنی خود رسول اللہ کی اپنی بیویوں کی طرف سے خدمت اور اطاعت کا ہونا حضور ﷺ کے دل کے لئے زیادہ راحت پہنچانے والا ہوگا، اور اسی طرح اس کے خلاف امور کا ظاہر ہونا، آپ کے دل کے لئے زیادہ تکلیف پہنچانے والا ہوگا۔ چنانچہ آپ کو راحت پہنچانا اجر کا سبب تھا، زیادہ راحت پہنچانا زیادہ اجر کا سبب ہو گیا۔ اسی طرح اس کی ضد کی صورت میں سمجھنا چاہئے۔ یہاں تک آپ کی بیویوں سے آپ کے حقوق سے متعلق خطاب تھا۔ آگے عام احکام سے متعلق زیادہ اہتمام کرنے کے لئے خطاب ہے کہ) اے نبی کی بیویو! محض اس بات پر نہ پھول جانا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں اور اس لئے عام عورتوں سے ممتاز ہیں، یہ نسبت و تعلق اور شرف و عزت ہمارے لئے کافی ہے،

تو یہ خیال مت کرنا، یہ بات صحیح ہے کہ تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو (بے شک ان سے ممتاز ہو، مگر مطلق نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے کہ) اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو (تب تو واقعی اس نسبت کے سبب تمہیں اوروں سے شرف وامتیاز ہے یہاں تک کہ ثواب بھی دوگنا ملے گا اور اگر یہ شرط نہیں پائی گئی تو یہی تعلق اس کے برعکس گناہ کے دوگنا ہونے کا سبب بن جائے گا، جب یہ بات ہے کہ بغیر تقوی یعنی اللہ کے ڈر کے محض نسبت کچھ نہیں تو (تمہیں شرعی احکام کی عام طور سے اور اگلی آیت میں بیان کیے ہوئے احکام کی خاص طور سے پوری پابندی کرنی چاہئے اور وہ احکام یہ ہیں کہ) تم (نامحرم مردوں سے) بات کرنے میں (جب کہ کسی ضرورت کے تحت بات کرنی پڑے) نرمی اختیار نہ کرو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ درشت یا بدمزاجی اختیار کرو کیونکہ اس کا برا ہونا تو خود ہی ظاہر ہے۔ اور مخاطب یعنی ازواج مطہرات میں اس کا احتمال بھی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے عورتوں کے کلام کا فطری انداز ہوتا ہے کہ کلام میں نرمی اور نزاکت ہوتی ہے، اپنی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس انداز کو مت اختیار کرو) کہ (اس سے) ایسے شخص کو (فطری وطبعی طور پر فاسد) خیال (پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی (اور برائی) ہے (بلکہ ایسے موقع پر تکلف اور اہتمام سے اس فطری انداز کو بدل کر گفتگو کرو) اور (عفت وپاک دامنی کے قاعدہ کے مطابق صاف سیدھی بات کرو (یعنی ایسے انداز میں بات کرو جس میں لوچ ونرمی اور نزاکت ولگاوٹ کی بجائے خشکی اور سپاٹ پن ہو کہ یہ عفت وپاک دامنی کی حفاظت کرنے والا طریقہ ہے اور یہ بداخلاقی نہیں ہے کہ بداخلاقی وہ ہے جس سے کسی کے دل کو رنج وتکلیف ہو۔ تو فاسد خیال کا راستہ بند کرنے سے رنج والم لازم نہیں آتا، اس سے تو بولنے سے متعلق حکم فرمایا) اور (آگے پردہ سے متعلق ارشاد ہے اور دونوں میں مشترک امر عفت وپاک دامنی کی حفاظت ہے، یعنی) تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو (اس سے مراد یہ ہے کہ محض کپڑا اوڑھ کر یا لپیٹ کر پردہ کر لینے پر اکتفا مت کرو بلکہ پردہ اس طریقہ سے کرو کہ لباس سمیت بدن نظر ہی نہ آئے جیسا کہ آج کل شریف گھرانوں میں پردہ کا طریقہ پایا جاتا ہے کہ عورتیں گھروں ہی سے نہیں نکلتیں۔ البتہ ضرورت کے مواقع دوسری دلیلوں سے مستثنیٰ ہیں) اور (آگے اسی حکم کی تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) پرانی جاہلیت کے زمانہ کی سی سج دھج دکھاتی مت پھرو (جس میں بے پردگی کا رواج تھا، چاہے بغیر فحش کے ہی کیوں نہ ہو اور ﴿الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ یعنی پرانی جاہلیت سے وہ جاہلیت مراد ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور اس کے مقابلہ میں ایک اس کے بعد کی جاہلیت ہے کہ اسلام کے احکام کی تعلیم وتبلیغ کے بعد ان پر عمل نہ کیا جائے، لہٰذا اسلام کے بعد جو سج دھج کا مظاہرہ بے پردگی اور دکھاوا ہوگا وہ الجاهلية الأخرى یعنی بعد کی یا دوسری جاہلیت ہے اس لئے تشبیہ میں جاہلیت اولیٰ کی تخصیص ظاہر ہے کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ کا تغایر ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت اخری پیدا کر کے جاہلیت اولیٰ کی پیروی نہ کرو، جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا ہے۔ یہاں تک عفت سے متعلق احکام تھے) اور (آگے دوسرے شرعی احکام کا بیان ہے کہ) تم نمازوں کی پابندی رکھو، اور (نصاب کی مالک ہو

تو) زکوٰۃ دیا کرو (کہ دونوں اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی گئی) اور (بھی جتنے احکام ہیں اور تمہیں معلوم ہیں، سب میں) اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو (اور ان احکام کے اہتمام اور التزام کا جو ہم نے تمہیں مکلف فرمایا ہے تو اس میں تمہارا ہی نفع ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو (ان احکام کو شرعی قانون کے طور پر بتانے سے) یہ چاہتا ہے کہ اے (رسول کے) اہل بیت! تم سے (معصیت و نافرمانی کی) آلودگی کو دور رکھے اور تمہیں ظاہری و باطنی اعتقادی وعملی اور اخلاقی برائیوں سے) پاک وصاف رکھے (کیونکہ احکام کا علم حاصل ہونے کے سبب مخالفت سے بچنا ممکن ہے جو کہ آلودگی کا سبب اور پاک صاف رہنے میں رکاوٹ ہے) اور چونکہ ان احکام پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کے لئے احکام کا جاننا اور انہیں یاد رکھنا لازمی ہے، اس لئے) تم اللہ کی ان آیتوں (یعنی قرآن) کو اور (احکام کے) اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے (اور یہ بات بھی اپنی نظروں کے سامنے رکھو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ہر باریکی کو جاننے والا ہے (دلوں کے حال اور ان کے اعمال کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور) پوری طرح باخبر ہے (کہ پوشیدہ اعمال کو بھی جانتا ہے اس لئے ظاہری و باطنی پوشیدہ وعلانیہ طور پر حکموں پر عمل کرنے کا اور جن امور سے منع کیا گیا ہے، ان سے بچنے کا اہتمام واجب ہے۔

پہلا فائدہ: ﴿ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ کے ترجمہ میں طلاق سنت سے وہ طلاق مراد ہے جو بدعی نہ ہو، چاہے معلق کرنے والے طریقہ کی وجہ سے بدعی ہو، جیسے حیض کی حالت میں طلاق دینا سب کے نزدیک بدعی ہے یا ایک ہی وقت میں تین طلاق دینا حنفیوں کے نزدیک بدعی ہے یا کسی دوسری وجہ سے بدعی ہو، جیسے مطلقہ کو یعنی جسے طلاق دیدی گئی ہو، کسی قسم کا ضرر و نقصان پہنچانا۔

دوسرا فائدہ: ﴿ اُمَتِّعْكُنَّ ﴾ کے ترجمہ میں جو لفظ ''جوڑا'' لکھا ہے، اس کے ضروری مسائل سورۂ بقرہ آیت ۲۴۱ ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

تیسرا فائدہ: ﴿ اُسَرِّحْكُنَّ ﴾ کا ﴿ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴾ الخ کی جزا میں واقع ہونا ظاہر میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو بیوی دنیا کی زندگی اور اس کی بہار کے لئے طلاق کو اختیار کرتی اس کے لئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہوتا کیونکہ اگر دنیا کا حاصل کرنا دوسرے نکاح کے واسطہ کے بغیر مراد ہو تو وہ نبی ﷺ کی بیوی رہتے ہوئے بھی ممکن ہے، پھر رخصت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی ہے جو دوسرے نکاح کے طریقہ پر ہو۔ صاحب روح نے یہ مسئلہ امام سے نقل کیا ہے۔

چوتھا فائدہ: ﴿ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ ﴾ میں جو کلمہ ''من'' ہے اگر یہ بیان کرنے کے لئے ہو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر بعض کو ظاہر کرنے کے لئے ہو جس سے بعض ازواج کے غیر محسنہ ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی دو توجیہیں

ممکن ہیں: ایک یہ کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک عورت عامریہ حمیریہ نے اس اختیار کے دیئے جانے کے بعد آپ کی بیوی رہنا نہ چاہا، اس کو الروح نے ابن سعد سے روایت کیا ہے۔ بعض کے لئے استعمال کئے گئے اس "مِن" سے اس کو مستثنٰی کرنا مقصود ہے اور اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ سب محسنات تھیں مگر اختیار دیئے جانے کے وقت اختیار دینے سے پہلے یہ ظاہر تو نہیں ہوا تھا لہٰذا زمانہ حال کے ظاہر سے ہر ایک میں دونوں احتمال تھے، لہٰذا یہ بعض کا استعمال معلق کرنے کے معنی کے طور پر ہے یعنی من احسن من کن اور اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ مطلق بعض کبھی کل کے ضمن میں واقع ہوتا ہے اور کبھی کل کے مقابلہ میں آنے والے بعض کے ضمن میں۔

پانچواں فائدہ: صاحب روح نے امام رازی رحمہ اللہ سے ایک اور مسئلہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اختیار دیدئے جانے کے بعد جو بیوی اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرلے پھر اس کو طلاق دینا رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز معلوم نہیں ہوتا ورنہ اختیار دینے اور اختیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن احقر کے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ دنیا کو اختیار کرنے کی وجہ سے طلاق کا مستحق نہ ہونا اس کے لئے لازم نہیں کہ کسی دوسری وجہ سے بھی اس کو طلاق نہ دی جائے، چنانچہ بعض روایتوں میں جو حضرت سودہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو طلاق دینے کا ارادہ یا ایک طلاق رجعی دینا آیا ہے اگر وہ اس آیت کے بعد ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں۔

چھٹا فائدہ: جب اختیار دینے والی یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی بیویوں کو پڑھ کر سنادی۔ آپ کی جو نو بیویاں مشہور ہیں: (۱) حضرات سودہ (۲) حضرت عائشہ (۳) ام حبیبہ (۴) حفصہ اور (۵) ام سلمہ رضی اللہ عنہن یہ پانچوں قریش میں سے ہیں (۶) صفیہ خیبریہ (۷) میمونہ ہلالیہ (۸) زینب اسدیہ اور (۹) جویریہ مصطلقیہ رضی اللہ عنہن ان سب نے آپ کی بیوی رہنا قبول کیا اور دنیا کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

ساتواں فائدہ: اس بارے میں بحث ہوئی ہے کہ یہ اختیار دینا طلاق کا بیویوں کے حوالہ کردینا تھا کہ ان کے اختیار کرلینے سے طلاق واقع ہوجاتی اور آپ کے طلاق دینے کی ضرورت نہ ہوتی یا یہ اختیار دینا رائے کا دریافت کرنا تھا اور ان کا اختیار کرنا رائے کا اظہار تھا اور اختیار کے بعد طلاق دینے کی ضرورت ہوتی۔ لیکن آیت کا دونوں طرح سے انطباق ہوسکتا ہے۔

آٹھواں فائدہ: لفظ اختاری جو کہ طلاق کے کنایوں میں سے ہے، اگر بیوی کو کہہ دے تو اگر وہ کوئی جواب نہ دے یا جواب میں یہ کہہ دے اخترتک تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر اخترت نفسی کہہ دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

نواں فائدہ: اس نص کے مطابق ظاہر میں حضور ﷺ پر واجب تھا کہ اپنی بیویوں کو اختیار دیں اور ظاہر میں یہ بھی

واجب معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو اختیار کرنے والی بیوی کو طلاق دیدیں، اس کو بھی صاحب روح نے امام سے نقل کیا ہے، لیکن چونکہ یہ حکم عام نہیں، لہٰذا دوسروں کے لئے صرف مستحب ہے کہ شریعت پر عمل نہ کرنے والی عورت سے اس طرح کہہ لیں۔ اور اسی طرح کر لیں۔ اور فقہا نے تصریح کی ہے لایجب تطلیق الفاجرۃ یعنی فسق و فجور کرنے والی عورت کو طلاق دینا واجب نہیں۔

دسواں فائدہ: آیت میں آنے والے لفظ ﴿ بِفَاحِشَةٍ ﴾ یعنی ''برے کام کرنے والی'' کی تفسیر بیہقی نے مقاتل سے یہ نقل کی ہے انها العصیان للنبی صلی الله علیه وسلم: یعنی یہ نبی ﷺ کی نافرمانی ہے اور زیادہ کا مطالبہ جس سے آپ کے دل کو تنگی محسوس ہو، اس میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دو دلیلیں اور ہیں: ایک یہ کہ اس کو مبینہ فرمایا اور مبینہ کا معروف معنی مصداق نہیں، سوائے اس کے کہ اس کو مجاز کہا جائے۔ دوسرے اس کے مقابلہ میں ﴿ وَمَنْ يَّقْنُتْ ﴾ الخ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد اللہ سے نہ ڈرنا ہے۔ اور نبیوں کی بیویوں میں معروف معنی کا احتمال نہ ہونا سورۂ نور آیت ۲۶ ﴿ اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

گیارہواں فائدہ: عذاب کو تو صرف ﴿ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ پر مرتب فرمایا جو کہ ایک عمل ہے اور دوگنے اجر کو تقوی یعنی اللہ سے ڈرنے اور نیک عمل کے مجموعہ پر مرتب فرمایا جو کہ شریعت کے احکام، قوانین اور اعمال کا مجموعہ ہیں، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مکمل مقبولیت کے لئے تمام کاموں کا کرنا ضروری ہے اور سزا کے لئے بعض کے ذریعہ خلل بھی کافی ہے۔

بارہواں فائدہ: دوگنے عذاب اور دوگنے ثواب کی وجہ ترجمہ کے بیان کے دوران واضح ہو چکی۔

تیرہواں فائدہ: دوگنے عذاب سے ﴿ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ﴾ سے ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ ایسی حالت کا عذاب کی شدت کا تقاضا ہونا اصل میں عمل اور سزا کے درمیان مثل ہونا ہی ہے، لہٰذا یہاں خود دوگنا ہونا ہی اصل مثل ہے۔

چودھواں فائدہ: ﴿ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ متقی یعنی اللہ سے ڈرنے والی نہیں تھیں، بلکہ اس سے مقصود تقوی یعنی اللہ سے ڈرنے کو معلق کرنا ہے تاکہ تقوی کا مدار ہونا ظاہر ہو جائے۔ چاہے مقدم اور تالی دونوں متحقق ہوں دوسری توجیہ یہ بھی محاورہ کے مطابق ہے کہ ﴿ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ﴾ کے معنی دُمْتُنَّ علی التقوی یعنی ہمیشہ تقوی پر عمل کرتی رہو، یعنی جس طرح اب تک متقی ہو اسی طرح ہمیشہ متقی رہو تب اوروں سے افضل ہوگی۔

پندرہواں فائدہ: ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ ﴾ جس سے بات کی جائے، اس کے اعتبار سے ہے اگرچہ ظاہر میں مطلق ہے مگر مقصود اجنبی لوگوں کے ساتھ گفتگو کے ساتھ خاص ہے۔

سولہواں فائدہ: ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ ﴾ اور ﴿ قَرْنَ ﴾ اور ﴿ لَا تَبَرَّجْنَ ﴾ خطاب کے اعتبار سے مخاطب حضرات

ازواج مطہرات ہیں، اگرچہ ظاہر میں خاص ہیں، مگر خطاب کی دلالت کے اعتبار سے کہ مقصود عفت کی حفاظت ہے، جو سب سے مطلوب ہے، یہ احکام تمام عورتوں کے لئے عام ہیں، جیسا کہ مقاتل نے ﴿ لَا تَبَرَّجْنَ ﴾ میں میں کہا ہے: ثم عُمت نساءُ المؤمنین فی التبرج: یعنی "پھر سج دھج دکھاتی پھرنے میں تمام مؤمنوں کی عورتوں کے لئے عام" ہوگیا جیسا کہ الدر میں ہے، بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عورتوں کے لئے یہ احکام درجۂ اولیٰ میں ہیں، کیونکہ ان احکام کی علت فساد کے راستے بند کرنا ہے جیسا کہ اس پر یطمع دلالت کررہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دوسری عورتوں کو راستے بند کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، اور ﴿ قَرْنَ ﴾ کے مقابلہ میں یعنی گھروں میں ٹھہری نہ رہنے کی جاہلیت کے امر سے تشبیہ دینا خود ٹھہری نہ رہنے کی مذمت کے لئے کافی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا مذمت کے قابل امر دوسری عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ اور حدیثوں میں اس قسم کے مضمون المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان یعنی عورت پردہ میں رہنے کے لئے ہے وہ جب پردہ سے یا گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے، وغیرہ آئے ہیں، جو مطلوب امر پر دلالت کے لئے کافی ہیں، لہٰذا ان احکام کا عام ہونا ثابت ہوگیا۔ رہا ذکر میں تخصیص کا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مؤمنوں کی ماؤں یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو خطاب ہے، اس لئے ضمیروں میں وہی مخاطب ہیں، مگر ذکر میں تخصیص سے حکم میں تخصیص لازم نہیں آتی اور اگر ﴿ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ ﴾ سے تخصیص کا شبہ ہو تو اس کے جو معنی لکھے گئے ہیں، اس سے اس شبہ کی اصل ہی میں گنجائش نہیں اور اگر بعض علماء کے اس قول سے کہ حجاب صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے اور یہ حجاب دوسرے امر کی وجہ سے واجب ہے کہ اس کی علت سدّ ذرائع ہے اور یہی وجہ ہے کہ ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ ﴾ اور ﴿ لَا تَبَرَّجْنَ ﴾ کو کسی نے خاص نہیں کہا، لہٰذا جو ﴿ قَرْنَ ﴾ دو امروں کے درمیان گھرا ہوا ہے وہ کیسے خاص ہوگا؟ اور اس مضمون کی تحقیق و تفصیل احقر کے رسالہ القول الصواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

سترہواں فائدہ: ﴿ قَرْنَ ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت میں جو "ضرورت کے مواقع" کو مستثنیٰ کیا ہے، اس کی قولی دلیل یہ حدیث ہے: قد أذن لکن أن تخرجن لحاجتکن: یعنی تمہیں تمہاری ضرورتوں کے وقت نکلنے کی اجازت دی گئی ہے اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور فعلی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کا سفر اور حج میں بیویوں کو ساتھ لے جانا ہے۔ چنانچہ اب بعض اہل بدعت کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنگ جمل کے لئے خود نکلنے پر ہی اعتراض بالکل بے کار ہے، خاص طور سے جب کہ وہ خاص اس کام کے لئے نکلی بھی نہیں تھیں، بلکہ وہ حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں۔

اٹھارہواں فائدہ: ﴿ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ میں اضافت ملکیت اور سکونت دونوں کی ہوسکتی ہے۔ پہلی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں انہیں مالک قرار دیا ہو، کیونکہ وراثت کا احتمال تو ہے ہی نہیں اور دوسری صورت میں اس کی سکونت نبی ﷺ کی وفات کے بعد مالکانہ نہیں ہوگی۔ بلکہ جس طرح ضرورت مند لوگ وقف مکانوں وغیرہ

سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ البتہ دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین مستقل دلیل کی محتاج ہے۔ قرآن کے بیان کو دونوں سے متعلق کرنا ممکن ہے۔

انیسواں فائدہ: اس موقع پر آیت ﴿ تَطۡهِيۡرًا ﴾ یعنی آیت ۳۳ میں جو لفظ اہل بیت آیا ہے، آگے پیچھے دیکھنے سے اس کا مصداق یقینی طور پر ازواج مطہرات یعنی نبی ﷺ کی بیویاں ہیں، چنانچہ اسی آیت ﴿ تَطۡهِيۡرًا ﴾ کے بارے میں ابن عباسؓ کا قول ہے: نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصة: یعنی یہ آیت خاص طور سے نبی ﷺ کی بیویوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اور عکرمہ کا قول ہے: من شاء باھلته انها نزلت فی أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی میں اس سے مقابلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور عکرمہ نے ہی یہ بھی کہا: لیس بالذی تذھبون إلیه إنما ھو نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی اس سے وہ مراد نہیں ہے جو تم کہتے ہو (یعنی پنج تن مراد نہیں) وہ صرف نبی ﷺ کی بیویاں ہیں" یہ سب الدر المنثور میں ہیں۔ لہٰذا اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ اور عنکم میں مذکر کی ضمیر یا تو حضور ﷺ کے اعتبار سے غلبہ کی بنیاد پر ہے یا لفظ اہل کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ ﴿ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا ﴾ فرمایا ہے۔

اب رہا اہل عبا یا کملی والوں کا اہل بیت یا اس آیت کا مصداق ہونا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ان حضرات کو اپنی چادر میں لپیٹ کر فرمایا: اللّٰھم ھؤلاء أھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً: یعنی "اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں لہٰذا ان سے آلودگی کو دور فرمادے اور انہیں پوری طرح پاک وصاف فرمادے" یا ازواج مطہرات کا اس کا مصداق نہ ہونا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی چادر میں آنا چاہا تو آپ نے فرمایا: إنک علی خیر: اور انہیں چادر میں داخل نہیں کیا تو اس میں تحقیق کی بات یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا مفہوم ایک نہیں۔ بلکہ حدیث میں تو عترت یعنی اولاد اور عزیز مراد ہیں اور آیت میں یا تو عام مراد ہے جس کی ایک قسم کی طرف تو آیت ہی میں دلالت ہوئی اور دوسری قسم کی طرف آپ نے اپنے اس فعل کے ذریعہ ظاہر فرمادیا۔ اور حضرت ام سلمہ کو داخل نہ کرنا اس لئے ہوگا کہ تمہارے بارے میں تو آیت سے دلالت ہونا ظاہر ہی ہے جن کا معاملہ ظاہر نہیں ان کو ظاہر کرتا ہوں، پھر تمہیں اس کے اہتمام کی ضرورت نہیں، اور خیر سے یہی دلالت مراد ہوگی کہ إنک علی خیر یعنی خیر میں تم تو ہو ہی۔ اور یا آیت میں صرف ازواج مطہرات مراد ہیں۔ اس صورت میں عبا میں داخل فرمانا اور آیت پڑھنا یا آیت کے مناسب الفاظ کے ذریعہ دعا کرنا علم اعتبار کے طور پر ہوگا، جیسا کہ حضور ﷺ نے خیبر میں آیت ﴿ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴾ پڑھ دی تھی جب کہ یہ آیت مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے تقدیر کے مسئلہ میں آیت ﴿ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى ﴾ الخ کا پڑھ دینا اسی پر محمول کیا ہے جیسا کہ الفوز الکبیر میں ہے۔ لہٰذا مطلب یہ

ہو گا کہ اے اللہ! اہل بیت کی ایک قسم یہ بھی ہے، میں ان کے لئے بھی دعا کرتا ہوں اور دعا میں آلودگی کو دور کرنے اور تطہیر سے تکوینی پاکی مراد ہونے سے اس دعوی کی اور زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ یہ داخل ہونا علم اعتبار کے طور پر ہے، کیونکہ ظاہر ہے آیت میں شرعی پاکی مراد ہے اور حدیث میں وہ امر نہیں ہے ورنہ اس دعا کے کوئی معنی حاصل نہیں ہوں گے، اور اس صورت میں إنک علی خیر خیر سے یہ مقصود ہونا کہ تم اہل بیت میں سے نہیں، اصل کے لحاظ سے اشکال کا موقع ومحل نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اہل بیت کی اس قسم میں سے نہیں ہو، جو اس وقت مراد ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے جب اہل بیت کے معنی پوچھے گئے تو انھوں نے جو ارشاد فرمایا اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی اولاد وعزیز، جیسا کہ مسلم میں ہے۔ چنانچہ انھوں نے سوال کے قرینہ سے یہ معنی فرمائے، باقی نہ ان سے آیت کی تفسیر پوچھی گئی اور نہ ہی انھوں نے آیت سے متعلق یہ ارشاد فرمایا، لہٰذا ازواج مطہرات کا اہل بیت نہ ہونا، ان کے قول سے ثابت نہیں، چنانچہ اس روایت میں انہی کا یہ بھی قول ہے: نساء ہ من أهل بيته: یعنی "آپ کی عورتیں یعنی آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے ہیں" بلکہ معالم میں تو متصل سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال پر کہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ خود نبی ﷺ کا ارشاد ہے بلی إن شاء الله تعالیٰ۔ غرض لفظ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں: ایک بیویاں دوسرے اولاد! اور قرینوں کی خصوصیت سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے کہیں دوسرا، اور کہیں عام یعنی دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں، لہٰذا آیت میں ظاہر میں پہلا مفہوم مراد ہے اور تیسرے مفہوم کا بھی احتمال ہے۔ اور حدیث ثقلین اور صدقہ کے حرام ہونے اور عبا والی حدیث میں دوسرا مفہوم ہے، لہٰذا اس تحقیق کے بعد نہ آیت میں اشکال ہے، نہ کسی حدیث میں اور نہ ہی آپس میں کوئی ٹکراؤ ہے اور نہ ہی اہل حق پر کسی کا کوئی شبہ وارد ہوتا ہے اور نہ ہی اہل حق کو کسی جگہ تکلف وتاویل کی ضرورت ہے۔

بیسواں فائدہ: چونکہ آلودگی وگندگی دور کرنے اور پاک وصاف کرنے کے ارادہ کی تفسیر شرعی قانون واحکام کے ساتھ معلوم ہو چکی ہے، اس لئے اس سے اہل بیت کی عصمت پر استدلال کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چاہے اہل بیت سے خاص مراد ہو یا عام۔ اور چاہے شرعی قانون واحکام کے ارادہ کا مراد ہونا یقینی ہو یا اس کا احتمال ہو۔ اس لئے کہ جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں مؤمنوں کے لئے عام ارشاد ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ رہا یہ امر کہ پھر اہل بیت کی کیا فضیلت ثابت ہوگی؟ کیونکہ شرعی قانون واحکام کا ارادہ تو تمام مکلف لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تو اتنی ہی فضیلت ثابت ہوگی کہ انہیں پاک وصاف کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے توجہ فرمائی اور اگر چہ یہ توجہ تمام مکلف لوگوں میں مشترک ہے لیکن کلی مشکک کے طور پر زیادہ توجہ، زیادہ فضیلت پر ضرور دلالت کرے گی، جیسا کہ لفظ اہل بیت اس خصوصی توجہ پر دلالت کر رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے: یا من هو

من أهل بيت نبينا وعبدنا المقبول المحبوب المرضي عندنا: یعنی "اے وہ لوگو! جو ہمارے نبی اور بندے کے اہل بیت سے ہو جو ہمارے نزدیک مقبول ومحبوب اور پسندیدہ ہیں" اور اہل بیت کی اس سے زیادہ فضیلتیں چاہے ان کا کسی بھی معنی میں اعتبار کیا جائے اس آیت پر موقوف نہیں۔ اور قرآن وحدیث کی دلیلیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اکیسواں فائدہ: حدیث میں بعض دوسرے لوگوں کے لئے بھی دوگنے اجر کی خوش خبری آئی ہے۔ وہ حدیث اس کے معنی کی تحقیق سمیت سورۃ القصص آیت ۵۴ ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو دوگنا اجر ملتا ہے، لیکن تین کا عدد حد مقرر کرنے کے لئے نہیں ہے، جس کی وجہ سے آیت سے ٹکراؤ لازم آئے۔ چنانچہ ایک حدیث میں چار کا عدد آگیا ہے اور ازواج مطہرات کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ الدر میں الطبرانی کے حوالہ سے امامۃ سے روایت ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة يؤتون أجرهم مرتين منهم أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم: یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دوگنا اجر دیا جاتا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی شامل ہیں"

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞ ﴾

ترجمہ: بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ربط: اوپر اوامر ونواہی یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا گیا یا روکا گیا ہے، ان میں گفتگو کا رخ حضرات ازواج مطہرات کی طرف تھا اور ان کے لئے نیک اعمال پر اجر وثواب اور پاک وصاف کرنے اور گندگی وآلودگی دور کرنے کی خوش خبری تھی۔ اب رحمت اور شریعت کے عام ہونے کے اظہار کے لئے عام مؤمن مردوں

اور مؤمن عورتوں کو نیک اعمال پر اسی فضل کی خوش خبری دیتے ہیں۔ چنانچہ مغفرت اور گندگی وآلودگی دور کرنے کے معنی ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں۔ اور عظیم اجر اور دوگنا اجر ایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والے الفاظ ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعض اسباب بھی ربط کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں، جیسا کہ درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ بعض صحابی عورتیں ازواج مطہرات کے پاس جاکر کہنے لگیں کہ تمہارا تو قرآن میں ذکر آیا، ہمارا نہیں آیا۔ یعنی اس موقع پر ہمارا ذکر نہیں آیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں جو یہ بات آئی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تمنا کی تھی کہ ہمارا ذکر بھی قرآن میں آتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ یہ بھی الدر المنثور میں ہے تو اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اوپر کی آیتوں میں تو ان کا ذکر آچکا تھا۔ شاید اس امر کی تمنا ہوگی کہ عام شرعی حکم کے طور پر عورتوں کا بھی ذکر آئے اور مردوں کا ذکر ساتھ میں ملادینے میں اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ مستقل طور پر ذکر آنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ شرعی احکام وامور مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں، پھر عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، اس لئے مردوں کو مخاطب کردینا کافی ہے۔

اسلامی احکام وتعلیمات پر عمل کرنے پر تمام مسلمانوں کو عام خوش خبری:

بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں (لہٰذا اس تفسیر پر اسلام سے مراد اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ ہوئے۔ اور ایمان سے مراد عقائد ہوئے جیسا کہ صحیحین میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پوچھنے پر حضور ﷺ کے یہی جواب دینے کی روایت ہے) اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں (اس میں اشارہ ہے ان کے اعمال وعقائد محض خوش دلی کے ساتھ اطاعت وفرماں برداری کے طور پر ہیں، ان میں کچھ پس وپیش دباؤ یا ناگواری نہیں ہے) اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں (اس میں بات عمل، نیت اور ایمان کی سچائی سب آگیا، نہ وہ بات میں جھوٹے ہیں، نہ عمل میں کم ہمت اور سست اور نہ نیت میں ریاکار ہیں اور نہ منافق ہیں) اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں (اس میں تمام قسموں کے صبر آگئے یعنی طاعتوں پر صبر، معاصی یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر، اور مصیبتوں پر صبر) اور خشوع (خضوع) کرنے والے مرد اور خشوع (خضوع) کرنے والی عورتیں (اس میں عاجزی وانکساری جو گھمنڈ اور تکبر کی ضد ہے، وہ بھی داخل ہے اور نماز اور عبادتوں میں دل اور جسم کے ظاہری اعضا کی توجہ بھی داخل ہے) اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں (اس میں فرض زکوٰۃ اور نفلی صدقات سب داخل ہیں) اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں (اس میں بھی فرض اور نفل سب روزے آگئے) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں (یعنی جو اللہ کے فرض

اذکار کے علاوہ نفل اذکار بھی ادا کرتے ہیں) ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ
يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ
عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ
اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ
اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا
فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ ﴿۳۸﴾
الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾﴾ ع ۵ ۲

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ اُن کو اُن کے اُس کام میں کوئی اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ کا اور اُس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔ اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے۔ اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔ پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔ ان پیغمبر کے لئے خدا تعالیٰ نے جو بات مقرر کر دی تھی، اُس میں نبی اکرم ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

ربط: اوپر کئی جگہ یہ بیان آچکا ہے کہ اس سورت کے مقاصد میں سے سب عظیم مقصد آپ ﷺ بزرگی اور اطاعت کا اہتمام اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے حرام ہونے کا ذکر و بیان ہے۔ اور دونوں کی بعض قسموں کا ذکر اوپر آچکا ہے، جن میں

دوسری قسم اذیت وتکلیف کی تمہید میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی لکھا گیا ہے، آگے اسی قصہ سے متعلق دو مضمون ہیں: ایک تیسری قسم آپ کے حق کی تعظیم اور ایک دوسری قسم کی تکلیف کی تفصیل جو اوپر مختصر انداز میں آئی تھی، پہلے مضمون کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کرنا چاہا، چونکہ حضرت زید عوام میں غلام مشہور ہو چکے تھے۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش نے اس نکاح کی منظوری سے عذر کیا، اس پر پہلے مضمون کی آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ الخ جیسا کہ اللباب میں ہے۔ اور دوسرے مضمون کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی آیت کے نازل ہونے پر نکاح تو منظور کر لیا گیا، لیکن آپس میں مزاج نہیں ملے۔ حضرت زیدؓ نے طلاق دینی چاہی اور حضور ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ نے منع کیا کہ طلاق مت دو، مگر جب کسی طرح مزاجوں میں مطابقت نہیں ہوئی تو آخر پھر طلاق کا ارادہ ظاہر کیا، اس وقت آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ زید ضرور ہی طلاق دیں گے اور زینب کا آپ سے نکاح ہوگا، اس کو الروح نے الحکیم الترمذی وغیرہ کے حوالہ سے امام زین العابدین علی بن الحسین سے روایت کیا ہے اور اس وقت مصلحت بھی یہی تھی کیونکہ اول تو یہ نکاح مرضی کے خلاف ہونے کی وجہ سے طبعی رنج کا سبب ہوا تھا پھر اس پر طلاق دینا زیادہ تکلیف اور دل توڑنے کا سبب تھا۔ اس تکلیف اور دل توڑنے کے دکھ کا علاج جس سے حضرت زینب کی تسلی ہو سکتی تھی، اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا کہ حضور خود ان سے نکاح کر کے ان کے اطمینان اور قدر و عزت بڑھانے کا کام کر دیں، مگر ساتھ ہی آپ کو عوام کے طعنہ دینے کا خیال تھا مگر اللہ کے حکم سے نکاح ہوا جس میں مذکورہ خاص مصلحت کے علاوہ ایک عام شرعی مصلحت یہ تھی کہ متبنی یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا جائز ہونا خود رسول اللہ ﷺ کے فعل سے بھی ثابت ہو جائے، جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ﴾ الخ چونکہ قولی حکم کے ساتھ شرعی فعل کا شامل ہونا زیادہ تاکید والا، حکم کو قوی کرنے والا اور وسوسوں اور شک وشبہ کو دور کرنے والا ہے، لہٰذا بعد کی آیتیں اس سے متعلق نازل ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شان کی بڑائی کا بیان آپ کی اطاعت کے واجب ہونے سے اور حضرت زینبؓ کے نکاح پر طعن کا تفصیلی جواب:

اور کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کے لئے گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا (چاہے وہ دنیاوی معاملہ سے متعلق ہی کیوں نہ ہو، واجب کے طور پر) حکم دیدیں تو (پھر) ان (مؤمنوں) کو ان کے اس معاملہ میں کوئی اختیار (باقی) رہے (یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ چاہے کریں چاہے نہ کریں، بلکہ عمل کرنا ہی واجب ہوتا ہے) اور جو شخص (واجب حکم کے بعد) اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا، وہ کھلی گمراہی میں پڑ جائے گا (یہاں مؤمن

کے عام ہونے میں حضرت عبداللہ بن جحش اور مؤمنہ کے عام ہونے میں زینب بنت جحش اور ﴿ أَمْرِهِمْ ﴾ کے عام ہونے میں حضرت زید سے نکاح کرنا داخل ہیں۔ چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد وہ نکاح منظور کرلیا) اور (آگے اس نکاح کے بعد کا قصہ ہے کہ اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ (فہمائش اور مشورہ کے طور پر) اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا (کہ اسلام کی توفیق دی کہ یہ دینی انعام ہے اور غلامی سے چھڑایا کہ یہ دنیاوی انعام ہے) اور آپ نے بھی انعام کیا (دین کی تعلیم دی اور آزاد کیا اور ایک بہت معزز گھرانے کی عورت یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا۔ اس سے زید مراد ہیں کہ آپ انہیں سمجھارہے تھے) کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھو (اور اس کی چھوٹی چھوٹی خطاؤں اور ناپسندیدہ باتوں پر نظر نہ کرو کہ کبھی اس سے نااتفاقی پیدا ہوجاتی ہے) اور اللہ سے ڈرو اور اس کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو کہ کبھی اس سے نااتفاقی پیدا ہوجاتی ہے) اور جب شکایتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور قرینوں سے اصلاح اور اتفاق کی امید نہیں رہی تو اس وقت فہمائش کے ساتھ) آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر) ظاہر کرنے والا تھا (اس سے حضرت زینبؓ کے ساتھ زید کے طلاق دینے کی صورت میں نکاح مراد ہے جس کو حق تعالیٰ نے ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ میں قول کے اعتبار سے اور خود نکاح واقع کردینے سے فعل کے طور پر ظاہر فرمایا) اور (نکاح سے متعلق اس ارادہ کے ساتھ ہی) آپ لوگوں (کے طعنوں) سے (بھی) اندیشہ کرتے تھے (کیونکہ اس وقت تک اس نکاح میں دینی مصلحت کا ہونا ذہن مبارک میں نہ آیا ہوگا) محض خاص حضرت زینبؓ کی دنیاوی مصلحت کا خیال ہوگا، اور دنیاوی امور میں ایسا اندیشہ ہونے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ مطلوب ہوتا ہے، جب کہ اعتراض کی وجہ سے دوسروں کے دین کی خرابی کا احتمال ہو، اور انہیں اس سے بچانا مقصود ہو) اور زیادہ حقدار تو اللہ ہی ہے کہ آپ اس سے ڈریں (یعنی چونکہ واقع میں اس میں دینی مصلحت ہے جیسا کہ آگے ﴿ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ ﴾ الخ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ مخلوق سے اندیشہ نہ کیجئے۔ چنانچہ دینی مصلحت سامنے آجانے کے بعد پھر آپ نے کسی سے اندیشہ نہیں کیا۔ اور نکاح کے ارادہ میں تو کیا اندیشہ فرماتے خود نکاح کے بعد بھی اندیشہ نہیں کیا، جس کا قصہ آگے ہے کہ) پھر جب زید ان (زینب) سے اپنی حاجت پوری کرچکے (یعنی طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی تو) ہم نے ان کا نکاح آپ سے کردیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے (نکاح) کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے اپنی حاجت پوری کرچکے ہوں (یعنی طلاق دیدیں، مطلب یہ کہ اس شرعی قانون کا اظہار ہمیں مقصود تھا) اور اللہ کا یہ حکم تو ہونے ہی والا تھا (کیونکہ یہ حکمت کا تقاضا تھا۔ آگے طعنہ کا جواب ہے کہ) نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو بات (تکوین کے طور پر یا شرعی قانون کے طور پر) مقرر کردی تھی، نبی پر کوئی الزام (اور طعنہ کی بات) نہیں (اللہ تعالیٰ نے ان (نبیوں) کے حق میں (بھی) یہی معمول مقرر کررکھا ہے، جو پہلے گذر چکے ہیں (کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، وہ بے تکلف اس کو کرتے

رہے ہیں اور طعنے کی وجہ نہیں بن سکے، ایسے ہی یہ نبی بھی اعتراض کی وجہ نہیں) اور (ان نبیوں کے بھی اس قسم کے جتنے کام ہوئے ہیں ان سب کے بارے میں بھی) اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے (اور اسی کے مطابق انہیں حکم ہوتا ہے، اور وہ عمل کرتے ہیں۔ شاید اس مضمون کو پہلے آپ کے قصہ میں لانے اور پھر نبیوں کے قصہ میں دوبارہ لانے [1] سے اس طرف اشارہ ہو کہ ایسے امور تمام تکوینی امور کی طرح اپنے اندر ایسی حکمت لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ اللہ کے علم میں پہلے ہی سے تجویز ہو چکے ہوتے ہیں پھر نبی کو طعنہ دینے کا مطلب ان امور کے برخلاف اللہ کو طعنہ دینا ہے، جن پر خود حق تعالیٰ ملامت فرمائیں چاہے ان میں مقدر میں لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے حکمت شامل ہو، مگر ملامت کا سبب ہونے کی وجہ سے اس میں مفاسد شامل ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے ان مفاسد کے اعتبار سے ان سے منع کرنا جائز ہے۔ آگے ان نبیوں کی ایک خاص تعریف ہے تا کہ آپ کو تسلی ہو، یعنی) یہ سب (نبی جو پہلے گذر چکے) ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے (اگر قول کے ذریعہ تبلیغ کا حکم ہوا تو قول کے ذریعہ اور اگر فعل کے ذریعہ تبلیغ کا حکم ہوا تو فعل کے ذریعہ) اور (اس بارے میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (لہٰذا آپ کو بھی جب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ نکاح فعل کے ذریعہ کی جانے والی تبلیغ ہے تب تک اندیشہ ہونے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اب جب یہ بات معلوم ہو گئی تو آپ بھی کوئی اندیشہ مت کیجئے جیسا کہ رسالت کی شان کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اس امر کے سامنے آجانے کے بعد پھر آپ نے کبھی کوئی اندیشہ نہیں کیا، اور اس کے باوجود کہ خود آپ کو رسالت سے متعلق فرضوں کو ادا کرنے میں کبھی کسی کا ڈر نہیں ہوا نہ اس کا کوئی احتمال تھا، پھر بھی نبیوں کا قصہ دل کو اور زیادہ تقویت پہنچانے کے لئے سنایا گیا ہے) اور (آپ کی اور زیادہ تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ) اللہ (اعمال کا) حساب لینے کے لئے کافی ہے (پھر کسی سے کس بات اور کیسا ڈر؟ اور آپ پر طعنہ کرنے والوں کو بھی سزا دے گا، آپ ان کے طعنوں کی وجہ سے رنج و غم نہ کیجئے۔ اوپر تو یہ اس فعل کا اچھا اور پسندیدہ ہونا بیان ہوا ہے۔ آگے اعتراض کرنے والوں کا جواب ہے، جس کے ناپسندیدہ ہونے کا وہ دعویٰ کرتے تھے، یعنی) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی اولاد نہیں ہیں، جیسا کہ ﴿مِّن رِّجَالِكُمْ﴾ کی اضافت کے ذریعہ آپ سے تعلق نہ ہونے کا بیان کرنا مقصود ہے، آپ ان لوگوں کے ایسے باپ نہیں جو کسی صحیح دلیل سے ان کی بیویوں کے حرام ہونے کا سبب ہو جائے، پھر جب طعنہ کی بنیاد ہی باطل ہے تو اس بنیاد پر

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ دوبارہ جس عنوان سے یہ مضمون لایا گیا ہے یعنی ﴿قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ اس خاص عنوان میں اشارہ ہے کہ جب یہ ہمارا تجویز کیا ہوا تھا تو پھر کیا ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ نکتہ پہلے عنوان یعنی ﴿مَفْعُولًا﴾ میں نہیں تھا، کیونکہ وہ اپنے مادہ سے صرف واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے، تقدیر کے ذریعہ اللہ کی نسبت پر دلالت نہیں۔ اور آگے چل کر جو عبارت ہے بخلاف ان امور کے الخ اس کا اس اشارہ میں دخل نہیں۔ ایک سوال مقدر کا مستقل جواب ہے۔

جو دعویٰ کیا گیا، وہ بھی بالکل فاسد ہے) البتہ (ایک دوسری حیثیت سے یعنی روحانی باپ ہونے کا درجہ بے شک آپ کو حاصل ہے۔ چنانچہ) آپ اللہ کے رسول ہیں (اور رسول روحانی تربیت کرنے والا ہونے کی وجہ سے روحانی باپ ہوتا ہے) اور روحانی باپ ہونے میں اس درجہ کامل ہیں کہ تمام رسولوں سے اکمل یعنی سب سے زیادہ کامل اور افضل ہیں۔ چنانچہ آپ) سب نبیوں کے ختم پر ہیں (اور جو نبی ایسا ہوگا، وہ روحانی باپ ہونے میں سب سے بڑھ کر ہوگا۔ کیونکہ دوسروں کی تربیت تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگی۔ اور ایسے نبی کی تربیت ہمیشہ کے لئے ہوگی، لہٰذا ایسے نبی کا باپ ہونا بھی ہمیشہ ہی کے لئے ہوگا، اور اگر سارے نبیوں کے ختم پر ہونے والے کی نبوت کا زمانہ دوسرے نبیوں کے زمانہ سے زیادہ بھی نہ ہوتا تب بھی باپ ہونے کی کیفیت کی تقویت کے لئے خود ہمیشہ کے لئے ہوجانا ہی کافی ہوجاتا۔ اور جب زمانہ بھی دوسروں سے زیادہ ہوگیا تو مقدار کی تقویت کے مل جانے سے اور بھی زیادہ قوت ہوگئی، اور اگر بعثت کے عموم کا بھی لحاظ کیا جائے تو اور زیادہ قوت ثابت ہوگئی، مطلب یہ ہے کہ جسمانی باپ تو ہیں نہیں جو اعتراض کا سبب ہوتا البتہ روحانی باپ ہونا کمال کے درجہ میں ہے اور وہ خود اعتراض کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ نبی کا اعتقاد اور اس کے لئے اطاعت فرض ہے) اور اگر یہ وسوسہ وخیال ہو کہ کہیں یہ نکاح ناجائز تو نہیں کہ اگر نکاح نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ اعتراض کا موقع ہی نہ ہوتا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز (کے ہونے یا نہ ہونے کی مصلحت) کو خوب جانتا ہے (لہٰذا اس کے واقع ہونے ہی میں مصلحت تھی، اس لئے یہی وجہ ہے کہ نبی کے لئے تجویز کیا گیا)

فائدہ: آیت ﴿ وَمَا كَانَ ﴾ الخ میں ﴿ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ دینی اور دنیاوی امر کے لئے عام ہے، لہٰذا اگر آپ دنیاوی امور میں بھی واضح یقین کے طور پر کوئی حکم فرمادیں تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور تابیر نخل یعنی کھجور کے درخت پر پھل سے پہلے آنے والے پھول کو بیچ میں سے چیر کر نر درخت کے ذریعے مادہ درخت کے پھول میں ڈالنے سے متعلق حدیث میں جو ارشاد ہے: أنتم أعلم بأمور دنياكم: اپنے دنیاوی امور تم زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو یہ اس صورت میں ہے جب آپ محض رائے اور مشورہ کے طور پر فرمائیں۔

اور رہا یہ کہ پھر تو بغیر یقین انداز سے فرمانے میں تو دینی امور میں بھی اتباع واجب نہیں جیسا کہ نفلوں کا معاملہ ہے پھر تابیر والی حدیث میں جو آگے مقابلہ میں ارشاد فرمایا ہے: إذا أمرتكم بشيئ من الدين: یعنی جب میں تمہیں دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو: اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دینی امور میں ایک اتباع مطلق طور پر واجب ہے یعنی اعتقاد رکھنا۔ برخلاف دنیاوی امر کے اس کی مصلحت اور نفع دینے والی ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی واجب نہیں۔

اور چونکہ حضرت زید کو قرینوں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ آپ رائے اور مشورہ کے طور پر طلاق نہ دینے کے لئے فرمارہے ہیں، اس لئے اس کو نہ مانا ﴿ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ ﴾ الخ میں داخل نہیں ہوا، جیسا کہ آپ نے حضرت بریرہ کو حضرت مغیث

کے پاس رہنے کے لئے فرمایا اور انھوں نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ یہ آپ کی محض سفارش اور مشورہ ہے، حکم نہیں ہے، منظور نہیں کیا۔ اور اس پر انہیں ملامت بھی نہیں کی گئی۔

اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن حضرت زینب سے واضح یقینی انداز میں ارشاد فرمایا ہوگا۔ اور آیت ﴿اِذْ تَقُوْلُ﴾ میں آپ کی فرمائی ہوئی بات کو یاد دلانا مقصود ہے جس سے محبت کے ساتھ سختی فرمانا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ جب آپ کو وحی کے ذریعہ زینب کے ساتھ آپ کا نکاح ہونا معلوم ہو چکا تھا تو پھر آپ کے لئے زید کو فہمائش کرنا مناسب نہیں تھا، اور اگرچہ یہ فہمائش اس وجہ سے اس کے منافی بھی نہیں کہ آپ کے ساتھ نکاح کا وقت معلوم نہ ہوگا، آپ چاہتے ہوں گے کہ جب تک وہ وقت نہ آئے انہیں میاں بیوی کے طور پر رہنا ہی بہتر ہے۔

اور ﴿مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا کہ کچھ ایسے شاذ اقوال میں ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں: صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ نے اس کو مشروع کہاں کیا، برخلاف نکاح سے تفسیر کرنے کے کہ اس کا ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے اظہار ہوا ہے۔

اور کیا ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم نے نکاح کر دیا اب ظاہری نکاح کی بھی ضرورت نہیں یا یہ کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ نکاح کر لو۔ مفسروں نے دونوں مطلب بیان کئے ہیں۔ اور ہر ایک نے دوسری روایت میں مناسب تاویل کی ہے۔ اور ﴿رِّجَالِكُمْ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہیں، مگر یہاں بات حضرت زیدؓ کے سلسلہ میں ہو رہی ہے۔

اس لئے ذکر میں مردوں کو خاص کیا گیا، اور عورتوں کی بیویوں سے نکاح کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ اور اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے، مگر ان کی نبوت نئی نہیں ہوگی اور وہ مستقل نبی ہو کر بھی نہیں آئیں گے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝٤١ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٤٢ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۗىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝٤٣ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝٤٤ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٤٥ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝٤٦ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝٤٧ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٤٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔ وہ ایسا ہے کہ وہ اور اُس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین

پر بہت مہربان ہے۔ وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو اُن کو جو سلام ہوگا، وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہونگے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔ اور مؤمنوں کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے اور اُن کی طرف سے جو ایذا پہنچے اُس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے۔

ربط: اوپر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اعتراض وطعنہ کو دور کیا تھا، اور اس کے ضمن میں آپ کی رسالت کی فضیلت اور نبوت کے ختم ہونے کا ذکر تھا، جس کا پورا نفع عام مسلمانوں کو ہے۔ اب مسلمانوں کو اس عظیم احسان کے شکریہ میں خاص طور سے ذکر اور طاعت کا حکم اور ترغیب زیادہ ہونے کا ذکر اور طاعتوں کے لئے اپنے اور بھی جلدی اور بعد میں آنے والے احسانوں کی حکایت اور خوش خبری اور اعتراض وطعنہ کا دور کرنا اور نبی کی فضیلت کے اثبات کی تقویت کے لئے آپ کی فضیلتیں اور آپ کی تسلی ارشاد فرماتے ہیں، اور فضائل کا یہ بیان نبی کی شان کی عظمت کی چوتھی قسم ہے۔

رسول ﷺ کی تسلی اور بزرگی وعظمت کے ذکر کے ساتھ بعض فضیلتیں

اور بعض احسانوں کے ذکر کے ساتھ مؤمنوں سے خطاب:

اے ایمان والو! تم (اللہ کے تمام احسانوں کو اور ایسے کامل ومکمل رسول کی بعثت کے احسان کو جو رسولوں میں بھی سب سے زیادہ کامل ہیں، خاص طور سے یاد کر کے اس کا یہ شکر ادا کرو کہ) اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو (اس میں سب اطاعتیں آگئیں) اور (اس ذکر اور طاعت پر ہمیشہ قائم رہو، لہٰذا) صبح وشام (یعنی ہمیشہ) اس کی تسبیح (وتقدیس بیان) کرتے رہو (دل سے بھی، زبان سے بھی اور جسم کے دوسرے اعضاء سے بھی۔ چنانچہ پہلے جملہ سے اعمال اور طاعتوں کا عام ہونا اور دوسرے جملہ میں زمانوں اور وقتوں کا عام ہونا حاصل ہو گیا، یعنی نہ تو ایسا کرو کہ کوئی حکم بجالائے اور کسی حکم پر عمل نہ کیا اور نہ ایسا کرو کہ کسی دن کوئی کام کرلیا، کسی دن نہ کیا، اور جس طرح اس نے تم پر بہت سے احسان کئے ہیں اور آئندہ بھی کرتا رہتا ہے لہٰذا لازمی طور پر وہ ذکر وشکر کا مستحق ہے، چنانچہ) وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے کہ وہ (خود بھی) اور (اس کے حکم سے) اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں (یاد رہے کہ اللہ کا رحمت بھیجنا تو رحمت کرنا ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دعا کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے سورۃ المؤمن آیت ۷ سے ۹ تک ﴿ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ ﴾ سے ﴿ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ﴾ تک۔ اور یہ رحمت بھیجنا اس لئے ہے) تاکہ حق تعالیٰ (اس رحمت کی برکت سے) تمہیں (جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں سے نکال کر (علم اور ہدایت کے) نور کی طرف لے آئے (یعنی اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا

کی برکت سے کہ تمہیں علم اور ہدایت کی توفیق اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہے کہ یہ نعمت ہر وقت نئی نئی شکل اختیار کر کے بڑھتی رہتی ہے) اور (اس سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے (اور یہ رحمت تو مؤمنوں کے حال پر دنیا میں ہے اور آخرت میں بھی ان پر رحمتوں کی بارش ہوگی، چنانچہ) وہ جس دن اللہ سے ملیں گے تو انہیں جو سلام ہوگا، وہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا) السلام علیکم (کہ اول تو خود سلام ہی اعزاز کی علامت ہے، پھر جب کہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو جیسا کہ فرمایا ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود جنت والوں سے فرمائے گا: السلام علیکم۔ اس کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ سلام تو روحانی انعام ہے جس کا حاصل عزت واکرام ہے) اور آگے جسمانی انعام کھلانے وپلانے کی خبر عام عنوان سے ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان (مؤمنوں کے لئے جنت میں) بہترین صلہ تیار کر رکھا ہے (کہ ان کے جانے کی دیر ہے جیسے وہاں پہنچیں گے پہنچتے ہی مل جائے گا۔

آگے حضور ﷺ کو خطاب ہے کہ) اے نبی! (آپ گنتی کے چند اعتراض کرنے والوں کے طعنوں کی وجہ سے رنج وغم نہ کریں اگر یہ بے وقوف لوگ آپ کو جانتے اور پہچانتے نہیں ہیں تو کیا ہوا، ہم نے تو ان بڑی بڑی نعمتوں اور رحمتوں کا جن کا مؤمنوں کے خطاب میں ذکر ہوا ہے، آپ ہی کو واسطہ بنایا ہے۔ اور آپ کے مخالفوں کی سزا کے لئے خود آپ کے بیان کو کافی قرار دیا گیا ہے کہ ان کے مقابلہ میں آپ سے ثبوت پیش کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا، اس طرح اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ مقبول ومحبوب ہیں، چنانچہ) بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (قیامت کے دن امت کے اعتبار سے خود سرکاری) گواہ ہوں گے (کہ آپ کے بیان کے مطابق ان کا فیصلہ ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ﴾ اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کی عزت اور اکرام اور اعلیٰ درجہ کی شان ہے۔ شان کا یہ اعلیٰ ہونا تو قیامت کے دن ظاہر ہوگا) اور (دنیا میں جو آپ کے کمال کی صفتیں ظاہر ہیں، وہ یہ ہیں کہ) آپ (مؤمنوں کو) خوش خبری دینے والے ہیں اور (کافروں کو) ڈرانے والے ہیں اور (عام طور پر سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں (اور یہ خوش خبری دینا اور ڈرانا اور دعوت تو تبلیغ کے طور پر ہے) اور (یوں خود اپنی ذات وصفتیں وکمال، عبادتیں اور عادتیں وغیرہ مجموعی حالات کے اعتبار سے) آپ (پوری طرح ہدایت کا نمونہ ہونے میں) ایک روشن چراغ (کے درجہ میں) ہیں (کہ آپ کی ہر حالت انوار وبرکات کے طالبوں کے لئے ہدایت کا سرمایہ ہے، لہٰذا قیامت میں ان مؤمنوں پر جو رحمت ہوگی، وہ آپ ہی کی ان صفتوں بشیر یعنی بشارت یا خوش خبری دینے والے، نذیر یعنی ڈرانے والے، داعی یعنی دین کی دعوت دینے والے یا دین کی طرف بلانے والے اور سراج منیر یعنی روشن چراغ کہ ہر طرف روشنی اور اجالا پھیلانے والے کے واسطہ سے ہے، لہٰذا آپ اس غم وپریشانی کو دور کیجئے) اور (پوری پوری طرح اپنے نبوت کے منصب کے کام

میں لگے رہیے، یعنی) مؤمنوں کو خوش خبری دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور (اسی طرح کافروں اور منافقوں کو ڈراتے رہیے، جس کو ایک خاص عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ وہ یہ کہ) کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے (یعنی ان کے طعنے اور اعتراض تبلیغ کو ترک کرنے کا سبب نہ ہو جائے جو کہ خود چاہتے ہیں کہ ان کا ایسا چاہنا گویا ان کے حال کی دلالت سے اس کا امر ہے اور تبلیغ کا چھوڑنا اور ترک کرنا چاہے طعنوں اور اعتراضوں کے سبب سے ہی کیوں نہ ہو، اس امر کے مشابہ اور مطابق ہے اور اگرچہ آپ سے اس کا احتمال نہیں، مگر آپ کو ہونے والے رنج سے اپنے آپ میں اس کا گمان ہوتا ہے، اس لئے اہتمام کا تقاضا ہوا، اور اس عمل کو چھوڑنے سے باز رکھنے اور نفرت کرنے کے لئے اس کو اطاعت سے تعبیر کیا، غرض خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہونے کا حق ادا کرتے رہیے) اور ان (کافروں اور منافقوں) کی طرف سے جو (کوئی) اذیت پہنچے (جیسا کہ اس نکاح میں جو کہ فعلی تبلیغ ہے، قولی اذیت پہنچی) اس کی پروانہ کیجئے، اور (فعلی اذیت کا بھی اندیشہ نہ کیجئے اور اگر اس کا خیال آئے تو) اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی مددگار اور کام بنانے والا ہے (وہ آپ کو ہر نقصان سے بچائے گا اور اگر تبلیغ میں کوئی ظاہری نقصان پہنچتا ہے تو وہ باطنی طور پر نفع دیتا ہے کہ وہ کفایت اور وکالت کے وعدہ کے خلاف نہیں)

فائدہ: احقر کو چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے پھر چراغ سے ہر وقت نور یعنی روشنی حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے پھر اس کا حاصل کرنا آسان ہے پھر اس میں روشنی حاصل کرنے میں ارادہ اور کوشش کو بھی دخل ہوتا ہے پھر اس سے کسی صحیح مزاج والے اور صحیح بدن والے شخص کو کسی بھی وقت ناگواری نہیں ہوتی، پھر اس میں انسیت کی بھی شان ہے اور ان سب صفتوں کو نبیوں علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے اور بعض نے ﴿سِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ سے سورج مراد لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَّجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا﴾ اور ہر ایک توجیہ کے لئے گنجائش موجود ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ

بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ
بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ ٦ ع ٢

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم اُن کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دیدو تو تمہاری اُن پر کوئی عدت نہیں، جس کو تم شمار کرنے لگو، تو اُن کو کچھ متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ اُن کو رخصت کردو۔ اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیبیاں جن کو آپ اُن کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں۔ اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور اُس مسلمان عورت کو بھی جو بلاعوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے، بشرطیکہ پیغمبر اُس کو نکاح میں لانا چاہیں، یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے اُن پر اُن کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں۔ اور جن کو دور رکھا تھا اُن میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔ اور خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کی سب باتیں معلوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، بردبار ہے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ درست ہے کہ آپ ان بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کرلیں، اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگران ہے۔

ربط: اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی عظمت اور بزرگی کی قسموں میں سے جو کہ سورت کے عظیم ترین مقاصد ہیں جیسا کہ تمہید میں معلوم ہوا، آیتوں میں چار مختلف قسموں کا ذکر ہوا ہے۔ آگے اس کی پانچویں قسم کا بیان ہے، جس کا حاصل نکاح کے بعض احکام کے ساتھ آپ کی خصوصیت ہے اور خصوصیت کا عزت و شرف کی دلیل ہونا ظاہر ہے۔ اصل میں یہ مضمون ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا ﴾ سے چلا ہے[1] لیکن خصوصیت کی تحقیق کی تاکید کے لئے جس کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، اس میں نہ پایا جانا، اس کے مفہوم کا حصہ ہے۔ اصل مضمون سے پہلے ایک حکم عام مؤمنوں سے متعلق لایا گیا ہے

(۱) یعنی شان نبوی کی عظمت کی پانچویں قسم کا بیان اس آیت سے چلا ہے، اس سے پہلے ایک آیت امت کے تعلق سے کیوں لائی گئی اس کی وجہ بیان کی ہے ۱۲ سعید احمد

جس کا اثر طلاق سے ظاہر ہوا ہے۔ جس سے امت اور نبی کے احکام کے درمیان فرق خوب ظاہر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان آیتوں میں ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ﴾ فرمانا اس مقام اور کلام میں مقصود فرق کی طرف صاف اشارہ ہے۔

بیوی کو چھونے سے پہلے طلاق کے بعض احکام امت سے متعلق اور نکاح سے متعلق بعض اخاص احکام میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب:

اے ایمان والو! (تمہارے نکاح کے احکام میں سے تو ایک حکم یہ ہے کہ) تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم انہیں چھونے سے پہلے (کسی اتفاقی وجہ سے) طلاق دیدو تو ان پر تمہاری کوئی عدت (واجب) نہیں جس کی تم گنتی کرنے لگو (تا کہ) انہیں اس عدت میں دوسرا نکاح کرنے سے روک سکو جیسا کہ عدت کی صورت میں شرعی طور پر یہ روکنا جائز بلکہ واجب ہے اور جب اس صورت میں عدت نہیں) تو انہیں کچھ (مال) سامان دیدو اور انہیں بھلائی کے ساتھ رخصت کردو (اور مؤمن عورتوں کی طرح ہی اہل کتاب عورتوں کا بھی حکم ہے، لہٰذا یہ قید آزادو اولیٰ یعنی بہتر کے بیان کے لئے ہے کہ مؤمن مرد کے لئے مؤمن عورت سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اور چھونا، صحبت سے کنایہ ہے، خواہ وہ صحبت حقیقت میں ہو یا حکم کے طور پر خلوت صحیحہ یعنی اطمینان کے ساتھ تنہائی حاصل ہوگئی ہو۔ دونوں صورتوں میں عدت واجب ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور متاع یعنی سامان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو تو یہ متاع ایک جوڑا ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ بقرہ آیت ۲۳۶ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور اگر مہر مقرر ہوا ہے تو یہ متاع مقررہ مہر کا آدھا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ ہی کی آیت ۲۳۷ ﴿وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ﴾ الخ میں ہے اور ﴿سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ یعنی بھلائی کے ساتھ رخصت کرنا یہ ہے کہ ناحق طریقہ سے نہ روکے۔ اس کا جو متاع واجب ہے، اسے روک کر نہ رکھے اور دیا ہوا سامان واپس نہ لے، کوئی بیجا اور سخت بات نہ کہے، یہ حکم تو دوسری آیتوں میں مذکور دوسرے احکام کی طرح عام مسلمانوں سے متعلق احکام میں سے ہے اور (اے نبی! بعض احکام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، جن سے آپ کی خصوصیت اور شرف وعزت بھی ثابت ہوتی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

پہلا حکم: (ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیویاں (جو کہ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور) جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں (تعداد زیادہ ہونے کے باوجود) حلال کی ہیں۔

دوسرا حکم: اور وہ عورتیں بھی (خاص طور پر حلال کی ہیں) جو تمہاری ملکیت ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں

دلا دی ہیں (خاص طور سے اس حکم کا بیان فائدہ کے ذیل میں آئے گا)

تیسرا حکم: اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں (اس سے آپ کے خاندان کی بیٹیاں مراد ہیں) اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں (اس سے ماں کے خاندان کی بیٹیاں مراد ہیں یعنی ان سب کو (بھی) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے مگر یہ خاندان کی عورتیں مطلق حلال نہیں کی ہیں، بلکہ ان میں سے صرف وہی (جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو (ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی طرح انھوں نے بھی یہ عمل کیا ہو کہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے ساتھ چلنے کی قید نہیں ہے، البتہ اس قید سے وہ عورتیں نکل گئیں جنھوں نے ہجرت نہ کی ہو۔

چوتھا حکم: اور اس مسلمان عورت کو بھی آپ کے لئے حلال کیا ہے جو بغیر عوض (یعنی بغیر مہر) خود کو نبی کے حوالہ کردے (یعنی نکاح میں آنا چاہے) اگر نبی اس کو نکاح میں لانا چاہیں (اور مسلمان کی قید سے کافر عورت نکل گئی کہ حضور ﷺ کے لئے اس سے نکاح کرنا درست نہیں، اور یہ۔

پانچواں حکم: ہے اور) یہ سب احکام آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ کہ دوسرے مؤمنوں کے لئے (کہ ان کے لئے دوسرے احکام ہیں۔ چنانچہ) ہمیں وہ احکام معلوم ہیں (اور آیتوں اور روایتوں کے ذریعہ دوسروں کو بھی معلوم کرا دیئے ہیں) جو ہم نے ان (عام مؤمنوں) پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں (جو ان احکام سے مختلف اور جدا ہیں جن میں سے نمونہ کے طور پر ایک اوپر بھی آیت ﴿ نَكَحْتُمُ ﴾ میں بیان ہوا ہے جس میں ﴿ فَمَتِّعُوهُنَّ ﴾ کے ذریعہ نکاح کے لئے مہر کا لازم ہونا، نام کے طور پر واجب ہونے کے طور پر حقیقت میں یا حکم کے طور پر ثابت ہوتا ہے، اور نبی ﷺ کا نکاح چوتھے حکم میں مہر سے خالی ہے اور یہ خصوصیت اس لئے ہے) تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو (لہٰذا جن مخصوص احکام میں دوسروں کے مقابلہ میں وسعت ہے جیسے پہلے اور چوتھے حکم میں۔ ان میں تو تنگی نہ ہونا ظاہر ہے اور جن میں ظاہر میں قید اور تنگی ہے جیسے تیسرے اور پانچویں حکم میں، وہاں تنگی نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ قید آپ کی بعض مصلحتوں کی وجہ سے لگائی ہے کہ اگر وہ قید نہ ہوتی تو آپ کی وہ مصلحت فوت ہوجاتی اور اس وقت آپ کو وہ تنگی ہوتی جو ہمیں معلوم ہے۔ اس لئے اس مصلحت کی رعایت کی گئی۔ تاکہ وہ تنگی جس کا احتمال ہے واقع نہ ہو۔ اور دوسرے حکم سے متعلق وضاحت فائدہ کے ذیل میں آئے گی) اور (حرج و تنگی دور کرنے کی رعایت صرف مخصوص احکام ہی میں نہیں ہے بلکہ عام مؤمنوں سے متعلق جو احکام ہیں ان میں بھی اس امر کی رعایت رکھی گئی ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے، رحم کرنے والے ہیں (چنانچہ اپنی رحمت سے احکام میں مناسب سہولت کی رعایت فرماتے ہیں۔ اور آسان اور سہل احکام میں بھی کوتاہی ہوجانے پر کبھی مغفرت فرمادیتے ہیں، جو انتہائی رحمت کی دلیل ہے جو احکام کے سہل و آسان ہونے اور حرج و تنگی دور کرنے کی بنیاد ہے۔ یہ تو حلال کی ہوئی عورتوں کی قسموں کا بیان تھا۔ آگے اس امر کا بیان ہے کہ جو قسمیں

حلال کی گئی ہیں، ان میں سے جتنی جس وقت آپ کے پاس ہوں ان کے کیا احکام ہیں، اس لئے۔

چھٹا حکم: ارشاد ہے کہ) ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے آپ سے دور رکھیں (یعنی اس کی باری مقرر نہ کریں یا اس کی باری میں اس کے حجرہ میں نہ جائیں) اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں (یعنی اس کی باری مقرر کریں اور اس کی باری میں اس کے حجرہ میں جائیں اور جن کو دور رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی کوئی حرج نہیں (مطلب یہ ہوا کہ ان کی باری وغیرہ کی رعایت آپ پر واجب نہیں اور اس میں ایک بڑی مصلحت ہے وہ یہ کہ) اس میں زیادہ امید ہے کہ ان (بیویوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی (یعنی وہ مطمئن اور خوش رہیں گی) اور رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ آپ ان کو دیدیں گے، اس پر سب کی سب راضی رہیں گی (کیونکہ عام طور سے رنج کی وجہ حق کا دعوی ہوتا ہے اور جب معلوم ہو جائے کہ جو کچھ مال دیا جائے گا یا توجہ دی جائے گی وہ محض احسان ہے، لہٰذا کسی کو کوئی شکایت نہ رہے گی اور کنیزوں کا باری میں حق نہ ہونا سبھی کے لئے معلوم ہے) اور (اے مسلمانو! یہ مخصوص احکام سن کر دلوں میں یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ یہ احکام عام کیوں نہیں ہوئے، کہ اگر ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں (ایسا خیال پکا لینے پر تمہیں سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول اللہ ﷺ پر حسد ہے، جو عذاب کا سبب ہے) اور (یہی کیا اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے (اور اعتراض کرنے والوں کو جو فوراً سزا نہیں ہوئی تو اس سے علم کی نفی لازم نہیں آتی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) بردبار (بھی) ہیں (اس لئے کبھی دیر میں سزا دیتے ہیں۔ آگے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص باقی احکام ارشاد فرماتے ہیں جن میں سے بعض تو مذکورہ بالا بعض احکام کا تتمہ یعنی باقی حصہ ہیں۔ اور بعض نئے ہیں لہٰذا ارشاد ہے کہ اوپر جو تیسرے اور پانچویں حکم میں ان عورتوں کے سلسلہ میں، جن کے ساتھ نکاح حلال کیا گیا ہے، ہجرت اور ایمان کی قید لگائی ہے تو) ان کے علاوہ اور عورتیں (جن میں یہ قید نہ ہو) آپ کے لئے حلال نہیں ہیں (یعنی قریبی عزیزوں میں سے جنھوں نے ہجرت نہیں کی، وہ حلال نہیں ہیں، اور دوسری عورتوں میں سے جو مؤمن نہ ہوں، وہ بھی حلال نہیں ہیں۔ یہ تو اوپر والے حکم کا باقی حصہ ہوا) اور (آگے ساتواں حکم نیا ہے کہ) نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں (اس طرح کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیدیں اور ان کی جگہ دوسری کرلیں اور یوں بغیر انہیں طلاق دیئے ہوئے کسی سے نکاح کرلیں تو اس کی ممانعت نہیں، اسی طرح اگر تبدیلی کے ارادہ کے بغیر طلاق دے دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا یہ تبدیلی منع ہے) اگرچہ آپ کو ان (دوسری عورتوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، سوائے اس کے جو آپ کی ملکیت ہو (کہ وہ پانچویں اور ساتویں دونوں حکموں سے مستثنیٰ ہے، یعنی وہ اہل کتاب میں سے ہونے پر بھی حلال ہے اور اس کا بدلنا بھی درست ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت اور آثار اور مصلحتوں) کا پوری نگرانی کرنے والا ہے (اس لئے

ان سب احکام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں، چاہے عام مکلّف لوگوں کو وہ تعیین کے ساتھ نہ بتائی جائیں، اس لئے کسی کو سوال یا اعتراض کا اختیار اور حق نہیں)

چند فائدے:

پہلا فائدہ: ﴿ اٰتَيْتَ ﴾ قید واقعی ہے کیونکہ اس کا مصداق ازواج یعنی موجودہ بیویاں ہیں جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں قید شرط کے طور پر نہیں ہو سکتی۔

دوسرا فائدہ: ﴿ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ﴾ کی قید اتفاقی ہے جس کا اصل مقصود یہ ہے کہ ملکیت کے سبب کا شرعی طور پر جائز ہونا یقینی ہو اور فیے یعنی غنیمت کا مال ہونا اس کی ایک مثال ہے، لہٰذا خریدنے یا ہبہ کرنے سے جو ملکیت ہو، اس کا غیر حلال ہونا ثابت نہیں، چنانچہ بعد کی آیت میں ﴿ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ﴾ میں کوئی قید نہیں، جیسا کہ الروح میں ہے۔

تیسرا فائدہ: دوسرے حکم میں جو لفظ "خاص طور" ہے اس کا بیان کہیں صراحت کے ساتھ تو نظر سے نہیں گذرا لیکن کلام کے موقع و محل سے جو کہ خصوصیت کے بیان کا مقام ہے، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ملکیت والی عورتوں کے بارے میں بھی کوئی حکم آپ کے لئے خاص ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ قَدْ عَلِمْنَا ﴾ الخ کے بارے میں ہے: فإن له في النكاح خصائص ليست لغيره و كذلك في السراري: یعنی آپ کے لئے نکاح کے سلسلہ میں کچھ خصوصیات ہیں جو آپ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ خصوصیت کیا ہے تو عجیب نہیں کہ وہ یہ ہو کہ آپ کی وہ باندی جو وفات کے وقت تک آپ کے پاس ہو جیسے ماریہ قبطیہ دوسروں کے لئے آپ کی بیویوں کی طرح حرام ہو۔ اس کو الروح میں ارشاد خداوندی ﴿ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ کچھ اور ہو جو اس زمانہ کے لوگوں کو معلو ہو کہ خاص انہی کو معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ خصوصیت کے اثر کے ظاہر ہونے کا وہی وقت تھا۔ یہاں تک لکھنے کے بعد ظہر کی نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکیتوں سے متعلق دل پر دو حکم وارد ہوئے: ایک یہ کہ غنیمت کے مال کی تقسیم سے پہلے آپ کو ایک چیز لے لینے کا اختیار تھا۔ اور وہ چیز صفی کہلاتی تھی جیسا کہ غزوۂ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہ کو لیا تھا۔ جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ دوسرے اہل حرب کی جانب سے جو خاص ہدیہ آتا تھا، وہ آپ کا ہوتا تھا، جیسے مقوقس نے ماریہ کو دیا تھا اور دوسروں کے لئے صفی جائز نہیں اور ہدیہ عام مسلمانوں کا حق ہے جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔

چوتھا فائدہ: تیسرے حکم میں جو ﴿ هَاجَرْنَ ﴾ کی قید ہے، ظاہر میں وہ احترازی ہے جیسا کہ ام ہانی بنت ابی طالب کے قول سے معلوم ہوتا ہے: فلم أكن أحل له لأني لم أهاجر معه كنت من الطلقاء: یعنی میں آپ کے لئے حلال نہیں کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ میں فتح مکہ میں آزاد کردہ لوگوں میں سے تھی، اور ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ

﴿النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ﴾ کی تفسیر جو احقر نے اختیار کی ہے، اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اور ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے، چنانچہ مجاہد کے یہ الفاظ ہیں: **لایحل لک النساء من بعد ما بینت لک من ھذہ الأصناف بنات عمک (إلی قولہ) فأحل لہ من ھذہ الأصناف ماشاء:**

پانچواں فائدہ: بنات عم وعمات و بنات خال وخالات کی جو تفسیر کی گئی ہے معالم اور دوسری تفسیروں میں اسی طرح ہے لہٰذا خاص چچا و ماموں اور پھوپھی اور خالہ مراد نہیں۔

چھٹا فائدہ: چوتھے حکم میں جو خود کو رسول اللہ کو ہبہ کرنے والی عورتوں کا ذکر ہے اس میں ﴿إِنۡ وَهَبَتۡ﴾ حلال ہونے کی شرط نہیں، بلکہ شرط تو صرف ایمان ہے اور یہ قید شبہ کو دور کرنے کے لئے ہے اور نکاح میں حکم کا اثبات درجۂ اولیٰ کے لئے ہے، کیونکہ آزاد عورت ہبہ کا محل نہیں، جب وہ بغیر عوض کے اس عقد سے حلال ہوجاتی ہے تو عوض کے ساتھ نکاح سے تو درجۂ اولیٰ میں حلال ہوجائے گی، لہٰذا حاصل یہ ہے کہ قریبی عزیزوں کے لئے تو ہجرت شرط ہے اور غیروں کے لئے ایمان کافی ہے، چاہے بغیر عوض نکاح ہوجائے۔ یہ الشعبی نے کہا ہے) اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایسی بیوی کوئی تھیں یا نہیں۔ ایسی بیوی موجود ہونے کی بات کہنے والوں نے یہ نام بتائے ہیں: خولہ بنت حکیم، ام شریک، میمونہ، لیلیٰ بنت حطیم۔ ان میں دوسری یعنی ام شریک کے بارے میں قبلھا بھی آیا ہے یعنی انہیں قبول کرلیا اور تیسری یعنی میمونہ بیویوں میں معروف ہیں، باقی دیگر کو قبول نہ کیا گیا ہوگا۔ اور ایسی بیوی موجود نہ ہونے کی بات کہنے والوں نے کہا ہے: **لم یکن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ وھبت نفسھا لہ:** یعنی ''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسی کوئی عورت نہیں تھی جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ کو ہبہ کردیا ہو'' اس حالت میں کلام شرط وجزا کے طور پر ہوگا کہ اگر ایسا ہو تو درست ہے، لیکن ایسا ہوا نہیں یعنی دوسری شرط کہ اگر نبی ﷺ چاہیں، پوری نہیں ہوئی۔ ورنہ پہلی شرط کہ اگر عورت ہبہ کردے یقیناً پوری ہوئی ہے۔ اور دوسرے قول کے کہنے والے پہلے قول کے کہنے والوں کی روایتوں کو ثابت نہیں مانتے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے جس سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا ہو، وہ ہبہ کے لفظ سے نہ ہوا ہو۔

ساتواں فائدہ: اسی چوتھے حکم میں جو مؤمنہ کی قید ہے وہ بھی ہجرت کی قید کی طرح احترازی ہے۔ چنانچہ ﴿لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ﴾ کی تفسیر میں بھی احقر نے اشارہ کیا ہے اور یہی تفسیر مجاہد سے نقل کی گئی ہے: **قال لایحل لک النساء من بعد یھودیات ولانصرانیات لاینبغی أن یکون أمھات المؤمنین إلا ما ملکت یمینک قال ھی الیھودیات والنصرانیات لاباس أن یشتریھا:** یعنی ''فرمایا کہ اس کے بعد آپ کے لئے یہودی اور عیسائی عورتوں میں سے کوئی حلال نہیں ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ امہات المؤمنین یعنی مؤمنوں کی ماں ہوں، سوائے اس کے کہ وہ آپ کی ملکیت، باندی وکنیز ہوں فرمایا کہ یہودی اور عیسائی عورتوں کے سلسلہ میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ انہیں خرید لیں''

آٹھواں فائدہ: یہاں سات حکم خاص ہیں۔ پہلے حکم میں یہ خصوصیت ہے کہ اس وقت آپ کے پاس نو بیویاں ہیں، اور اتنی بیویاں جمع کرنا کسی امتی کے لئے جائز نہیں اور اس کا شرف وعزت کی وجہ ہونا ظاہر ہے۔ تیسرے حکم میں خصوصیت ہجرت کی قید ہے جو اور لوگوں کے لئے نہیں ہے، اس میں بھی آپ کا شرف وعزت ظاہر ہے کہ آپ کے لئے سب سے کامل چیز تجویز کی گئی۔ چوتھے حکم میں خصوصیت یہ ہے کہ مہر واجب نہیں ہوا۔ اس میں آپ کا امتیاز ظاہر ہے۔ پانچویں حکم کی وضاحت بھی تیسرے حکم کی طرح ہے۔

چھٹا حکم: اس کا خصوصیت اور عزت وشرف کا سبب ہونا ظاہر ہے۔

ساتویں حکم: میں خصوصیت بھی ظاہر ہے کہ امت کے لوگوں کے لئے یہ تبدیلی منع نہیں۔ باقی عزت وشرافت کا سبب ہونا اس لئے کہ اس تبدیلی سے گنتی کی قید(۱) کا شبہ ہوتا ہے جیسا کہ امت کے کسی شخص کے پاس چار بیویاں ہوں تو ان کے لئے پانچویں بیوی رکھنا حلال نہیں جب تک ان چار میں سے کسی ایک کو طلاق نہ دیدے یا کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے، اس طرح یہ شرف وعزت کا سبب ہونے میں تقریباً پہلے حکم کی طرح ہے۔

نواں فائدہ: پہلی آیت میں جو لفظ ﴿خَالِصَةً﴾ آیا ہے زمخشری نے اس کو چاروں سے متعلق قرار دیا ہے۔

دسواں فائدہ: پہلے پانچ حکموں کی حکمت بیان فرمائی ہے ﴿لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ وہاں تفسیر میں تیسرے اور پانچویں حکم کی حکمت مختصر انداز میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے حکم کی وضاحت کا وعدہ کیا گیا ہے جو تیسرے فائدہ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ اور وہ حکمت اس میں بھی مختصر انداز میں جاری ہو سکتی ہے۔ اور تفصیل کسی کی بھی ضروری نہیں۔ مگر فضل ومہربانی کے طور پر دوسرے حکم میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفات تک کسی کنیز کو اپنے پاس رکھنا محبت اور خصوصیت کی دلیل ہے اور محبت وخصوصیت کے لازمی امور میں سے ایک غیرت بھی ہے، لہٰذا اگر ایسی کنیز بھی دوسرے کے لئے حلال ہوتی تو ممکن ہے کہ آپ کو محبت اور خصوصیت اور غیرت کی شدت کی وجہ سے یہ سوچ کر تکلیف اور تنگی ہوتی کہ دوسرا اس میں شریک ہوگا، اس کے برخلاف کہ جسے آپ ہبہ کے طور پر یا فروخت کر کے کو کسی کو خود دیدیں کہ دیدینا خود ہی محبت اور خصوصیت کی کمی اور کمزوری کی علامت ہوگی، اور اس وجہ سے تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ اور تیسرے فائدہ کے آخر میں جو عبارت بعد میں بڑھائی گئی ہے، اس میں صفی اور ہدیہ کے خاص ہونے کے لئے حرج نہ ہونے کی علت کے بیان کی حاجت نہیں اور تیسرے حکم میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریبی عزیز بے تکلف زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ بے تکلفی اخلاق کی درستی کے بغیر اکثر

(۱) یعنی اگر آپ ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح فرمائیں تو کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس کو چھوڑے بغیر دوسری سے نکاح درست نہ تھا جیسا کہ امتیوں میں سے جس کے پاس چار بیویاں ہوں، اس کے لئے کسی کو طلاق دیئے بغیر پانچویں سے نکاح درست نہیں، لہٰذا آپ کے لئے تبدیلی ممنوع ہوئی۔

تکلف کا سبب ہوتی ہے اور ہجرت سے جو اکثر پریشانیاں پیش آتی ہیں، ان سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس قید کے نہ ہونے سے شاید آپ کو تنگی اور تکلیف و پریشانی پیش آتی اور نبی ﷺ سے قربت عزت وفخر کا سامان و سرمایہ ہے اور فخر اکثر تکلیف و پریشانی کا سبب ہوتا ہے تو ہجرت سے اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ برخلاف غیروں اور اجنبیوں کے کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہوتیں، اس لئے صرف مؤمن عورت کی قید کافی قرار دی گئی اور پانچویں حکم میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیوی سے کھلا پن زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ کافر ہو تو عقائد واخلاق کے فساد کی وجہ سے تنگی اور پریشانی ضرور ہوگی، لہٰذا اس طرح حرج کا دور کرنا ان حکموں کی علت بن گئی، اور پہلے اور چوتھے حکم کے لئے حرج نہ ہو جانے کا علت ہونا بالکل واضح ہے۔ باقی چھٹے حکم کی حکمت خود قرآن میں ہے کہ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ ﴾ الخ یعنی زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ اور ساتویں حکم کی حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ اس طرح کی تبدیلی میں کم سمجھ رکھنے والوں کو اپنی غرض پوری کرنے کا شبہ ہوسکتا ہے کہ اپنے ایک نفسانی نفع کے لئے ایک نئی عورت حاصل ہو جائے۔ ایک پرانی بیوی کو نقصان پہنچایا گیا۔ اس کے برخلاف کہ اگر پرانی کی طلاق اور نئی سے نکاح جمع نہ ہو تو اس شبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

گیارہواں فائدہ: چھٹے حکم کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے محمد بن کعب قرظی اور قتادہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ان دونوں کا کہنا ہے: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم موسعا عليه في قسم أزواجه أن يقسم بينهن كيف يشاء:** یعنی "رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیویوں کی باری اور ان کے درمیان حصوں کی تقسیم کے سلسلہ میں وسعت اور اختیار دیئے گئے تھے کہ جیسے چاہیں فیصلہ فرمائیں۔

بارہواں فائدہ: ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ ﴾ الخ کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے چوتھے فائدہ میں اس کا حوالہ بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو: **لم يمت رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أحل الله له أن يتزوج من النساء ماشاء إلا ذات محرم:** یعنی "رسول اللہ ﷺ کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس بات کو حلال نہیں کر دیا کہ محرم عورتوں کے علاوہ جس عورت سے چاہیں نکاح فرمالیں" اس امر پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں کہ ﴿ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ ﴾ منسوخ ہے۔ اور ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ ﴾ جو قرآن میں پہلے لکھی گئی ہے بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے اس کو منسوخ کرنے والی ہے، کیونکہ مذکورہ تفسیر کی بنیاد پر آیت ﴿ لَا يَحِلُّ ﴾ وسعت میں زیادتی کے حرام ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتی۔

تیرہواں فائدہ: ﴿ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے عبداللہ بن شداد سے اسی طرح منقول ہے۔ ان کا کہنا ہے: **لو طلقهن لم يحل له أن يستبدل وقد كان ينكح بعد ما نزلت هذه الآية ماشاء:** یعنی "اگر آپ انہیں طلاق دیدیتے تو آپ کے لئے بدل کر دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں تھا اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد

جس سے چاہتے نکاح فرما سکتے ہیں۔ اور اسی طرح حضرات زین العابدین وانس بن مالک سے منقول ہے۔

چودھواں فائدہ: ﴿اِلَّا مَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ﴾ کی جو تفسیر کی ہے اس میں پانچویں حکم سے مستثنیٰ ہونے کی دلیل تو ابوذر کا قول ہے: لا یحل لک النساء من بعد قال من المشرکات إلا ما سبیت فملکته یمینک: آپ کے لئے اس کے بعد کوئی عورت حلال نہیں کہ فرمایا مشرک عورتوں میں سوائے اس کے جو قید ہوگئی ہو اور آپ کی ملکیت میں آگئی ہو۔ اور پانچویں حکم کی جو حکمت دسویں فائدہ میں گذر چکی ہے، اس پر کوئی اعتراض یا مخالفت لازم نہیں ہوتی کیونکہ کنیز سے اتنا کھلا پن نہیں ہوتا اور ساتویں حکم سے مستثنیٰ ہونے کی دلیل کلام کا متصل ہونا کافی ہے۔

پندرہواں فائدہ: ﴿اَعۡجَبَکَ حُسۡنُہُنَّ﴾ پر کوئی خیال نہ کیا جائے کیونکہ ایک تو یہ غیر اختیاری ہے۔ دوسرے اس کی حقیقت کسی چیز کا وہ احساس وادراک ہے جس پر وہ قائم ہے تو یہ واقع میں کمال ہے اور جس امر کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت اور بغیر شرعی اجازت کے قصداً دیکھنے یا اس کے تصورات سے لذت حاصل کرنے پر یہ لفظ کسی طرح دلالت نہیں کرتا اور دوسری دلیلیں اس کے نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ان پندرہ فائدوں میں جتنی روایتیں لکھی گئی ہیں سب درمنثور میں مختلف صحیح وحسن سندوں سے موجود ہیں۔

﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىہُ ۙ وَلٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫ وَاللّٰہُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡہُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡہُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِکُمۡ اَطۡہَرُ لِقُلُوۡبِکُمۡ وَقُلُوۡبِہِنَّ ؕ وَمَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمًا ﴿۵۳﴾ اِنۡ تُبۡدُوۡا شَیۡـًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَیۡہِنَّ فِیۡۤ اٰبَآئِہِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِہِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِہِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِہِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِہِنَّ وَلَا نِسَآئِہِنَّ وَلَا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُنَّ ۚ وَاتَّقِیۡنَ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۵۵﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اُس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جاوے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہو۔ اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔ اور جب تم اُن سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے دلوں اور اُن

کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اُس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے۔ اور خدا سے ڈرتی رہو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

ربط: اوپر کئی آیتوں میں نبی ﷺ کی ایذا کی بعض قسموں کا حرام ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب ایک اور قسم کا ذکر ہے کہ وہ بھی پانچویں قسم کی طرح ایذا کا قصد نہ ہونے کی وجہ سے سب سے ہلکی قسموں میں سے ہے۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ نے لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کھلائی بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آپ نے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، مگر وہ لوگ اس اشارہ کو نہیں سمجھے، آخر آپ اٹھ کر باہر چلے گئے، اس وقت اور سب تو اٹھ گئے مگر تین لوگ پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ تشریف لائے تب بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے تب آپ لوٹ گئے تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خبر کی تب آپ تشریف لائے، اس وقت حجاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو شیخان یعنی بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کے باوجود کہ قصہ میں مقصود انتظام کے لئے یہاں سے ارشاد چلا ہے ﴿فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا﴾ الخ لیکن اس سے پہلے بھی یہ ارشاد گذرا ہے ﴿لَا تَدۡخُلُوۡا﴾ الخ جو کہ انتظام کو پورا کرنے اور اہتمام کی زیادتی کے لئے بھی مفید ہے جس کو صاحب درمنثور اور صاحب روح نے عبد بن حمید کے حوالہ سے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگ بالکل کھانے کے وقت حضور ﷺ کے مکان پر پہنچ جاتے تھے (کیونکہ اس وقت حجاب کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور آپ کے مکان میں کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھانا کھلانے والا تو حضور ﷺ سے بڑھ کر اور کون تھا، مگر اس طرح جا کر بیٹھے رہنا یقیناً گراں گذرتا ہے تو پہلے ارشاد میں اس کا بھی انتظام ہو گیا اور حجاب کے واجب ہونے سے ایسے واقعات کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا گیا۔ اور راستوں کو بند کرنے کے ساتھ ہی حجاب میں نبی ﷺ کی شان کی عظمت بڑائی اور احترام بھی ظاہر ہوتا ہے اور اسی مقام پر نبی ﷺ کی وفات کے بعد امہات المومنین سے نکاح کے حرام ہونے کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا۔ جس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ کہہ دیا کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کروں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو اس کے یہ کہنے کی خبر بھی ہو گئی تو آپ کو ناگواری ہوئی۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کسی نے حجاب کے مسئلہ پر یہ کہا کہ ہم سے ہماری چچازاد بہنوں کو چھپایا جا رہا ہے، اگر آپ کی وفات ہو جائے گی تو ہم آپ کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ یہ سب

روایتیں درمنثور میں ہیں، لہٰذا اس مضمون کو کئی طرح سے اس مقام سے ربط و مناسبت ہوئی۔ اول اس میں آپ کا احترام اور شان کی بڑائی ہے جیسا کہ اوپر کئی آیتوں میں بعض احکام آپ کی شان کی عظمت و بڑائی ظاہر کرنے والے آئے ہیں۔ دوسرے ایذا کا دور کرنا بھی ہے، تیسرے حجاب کے مضمون کا باقی حصہ بھی ہو گیا اور ایک اور طرح سے بھی حجاب کے مضمون کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ امہات المؤمنین کا حجاب ایسا ہے کہ جن سے ایک بار حجاب واجب ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا کہ پھر کبھی بھی اس کے اٹھائے جانے کا احتمال نہیں حتیٰ کہ اس کے اٹھائے جانے کی ایک صورت نکاح کی تھی تو وہ بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے بعد حجاب کے سلسلہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے حجاب نہیں ہے اور اس کے باوجود کہ سورۂ نور میں بھی مستثنیٰ مردوں اور عورتوں کا ذکر آ چکا ہے، وہاں عام عورتوں کا حکم تھا جس میں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ازواج مطہرات سے متعلق بعض مخصوص احکام بھی ہیں تو شاید انہیں محرموں وغیرہ کے سامنے آنا بھی جائز نہ ہو، اس لئے ان کے احکام میں بھی یہ استثناء دوبارہ بیان فرما دیا۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ کو ایذا اور رنج و غم پہنچانے کا سبب بننے والے امور کی ممانعت اور آپ ﷺ کی عظمت، احترام اور بزرگی کی طرف اشارہ کرنے والے امور کی تشریع یعنی کھانے کے آداب، دیکھنے اور کلام کرنے کے مسائل اور اہل اسلام کی ماؤں یعنی رسول اللہ کی بیویوں سے نکاح کی حرمت کا بیان

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بغیر بلائے) مت جایا کرو۔ سوائے اس کے کہ جب تمہیں کھانے کے لئے (آنے کی) اجازت دی جائے (تو اس وقت جانے میں کوئی حرج نہیں، مگر تب بھی جانا) اس طرح (ہو) کہ اس (کھانے) کی تیاری کے انتظار میں نہ رہو (یعنی اول تو یہ کہ بغیر بلائے مت جاؤ، دوسرے یہ کہ دعوت ہو تو اس وقت بھی بہت پہلے سے جا کر مت بیٹھ جاؤ) لیکن جب تمہیں بلایا جائے (کہ اب چلو کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو (کیونکہ) اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے (اس لئے تم سے صاف صاف کہہ دیا گیا) اور (اب سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ہمارے رسول کی بیویاں تم سے پردہ کیا کریں گی تو اب سے) جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (کھڑے ہو کر وہاں) سے مانگا کرو (یعنی بغیر ضرورت تو پردے کے پاس جانا بھی نہیں چاہئے اور بات بھی نہیں کرنی چاہئے، البتہ ضرورت پڑنے پر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر پھر بھی دیکھنا نہیں چاہئے) یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک

رہنے کا بہترین ذریعہ ہے (یعنی جس طرح اب تک دونوں کے دل پاک ہیں، اس سے آئندہ بھی پاک نہ ہونے کا احتمال دور ہو گیا جس کا غیر معصوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں احتمال ہو سکتا تھا اور (نبی ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام ہونا صرف فضول جم کر بیٹھ جانے کی صورت تک ہی محدود نہیں بلکہ مطلق طور پر یہ حکم ہے کہ) تمہارے لئے (کسی امر میں) جائز نہیں کہ رسول (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی عظیم (معصیت کی) بات ہے (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے، ایسے ہی اس کا زبان سے ذکر کرنا یا دل میں ارادہ کرنا سب گناہ ہے تو) اگر تم (اس سے متعلق) کسی چیز کو (زبان سے) ظاہر کرو گے یا اس (کے ارادہ) کو (دل میں) پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کی خبر ہوگی، کیونکہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (لہٰذا تمہیں اس پر سزا دیں گے۔ اور ہم نے اوپر جو حجاب کا حکم دیا ہے تو اس سے بعض مستثنیٰ بھی ہیں جن کا بیان یہ ہے کہ) ان (نبی کی) بیویوں پر اپنے باپوں کے (سامنے ہونے کے) بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے (یعنی جس کا بیٹا ہو) اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی (دین شریک) عورتوں کے اور نہ اپنی کنیزوں کے (یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے) اور (اے رسول کی بیویو! ان احکام پر عمل کرنے میں جن کا ذکر کیا گیا) اللہ سے ڈرتی رہو (کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے) بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے (یعنی اس سے کوئی امر پوشیدہ نہیں، لہٰذا خلاف ورزی میں سزا کا احتمال ہے)

فائدہ: پہلی آیت میں جو گھروں میں داخل ہونے اور کھانے کے احکام بیان کئے گئے ہیں، وہ علماء کی تصریح کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، یعنی اس قسم کی بات کسی کو بھی ناگوار ہو، وہ ناجائز ہے۔ اور ﴿ فَيَسْتَحْيِ مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ ﴾ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ کبھی کبھی حق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے، وہ حق اللہ کے لئے ہے اور جس معاملہ میں آپ نے کسی کا لحاظ فرمایا، وہ آپ کے اپنے نفس کے لئے حق تھا کہ اپنے اوپر تکلیف برداشت کی، اس سے کسی شرعی حکم کا پوشیدہ رکھنا لازم نہیں آتا کہ جس سے کوئی وسوسہ یا خیال پیدا ہو۔ اور حجاب کے معاملہ میں ﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ ﴾ فقرہ بڑھانے کا فائدہ ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی ویسے تو حجاب ضروری کیوں نہ ہوگا۔ ایسی شدید ضرورت و حاجت کے وقت بھی حجاب ضروری ہے اور یہ یعنی حجاب کی آیت ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت یعنی ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا وقت جس سے آیت ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ الخ کا تعلق ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے بہت بعد میں نازل ہوا ہے، چنانچہ جن ازواج کو اختیار دیا گیا تھا ان میں وہ بھی شامل تھیں جن سے پہلے نفقہ طلب کرنے کا واقعہ ہو چکا تھا جس کے طلب کرنے کا اتفاق

یقیناً نکاح کے زمانہ کے بہت بعد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آیت کے ذریعہ حجاب فرض ہوا اور ﴿ وَقَرْنَ ﴾ الخ سے اس کی تاکید ہوئی۔ اور حجاب اور گھروں میں ٹھہرنے کے مسائل آیت ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ الخ کی تفسیر میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ازواج مطہرات سے نکاح کا حرام ہونا مختصر انداز میں تو نص سے ثابت ہے جس پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ البتہ بعض تفصیلوں میں اختلاف ہے۔ امام الحرمین اور رافعی نے حرام ہونے کو ان ازواج کے ساتھ خاص کیا ہے جن کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو۔ اور رازی وغزالی نے اس زوجہ کو حلال کیا ہے جو اختیار دیئے جانے کے بعد دنیا کو اختیار کرے اور بعض علماء نے کنیزوں میں سے صرف اس کو حرام کہا ہے جو وفات کے وقت تک آپ کے پاس ہو۔ اور آیت ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ ﴾ جو مستثنیٰ ہیں، ان میں منحصر ہونا مقصود نہیں بلکہ تمام محرم چاہے ان کا تعلق نسب سے ہو یا رضاعت یعنی دودھ پلانے سے اور جن کا ذکر سورۂ نور میں ہوا ہے، سب مراد ہیں۔ اور اس آیت کے بعض حصوں کی تفسیر سورۂ نور میں گذر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝ ﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

ربط: اوپر نبی اکرم ﷺ کی شان کی عظمت و بڑائی کا اظہار ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دے کر فرمایا تھا اس سے پہلے بھی کئی آیتوں میں مختلف پیرایوں سے اس کا بیان تھا۔ اب صلوٰۃ وسلام کی خبر اور حکم کے ذریعہ اس پر دلالت فرماتے ہیں۔

نبی ﷺ کی شان کی عظمت و بڑائی کا صلوٰۃ وسلام کی خبر اور حکم کے ذریعہ بیان:

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان نبی (ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تا کہ آپ کی عظمت کا جو حق تمہارے ذمہ ہے، وہ ادا ہو)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے۔ اور اس سے رحمت مشترکہ مراد نہیں ہے کہ اس سے آپ کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خصوصی رحمت مراد ہے، جو آپ کی عالی شان کے مناسب ہے، اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہمیں حکم ہے، اس سے اس خاص رحمت کی دعا کرنا مراد ہے اور اس کو اردو میں درود کہتے ہیں جو فارسی کا لفظ ہے۔ اور اس کی دعا کرنے سے حضور کے بلند درجات میں اور بھی زیادہ ترقی ہو سکتی ہے، کیونکہ ترقی کی کوئی حد نہیں، چنانچہ خود حضور پر نور ﷺ نے اذان کے بعد کی دعا میں عام امتیوں کو وسیلہ کی دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا: اشر کنا فی الدعاء: یعنی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرنا۔ اور خود دعا کرنے والے کو بھی اس سے نفع ہوتا ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم پر عمل کیا اور آپ کی تعلیم کا حق ادا کیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور آپ پر سلام بھیجنے کے معنی دو امر کا مجموعہ ہے ایک آفتوں سے سلامتی کی دعا اور دوسرے ثنا و تعریف جو اس دعا کے لئے لازم ہے، کیونکہ عرف میں یہ لفظ ثنا کے مستحق کے لئے ہی مخصوص ہے، لہٰذا زندگی کی حالت میں تو دونوں ثابت ہو سکتے ہیں اور وفات کے بعد صرف دوسرے معنی رہ جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تعلیم سے مقصود اللہ کی طرف سے سلام کی دعا ہو اور اس سلام سے مقصود سلامتی کی خوش خبری ہو، لہٰذا حاصل یہ ہوگا کہ: اللّٰھم بشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسلامۃ الا بدیۃ الموعودۃ لہٗ: یعنی "اے اللہ! نبی ﷺ کو ہمیشہ کی سلامتی کی خوش خبری دیجئے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے" اور یہ معنی وفات کے بعد بھی بلا تکلف صحیح ہو سکتے ہیں۔

اور یہ صلوٰۃ وسلام دو طرح کے الفاظ سے ادا ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ کہنے والا اس کی نسبت اپنی طرف کرے، مثال کے طور پر یوں کہے: نصلی و نسلم: یعنی "ہم درود سلام بھیجتے ہیں" اور دوسرے یہ کہ دعا کے طور پر اللہ کی طرف نسبت کرے جیسے اللّٰھم صل یا اللّٰھم سلم یا صلی اللہ علیہ وسلم اور تشہد یعنی التحیات میں جو آیا ہے السلام علیک اس میں دونوں احتمال ہیں۔ سلامی جیسے اس شعر میں ہے: بلغ اللہ صلوتی وسلامی أبدا الخ یا رحمۃ اللہ وبرکاتہ کے قرینہ سے سلام اللہ۔ اور حدیثوں کے الفاظ کو دیکھنے سے دوسرے لفظ کی فضیلت و اہمیت ثابت ہوتی ہے اور صلاتی وسلامی بھی تاویل کے بعد اسی طرح ہو سکتا ہے کہ معمولی تعلق کے ذریعہ اضافت ہو۔ اور معنی یہ ہوں: صلوٰۃ اللہ منی وسلام اللہ منی: یعنی جو مطلوب ہے۔ اور محقق علماء نے فرمایا ہے کہ جس نص کا ثبوت قطعی اور دلالت قطعی ہے، اس میں امر کا لفظ فرضیت کے لئے ہے، اور اس کا تقاضا تکرار کا نہیں ہے، اس لئے عمر بھر میں ایک بار تو فرض ہے جیسا کہ توحید کے کلمہ یعنی لا الٰہ الا اللہ کا ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آپ کا ذکر مبارک ہو وہاں حدیثوں میں آنے والی وعید اور حرج کی نفی کرنے والی دلیلوں کو دیکھتے ہوئے ایک بار واجب ہے، اور اس سے زیادہ فضائل کو دیکھتے ہوئے مستحب ہے۔ اور یہ سب نماز سے باہر کی تفصیل ہے۔ اور نماز کے اندر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک سنت ہے، یہ سب تفصیل لفظ صلوٰۃ میں ہے اور لفظ سلام میں امر کے ظاہری لفظ کو دیکھتے ہوئے بعض نے عمر بھر میں ایک بار اس کو بھی فرض کہا ہے لیکن چونکہ معنی کو دیکھتے ہوئے صلوٰۃ اور سلام سے مقصود ایک ہی ہے، اس لئے لفظ صلوٰۃ سے سلام کے امر پر عمل ہو جاتا ہے، البتہ کیا خود سلام کہنا بھی فرض ہے یا نہیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے اور مقصود کے اسی اتحاد کے اعتبار سے یصلون کے ساتھ یسلمون نہیں فرمایا کہ وہ بھی خود ہی سمجھ میں آ جائے گا۔ لہٰذا گویا مقصود یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ

یُصَلُّوْنَ وَیُسَلِّمُوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یعنی ''اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ تاکہ آگے ﴿صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا﴾ اس پر فرع ہونے میں اس کے مطابق ہوجائے۔ اور شاید دوسری جگہ اس لئے صراحت کردی ہو کہ مخاطب لوگوں پر حضور ﷺ کے حقوق حد سے زیادہ عظیم ہیں، لہٰذا اہتمام کے لئے دو صیغوں کی تصریح اور پھر دوسرے صیغہ کی تاکید مفعول مطلق سے فرمائی گئی ہے، تاکہ طلب کے ساتھ بہت زیادہ کے مطلوب ہونے پر بھی دلالت ہو اور روح میں حموی کے حوالہ سے اور انھوں نے منیۃ المفتی سے نقل کیا ہے کہ اگر صرف صلوٰۃ یا سلام کا صیغہ ہی استعمال کرے تب بھی مکروہ نہیں ہے، البتہ دونوں کا جمع کرنا بہتر ہے، جیسا کہ نماز کے قعدہ اخیرہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے کہ تشہد میں سلام ہے اور آگے صلوٰۃ ہے اور پہلے قعدہ میں صرف سلام کا ہونا اکیلے کی کراہت نہ ہونے کی صاف دلیل ہے، چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید پڑھنے والوں سے قصداً صلوٰۃ و سلام چھوٹ جائے اس لئے ایک مختصر عبارت لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لکھا ہوا تو ضرور ہی پڑھ لیں گے۔ **اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔**

> ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝﴾

ع ۷

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو ایذاء پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔

ربط: اوپر مختلف آیتوں میں نبی ﷺ کی ایذا کی مختلف قسموں کی ممانعت کا ذکر ہوا تھا، جس میں بعض جو بغیر قصد کے تھیں، ان میں تو صرف فہمائش اور نصیحت کردی گئی تھی، جیسے بیویوں کی طرف سے زیادہ نفقہ طلب کرنا اور کھانے سے پہلے یا بعد میں گھروں میں ٹھہرنا اور بعض ایذائیں جو قصداً تھیں، باقی رہ گئیں، جو مخالفوں کی طرف سے پیش آتی تھیں، ان میں اب شدید وعید فرماتے ہیں۔ اور تاکید کے لئے پہلی آیت میں رسول کی ایذا کو اللہ کی ایذا کی طرح قرار دیتے ہیں اور دوسری آیت میں مطلق ایمان والوں کی ایذا کو بھی گناہ کبیرہ میں شمار فرماتے ہیں، جس سے رسول کی ایذا کے وعید کا سبب ہونے کی اور زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ جب مطلق مؤمنوں کی ایذا ایسی ہے تو مؤمنوں کے سردار کی ایذا کیسی ہوگی؟ دوسرے مخالف لوگ اس کا بھی قصداً ارتکاب کرتے تھے اس لئے ان کی وعید کی بھی تاکید ہوگئی۔ کہ دوام عذاب کے سبب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو ایذا پہنچانے پر وعید:

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو (قصداً) ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور (اس نے) ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور (اسی طرح) جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے اوپر) لیتے ہیں (یعنی اگر وہ ایذا قول کے ذریعہ ہے تو بہتان ہے اور اگر فعل کے ذریعہ ہے تو مطلق گناہ ہی ہے)

فائدہ: اللہ کے ناراض کرنے کو مجاز کے طور پر ایذا کہہ دیا گیا اور ﴿ یُؤْذُوْنَ ﴾ کے ترجمہ میں لگائی گئی قصداً کی قید چند دلیلوں سے ثابت ہے: اول یہ کہ ایذا اختیاری افعال میں سے ہے اور اختیاری افعال میں قصد لازمی طور پر ہوتا ہے۔ دوسرے جس فعل سے بغیر قصد کے ایذا ہو جائے وہ حقیقت میں ایذا کا پہلا مرحلہ ہے، اس کو ایذا کہنا مجاز ہے، جب کہ کلام میں اصل حقیقت ہوتی ہے۔ اور وہ قصداً پہنچائی جانے والی ایذا کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ تیسرے شریعت میں ان امور پر وعید نہیں ہوتی جن کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: رفع عن أمتي الخطاء: یعنی "میری امت سے غلطی سے ہو جانے والے کام پر پکڑ نہیں ہوتی" اور یہاں ایذا پر وعید کی گئی ہے، اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ ایذا قصداً ہے۔ اور ﴿ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا ﴾ کی قید سے ادب سکھانے اور اس کے لئے مناسب سزا دینے کا جواز جب کہ شرعی قاعدہ سے ثابت ہو ثابت ہو گیا اور بغیر قصد کی ایذا میں جو ﴿ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ﴾ یعنی "اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا" آیا ہے وہ تمہید کی وضاحت یعنی صرف فہمائش و نصیحت الخ کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ وعید اس امر سے متعلق ہے کہ جب اسے یہ علم ہو گیا کہ یہ امر ایذا کا سبب ہے پھر بھی اس کا ارتکاب کر رہا ہے تو یہ وعید کا سبب ہے۔ اور اگر یہ واقع نہ ہوا تھا تو یہ وعید کا سبب نہیں اور جو واقع ہو گیا تو اس کے ایذا کا سبب ہونے کی طرف التفات کیا اور اس کا علم نہیں ہوا تو وعید کا سبب نہیں ہوا۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ ﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ

نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔اس سے جلدی پہچان ہوجایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی۔اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو لوگ مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں۔اور آپ خدا کے دستور میں ردوبدل نہ پاویں گے۔

ربط: اوپر رسول کی ایذا اور عام مؤمنوں کی ایذا پر وعید وغیرہ فرمائی تھی۔اب بعض خاص ایذاؤں سے متعلق کلام ہے جیسا کہ بعض خاص ایذائیں اوپر مختلف آیتوں میں بیان ہوچکی ہیں، اور یہ ایذائیں منافقوں کی طرف سے دو طرح سے واقع ہوئی تھیں، ایک یہ کہ ان میں سے بعض شریر فطرت والے لوگ مسلم کنیزوں کے ساتھ راستہ میں چھیڑ چھاڑ کرتے تھے اور بعض معزز خواتین و بیویوں کے ساتھ بھی کنیزوں کے شبہ میں چھیڑ چھاڑ کردیتے تھے، دوسرے یہ کہ ہمیشہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے رہتے تھے کہ فلاں دشمن یا لٹیرا چڑھائی کی تیاری کررہا ہے۔ان دونوں کی حرکتوں سے رسول اللہ ﷺ کو اور عام مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایذا و تکلیف ہوتی تھی، حق تعالیٰ نے پہلے امر یعنی آزاد و معزز خواتین اور بیویوں کے انتظام کے لئے چادریں نیچی کرلینے کا حکم فرمایا جس کی تحقیق آگے آرہی ہے۔اور غیر معزز عورتوں کے لئے آپ ﷺ کو ان پر مسلط کردینے کی وعید کے ذریعہ انتظام فرمایا، اور دوسرے امر کا راستہ بھی اسی مسلط کردینے کی وعید کے ذریعہ بند فرمایا، چنانچہ اس وعید سے ان کی وہ شرارتیں اور ایذا پہنچانے والی حرکتیں بند ہوگئیں، اس لئے وہ وعید واقع نہیں کی گئی۔اور ان دونوں امور کے اعتبار سے منافق تین قسم کے تھے بعض جوئیس تھے اور نفاق میں اصل تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے وہ تو اپنی عزت بچانے کی غرض سے خود یہ حرکتیں نہیں کرتے تھے، لیکن ایسی حرکتیں تجویز کرکے دوسروں کو ایسا کرنے کے مشورے دیتے تھے اور عوام میں سے بعض پہلے امر کا ارتکاب کرتے اور بعض دوسرے امر کا۔ان آیتوں میں ان سب کا ذکر ہے، یہ پوری تفصیل درمنثور کی روایتوں سے لی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں کو ایذا پہنچانا، عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرکے اور افواہیں اڑا کر:

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنے (چہرے کے) اوپر چادریں (سر سے) تھوڑی سی نیچی کرلیا کریں، اس سے جلدی پہچان ہوجایا کرے گی تو انہیں اذیت نہیں دی جائے گی (یعنی اگر انہیں کسی ضرورت سے گھر سے) باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپالیا کریں، جیسا کہ سورۂ نور آیت ۶۰ ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ﴾ میں اس کی تفسیر روایت کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔چونکہ کنیزوں وغیرہ کے لئے سر اپنے آپ میں ستر میں داخل نہیں اور چہروں کو کھولنے کے سلسلہ میں ان کے لئے معزز عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ

رخصت اور رعایت ہے جس کی وجہ اپنے مالک کی خدمت کی وجہ سے باہر نکلنے اور چہرہ کھولنے کی زیادہ ضرورت ہونا ہے، اس بنیاد پر اس طرح سے معزز عورتوں کا غیر معزز عورتوں سے فرق وامتیاز ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ معزز عورتوں کو ان کے اثر اور عزت واحترام اور ان کی حمایت کے خیال کے غلبہ کی وجہ سے قصداً انہیں چھیڑتے تھے لہٰذا معزز عورتوں کے لئے اس شکل سے شرعی پردہ کے حکم پر عمل بھی ہو جائے گا اور ان شریر لوگوں سے بہت سہولت کے ساتھ حفاظت بھی ہو جائے گی۔ اب رہ گیا غیر معزز عورتوں کا معاملہ تو ان کے لئے انتظام کا بیان آگے آئے گا، اور (اس کے سر اور چہرہ کے ڈھانپنے میں جو بلا ارادہ کمی یا بے احتیاطی ہو جائے تو) اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں (اس کو معاف کر دیں گے اور بخشا اس لئے فرمایا کہ اکثر اس کوتاہی کی وجہ کسی قدر لاپروائی ہوا کرتی ہے جو اپنے آپ میں ایک طرح کا گناہ ہے، مگر ایسے چھوٹے چھوٹے گناہ کبھی حسنات یعنی نیکیوں کی وجہ سے اور کبھی خود اللہ کے فضل ورحم سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ آگے ان چھیڑنے والوں کو اس شرارت پر اور ایک دوسری شرارت پر بھی دھمکی دیتے ہیں یعنی) یہ (خاص اور اصل) منافق (جو فساد اور شرارتوں کے بانی اور اصل ذمہ دار ہیں) اور (عام منافقوں میں سے) وہ لوگ جن کے دلوں میں (جنسی بے راہ روی اور شہوت پرستی کی) خرابی ہے (اور اس لئے کنیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں) اور (انہی عام منافقوں میں) وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی یا پریشان کرنے والی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں (یہ لوگ) اگر (اپنی ان حرکتوں سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور (ایک نہ ایک دن) آپ کو ان پر مسلط کریں گے (یعنی انہیں مدینہ سے باہر نکالنے کا حکم کر دیں گے) پھر (اس حکم کے بعد) یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔ وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے (یعنی مدینہ سے نکل جانے کا انتظام وتیاری کرنے کے لئے جو کچھ تھوڑی سی مدت معین کی جائے گی، بس اتنی دیر تو یہ یہاں محفوظ رہ لیں گے، اور اتنی دیر بھی ہر شخص کی نظر میں ذلیل وخوار ہوں گے، پھر نکال دیئے جائیں گے اور نکال دیئے جانے کے بعد بھی کہیں امن وسکون کے ساتھ نہ رہیں گے، بلکہ) وہ جہاں ملیں گے (ان کے ساتھ) پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی (وجہ یہ ہے کہ ان منافقوں کے کفر کا تقاضا تو یہی تھا لیکن نفاق کی آڑ میں انہیں پناہ ملی ہوئی ہے جب یہ لوگ کھلے عام اعلانیہ ایسی مخالفتیں کرنے لگے تو وہ رکاوٹ بھی دور ہو گئی، اس لئے ان کے ساتھ بھی اسی اصلی تقاضہ کے مطابق معاملہ ہوگا، کہ ان کا نکال دینا اور قید وقتل سب جائز ہے، اور اگر نکلنے کے لئے کوئی مدت متعین ہو جائے تو اس مدت کے اندر اندر معاہدہ کی وجہ سے امن دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر جہاں ملیں گے، عہد کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے قید اور قتل کی اجازت ہوگی۔ اس دھمکی میں غیر معزز کو چھیڑنے کا انتظام بھی ہو گیا۔ اور افواہیں پھیلانے کا راستہ بھی بند ہو گیا، یعنی کھلے عام شرارتیں کرنے، اذیتیں پہنچانے اور غرور وگھمنڈ کے ساتھ حرکتیں کرنے سے بھی باز آ گئے، چاہے منافقوں والی ڈھکی چھپی شرارتیں باقی رہی ہوں، جس پر کبھی یہ احکام لاگو نہیں کئے گئے اور فساد وشورش پر سزا کا حکم ہونا کچھ انہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ) اللہ تعالیٰ نے ان

(فساد پھیلانے والے) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور (جاری) رکھا ہے جو (ان سے) پہلے گذر چکے ہیں (کہ انہیں آسمانی سزائیں دی ہیں۔ یا نبیوں کے ہاتھ سے جہاد اور برائیوں سے روکنے کے لئے شرعی قانون بنا کر سزائیں دلائی ہیں، لہٰذا اگر پہلے ایسا نہ ہوا ہوتا تو ان کے لئے وعید کے محال ہونے کا خیال ہونا کوئی نئی یا عجیب بات نہ ہوتی مگر اب تو گنجائش ہی نہیں) اور آپ اللہ کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) کوئی تبدیلی نہ پائیں گے (کہ اللہ کوئی بات جاری کرنا چاہے اور کوئی اس کو روک سکے، اس طرح ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ ﴾ الخ میں واقع ہونے سے پہلے کے احتمال کو دور فرما دیا اور ﴿ لَنْ تَجِدَ ﴾ میں واقع ہونے کے بعد کا احتمال دور فرما دیا کہ جب وہ واقع کرنے لگے تو کوئی نہ روک سکتا ہے اور نہ ہی ہٹا سکتا ہے۔

فائدہ: شرعی کنیزوں کے جن اعضاء کو کھولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ معزز عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہیں، یعنی اس بارے میں وہ محرم عورتوں کی طرح ہیں کہ جتنے اعضا کھولنے کی اجازت محرم عورتوں کو ہے وہ اعضا کھولنے کی انہیں بھی اجازت ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ جن کا حکم سورۂ نور آیت ۳۰ ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور اس انتظام یعنی چادروں کو لٹکانے میں غیر معزز عورتوں کو شریک نہ کرنا اس لئے ہے کہ اس میں ان کی اپنے مالکوں کی خدمت کی ذمہ داری میں خلل پڑتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو گوارا کر لیا گیا بلکہ ﴿ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ﴾ الخ "یعنی آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے" میں ان کے لئے کافی انتظام کا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا چادریں لٹکانے کے انتظام کا حاصل یہ ہوا کہ معزز خواتین کی بے حجابی سے کنیزوں کی تو حفاظت نہیں ہوگی بلکہ ایک کو نہیں دونوں کو پریشانی ہوگی اس لئے تمہیں اپنا طریقہ چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس میں تمہاری حفاظت بھی آسان ہے اس لئے تم تو اس کی پابند رہو باقی کنیزوں کے لئے دوسرا انتظام ہو سکتا ہے (یہ بندہ کے نزدیک زیادہ بہتر بات ہے) باقی اس سے متعلق ضروری مضامین اس کی تمہید میں بیان ہو چکے ہیں، انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس آیت میں چہرہ کھولنے کی ممانعت میں پوری صراحت ہے، اگر کسی کو خیال ہو کہ یہ انتظام تو چھیڑ چھاڑ سے بچنے کے لئے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس چھیڑ چھاڑ کو روکنے کا حاصل فتنہ کو روکنا ہے، لہٰذا جہاں فتنہ ہوگا وہاں چہرہ کو کھولنا منع ہوگا، کسی فتنہ کی خصوصیت نہیں اور چونکہ اس کی بنیاد فتنہ کو دور کرنا ہے اس لئے چہرہ کے پردہ کے اس واجب ہونے کو واجب لغیرہ قرار دیتے ہیں، اور بوڑھی عورتوں کو مستثنیٰ کہتے ہیں، البتہ ازواج مطہرات کے لئے دوسری دلیل کی بنیاد پر اس واجب ہونے کو واجب لعینہ کہتے ہیں۔

﴿ یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ یَوْمَ

تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع ۵

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اُس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور آپ کو اُس کی کیا خبر! عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جاوے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور اُن کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز اُن کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جاویں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انھوں نے ہم کو رستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔

ربط: اوپر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ الخ میں اللہ اور رسول کی مخالفت پر دنیا اور آخرت میں لعنت اور ذلیل کرنے والے عذاب کی وعید فرمائی تھی۔ چونکہ اس میں قیامت اور آخرت کا اثبات ہے اور اللہ و رسول کی مخالفت کرنے والوں میں بعض لوگ اس کے منکر تھے، وہ اس قسم کی وعیدیں سن کر انکار کے طور پر قیامت کا وقت پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ اس لئے اب اس کا جواب، ڈراوے، دھمکیوں اور مذکورہ لعنت اور مذکورہ عذاب کی کسی قدر تفصیل اور کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

قیامت اور سزا کے واقع ہونے کی بنیاد پر مخالفوں کو ڈرانا دھمکانا:

یہ (منکر) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں (انکار کے طور پر) سوال کرتے ہیں (کہ قیامت کب ہوگی؟) آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ اس (کے وقت) کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر کہ کب ہے؟ البتہ مختصر انداز میں ان لوگوں کو جان رکھنا چاہئے کہ) عجب نہیں کہ قیامت جلدی ہی واقع ہو جائے (کیونکہ جب وہ وقت متعین نہیں تو قریب ہونے کا بھی احتمال ہے تو اس احتمال کی وجہ سے انہیں چاہئے تھا کہ ڈرتے اور اس کے لئے تیاری کرتے نہ کہ انکار کے انداز میں جلد بازی یعنی جلدی واقع ہونے کا مطالبہ کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں، اور قریب سے مراد اگر انتہائی قریب ہے تو جلدی واقع نہ ہونے پر اس لئے کوئی اشکال نہیں کہ بندوں کے اعتبار سے ﴿لَعَلَّ﴾ کے ذریعہ خبر دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب بندوں سے پوشیدہ ہے تو انہیں چاہئے کہ اس کے قریب ہونے کا احتمال رکھیں۔ چاہے وہ قریب یعنی جلدی ہی واقع ہو یا نہ ہو۔ اور اسی پوشیدہ رکھنے کی علت سے اسی قریب ہونے کا ہر زمانہ میں

احتمال ہے لہٰذا خوف کا واجب ہونا بھی تمام زمانوں میں عام ہوا، اور اگر قرب سے مراد مطلق قرب ہے تو لفظ ﴿ لَعَلَّ ﴾ تحقیق کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور وہ قرب واقع کے مطابق بھی ہے، کیونکہ ایک تو دن بہ دن اس کا وقت قریب ہی آتا جاتا ہے یعنی مثال کے طور پر جتنی دوری کل تھی آج اتنی نہیں رہی۔ لہٰذا یہ بھی قریب ہونا ہے۔ دوسرے قیامت کے دن کی شدت اور لمبا ہونے کے مقابلہ میں دنیا کی لمبی مدت بھی مختصر معلوم ہوگی۔ لہٰذا اس کے مقابلہ میں یہ مجموعی مدت قریب ہے، لہٰذا ہر حال میں یہ ڈرانا دھمکانا صحیح ہوگیا چاہے قریب ہونے کے احتمال سے یا روزانہ مہلت کم ہوتے جانے سے یا اس وقت کی ہولناکی اور لمبائی سے۔ اب آگے قیامت کے دن کی لعنت اور سزا و عذاب کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے (جیسا کہ اوپر بھی فرمایا ہے ﴿ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾) اور (اس لعنت ہی کا اثر یہ ہے کہ) ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (جیسا کہ اوپر بھی فرمایا ہے ﴿ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار (پائیں گے) جس دن ان کے چہرے جہنم میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (یعنی چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، کبھی چہرہ کی اس کروٹ کبھی اس کروٹ جیسا کہ اس طرح گھسیٹنے میں دیکھا جاتا ہے کہ اس شخص کا منہ کبھی اس طرف ہوجاتا ہے کبھی دوسری طرف اور اس وقت انتہائی حسرت کے ساتھ) یوں کہتے ہوں گے اے کاش! ہم نے (دنیا میں) اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی (تو آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے) اور (حسرت کے ساتھ اپنے گمراہ کرنے والوں پر غصہ آئے گا اور غیظ و غضب پیدا ہوگا، تو) یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں (یعنی حکومت والوں حکمرانوں اور حاکموں) اور اپنے بڑوں کا (جن کے کسی اور وجہ سے تابع تھے) کہنا مانا تھا تو انھوں نے ہمیں (سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! (اس لئے) انہیں دوگنی سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے (یہ ایسا مضمون ہے جیسا سورۂ اعراف آیت ۳۸ میں ہے: ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ﴾ جس کا جواب مل جائے گا جیسا کہ اسی آیت میں اگلا ارشاد ہے ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴾ جس کی تفسیر وہاں بیان ہوچکی ہے۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ ان کافروں کی اس درخواست سے جو غرض تھی، وہ اس میں ناکام رہے۔ اس تفسیر کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۷۱ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح مت ہونا جنھوں نے موسیٰ کو ایذاء دی تھی۔ سو اُن کو خدا تعالیٰ نے بری

ثابت کردیا۔ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کا ہلاک کرنے والا ہونا معلوم ہوا ہے۔ جس کو ایذا سے تعبیر فرمایا گیا تھا۔ اور جن لوگوں کو عید سنائی گئی ان کی اس تمنا ﴿يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی فرماں برداری نجات دلانے والی ہے۔ اب اس پر فرع کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس نافرمانی سے منع کیا گیا ہے اور فرماں برداری کا حکم فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے مسلمان ہی نفع اٹھاتے ہیں، اور اس ممانعت کے ساتھ اشارہ کے طور پر نافرمانی کا نقصان دینے والا ہونا اور اس حکم کے ساتھ صراحت سے فرماں برداری کا نفع دینے والا بیان فرماتے ہیں۔

معصیت سے ڈرانا اور اطاعت کی ترغیب دینا:

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنھوں نے (کچھ تہمت گھڑ کر) موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت دی تھی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے بری ثابت کردیا (یعنی ان کا تو کچھ نقصان نہیں ہوا تہمت لگانے والے ہی جھوٹے اور عذاب وسزا کے مستحق ٹھہرے) اور وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اللہ کے نزدیک بڑے عزت والے (رسول) تھے (اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تہمت سے بری ثابت وظاہر فرمادیا جیسا کہ دوسرے نبیوں علیہم السلام کے لئے بھی عزت ومرتبہ اور تہمتوں سے بری وپاک ہونا عام ہے، مطلب یہ کہ تم رسول کو ان کی مخالفت اور نافرمانی کرکے ایذا مت دینا کہ وہ اللہ کی بھی مخالفت اور نافرمانی ہے، ورنہ تمہیں ہی نقصان ہوگا، بلکہ ہر امر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا، جس کا آگے حکم کیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (یعنی ہر معاملہ میں اس کی اطاعت کرو) اور (خاص طور سے کلام کرنے اور بات کہنے میں اس کا بہت لحاظ ورعایت رکھو کہ جب بات کرنی ہو) ٹھیک (ٹھیک) بات کہو (جس میں سچائی یعنی انصاف اور اعتدال سے نہ بڑھو) اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا (کچھ ان اعمال کی برکت سے اور کچھ توبہ کی برکت سے جو تقویٰ اور قول سدید یعنی ٹھیک بات میں داخل ہے) اور (یہ مذکورہ نتائج وثمرات اطاعت پر ہیں اور طاعت وہ چیز ہے کہ) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے اور انہیں بری ثابت کرنے کا قصہ جو خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ بخاری وغیرہ میں اس طرح ہے: بنی اسرائیل جہالت کے غلبہ کی وجہ سے سب کے سامنے بالکل ننگے ہوکر نہایا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سب سے ہٹ کر کسی اوٹ میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ

شرعی حکم ہے۔ تو بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ان کے بدن میں کوئی عیب یا مرض ضرور ہے، اس لئے یہ سب کے سامنے بدن نہیں کھولتے، اس بات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس عیب سے آپ کو بری کرنا منظور ہوا۔ ایک بار آپ نے تنہائی میں کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگے، اللہ کے حکم سے وہ پتھر کپڑوں سمیت وہاں سے چل پڑا۔ آپ اپنے کپڑے اٹھانے کے لئے اس پتھر کے پیچھے دوڑنے لگے، آپ کو گمان تھا کہ یہاں خالی میدان میں کوئی آدمی نہ ہوگا، لیکن اتفاق سے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ایک مجمع وہاں موجود تھا، وہ پتھر اس مجمع کے پاس پہنچ کر رکا اور سب نے سر سے پاؤں تک آپ کو دیکھ لیا کہ آپ کے جسم میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں ہے، پھر آپ نے کپڑے پہن لئے اور اس وقت سرمد کا یہ قول پوری طرح صادق آگیا:

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید ❁ بے عیباں را لباس عریانی داد

ترجمہ: یعنی لباس اس کو پہنایا جس پر عیب دیکھا۔ بے عیب لوگوں کو عریانی کا لباس دیدیا۔

اس قصہ میں موسیٰ علیہ السلام پر تو اس لئے اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس میں آپ کے اختیار کو کوئی دخل نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ پر اس لئے اعتراض نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی قانون کے محکوم نہیں ہیں، اور یہاں تو موسیٰ علیہ السلام کو بری کرنے کی حکمت بھی ظاہر ہے۔ اور خود بری ظاہر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ نبی سے کسی کو نفرت نہ ہو جو کہ طبعی طور پر اتباع واقتدا کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ قصہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا: **فذلک قوله تعالیٰ** ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى ﴾ یعنی ”اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنھوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی“ لہٰذا یہ قصہ تو یقینی طور پر اس آیت کی تفسیر ہے، اگر باقی دوسرے قصے بھی ایذا کے عموم میں شامل کرلئے جائیں اور اس کے خاص ہونے کو مثال کے طور پر مان لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس قصہ کے تفسیر ہونے کا انکار کرنا صحیح نہیں۔

اور تقویٰ وطاعتوں کے شعبوں میں قول سدید کو جو کہ زبان کے ذریعہ کی جانے والی طاعت ہے۔ شاید اس لئے خاص کیا ہو کہ اکثر لوگ اس کو سہل اور آسان سمجھتے ہیں، یا اس لئے ہو کہ وہ ایذا میں زیادہ صریح اور زیادہ قبیح ہوتا ہے اور کثرت سے واقع بھی ہوتا ہے اور یصلح، یتقبل کے معنی میں تقویٰ اور ٹھیک بات کے مطابق قرار دینے پر ظاہر ہے کیونکہ عمل کا مقبول ہونا جن شرطوں پر موقوف ہے، وہ سب تقویٰ کے جز ہیں، جب کبھی عمل کی مقبولیت میں خلل واقع ہوگا، لازمی طور پر اس میں تقویٰ کا کوئی جز مفقود ہوگا۔

اور ﴿ لَا تَكُوْنُوْا ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی مسلمانوں نے قصداً ایسا کیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ احتیاط رکھنے کا حکم ہے، جیسا کہ میرے ترجمہ سے ظاہر ہے اور حدیثوں میں جو بعض لوگوں کے قصے آئے ہیں، وہ یا تو منافقوں کے قصے ہیں یا بعض ایسے مسلمانوں کے جو مزاج کو نہیں پہچانتے تھے اس لئے اپنے اقوال کے ایذا پہنچانے والا ہونے کا خیال نہ ہوا ہوگا۔

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾﴾ ۹ ع ۲

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو اُنھوں نے اُس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُس کو اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات کو سزا دے گا۔ اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ربط: اوپر آیتوں میں اللہ و رسول کی اطاعت کا واجب ہونا اور مخالفت و نافرمانی کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ بلکہ پوری سورت اسی مضمون کی شرح ہے کیونکہ جیسا کہ تمہید میں ذکر ہوا ہے، سورت کے مقاصد میں سب سے عظیم مقصد رسول اللہ ﷺ کی عظمت بزرگی اور احترام کا واجب ہونا اور ایذا اور تکلیف پہنچانے کا حرام ہونا ہے، اور یہ بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے واجب ہونے اور اللہ اور رسول کی مخالفت کے حرام ہونے کا ایک تعبیری عنوان ہے، اب اسی حرام اور واجب ہونے کی تاکید اور تقویت کے لئے سورت کے خاتمہ میں انسان کا احکام کا مکلّف ہونا اور انہیں امانت کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کے حق ادا کرنے والوں پر عنایت اور اسے ضائع کرنے والوں کا عذاب کا مستحق ہونا بیان فرماتے ہیں۔

احکام کا مکلّف ہونا اور طاعتوں اور گناہوں کے نتائج:

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو امانت کے درجہ میں ہیں) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کر کے جو کہ اب بھی ہے ان کے سامنے اپنے احکام اور ماننے کی صورت میں اس پر انعام و اکرام) اور نہ ماننے کی صورت میں اس پر عذاب اور رنج و تکلیف پیش کر کے ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا اور اس پیش کرنے کا حاصل یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ لیتے ہو تو ان کے مطابق عمل کرنے کی صورت میں تمہیں ثواب ملے گا اور خلاف روزی کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا اور اگر نہیں لیتے تو مکلّف نہیں بنائے جاؤ گے اور ثواب و عذاب کے بھی مستحق نہ ہوگے تمہیں دونوں اختیار ہیں کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان قرار نہیں پاؤ گے جس قدر ان میں شعور تھا وہ مختصر انداز میں اس مضمون کو سمجھ لینے کے لئے کافی تھا۔ چونکہ انہیں اختیار بھی دیا گیا تھا) تو انھوں نے عذاب کے خوف کے سبب ثواب کے احتمال سے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور) اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس (کی ذمہ داری) سے ڈر گئے (کہ اللہ جانے کیا انجام ہو اور اگر وہ اپنے ذمہ لے لیتے تو انسان کی طرح انہیں بھی عقل عطا کی جاتی جس پر احکام، ثواب اور عذاب و سزا کا سمجھنا موقوف ہے چونکہ انھوں نے اس کو منظور نہیں کیا اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہیں ہوئی، غرض انھوں

نے تو عذر کر دیا) اور جب ان یعنی آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات کہی گئی تو) انسان نے (اس وجہ سے کہ اللہ کے علم میں اس کا خلیفہ ہونا مقرر تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا (غالباً اس وقت تک اس میں بھی ضرورت کے مطابق اتنا ہی شعور ہوگا اور غالباً یہ پیش کرنا اخذ میثاق یعنی عہد لینے سے پہلے ہوگا اور وہ عہد اسی عمل کی فرع ہے اور اس عہد کے وقت اس کو عقل عطا کی گئی ہوگی۔ اور یہ کسی خاص انسان جیسے آدم علیہ السلام سے نہیں لیا گیا بلکہ عہد لینے کی طرح یہ پیش کرنا بھی عام ہوگا۔ اور لازم کرنا عام تھا، لہٰذا آسمان اور زمین اور پہاڑ مکلف نہیں ہوئے، اور انسان کو مکلف بنا دیا گیا۔ آیت میں غالباً اس حکمت کے تحت یاد دلایا گیا ہے، جیسے عہد یاد دلایا۔ یعنی ان احکام کو تم نے خود اپنے ذمہ لیا ہے تو پھر ان کو نباھنا چاہئے، اور چونکہ جن بھی مکلف ہیں، اس لئے غالباً وہ بھی اس پیش کرنے اور ذمہ داری لینے میں شریک ہیں، مگر صرف انسان کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ اس مقام میں کلام ان سے ہو رہا ہے۔ پھر اس لازم قرار پانے کے بعد اکثر افراد کے اعتبار سے انسان کی یہ حالت ہوئی کہ) وہ (انسان عملی کاموں میں) ظالم ہے اور (عملی کاموں میں) جاہل ہے یعنی دونوں امروں میں اعمال میں بھی اور عقائد میں بھی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ حالت تو اکثر افراد کے اعتبار سے ہے، باقی مجموعہ کے اعتبار سے اس ذمہ داری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا (کہ یہ لوگ احکام کو ضائع کرنے والے ہیں) اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر توجہ (اور رحمت) فرمائے گا اور (مخالفت اور نافرمانی کے بعد بھی اگر کوئی اس سے باز آ جائے تو پھر اس کو بھی مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی جماعت میں شامل کر لیا جائے گا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ بخشنے والے، رحم فرمانے والے ہیں۔

فائدہ: احکام کو امانت سے تشبیہ دینا اس کے حقوق کی ادائیگی واجب ہونے کی بنیاد پر ہے اور عذاب اور رحمت کا ذمہ داری لینے کا انجام ہونا اس کو ضائع کرنے اور طاعت کے واسطہ سے ہے اور اس آیت کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے، اس پر کلام کو حقیقت پر محمول کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام عقلی و نقلی اشکالوں سے محفوظ ہے۔

﴿الحمد للہ! ۲۶ ر صفر بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو اس سورت کی تفسیر پوری ہوئی﴾

(۳۴) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ (۵۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں یہ مضامین بیان کئے گئے ہیں: سورت کے شروع میں توحید کا بیان ہے، جو کہ کلی امانت کا سب سے عظیم جزء ہے اور شرک کے مقابلہ میں ہے اور اس وجہ سے اس کا گذشتہ سورت سے بھی ربط ہے، پھر قیامت کا اثبات اور قدرت کی بعض دلیلوں کا بیان ہے جو کہ قیامت کے امکان کے لئے مفید ہیں، یہ مضمون ۹ ویں آیت تک چلا ہے اور درمیان میں قرآن کا حق ہونا بیان کیا گیا ہے جو قیامت سے متعلق خبر پر مشتمل ہے، پھر ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴾ کی مناسبت سے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہے جو اعلیٰ درجہ کے منیب یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے تھے، پھر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب کے لئے اور پھر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے پر ڈرانے کے لئے بعض ان لوگوں کا جو اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یعنی سبا کے کافروں کا ذکر ہے۔ پھر متوجہ ہونے والوں اور متوجہ نہ ہونے والوں میں ابلیس کی پیروی کرنے اور پیروی نہ کرنے کا فرق اور اس کے مسلط کئے جانے کی حکمت اکیسویں آیت تک، پھر دوبارہ توحید کا ذکر اور پھر ﴿ مَآ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ الخ سے رسالت کا اثبات پھر ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ سے دوبارہ بعث کا ذکر اور پھر ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ ﴾ سے کافروں کے کفر اور فخر کے بارے میں حضور ﷺ کی تسلی اور ان لوگوں کے فخر کے منشا کا باطل ہونا اور ﴿ مَآ اَنْفَقْتُمْ ﴾ سے کافروں کے بعض نقصانوں کے مقابلہ میں مؤمنوں کے لئے نفع والا ہونا کہ مقابلہ کے ساتھ اس میں رزق کی وسعت و کشادگی کا مضمون بھی ہے، پھر ﴿ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ سے ایک بار پھر بعث کے مضمون کی طرف واپسی ہے پھر ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى ﴾ سے رسالت کی طرف واپسی ہے اور پھر ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى ﴾ سے مذکورہ اصولوں کا انکار کرنے والوں کی عاقبت اور انجام سے اتفاق نہ کرنے کے بیان پر سورت ختم ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ② ﴾

ترجمہ: تمام تر حمد اُسی اللہ کو سزاوار ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اُسی کو حمد آخرت میں سزاوار ہے۔ اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز

اُس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اُس میں چڑھتی ہے اور وہ رحیم غفور ہے۔

توحید:

تمام تعریفیں (حمد وثنا) اس اللہ کے لائق ہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے (اور جس طرح اس وقت اس کا تعریف کا مستحق ہونا بیان کیا گیا، اسی طرح) آخرت میں بھی تعریف (اور حمد وثنا) اسی کے لائق ہیں (چنانچہ یہ حقیقت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اہل جنت کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ وغیرہ) اور وہ حکمت والا (کہ آسمانوں اور زمین میں موجود تمام چیزوں میں فائدے اور مصلحتیں رکھی ہیں اور وہ) خبردار (بھی) ہے (کہ ان مصلحتوں اور منافع یعنی فائدوں کو پیدا کرنے سے پہلے سے جانتا تھا۔ پھر انہیں پیدا کر کے آسمانی اور زمینی چیزوں میں رکھ دیا اور وہ ایسا خبردار ہے کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثال کے طور پر بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے پیڑ پودے وغیرہ) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (مثلاً فرشتے کہ اس سے اترتے ہیں اور اس کی طرف چڑھتے ہیں اور مثال کے طور پر احکام جو نازل ہوتے ہیں، اور اعمال جو چڑھتے ہیں) اور (چونکہ ان سب چیزوں میں جسمانی) یا روحانی منافع وفائدے ہیں اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ پورا پورا شکر ادا کیا جائے اور جو کوتاہی کرے وہ سزا کا مستحق ہو، لیکن) وہ (اللہ) رحم کرنے والا (اور) بخشنے والا (بھی) ہے۔ چنانچہ اپنی رحمت سے صغیرہ گناہوں یعنی چھوٹی چھوٹی خطاؤں اور کوتاہیوں کو حسنات یعنی نیکی کے کاموں کی وجہ سے اور کبیرہ گناہوں اور کوتاہیوں کو توبہ سے اور کبھی دونوں کو فضل ومہربانی سے اور جو کوتاہی کفر اور شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کو ایمان لانے سے معاف فرما دیتا ہے، اس طرح رحمت اسی سے ہے اور مغفرت بھی اسی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ ع

ترجمہ: اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آوے گی۔ آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں؟ قسم اپنے پروردگار عالم الغیب کی! وہ ضرور تم پر آوے گی، اُس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز بڑی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے تا کہ اُن لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک کام کئے تھے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کی تھی ہرانے کے لئے ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے غالب محمود کا راستہ بتلاتا ہے۔ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ معلوم نہیں اس شخص نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے عذاب اور دور دراز گمراہی میں ہیں۔ تو کیا انھوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے اور ان کے پیچھے موجود ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔ اس میں پوری دلیل ہے اُس بندہ کے لئے جو متوجہ ہو۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا۔ اب قیامت کا ذکر ہے کہ توحید کا انکار کرنے والے اس کا بھی انکار کرتے تھے۔ اور یہ کہ توحید کا انکار کرنے والوں کے لئے وہ عذاب کا اصلی وقت بھی ہے اور درمیان میں ﴿سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ کے مقابلہ کی مناسبت سے اور اس لئے کہ قیامت کا واقع ہونا قرآن کا مدلول ہے۔ قرآن کے حق ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

بعث کا اثبات:

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں (آئے گی؟) میرے پروردگار کی قسم! جو عالم الغیب (یعنی ڈھکی چھپی و پوشیدہ سب چیزوں کا علم رکھنے والا) ہے وہ تم پر ضرور آئے گی (اور وہ ایسا عالم یعنی علم والا ہے جس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والا ہے کہ) اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی چیز اس (مذکورہ مقدار) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب (اللہ کے علم کے احاطہ کی وجہ سے) واضح طور سے بیان کرنے والی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں موجود (لکھی ہوئی) ہے۔

(قیامت سے متعلق کافروں کے کئی شبہے تھے: ایک یہ کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو اس کا وقت بتایئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴾ یعنی "یہ کب واقع ہوگی؟" دوسرے یہ کہ جن اجزا کو جمع کر کے ان میں زندگی پیدا کرنا بتایا جاتا ہے، ان کا کہیں نشان بھی نہیں رہے گا، پھر وہ سب جمع کیسے ہوں گے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ یعنی "جب ہم مٹی میں مل جائیں گے اور ہمارا نشان بھی کہیں نہیں رہے گا تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا کر دیئے جائیں گے؟"

غیب کے علم کے اثبات کے اس مضمون سے پہلے شبہ کا جواب ہو گیا کہ اس کا علم حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا نبی کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ فرمایا ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یعنی "اس کا علم اللہ کو ہے" اور احاطہ کرنے والے علم کے اثبات کے مضمون سے دوسرے شبہ کا جواب ہو گیا کہ اجزا کے مٹی میں مل جانے اور ہوا میں بکھر جانے کے باوجود وہ ہمارے علم سے خارج نہیں ہوں گے، ہم جب چاہیں گے جمع کر لیں گے جیسا کہ ان کے اس قول ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ﴾ یعنی "جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے" کے جواب میں فرمایا ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ﴾ یعنی "ہم جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کتنی کمی کرتی ہے" تیسرا شبہ استحالہ یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانے کا تھا، اس کا جواب آگے آئے گا ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا ﴾ الخ۔

اب قیامت کا مقصد بتاتے ہیں کہ وہ قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو (نیک) بدلہ دے جو ایمان لائے تھے اور انھوں نے نیک کام کئے تھے (تو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (جنت میں) عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے سلسلہ میں (انہیں باطل قرار دینے یا ثابت کرنے کی) کوشش کی تھی (نبی کو) ہرانے کے لئے (اگرچہ اس کوشش میں ناکام ہی رہے) ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

اور (قرآن کی آیتوں کو جھٹلانے پر یہ سزا ہونی ہی چاہئے، کیونکہ اول تو خود قرآن، اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا امرِ حق ہے اور ایسے امرِ حق کا جھٹلانا خود حق تعالیٰ کا جھٹلانا ہے، اس پر جتنی بھی سزا ہو بجا و درست ہے۔ دوسرے قرآن سیدھے سیدھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین احکام و اعمال کی تعلیم دیتا اور ہدایت کرتا ہے تو جو شخص اس کو نہ مانے گا وہ سیدھے راستہ سے قصداً دور رہے گا۔ نہ اسے سیدھے و سچے عقائد کا پتہ چلے گا نہ نیک اعمال کا اور نجات کا یہی طریقہ تھا، لہٰذا نجات کے طریقہ سے قصداً دور رہنے پر سزا ہونا بیجا اور غلط نہیں ہے۔

اور قرآن کا حق اور ہدایت دینے والا ہونا ایسا واضح ہے کہ اس کے علاوہ کہ دوسری دلیلوں سے ثابت ہے، اس کے ثبوت کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ) جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے، وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے، ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ اللہ (کی رضا) کا راستہ بتاتا ہے جو غالب ہے،

تعریف کے لائق ہے، اہل کتاب کے علماء کے علم سے اس استدلال کا بیان سورۂ شعراء آیت ۱۹۷ میں گذر چکا ہے۔ اور شاید ان تمام امور میں سے جن پر ایمان لانا فرض ہے، قرآن کے حق ہونے کے بیان کا اہتمام اس لئے فرمایا ہو کہ یہ ان امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے، خاص طور سے قیامت کی خبر پر جس کے بارے میں اس موقع پر کلام کیا جارہا ہے، لہٰذا اس بنیاد پر حاصل یہ ہوا کہ قیامت کے دن اس قیامت کے جھٹلانے پر بھی سزا ہوگی)

اور (آگے پھر قیامت کا اثبات ہے یعنی) یہ کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو تمہیں یہ (عجیب) خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت میں) تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے، معلوم نہیں اس شخص نے اللہ پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے (کہ بلا قصد جھوٹ کے بولتا چلا جارہا ہے، کیونکہ یہ امر تو محال ہے تو اس کے واقع ہونے کی خبر ضرور غلط ہے، چاہے وہ قصداً اور جان بوجھ کر ہو یا خیالوں کے فساد اور خرابی کی وجہ سے ہو۔

حق تعالیٰ خود ان کے ان دونوں خیالوں کو رد فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی تو نہ جھوٹ گھڑنے والے ہیں اور نہ ہی مجنون ہیں) بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہی) عذاب اور بہت دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں (اس گمراہی کا اس وقت اثر یہ ہے کہ سچے بھی جھوٹ گھڑنے والے نظر آتے ہیں، اور آخرت میں اس کا اثر یہ ہوگا کہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا، اور یہ جاہل جو متفرق جماداتی اجزا کے جمع اور زندہ کرنے کو محال اور قدرت سے باہر کی بات سمجھ رہے ہیں) تو کیا انھوں نے (اللہ کی قدرت کی عظمت کی دلیلوں میں سے) آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے (بھی) اور ان کے پیچھے (بھی) موجود ہیں (کہ جدھر دیکھیں وہ نظر آرہے ہیں، لہٰذا ان عظیم اور بڑی بڑی چیزوں کو پہلی بار پیدا کرنے والا، کیا چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ یعنی "آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔

اور حق کی دلیلوں کے واضح ہونے کے باوجود پھر بھی انکار اور عناد کرنے کی وجہ سے تو یہ اس قابل ہیں کہ انہیں ابھی سزا دیدی جائے اور سزا بھی ایسی کہ قدرت کی انہی دلیلوں کو جو استدلال کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت عظیم نعمت بھی ہیں، ان کے لئے عذاب دینے کا آلہ اور ذریعہ بنا دیا جائے کہ جس نعمت کی ناشکری ہو اسی نعمت کو عذاب کا ذریعہ بنانے سے سخت حسرت ہوتی ہے اور ہم اس سزا پر بھی قادر ہیں، چنانچہ) اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا (اگر چاہیں تو) ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (لیکن حکمت کا تقاضا تاخیر کا ہے، اس لئے مہلت دے رکھی ہے۔ غرض ان لوگوں کو استحالہ یعنی شکل وصورت اور خاصیت کے بدل جانے کا وہم دور کرنے کے لئے آسمان وزمین کو دیکھنا اور ان میں غور کرنا چاہیے کیونکہ) اس (مذکورہ دلیل) میں (اللہ کی قدرت کی) پوری دلیل ہے (مگر صرف) اس بندہ کے لئے جو (اللہ کی طرف

متوجہ (بھی) ہو (اور حق کی طلب بھی رکھتا ہو، یعنی دلیل تو کافی ہے مگر ان کی طرف سے حق کی طلب نہیں ہے، اس لئے حق کی طرف ہدایت سے محروم ہیں)

دوسری تفسیر: اور آیت ﴿ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ ﴾ سے ﴿ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ تک ایک تفسیر اور بھی آسان اور عمدہ ہے کہ اس کو استدلال نہ کہا جائے بلکہ بعث کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید مانا جائے۔ اور دوسرے ﴿ الۡاَرۡضَ ﴾ اور ﴿ السَّمَآءِ ﴾ میں ضمیر کی جگہ اصل کو رکھنا کہا جائے یعنی انہیں ڈر نہیں لگتا کہ انہیں جو یہ آسمان اور زمین نظر آ رہے ہیں ہم مخالفت اور حکم کی خلاف ورزی یا نافرمانی میں اس زمین میں ان کو دھنسا دیں یا اسی آسمان کو ان پر گرا دیں۔ اور اس امر پر قدرت رکھنے میں جو کہ ﴿ اِنۡ نَّشَاۡ ﴾ سے سمجھ میں آتا ہے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کے لئے تو کافی عبرت ہے کہ اس قدرت کے استعمال سے اندیشہ کریں اور انکار سے بچیں۔

﴿ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّہَا شَہۡرٌ وَّرَوَاحُہَا شَہۡرٌ ۚ وَاَسَلۡنَا لَہٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡہِ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ؕ وَمَنۡ یَّزِغۡ مِنۡہُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡہُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۲﴾ یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّہُمۡ عَلٰی مَوۡتِہٖۤ اِلَّا دَآبَّۃُ الۡاَرۡضِ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَہٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِی الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ ﴿ؕ۱۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑ! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا۔ اور ہم نے اُن کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو۔ میں تمہارے سب کے اعمال کو دیکھ رہا ہوں۔ اور سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس کا صبح کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور شام کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی۔ اور ہم نے اُن کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اور جنات میں بعضے وہ تھے جو اُن کے آگے کام کرتے تھے، اُن کے رب کے حکم سے۔ اور اُن میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اُس کو دوزخ کا عذاب چکھاویں گے۔ وہ جنات اُن کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو اُن کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو۔ اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کے

مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

ربط: اوپر ﴿ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴾ میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے بندوں کی فضیلت مختصر انداز میں بیان فرمائی تھی۔ اب اس کی تفصیل کے لئے ان میں سے بعض اعلیٰ درجہ کے حضرات یعنی داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا خوش نصیبی کا سرمایہ ہونا معلوم ہو، اور اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ربط کی دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اوپر کے ﴿ رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ ﴾ میں کافروں کا رسول مقبول ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا نقل کیا گیا تھا۔ اب دو نبیوں کا ذکر فرماتے ہیں تا کہ نبوت عطا کرنے کے محال ہونے کا خیال دور ہو۔ اور شاید ان حضرات کا ذکر خاص طور سے اس نکتہ کی وجہ سے کیا ہو کہ دنیاوی سامان سے متعلق ان کے بعض فضائل ظاہری چیزوں تک محدود نظر رکھنے والوں کو بھی محسوس ہو سکتے ہیں، لہٰذا انکار کی گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے پہلے یا دوسرے مقصود پر استدلال پورا ہو جائے۔

داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ بار بار تسبیح کرو (یعنی جب یہ ذکر میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کا ساتھ دو) اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا (کہ ان کے ساتھ تسبیح کرو، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ﴿ۙ۱۸﴾ وَ الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ﴾ الخ یعنی "ان (داؤد) کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کیا یعنی ان کے تابع کیا کہ رات کو اور صبح کے وقت تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جمع کر دیا" شاید اس میں ایک حکمت یہ ہو کہ انہیں ذکر میں خوشی ہوگی اور یہ بھی حکمت ہو کہ آپ کا ایک معجزہ ظاہر ہوگا اور غالباً یہ تسبیح ایسی ہوگی جو سننے والوں کی سمجھ میں آئے، سمجھ میں نہ آنے والی تسبیح تو عام ہے، اس میں داؤد کا ساتھ ہونے کی کیا خصوصیت ہے؟ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ﴾ یعنی "کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو") اور (ایک نعمت یہ دی کہ) ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (موم کی طرح) نرم کر دیا (اور یہ حکم دیا) کہ تم (اس لوہے کی اچھی) پوری زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں (مناسب) انداز (کا خیال) رکھو اور (جیسے ہم نے تمہیں نعمتیں دی ہیں، ان کے شکر میں) تم سب (یعنی داؤد اور ان سے تعلق رکھنے والے) نیک کام کیا کرو، میں تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہوں (اس لئے رعایت اور حدود کا پورا اہتمام رکھو)

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو تابع کر دیا کہ اس (ہوا) کا صبح کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی اور (اسی طرح)

اس کا شام کا چلنا مہینہ بھر کی مسافت تھی (یعنی ہوا سلیمان علیہ السلام کو اتنی اتنی دور پہنچا دیتی تھی جیسا کہ فرمایا ﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ ﴾ یعنی ہم نے ہوا کو ان کے حکم کے تابع کر دیا) اور (انہیں ایک نعمت یہ دی تھی کہ) ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا (یعنی تانبے کو اس کی کان میں پتلا بہتا ہوا کر دیا تا کہ اس سے بغیر آلات اور مشینوں کے طرح طرح کی چیزیں بنانے میں آسانی ہو، پھر وہ جم جاتا تھا، یہ بھی ایک معجزہ ہے) اور (ایک نعمت یہ تھی کہ ہم نے جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ چنانچہ) جنات میں بعض وہ تھے جو ان کے رب کے (تابع بنانے کے) حکم کی وجہ سے ان کے آگے (طرح طرح کے) کام کرتے تھے (یعنی چونکہ پروردگار نے انہیں تابع کر دیا تھا) اور (تسخیر یعنی تابع کرنے کے ساتھ شرعی قانون کا حکم بھی وعید سمیت یہ دیا تھا کہ ان میں سے جو شخص ہمارے (اس) حکم سے (کہ سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرو) منہ پھیرے گا (یعنی خوشی و رضا کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے کام نہ کرے گا، چاہے ان کے تابع ہونے کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام ان سے زبردستی کام لینے پر قادر ہوں گے، جیسے بے گار کرنے والوں سے کام لیا جاتا ہے تو) ہم اس کو (آخرت میں) جہنم کا عذابِ چکھائیں گے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو تسلیم و اطاعت سے کام کرے گا، اور پوری خوشی و رضا کے ساتھ اطاعت یہ ہے کہ ایمان بھی اختیار کرے کیونکہ ہر نبی اپنے محکوموں کو اس کا حکم دیتا ہے تو بغیر اس کے پوری اطاعت نہیں، لہٰذا حاصل یہ کہ جو جن ایمان اور اطاعت اختیار کرے گا وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا، جیسا کہ ایمان کا تقاضا ہے۔

آگے ان کاموں کو بتاتے ہیں جن پر جنوں کو مقرر کیا گیا تھا) یعنی وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے تھے جو انہیں (بنوانا) منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور تصویریں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (ہلانے سے ہل بھی نہ سکیں، اور ہم نے انہیں یہ حکم دیا کہ جس طرح ہم نے تمہیں نعمتیں دی ہیں) اے داؤد کے خاندان والو! یعنی سلیمان اور ان سے تعلق رکھنے والو!) تم سب (ان نعمتوں کے) شکریہ میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں (اس لئے شکر ادا کرنے سے جس کا مقصود نیک عمل ہے، تمہیں بہت ساری مخلوقوں پر امتیاز ہو جائے گا، لہٰذا اس جملہ میں شکر اور نیک عمل کی ترغیب ہوگئی۔ جیسے داؤد علیہ السلام کو بھی ﴿ اعْمَلُوا صَالِحًا ﴾ کا حکم ہوا تھا اور اسی طرح وہاں پہاڑوں اور پرندوں کو تابع بنایا تھا اور یہاں ہوا اور جنات کو تابع بنانے کا ذکر ہوا اور وہاں لوہے کو نرم کرنا تھا یہاں تانبے کو نرم کرنے کا ذکر ہے۔

غرض زندگی بھر سلیمان علیہ السلام کے سامنے جنات کا یہ معاملہ رہا) پھر جب ہم نے ان پر (یعنی سلیمان علیہ السلام پر) موت کا حکم جاری کر دیا (یعنی وہ انتقال فرما گئے) تو (موت اس طرح واقع ہوئی کہ ان جنات کو خبر نہیں ہوئی۔ ہوا یہ کہ سلیمان علیہ السلام موت کے وقت عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اور اسے ٹھوڑی کے نیچے لگا کر تخت پر بیٹھ گئے اور اسی

حالت میں روح قبض ہوگئی اور اس طرح سال بھر تک بیٹھے رہے، جنات آپ کو بیٹھا دیکھ کر زندہ سمجھتے رہے۔ رعب کی وجہ سے یہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی پاس جا کر یا دھیان سے نظر جما کر دیکھ پاتا اور زندہ سمجھ کر برابر کام کرتے رہے اور) کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا، سوائے گھن کے کیڑے کے کہ وہ سلیمان (علیہ السلام) کے عصا کو کھاتا تھا (یہاں تک کہ اس کا ایک حصہ کھالیا تو وہ عصا گر پڑا۔ اس کے گرنے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے) تو جب وہ گر پڑے (اور گھن کے کھانے کے اندازہ سے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ انہیں تو وفات پائے ہوئے ایک سال ہوگیا) تب جنات کو (اپنے غیب کے جاننے کے دعویٰ کی) حقیقت معلوم ہوئی (وہ یہ) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (سال بھر تک) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے (مراد مشقت و تکلیفوں سے بھرے اعمال ہیں جن میں حکومیت کی وجہ سے ذلت بھی اور مشقت کی وجہ سے مصیبت بھی)

فائدہ: زرہ میں مناسب اندازہ کا مطلب یہ کہ کڑیاں نہ بہت بڑی ہوں نہ بہت چھوٹی۔ نہ بہت پتلی ہوں نہ بہت موٹی۔ یہ حکم اس لئے فرمایا کہ زرہ سے جو غرض ہے وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور تماثیل یعنی تصویروں کا بنانا ممکن ہے اس شریعت میں جائز ہو اور ہماری شریعت میں وہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یا یہ کہ وہ تصویریں جانداروں کی نہیں بلکہ درختوں وغیرہ کی ہوں جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے۔ اور ﴿مِنَ الْجِنِّ﴾ کے ترجمہ میں لفظ "مِن" بعض کے لئے اختیار کرنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ ساری دنیا کے جن تابع نہ ہوں صرف ضرورت کے مطابق جنات کو تابع کیا گیا ہو۔ یا تابع سب ہوں مگر کام کا حکم بعض کو دیا گیا ہو، باقی کے عمل کی ضرورت نہ پیش آئی ہو۔ اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ساتھ ان سے تعلق رکھنے والوں کو مذکورہ نعمتوں کے شکر کا کام فرمانا اس لئے ہے کہ ان نعمتوں کا نفع انہیں بھی پہنچتا تھا چاہے وہ فائدہ محسوس ہونے والا ہو یا محسوس نہ ہونے والا ہو، جس پر انعام کیا گیا ہو، اس سے نسبت کا کم سے کم درجہ ہی سہی۔ اور سلیمان علیہ السلام کی موت کو پوشیدہ رکھنے میں دنیاوی مصلحت یہ تھی کہ ضروری کام پورے ہو جائیں اور دینی مصلحت یہ تھی کہ مخلوق، جنوں کو غیب کا علم ہونے کی غلطی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور اگرچہ جنوں کو پہلے سے بھی اپنے علم غیب کی نفی کا حال معلوم تھا، مگر یہاں یہ مقصود ہے کہ پہلے تو اپنے ہی دلوں میں جانتے تھے مگر اوروں سے چھپاتے تھے اور انہیں بہکاتے تھے، آج وہ جاننا ایسا سب کے سامنے آیا کہ کسی کے سامنے دعویٰ کرنے کا منہ نہیں رہا، لہٰذا ﴿تَبَيَّنَتِ﴾ سے مراد حقیقت کا واضح طور پر سامنے آنا ہے نہ کہ مطلق حقیقت کا سامنے آنا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝﴾

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا
لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

ترجمہ: سبا کے لئے اُن کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں، دو قطاریں تھیں باغ کے داہنے اور بائیں۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اُس کا شکر کرو۔ عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار! سو انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ اور ہم نے اُن کے اُن دورویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیدیئے جن میں یہ چیزیں رہ گئیں بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری۔ اُن کو یہ سزا ہم نے اُن کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے اُن دیہات کے درمیان اُن کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا کہ بے خوف وخطر اُن میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔ سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو ہم نے اُن کو افسانہ بنا دیا اور اُن کو بالکل تتر بتر کر دیا۔ بیشک اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

ربط: اوپر اللہ کی طرف توجہ کی برکتیں اور ثمرات ظاہر کرنے کے لئے بعض توجہ کرنے والے حضرات کا ذکر تھا۔ اب توجہ نہ کرنے اور احکام سے منہ پھیرنے کی نااتفاقی اور وبال کو ظاہر کرنے کے لئے بعض منہ پھیرنے والوں یعنی سبا کے کافروں کا قصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفوں کو عام طور سے اور کافروں کو خاص طور سے ڈر اور خوف ہو، اور شاید سبا کی خصوصیت اس وجہ سے ہو کہ یہ لوگ عرب ہیں۔ ان کے حال سے مکہ کے کافروں پر جو قرآن کے سب سے پہلے مخاطب ہیں زیادہ اثر ہو سکتا ہے اور صاحب روح کے بقول اہل مکہ میں اہل سبا اور ان کا قصہ مشہور بھی تھا۔ ان کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سبا ایک شخص کا نام تھا پھر اس کے تمام خاندان کو سبا کہنے لگے، اس خاندان کے بہت سے قبیلے ملک یمن کے شہر مارب میں رہتے تھے اور ان کی سلطنت بھی تھی، بعض سلطان اچھے بھی ہوئے، اور بعض بتوں کے پجاری تھے، کسی بادشاہ نے برسات کا پانی روکنے کے لئے ایک مضبوط بند تیار کیا تھا جس کی لمبائی کئی میل کی تھی۔ دور دور کا پانی وہاں جمع ہوتا اور اس سے جو چھوٹی چھوٹی شاخیں اور نہریں نکالی گئی تھیں، ان کے ذریعہ سے سال بھر تک کھیتوں اور باغوں میں سینچائی کی جاتی تھی اور باغ سڑکوں کے دونوں طرف کئی کئی منزلوں تک چلے گئے تھے اور کئی منزلوں تک یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق شام تک اور ایک قول کے مطابق صنعا تک جو مارب سے تین منزل کے فاصلہ پر پاس پاس بستیاں چلی گئی تھیں کہ مسافر جہاں چاہتا جس وقت چاہتا ٹھہر جاتا اور ہر جگہ کھانے پینے کا سامان مل سکتا تھا اور آبادیوں کے ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ہر طرح کا امن بھی تھا اور اس ملک کی آب وہوا بھی نہایت صاف ستھری وپاکیزہ تھی،

مگر جب لوگوں نے شکر اور اطاعت کے بجائے ناشکری اور نافرمانی شروع کی تو ان پر سزا و عذاب کا وقت آیا، چنانچہ ایک بار وہ بند ٹوٹ گیا، بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ نے چھچھوندر کو اس بند پر مسلط کر دیا تھا، اس نے بند میں سوراخ کر دیا، پھر سیلاب کی وجہ سے وہ سوراخ بڑا ہو گیا اور ساری آبادی اور باغوں کو غرق کر دیا۔ اور جب پانی خشک ہوا تو ان باغوں کی جگہ کچھ جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے اور سارے ملک والے بھی کچھ ہلاک ہو گئے اور کچھ پریشان ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے اور بکھر گئے۔

چنانچہ ازدعمان، ازدسراۃ، کندہ، مذحج، اشعریین، انمار، بجیلہ، عاملہ، غسان، لخم، جذام، قضاعۃ، خزاعہ، آل جفنۃ، شعبہ، غسان، اوس، خزرج آل مالک بن فہم، آل عمرو، آل جذیمہ، ابرش، اہل حیرہ، اور آل محرق یہ سب سبا کے قبائل ہیں جو عمان، سراۃ، مدینہ، تہامہ، مکہ، شام، اجأ، سلمی اور عراق میں بکھر گئے یہاں تک کہ مثال کے لئے عرب کا محاورہ ہو گیا: تفرقوا ایدی سبا: یعنی "سبا کے لوگ بکھر گئے" اور عرم کے سیلاب کا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ان کی طرف تیرہ نبیوں کے تشریف لانے کا ذکر ہے، تو وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آئے تھے، جن کی تعلیم نقل ہوتے ہوئے ان لوگوں تک چلی آ رہی ہوگی، جن پر وہ عذاب آیا کہ جب مہلت کی حد ہو گئی تو قہر نازل ہو گیا جیسا کہ فتح المنان الروح اور الدر المنثور سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔

سبا کے کافروں کا قصہ:

سبا (کے لوگوں) کے لئے (خود) ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں (اللہ کے احکام کی اطاعت کے واجب ہونے کی) نشانیاں موجود تھیں (ان میں سے ایک نشانی) باغ کی دو قطاریں تھیں (ان کی سڑک کے) دائیں اور بائیں (یعنی ان کے سارے علاقہ میں دونوں طرف ایک دوسرے سے ملے ہوئے باغ چلے گئے تھے کہ جس میں آمدنی بھی بہت زیادہ اور پھل بھی اتنے زیادہ کہ ختم کرنے سے ختم نہ ہوں، سایہ بھی، رونق بھی، ہم نے نبیوں اور نصیحت کرنے والوں کے واسطہ سے انہیں حکم دیا کہ) اپنے رب کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ، اور (کھا کر) اس کا شکر کرو (یعنی اطاعت کرو کہ دو قسم کی نعمتیں اطاعت کا تقاضا کرتی ہیں: ایک دنیاوی کہ رہنے کے لئے عمدہ شہر اور (ایک آخرت کی کہ ایمان اور طاعت کی صورت میں اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو گناہوں کو معاف کرنے کو) بخشنے والا پروردگار (لہٰذا ایسا تقاضا ضرور پورا ہونا چاہئے) تو (اس پر بھی) وہ (اس حکم سے) منہ موڑ گئے (شاید یہ لوگ سورج کی پوجا کرنے والے بھی ہوں جیسے بعض کے بارے میں سورۂ نمل میں ہے ﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ ﴾ یعنی "میں نے اس یعنی بلقیس کو اور اس کی قوم کو ایسا پایا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں") تو ہم نے (ان پر اپنا قہر اس طرح نازل کیا کہ) ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (یعنی جو سیلاب بند سے رکا رہتا تھا، اس بند کے ٹوٹ جانے سے اس سیلاب کا پانی چڑھ آیا، جس سے ان کی سڑک کے دونوں طرف کے سارے باغ غارت ہو گئے) اور ہم نے ان کے دونوں طرف کے باغوں کے بدلے دو اور باغ دیدیئے جن

میں یہ چیزیں رہ گئیں: بدمزہ پھل اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی بیری (وہ انسانوں کی لگائی ہوئی نہیں بلکہ جنگلی خود سے اُگ آنے والی جن میں کانٹے بہت زیادہ اور پھلوں میں ذائقہ وغیرہ بالکل نہیں ہوتا) ہم نے انہیں یہ سزا ان کی ناشکری کے سبب سے دی۔ اور ہم ایسی سزا بڑی ناشکری کرنے والوں کو ہی دیا کرتے ہیں (ورنہ معمولی خطاؤں پر تو ہم معاف ہی کرتے رہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی جس میں وہ مبتلا تھے)

اور (وہاں رہنے والوں کے لئے اس عام نعمت کے علاوہ جس کا ذکر کیا گیا ایک اور خاص نعمت سفر سے متعلق تھی، وہ یہ کہ) ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے (پیداوار وغیرہ کے اعتبار سے) برکت کر رکھی ہے، بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو (سڑک سے) نظر آتے تھے (کہ مسافروں کو سفر میں بھی وحشت نہ ہو، اور وہ کہیں ٹھہرنا چاہیں تو وہاں جانے میں تکلف اور پریشانی بھی نہ ہو) اور ہم نے ان دیہاتوں کے درمیان میں ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا (یعنی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک چال کے حساب سے ایسا مناسب فاصلہ رکھا تھا کہ سفر کے دوران عادت کے مطابق آرام کرنے کے موقعوں پر کوئی نہ کوئی گاؤں مل جاتا، جہاں کھا پی سکیں اور آرام کر سکیں) کہ ان میں بے خوف وخطر (چاہو) رات کے وقت اور (چاہو) دن کے وقت چلو (یعنی نہ راستہ میں لوٹنے والوں کا کہ پاس پاس گاؤں تھے اور نہ ہی کھانے پینے کے سامان اور سفر کے خرچ کے میسر نہ ہونے کا کہ ہر جگہ ہر سامان ملتا تھا) تو (انھوں نے ان نعمتوں کا جیسے اصلی شکر کرنا چاہئے تھا یعنی اللہ کی اطاعت نہیں کی، ایسے ہی ظاہری شکر گذاری یعنی اللہ کی نعمتوں کو غنیمت سمجھنا اور اس کی قدر کرنا وہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ) وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! (ایسے پاس پاس آبادیاں ہونے سے سفر کرنے میں مزا نہیں آتا۔ مزا تو اسی میں ہے کہ کہیں سفر کا خرچ ختم ہوگیا، کہیں پیاس لگ رہی ہے اور پانی نہیں ملتا، شوق ہے انتظار ہے کہیں چوروں کا اندیشہ ہے، نوکر پہرا دے رہے ہیں، ہتھیار بندھے ہوئے ہیں جیسے بنی اسرائیل من وسلوی سے اکتا گئے تھے، اور ساگ پات وککڑی، لہسن اور مسور کی درخواست کی تھی اور اس موجودہ حالت میں ہمیں اپنی مالداری کے اظہار کا موقع بھی نہیں ملتا۔ امیر وغریب سب ایک ساتھ اور ایک ہی طرح سفر کرتے ہیں یوں جی چاہتا ہے کہ) ہمارے سفروں کے درمیان میں دوری (اور فاصلہ) کردے (یعنی بیچ کی آبادیاں اجاڑ دے کہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہوجائے) اور (اس ناشکری کے علاوہ) انھوں نے اپنی جانوں پر (اور بھی نافرمانیاں کرکے) ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور انہیں بالکل بکھیر دیا (یا تو اس طرح کہ بعض کو ہلاک کردیا کہ ان کے قصے ہی رہ گئے اور بعض کو پریشان کردیا اور یا ان نعمتوں کے دینے کے تعلق سے ہی افسانہ ہوگئے۔ یعنی وہ ساری نعمتیں اور سہولتیں جاتی رہیں، اور یا اس معنی میں کہ ان کی حالت کو عبرت بنا دیا۔ غرض ان کے رہنے کی جگہیں، بستیاں اور باغات بھی اور وہ پاس پاس کے گاؤں سب ویران ہوگئے) بیشک اس (قصہ) میں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے (یعنی مؤمنوں) کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

فائدہ: ﴿ بٰرَكْنَا فِيْهَا ﴾ کے ترجمہ میں جو غیرہ کہا ہے تو اگر شام کے گاؤں مراد ہوں تو اس میں دینی برکتیں مراد ہیں، کیونکہ شام نبیوں کے رہنے کا ملک رہا ہے اور اگر صنعا کے گاؤں مراد ہوں تو نہریں اور پیڑ پودے اور پھول وغیرہ مراد ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں صحیح پایا کہ یہ سب اُسی راہ ہو لئے مگر ایمان والوں کا گروہ۔ اور ابلیس کا ان لوگوں پر تسلط بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو اُن لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اُن لوگوں سے معلوم کرنا ہے جو اُس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے۔

ربط: اوپر اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے اور متوجہ نہ ہونے والے بعض لوگوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب مطلق متوجہ ہونے والوں اور متوجہ نہ ہونے والوں میں ابلیس کا اتباع کرنے اور اتباع نہ کرنے کے موجودہ اور آخرت کے فرق اور اس کے مسلط کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے متوجہ ہونے والوں کی فضیلت اور متوجہ نہ ہونے والوں کی مذمت پر بھی دلالت ہوگئی کہ متوجہ ہونے والے ایسے بڑے بہکانے اور گمراہ کرنے والے سے بچتے ہیں اور متوجہ نہ ہونے والے ایسے بدخواہ کے جال میں پھنستے ہیں۔

ابلیس کی اتباع کرنے والوں اور اتباع نہ کرنے والوں کے اس دنیا میں اور آخرت میں حال کا بیان اور اس کو مسلط کرنے کی حکمت:

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں یعنی آدم کی نسل کے بارے میں اپنا گمان صحیح پایا (یعنی اس کا یہ گمان صحیح نکلا۔ ﴿ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ یعنی میں ان کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب کو گمراہ کردوں گا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۲۔ جس کا منشا شاید مٹی کی کمزوری اور آگ کی قوت پر استدلال ہو جیسا کہ الدر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے) یہ سب اسی کے راستہ پر ہو لئے۔ سوائے ایمان والوں کے گروہ کے (کہ وہ محفوظ رہا، یعنی اگر ایمان کامل تھا تو بالکل محفوظ رہا اور اگر ایمان کمزور تھا تو شرک اور کفر میں اس کا اتباع نہیں کیا، اگرچہ دوسرے معاصی وگناہوں میں اتباع کرلیا) اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بہکانے اور گمراہ کرنے کے طور پر ہے، وہ) اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہمیں (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان لوگوں سے (الگ کرکے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں (یعنی آزمائش اور امتحان مقصود ہے کہ مؤمن اور کافر متعین ہوجائیں کہ بعض کو ثواب اور

بعض کو عذاب دینا حکمت کا تقاضا ہے کہ اس سے اللہ کے ناموں اور صفتوں کا اظہار ہے یا اور کچھ جو انسان کو معلوم نہ ہو) اور (چونکہ) آپ کا رب ہر چیز (حال) کا نگراں (اور اس سے باخبر) ہے (اور ہر چیز میں ایمان کا ہونا اور ایمان کا نہ ہونا بھی داخل ہے، اس لئے اس کو اس کی بھی خبر ہے، اور حکمت کا تقاضا جزا و سزا کا ہے، اس لئے ہر ایک کو مناسب سزا ملے گی)

فائدہ: ظاہری طور پر جاننے کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳ میں گذر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرلیا جائے اور ایمان میں آخرت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا عقیدہ حق کی طلب اور دین کو صحیح کرنے اور رکھنے میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْــَٔـلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾﴾

ترجمہ: آپ فرمایئے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو، اُن کو پکارو، وہ ذرّہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اُن کی اُن دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اُس کے لئے جس کی نسبت اجازت دیدے۔ یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے۔ آپ پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ! اور بیشک ہم یا تو ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا۔ اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔ آپ کہئے کہ مجھ کو ذرا وہ تو دکھلاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ وہی ہے اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں توحید کا ذکر تھا، اب پھر توحید کا ذکر ہے، اور اہل سبا کے ذکر میں ناشکری کی مذمت تھی اور شرک سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی۔ اس لئے اس کا باطل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ربط کی دونوں وجہیں ہوسکتی ہیں۔

توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا:

آپ (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ جن (معبودوں) کو تم اللہ کے سوا (اللہ کی خدائی میں دخیل) سمجھ رہے ہو، ان کو (اپنی ضرورتوں کے لئے) پکارو (تو سہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں، ان کی واقعی حالت تو یہ ہے کہ) وہ (کسی چیز کا) ذرہ برابر (بھی) اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں (کی کائنات یعنی ان میں موجود چیزوں) میں اور نہ زمین (کی کائنات یعنی اس میں موجود چیزوں) میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے (یعنی نہ عالم کے ایجاد کرنے میں ان کا کوئی دخل ہے۔ چنانچہ اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ﴿مَا لَهُمْ فِيهِمَا﴾ اور نہ موجود ہونے کے بعد انہیں مستقل طور پر اختیار ہے۔ اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ﴿لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ اور نہ ہی نائب ہونے کی حیثیت سے اختیار ہے کہ اس اشارہ کا یہی مطلب ہے ﴿وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ﴾) اور (جس طرح وہ خود کام نہیں کر سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کہہ کر بھی کوئی کام نہیں کرا سکتے، جس کو شفاعت کہتے ہیں، جیسا کہ کافروں کا قول تھا ﴿هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور بھلا ان معبودوں میں جو جمادات مٹی پتھر وغیرہ معدنی چیزوں سے بنے ہوئے ہیں، وہ تو بیچارے کیا شفاعت کرتے، اس کی قابلیت ہی نہیں رکھتے، اس طرح جو جاندار ہیں مگر خود اللہ کے نزدیک مقبول نہیں جیسے شیطان، وہ بھی کیا شفاعت کرتے جو جاندار مقبول بھی ہیں جیسے فرشتے کہ مشرک لوگ انہیں اللہ کی بیٹیاں اور معبود یعنی پوجا کے لائق سمجھتے تھے، خود ان کی شفاعت اس عام قانون میں داخل ہے کہ) اللہ کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے کام نہیں آتی (بلکہ سفارش ہی نہیں ہو سکتی) سوائے اس کے جس کے لئے (شفاعت کرنے والے کو) وہ اجازت دیدے (اور دلیلوں سے ثابت ہے کہ یہ اجازت صرف مؤمنوں کے حق میں ہوگی، لہٰذا اس عام قانون کے مطابق وہ بھی کافروں کی سفارش نہیں کریں گے اور فرشتے بغیر اجازت سفارش کرنے کی جرأت کہاں؟ کب؟ اور کیسے؟ کر سکتے ہیں۔ ان کا تو اللہ کی ہیبت اور عظمت کے غلبہ کی وجہ سے یہ حال ہے کہ جب انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو اسی میں ہیبت کے مارے گھبرا اٹھتے ہیں) یہاں تک کہ جب (اس حکم کے ختم ہو جانے پر) ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ (فلاں) حق بات کا حکم فرمایا (یعنی حکم دیتے وقت ان کی خوف وہیبت کی شدت کی وجہ سے یہ حالت ہوتی ہے کہ انہیں اس وقت اپنی سمجھ اور یاد رکھنے کی قوت پر پورا بھروسہ نہیں رہتا، اس لئے طالب علموں کی طرح آپس میں پوچھ تاچھ اور تحقیق کرتے ہیں، جیسے وہ اپنے استاذ کی بتائی ہوئی باتوں کے بارے میں کیا کرتے ہیں اور جب اس طرح انہیں تحقیق ہو جاتی ہے تو پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جب حق تعالیٰ کی جانب سے جو معمولی احکام کا ابتدائی خطاب ہوتا ہے اس میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے تو خود ان کے ایک نئی بات سے متعلق ابتدائی طور

پر خطاب کرنے کی تو کیا گنجائش ہے، لہٰذا جب مقرب فرشتوں کی یہ حالت ہو تو بت اور شیطان تو کس گنتی میں ہیں کہ ایک میں قابلیت نہیں اور دوسرے میں مقبولیت نہیں) اور (اس کے سامنے فرشتوں کے حال کے ایسا ہو جانے میں کونسی عجیب بات ہے؟ (واقعی) وہ (ایسا ہے) عالی شان والا (اور) سب سے بڑا ہے۔

(اور ان سے) آپ (توحید کی تحقیق کے لئے یہ بھی) پوچھئے کہ (اچھا بتاؤ) تمہیں آسمانوں اور زمین سے (پانی برسا کر اور پیڑ پودے اگا کر) کون روزی دیتا ہے؟ (چونکہ اس کا جواب ان کے نزدیک بھی متعین ہے، اس لئے) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی روزی دیتا ہے) اور (یہ بھی کہئے کہ توحید کے اس سلسلہ میں) بے شک ہم یا تم ضرور سیدھے راستہ پر ہیں یا کھلی گمراہی میں (یعنی یہ تو نہیں ہوسکتا کہ توحید کے قائل لوگ بھی اور توحید کا انکار کرنے والے بھی دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں، لازمی بات ہے کہ ایک فریق ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے، اب غور کرنا ضروری ہے کہ توحید کی دلیلوں کے بعد غور وفکر کے نتیجہ میں اہل توحید ہی کا حق پر ہونا ثابت ہوگا۔ یہ دعوت کا لطف ومہربانی کا طریقہ ہے کہ ہدایت والے اور گمراہ کی تعیین کے باوجود اس طرح تردید کے طور پر فرمایا تا کہ سامنے والا بھڑک نہ جائے جو غور وفکر اور حق کی طلب میں رکاوٹ ہو جاتا ہے) آپ (ان سے اس بحث میں یہ بھی) فرما دیجئے (کہ جب تم حق کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی حق کو قبول نہیں کرتے تو آخری درجہ کی بات یہی ہے) کہ (اگر ہم خطا پر اور مجرم ہیں تو) ہم نے جو قصور کیا ہو اس کی پوچھ تاچھ تم سے نہ ہوگی اور تم نے جو کچھ کیا ہوگا، اس کی پوچھ تاچھ ہم سے نہ ہوگی (اس میں انتہائی نرمی ہے کہ مخاطب لوگوں کے اعمال کو قصور اور جرائم سے تعبیر نہیں کیا اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (یہ احتمال نہ کیا جائے کہ بالکل ہی پوچھ تاچھ نہ ہو، جیسا کہ قیامت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں، بلکہ ایک وقت ایسا ضرور آنے والا ہے، جس میں) ہمارا رب ہم سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ کر دے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا (اور سب کا حال) جاننے والا ہے (اس سے کسی کا حال پوشیدہ نہیں جس سے غلط فیصلہ کا شبہ ہو سکے) آپ (یہ بھی) کہئے کہ (اس کے بعد تم نے حق تعالیٰ کی شان اور دوسرے معبودوں کا عاجز ہونا سن لیا) ذرا مجھے وہ دکھاؤ تو جن کو تم نے (عبادت کے مستحق ہونے میں) شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز (اس کا کوئی شریک) نہیں بلکہ (واقع میں) اللہ (یعنی برحق معبود) وہی ہے زبردست حکمت والا۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا۔ اب محمد ﷺ کی رسالت اور اس کے عام ہونے کا مضمون ہے کہ وہ لوگ اس کا بھی انکار

کرتے تھے پھر توحید کا حق ہونا اور یہ رسول کی اتباع کے بغیر حاصل بھی نہیں ہوتا۔

محمد ﷺ کی رسالت اور اس کے عام ہونے کا اثبات:

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے (چاہے جن ہوں یا انسان، عرب ہوں یا عجم، موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں، سب کے لئے ایمان لانے پر انہیں ہماری رضا و ثواب کی) خوش خبری سنانے والا اور (ایمان نہ لانے پر انہیں ہمارے غضب اور عذاب سے) ڈرانے والا (رسول) بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (لہٰذا جہالت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ چاہے یقین ہی آجائے یا یقین حاصل بھی کر سکیں)

﴿ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً
وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ ع ۹
الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ
صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اُس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ اور یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لاویں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر۔ اور اگر آپ اُس وقت کی حالت دیکھیں جبکہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا۔ ادنی درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ یہ بڑے لوگ اُن ادنی درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے وہ تم کو پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو۔ اور یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم کو فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اُس کے لئے شریک قرار دیں۔ اور وہ لوگ پشیمانی کو مخفی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے۔ جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کی تحقیق تھی۔ اب بعث کا اور اس کے بعض واقعات کا ذکر ہے جس کا ابھی توحید کے بیان

میں ذکر آیا بھی ہے ﴿ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا ﴾ کہ وہ لوگ اس کا بھی انکار کرتے تھے اور بعث کے احتمال کے بغیر کبھی حق کی طلب اور فکر نہیں ہوتی، جس میں توحید اور رسالت سب سے اعظم فرد ہیں۔

بعث اور اس کے بعض واقعات کا ذکر:

اور یہ لوگ (ایسے مضمون یعنی ﴿ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ ﴾ الخ سن کر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (واقع) ہوگا اگر تم (یعنی نبی اور آپ کا اتباع کرنے والے) سچے ہو؟ (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر) ہے کہ اس دن نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو (یعنی اگرچہ ہم وقت نہیں بتائیں گے جو تم پوچھ رہے ہو، مگر وہ یعنی قیامت ضرور آئے گی جس کا اس پوچھنے سے تمہارا انکار کرنا مقصود ہے) اور یہ کافر (دنیا میں تو خوب خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر (اور قیامت میں یہ ساری لمبی چوڑی باتیں ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ) اگر آپ (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک حالت نظر آئے) جب کہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا (جیسا کہ کوئی کام بگڑ جانے کے وقت عادت ہوتی ہے، چنانچہ) ادنی درجہ کے لوگ (یعنی تابع لوگ) بڑے لوگوں سے (یعنی جن کے وہ تابع ہوں گے) کہیں گے کہ (ہم تو تمہاری وجہ سے برباد ہوئے) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے (اس پر) یہ بڑے لوگ ان ادنی درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت کے آجانے کے بعد ہم نے تمہیں ہدایت (پر عمل کرنے) سے (زبردستی) روکا تھا نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو (کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کیا، اب الزام ہمارے سر تھوپتے ہو) اور (اس کے جواب میں) یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم زبردستی روکنے کی بات) نہیں (کہتے) بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم سے کہتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں (تدبیروں سے مراد ترغیب دینا اور ترہیب یعنی ڈرانا ہے، چنانچہ رات دن کی ان تدبیروں اور تعلیموں کا اثر ہوگیا اور ہم تباہ و برباد ہوئے تو ہمیں تم نے ہی خراب کیا) اور اس گفتگو میں تو ہر شخص دوسرے پر الزام لگائے گا مگر دل میں اپنا اپنا قصور بھی سمجھیں گے یعنی گمراہ کرنے والے سمجھیں گے کہ واقعی ہم نے ایسا کیا تو تھا اور گمراہ ہونے والے سمجھیں گے اگرچہ انھوں نے ہمیں بہکایا اور غلط راستہ بتایا تھا لیکن آخر ہم بھی تو اپنا نفع نقصان سمجھ سکتے تھے، ضرور ہمارا بھی بلکہ سارا ہمارا ہی قصور ہے، لیکن) جب (اپنے اپنے عمل پر) عذاب (ہوتا ہوا) دیکھیں گے تو (اپنی اس) شرمندگی کو (ایک دوسرے سے) چھپائیں گے (کہ ہمارے اپنے نقصان پر دوسرا ہمیں اور ملامت نہ کرے، لیکن آخر میں عذاب کی شدت کی وجہ سے برداشت کی قوت جواب دے جائے گی) اور (کافروں کے درمیان مشترک اس عذاب کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہوگی کہ) ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں

گے (اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر پھر مشکیں کس کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا) جیسا کرتے تھے، ویسا ہی تو بھرا۔

فائدہ: اگر شبہ ہو کہ بعض کافروں نے تو اپنے تابع لوگوں پر زبردستی بھی کی ہے پھر یہ کہنے کا کیا مطلب ہے ﴿نَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ﴾ الخ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل ایمان اعتقاد ہے اور وہ دل میں ہوتا ہے اور دل پر زبردستی ممکن نہیں۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىِٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ ﴾ ع ۴

ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: ہم تو اُن احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا۔ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے لیکن اکثر لوگ واقف نہیں۔ اور تمہارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو درجہ میں ہمارا مقرب بنادے۔ ہاں! مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے سو ایسے لوگوں کے لئے اُن کے عمل کا دونا صلہ ہے اور وہ بالاخانوں میں چین سے ہونگے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق کوشش کررہے ہیں ہرانے کے لئے۔ ایسے لوگ عذاب میں لائے جاویں گے۔

ربط: اوپر کافروں کو عذاب دینے کا بیان تھا۔ چونکہ عذاب کا انکار کرنے والے دنیا کی خوش حالی کی وجہ سے آخرت میں عذاب نہ ہونے پر استدلال کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی﴾ اور یہ طبعی طور پر حضور ﷺ کے رنج وملال کی بنیاد وجہ تھا۔ اب کافروں کے زعم کورد اور آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

رسول ﷺ کی تسلی اور شریر لوگوں کے قول کا کھوٹ ظاہر کرنا:

اور (اے رسول! ﷺ آپ ان لوگوں کی گمراہی، افعال اور جہالت کے اقوال کی وجہ سے غم نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ انوکھا آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ) ہم نے کسی (بھی) بستی میں ڈر کی باتیں سنانے والا (نبی) نہیں بھیجا، مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے (اس زمانہ کے ان کافروں کی طرح) یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں (جیسا کہ سورۂ کہف میں قول نقل کیا گیا ہے

﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾) اور (یہ ہمارے معزز اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا) ہمیں کبھی عذاب نہ ہوگا (اور یہی بات مکہ کے کافر کہتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا ﴾ لہٰذا غم نہ کیجئے، ہاں ان کی بات کو رد کیجئے اور ان سے یوں) کہہ دیجئے کہ (رزق کی وسعت کا دارومدار اللہ کے نزدیک قبول ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ تو صرف اللہ کی مشیت یعنی اس کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ) میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے (اور اس میں اس کی حکمتیں ہوتی ہیں) لیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں (کہ اس کا مدار دوسری مصلحتوں پر ہے، اللہ کے نزدیک معزز ہونے پر نہیں ہے) اور (اے کافرو! یہ بھی سن رکھو کہ جس طرح تمہارے مال واولاد اللہ کے نزدیک معزز ومقبول ہونے اور قرب کی دلیل اور علامت نہیں، اسی طرح) تمہارے مال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو تمہیں درجہ میں ہمارے قریب کردیں (یعنی قرب کی علت بھی نہیں، لہٰذا نہ مال اولاد کا ہونا معزز ہونے کا نتیجہ ہے اور نہ ہی مال واولاد کا نتیجہ معزز ہونا ہے) سوائے اس کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے (تو یقیناً یہ دونوں چیزیں قرب کا سبب ہیں) تو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دوگنا بدلا ہے (یعنی عمل سے زیادہ یا دوگنے سے بھی زیادہ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾) اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے اور جو لوگ (ان کے برخلاف محض مال واولاد پر گھمنڈ کررہے ہیں اور ایمان اور نیک عمل کو اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ) ہماری آیتوں سے متعلق (انہیں باطل قرار دینے کی اور نبی کو) ہرانے کے لئے کوشش کررہے ہیں۔ ایسے لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔

فائدہ: خوش حال لوگوں کا ذکر خاص طور سے اس لئے فرمایا کہ اکثر پہلے جھٹلانے کا عمل انہی سے شروع ہوتا ہے اور ان کا ﴿ اُرْسِلْتُمْ ﴾ کہنا مذاق اڑانے کی غرض سے ہے، ورنہ وہ لوگ تو رسالت کے منکر تھے۔

﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ یہ فرمادیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے۔ اور جو چیز تم خرچ کروگے سو وہ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہترین روزی دینے والا ہے۔

ربط: اوپر اس بنیاد پر کہ رزق کی وسعت اور تنگی کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے کافروں کے زعم کو باطل کیا تھا۔ اب اسی سے تعلق کی بنیاد پر مومنوں کی اصلاح کو بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مال کی کمی زیادتی محض مشیت سے ہے تو مومن کو چاہئے کہ اس کے ساتھ دل کو زیادہ نہ لگائے۔ اور کافروں کی طرح اس کو مقصود نہ سمجھے، بلکہ اس کو اللہ کا قرب

اور رضا حاصل کرنے کا آلہ اور ذریعہ بنادے جو کہ اصل مقصود ہے۔

رزق کے مقسوم ہونے پر زہد کی تفریع:

آپ (مؤمنوں سے) یہ فرمادیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے اور (اس صورت میں روکنے سے رزق بڑھ نہیں سکتا، اور شریعت کے مطابق خرچ کرنے سے گھٹ نہیں سکتا، لہٰذا مال سے زیادہ تعلق مت رکھو، بلکہ جہاں جہاں اللہ کے حق، بندوں کے حق، بیوی بچوں کے حق اور فقیروں کے حق وغیرہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے، بے دھڑک خرچ کرتے رہو کہ اس سے اس رزق میں تو جو قسمت میں لکھا گیا ہے کمی کا نقصان نہ ہوگا، اور آخرت کا نفع ہوگا، اس طرح کہ) جو چیز تم (اللہ کے حکم کے موقعوں میں) خرچ کروگے تو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کا (آخرت میں تو ضرور اور کبھی دنیا میں بھی) بدلہ دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (لہٰذا اس خرچ سے تمہاری دنیاوی روزی کم نہ کرے گا اور آخرت کی روزی الگ سے عطا فرمائے گا)

فائدہ: ﴿خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ میں رازق کی جمع رازقین لانا اس اعتبار سے ہے کہ جو لوگ ظاہر میں اپنے ہاتھ سے دیتے دلاتے ہیں انہیں مجاز کے طور پر رازق قرار دے دیا گیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی رازق ہے اس لئے اس کا ﴿خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ ہونا ظاہر ہے۔

> ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرماوے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے، بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے۔ ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔ سو آج تم میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا۔ اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔

ربط: اوپر ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ میں بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور حشر یعنی سب کو ایک جگہ جمع کرنے کا بیان تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

حشر اور اس کی ہولناکیوں کا دوبارہ تذکرہ:

اور (وہ دن ذکر کے قابل ہے) جس دن اللہ تعالیٰ سب کو (قیامت کے میدان میں) جمع فرمائے گا (پھر فرشتوں کے

ارشاد فرمائے گا، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ (یہ سوال مشرکوں کی ملامت کے لئے ہوگا جو فرشتوں کو اور دوسروں کو اس خیال سے پوجتے تھے کہ یہ راضی ہوکر ہماری شفاعت کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الخ لہٰذا یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ جواب سے مشرکوں کی غلطی ظاہر ہوجائے۔ سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی اور اجازت سے یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ الخ اور جواب بھی اس قید کا قرینہ ہے جیسا کہ جواب کے ترجمہ سے معلوم ہوگا) وہ (پہلے حق تعالیٰ کے شریک سے پاک ہونے کے اظہار کے لئے) عرض کریں گے کہ آپ (شریک سے) پاک ہیں (یہ بات جواب سے پہلے اس لئے کہی گئی کہ شریک کی طرف نسبت کی بات سے ہی گھبرا گئے اس لئے پہلے یہ عرض کیا اور اس سے بھی مشرکوں کی مطلق غلطی ثابت ہوئی کہ آپ تو شریک سے بالکل پاک ہیں، چاہے وہ فرشتہ ہو یا کچھ اور۔ پھر آگے اس سوال کا جواب دیں گے کہ) ہمارا تو (صرف) آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے (اس سے رضامندی اور حکم یا اجازت کی نفی ہوگئی، یعنی نہ ہم نے ان سے کہا نہ ہم ان کے فعل سے راضی، ہم تو آپ کی اطاعت کرنے والے ہیں جو چیز آپ کو ناپسند ہے جیسے شرک وغیرہ) اس سے ہم بھی ناخوش ہیں۔ جب اس شرک کے لئے نہ ہمارا حکم یا اجازت ہے اور نہ ہی رضامندی تو واقعی بات یہ ہے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) بلکہ یہ لوگ شیطانوں کو پوجا کرتے تھے (کیونکہ وہ شیطان اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور اس سے راضی اور خوش بھی تھے، لہٰذا واقع میں وہ شیطان ان کے معبود ہوئے، کیونکہ عبادت کے لئے مطلق اطاعت لازم ہے کہ پھر اس کے سامنے کسی کی اطاعت نہ کرے۔ اسی کی طرح ایسی اطاعت کے لئے مطلق عبادت لازم ہے چنانچہ جب ہماری طرف سے حکم اور رضامندی کا کوئی ثبوت نہیں تو اطاعت کی نفی ہوئی۔ اور جب شیطانوں کی مطلق اطاعت کی تو عبادت بھی انہی کی ہوئی چاہے یہ لوگ اس کا نام کچھ بھی رکھ لیں، چاہے فرشتوں کی عبادت یا بتوں کی عبادت، مگر وہ حقیقت میں شیطانوں کی عبادت ہے، اور جس طرح لازم کے طور پر یہ لوگ شیطانوں کی عبادت کرنے والے تھے، اسی طرح) ان میں سے اکثر لوگ (التزام کے طور پر بھی) انہی (شیطانوں) کے معتقد تھے (یعنی قصداً بھی ان میں سے بہت سے لوگ انہی کو پوجتے تھے جیسا کہ ﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ وغیرہ آیتیں ہیں) تو (کافروں سے کہا جائے گا کہ لو جن سے تم امیدیں رکھتے تھے) آج (خود ان کے اپنے آپ کو تمہاری عبادت سے بری قرار دینے سے بھی اور ان کی واقعی عاجزی و مجبوری سے بھی تمہارے زعم کے خلاف یہ حالت ظاہر ہوئی کہ) تم (سارے عبادت کرنے والوں اور معبودوں میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا (مطلب تو یہ ہے کہ یہ معبود تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتے مگر مبالغہ کے لئے ﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ﴾ سے تعبیر فرمایا

تاکہ اس کے ذریعہ اس امر میں دونوں کی برابری ثابت ہوجائے کہ جس طرح تم عاجز ہو، وہ بھی عاجز ہیں، اور نقصان کا ذکر عاجزی کو عام کرنے کے لئے ہے، اس سے کلام میں اور بھی تاکید ہوگئی) اور (اس وقت) ہم ظالموں (یعنی کافروں) سے کہیں گے کہ جس جہنم کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو (اور فرشتوں کو خاص کرنا، اس کے باوجود کہ خود کو بری کرنا اور عاجز ظاہر کرنا سارے معبودوں کے لئے عام ہے، اس لئے ہے کہ دوسروں کا حکم اور بھی زیادہ بہتر درجہ میں ثابت ہوجائے، کہ جن کو معبود سمجھتے تھے ان میں سے سب سے افضل کا یہ حال ہوگا تو دوسرے معبودوں کا نفع نہ ہونا بدرجہ اولیٰ سمجھ لیا جائے)

فائدہ: سورۂ فرقان آیت ۱۷ ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ الخ میں اسی جواب سے ملتے جلتے الفاظ میں جواب آیا ہے۔ وہاں ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ اور ﴿ اَوْلِيَآءَ ﴾ قرار نہ دینے کے ترجمہ کی وضاحت دوسری طرف سے ہوئی ہے، اس وقت وہی وضاحت سمجھ میں آئی تھی۔ ویسے وہاں کی وضاحت یہاں اور یہاں کی وہاں بھی صحیح ہوسکتی ہے۔

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ ۗ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ۧ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۗ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۗ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو اُن چیزوں سے باز رکھے جن کو تمہارے بڑے پوجتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے۔ اور یہ کافر اس امرِ حق کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہنچا یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے۔ اور ہم نے اُن کو کتابیں نہیں دی تھیں کہ اُن کو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے تکذیب کی تھی۔ اور یہ تو اُس سامان کے جو ہم نے ان کو

دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، غرض انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا۔ آپ یہ کہئے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں اور وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں ہے۔ وہ تم کو ایک سخت عذاب سے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق کو غالب کر رہا ہے وہ علام الغیوب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھی پر وبال ہوگی اور اگر میں راہ پر ہوں تو یہ بدولت اُس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا بہت نزدیک ہے۔

ربط: اوپر ﴿ مَآ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ الخ میں رسالت کے مسئلہ کا ذکر تھا۔ اب پھر اسی کو دہرایا جا رہا ہے۔

رسالت کا دوبارہ اثبات:

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور ہدایت دینے والی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ (پڑھنے والے یعنی نبی ﷺ کے بارے میں) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو (پرانے زمانہ سے) تمہارے بڑے پوجتے (آرہے) تھے (اور ان سے باز رکھ کر اپنا تابع بنانا چاہتا ہے، ان کم بختوں کا مطلب یہ تھا کہ یہ نبی نہیں ہیں، اور ان کی دعوت اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اس میں خود ان کی اقتدار و ریاست کی ذاتی غرض ہے) اور (جس کی تلاوت کی جاتی ہے اس کے بارے میں) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض گھڑا ہوا جھوٹ ہے (یعنی اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا محض گھڑا ہوا دعوی ہے) اور یہ کافر لوگ اس حق امر (یعنی قرآن) کے بارے میں، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو (اس خیال کو دور کرنے کے لئے کہ اگر یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے تو پھر بہت سے عقل و دانش والے لوگ اس کا اتباع کیوں کرتے ہیں؟ اور یہ ایسا مؤثر کیوں ہے؟) یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک کھلا جادو ہے (اس لئے لوگ اس کو سن کر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی عقلیں مغلوب ہو جاتی ہیں) اور (ان کو تو قرآن کی اور نبی کی بڑی قدر کرنی چاہئے تھی، کیونکہ ان کے لئے تو یہ ایسی نعمتیں تھیں جن کی انہیں کبھی کسی طرف سے امید بھی نہیں تھی، کیونکہ) ہم نے (اس قرآن سے پہلے) انہیں (کبھی آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں (جیسے بنی اسرائیل کے پاس کتابیں تھیں، تو ان کے حق میں تو قرآن ایک بالکل نئی چیز تھی، اس لئے انہیں اس کی قدر کرنی چاہئے تھی) اور (اسی طرح) ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی نبی) نہیں بھیجا تھا (تو ان کے حق میں نبی بھی ایک نئی دولت تھی، اس لئے ان کی بھی قدر کرنی چاہئے تھی۔ پھر خاص طور سے ایک نئی نعمت ہونے کے علاوہ خود ان کی تمنا بھی تھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ﴾ مگر ان لوگوں نے پھر بھی قدر نہیں کی جیسا کہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴾ الخ سورۂ فاطر آیت ۴۲۔ بلکہ جھٹلایا) اور جھٹلانے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جائیں، کیونکہ جھٹلانے کا وبال بڑا سخت ہے۔ چنانچہ) ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے، انھوں نے (بھی نبیوں اور وحی کو) جھٹلایا تھا اور یہ (عرب کے مشرک لوگ) تو اس سامان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دے رکھا تھا (یعنی ان کی سی قوت، ان کی سی عمریں، ان کی سی دولت و ثروت انہیں نہیں ملیں جو کہ غرور اور فخر کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ﴾ اور فرمایا ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ ﴾) غرض انھوں نے میرے رسول کو جھٹلایا تو (دیکھو) میرا (ان پر کیسا عذاب ہوا (تو یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کہ ان کے پاس تو اتنا سامان بھی نہیں، جب اس قدر دولت کام نہ آئی تو یہ کس دھوکہ میں ہیں، اور جب ان کے پاس سامان کم ہے جو غرور و گھمنڈ کا سبب ہوتا ہے تو ان کا جرم بھی اور زیادہ شدید ہے، پھر یہ کیسے بچ جائیں گے۔

یہاں تک نبوت کو جھٹلانے پر کافروں کو ڈرا کر اور دھمکی دے کر آگے انہیں نبوت کی تصدیق کا ایک طریقہ بتاتے ہیں کہ اے محمد ﷺ) آپ (ان سے) یہ کہئے کہ میں تمہیں صرف ایک (مختصر سی) بات سمجھاتا ہوں (اس سے حق واضح ہو جائے گا، بس اس کو کر لو) وہ یہ کہ تم (محض) اللہ کے واسطے (کہ اس میں نفسانیت ذاتی خواہش اور تعصب نہ ہو) کھڑے (یعنی مستعد) تیار ہو جاؤ (کسی موقع پر) دو دو اور (کسی موقع پر) ایک ایک (یعنی چونکہ مقصود غور و فکر کرنا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور غور و فکر کا طریقہ یہ ہے کہ بعض اوقات اور بعض طبیعتوں کے اعتبار سے دو کے ملنے سے ہر شخص کے غور و فکر کو دوسرے شخص سے مدد و اعانت ملتی ہے اور بعض اوقات اور بعض طبیعتوں کے اعتبار سے غور و فکر کے خوب راستے کھلتے ہیں، اور بہت زیادہ مجمع میں اکثر غور و فکر کی قوت بالکل بند اور پریشان ہو کر رہ جاتی ہے، اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا۔ غرض اس طرح مستعد تیار ہو کر کھڑے ہو جاؤ) پھر (خوب) سوچو (کہ جیسے دعوے میں کرتا ہوں مثال کے طور پر یہ کہ قرآن جیسی کوئی کتاب اور کوئی کلام اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں، جیسا کہ کئی مکی سورتوں میں یہ مضمون آ چکا ہے، ایسے دعوے دو ہی شخص کر سکتے ہیں یا تو وہ جس کے دماغ میں خلل ہو کہ انجام کی خبر نہ ہو، یا وہ جو نبی ہو جس کو اس دعوی کے سچے ہونے اور اس کلام کے اللہ کی طرف سے ہونے کا پورا یقین ہو، ورنہ اگر نبی نہ ہو اور عقل و ہوش بھی رکھتا ہو تو وہ ایسے دعوے کرتے وقت جھوٹا ثابت ہونے پر رسوائی اور بدنامی کی فکر کرے گا اور ایسے دعوے کرنے سے بچے گا اور اگر کوئی اس جیسا کلام یا کتاب بنا لائے گا تو میری کیا عزت رہ جائے گی، میرے اس دعوے کو سامنے رکھ کر میرے مجموعی احوال میں غور کرو اور سوچو کہ کیا مجھے کوئی جنون ہے؟ تو یہ بات میرے حالات کو دیکھنے اور غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جائے گی) کہ تمہارے اس ساتھی کو (جو ہر وقت تمہارے سامنے رہتا ہے اور جس کے تمام حالات تم خود دیکھتے ہو، یعنی مجھے) جنون (تو) نہیں

ہے (اور جب مجھے جنون نہ ہونا ثابت ہوگیا تو یہ بات طے ہوگئی کہ) وہ (تمہارا ساتھی نبی ہے اور نبی کی حیثیت سے) تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے (لہٰذا اس طریقہ سے نبوت کا ثبوت اور اس کی تصدیق بہت آسان ہے، اور دوسری جگہ بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ ﴾ الخ اور چونکہ اس بات کا صحیح ہونا بہت واضح ہے۔ اس لئے یہ استدلال کافی ہے اور چونکہ نبوت پر عقلی دلیلیں قائم ہیں، جیسے قرآن کا معجزہ ہونا، اس لئے کسی اور دلیل کی طرف صرف اس مصلحت سے متوجہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ عقلی دلیل کے لئے اصطلاحی نظر کی ضرورت ہے، اور اس کافی دلیل کی صرف تنبیہ کے لئے ضرورت ہے، پھر اس سے دھیرے دھیرے ذہن غور کرنے کا بھی عادی ہو جائے گا اور مطلوب تک پہنچنا دونوں طریقوں سے ہو جائے گا۔

اب آگے نبوت کے اثبات کے بعد کافروں کے ریاست طلب کرنے کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں جو ﴿ مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ ﴾ الخ سے معلوم ہوا تھا۔ اگرچہ نبوت کے اثبات سے وہ بھی دور ہو گیا، لیکن مستقل طور پر دور کرنے سے مطلوب کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا (یعنی اسے تم اپنے ہی پاس رکھو، یہ محاورہ میں اجر طلب کرنے کی مبالغہ کے طریقہ پر نفی ہے) میرا معاوضہ تو بس (فضل کے وعدہ کے مطابق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے (لہٰذا وہ خود ہی مجھے میرے حال کے لائق اجر دیدیں گے۔ معاوضہ میں مال اور عزت و مرتبہ یعنی حکومت و ریاست سب آ گیا، کیونکہ اعیان و اعراض دونوں میں اجر بننے کی صلاحیت ہے۔ مطلب یہ کہ میں تم سے کوئی غرض طلب نہیں کرتا ہوں۔ جو ریاست کا شبہ کیا جائے، رہا معاملوں کی اصلاح کا انتظام اور سیاسی احکام کا نافذ کرنا اور جھگڑوں مقدموں کا فیصلہ کرنا تو یہ شبہ کا سبب اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس میں آپ کی اپنی ذاتی کوئی غرض نہیں تھی۔ چنانچہ آپ کے رہنے سہنے اور روزگار و کاروبار کے انداز سے صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے آپ کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ان میں خود قوم ہی کا نفع تھا کہ ان کی جانیں اور مال و عزت وغیرہ محفوظ رہتے تھے، باپ جو اپنے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور انہیں سمجھانا بجھانا، ادب سکھانا وغیرہ انہی کی خیر خواہی کے لئے کرتا ہے، اس کو خود غرضی اور ریاست و حکومت طلب کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جب نبوت بھی ثابت ہو چکی اور ریاست و حکومت کا شبہ بھی دور ہو گیا تو آگے اس کے مقابلہ میں آنے والی چیز کے باطل ہونے کو اس کے اثبات سے ظاہر فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات کو (جو کہ ایمان اور ایمانیات کا ثبوت ہے، باطل پر جو کہ کفر اور ایمانیات کا انکار ہے) غالب کر رہا ہے (بحث و مباحثہ اور گفتگو سے بھی جیسا کہ ابھی دیکھا اور جنگ، قتل و قتال اور تیر و تلوار کا بھی سامان کرنے والا ہے۔ غرض ہر طرح حق غالب ہے، اور) وہ غیب کی

باتوں کو جاننے والا ہے (اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حق غالب ہوگا، اوروں کو تو اب واقع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے، اور اسی طرح اسے معلوم ہے کہ آئندہ غلبہ بڑھے گا چنانچہ مکہ کے فتح کے موقع پر حضور ﷺ کا اگلی آیت کو پڑھنا جیسا کہ ابن کثیر نے شیخین وغیرہ سے روایت کیا ہے اس امر کا قرینہ ہے کہ اس مضمون کی خبر دینے میں تلوار کے ذریعہ غلبہ بھی داخل ہے۔ آگے اس مضمون کی زیادہ وضاحت کے لئے ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ حق (دین) آ گیا اور باطل (دین) نہ پہل کرنے کا رہا اور نہ ہی لوٹ کر آنے کا (یعنی محض گیا گذرا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل باطل کو کبھی شان وشوکت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس دین حق کے آنے سے پہلے کبھی باطل پر حق ہونے کا شبہ ہو جایا کرتا تھا اب اس صفت کی حیثیت سے باطل کا نام ونشان مٹ گیا، یعنی اس کا باطل ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور قیامت کے قریب تک ہمیشہ یوں ہی ظاہر رہے گا۔ آگے حق کے ثبوت پر حق کے اتباع میں نجات کے منحصر ہونے کا بیان فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جب اس دین کا حق ہونا ثابت ہو گیا تو اس سے یہ بھی لازم آ گیا کہ) اگر (مثال کے طور پر اور فرض کرو) میں (اس حق کو چھوڑ کر) گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ پر ہی وبال ہوگی (اس میں دوسروں کا کیا نقصان ہے) اور اگر میں (اس حق کا اتباع کر کے سیدھے) راستہ پر رہوں تو یہ اس قرآن (اور دین) کی بدولت ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے (اصل مقصود مخاطب لوگوں کو سنانا ہے کہ اگر حق کے واضح ہو جانے کے باوجود تم نے حق کا اتباع نہ کیا تو تم بھگتو گے میرا کیا بگڑے گا اور اگر سیدھے راستہ پر آ گئے تو یہ راستہ پر آنا اسی وحی کے ذریعہ ثابت دین کے اتباع کی بدولت ہوگا، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ سیدھے راستہ پر آنے کے لئے اس دین کو اختیار کرو، اور کسی کا گمراہ ہونا یا سیدھے راستہ پر آنا خالی نہ جائے گا کہ بے فکری کی گنجائش ہو، بلکہ اللہ کو ہر ایک کا حال معلوم ہے، کیونکہ) وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے (اور وہ ہر ایک کو اس کے مطابق اور مناسب سزا دے گا)

فائدہ: اور ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ﴾ کو سورۂ مؤمنون آیت ۶۸ ﴿ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴾ کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ رسول کو بلا واسطہ بھیجنے کی نفی سے توحید کی واسطوں سے نقل کی ہوئی اور سنی ہوئی خبر کی نفی لازم نہیں آتی۔

﴿ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ۝ وَّقَالُوۡٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ۝ وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَيَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ۝ وَحِيۡلَ بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ مَا يَشۡتَهُوۡنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشۡيَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا فِىۡ شَكٍّ مُّرِيۡبٍ ۝ ﴾ ع ۱۲

ترجمہ: اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور

پاس کے پاس ہی سے پکڑ لئے جاویں گے اور کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے۔ اور اتنی دور جگہ سے اُن کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے۔ حالانکہ پہلے سے یہ لوگ اُس حق کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے۔ اور اُن میں اور ان کی آرزو میں ایک آڑ کر دی جاوے گی جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جاوے گا جو ان سے پہلے تھے۔ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

ربط: سورت کے مجموعہ میں توحید، رسالت اور بعث کا بیان تھا جس کو دین کے دوسرے اجزا سمیت اوپر کی آیت میں حق کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ اب خاتمہ میں مذکورہ بالا اصول کا انکار کرنے والوں کی سزا وعذاب اور کبھی ختم نہ ہونے والی حسرت کا ذکر ہے۔

آخر میں حق کا انکار کرنے والوں کے برے انجام کا بیان:

اور (اے محمد ﷺ) اگر آپ وہ وقت دیکھیں (تو آپ کو حیرت ہوگی) جب یہ کافر لوگ (قیامت کی ہولنا کی اور ہیبت سے) گھبرائے ہوئے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی سے (یعنی فوراً) پکڑ لئے جائیں گے اور (اس وقت) کہیں گے کہ ہم اس دین حق پر ایمان لے آئے (اور اس میں جتنے امور بتائے گئے ہیں ہم نے سب کو مان لیا اس لئے ہماری دعا قبول کر لیجئے یا دنیا کی طرف لوٹائے بغیر یا دنیا کی طرف لوٹا کر جیسا کہ ارشاد ہے ﴿رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا﴾) اور اتنی دور سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے (یعنی ایمان لانے کی جگہ عمل کی جگہ ہونے کی وجہ سے دنیا تھی جواب بہت دور ہوگئی۔ اب آخرت میں ایمان لانا قابل قبول نہیں کہ یہ عمل کی نہیں جزا کی جگہ ہے اور اول تو واپس دنیا میں آنا شرعی دلیل کے مطابق ناممکن ہے پھر وہاں ایمان لانا اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد، آخرت میں ایمان لانے کی طرح ہی ہے۔ غیب پر ایمان لانا نہیں ہے) حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس حق کا انکار کرتے رہے اور (انکار بھی کیسا جس کا کوئی صحیح منشاء نہیں تھا، بلکہ) بغیر تحقیق کے باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے (دور کا مطلب یہ کہ اس کی تحقیق سے دور تھے، یعنی دنیا میں تو کفر کرتے رہے، اب ایمان لانے کا خیال آیا ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی آرزو ہے) اور (چونکہ آخرت عمل کا میدان نہیں ہے، اس لئے) ان میں اور ان کے (ایمان قبول ہونے کی) آرزو کے درمیان میں ایک آڑ کر دی جائے گی (یعنی ان کی آرزو پوری نہ ہوگی) جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی (برتاؤ) کیا جائے گا جو ان کے طریقہ کے لوگ پہلے (کفر کر چکے) تھے (یعنی ان کا ایمان بھی آخرت میں مقبول نہ ہوگا اور دونوں کے ساتھ ایک معاملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا عمل بھی یکساں ہے، کیونکہ) یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے انہیں پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔

فائدہ: یہاں شک، یقین کے مقابلہ میں ہے جس میں پختہ یقین کے ساتھ انکار کرنا شامل ہے اور اس تعبیر میں یہ نکتہ

ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ ہوگیا کہ اگر حق میں شک بھی ہو تب بھی مہلک ہوگا، کہاں یہ کہ پختہ یقین کے ساتھ انکار ہو، اور تردد یعنی پریشانی سے بھی یہی مراد ہوگا کہ حق پر دل نہیں جمتا۔ اور اس میں بھی اس کی ضد پر دل کا جم جانا شامل ہے، یا یوں کہا جائے کہ جب بار بار حق اہل باطل کے کانوں میں پہنچتا ہے تو اکثر طبعی طور پر کچھ نہ کچھ احتمال مخالف جانب کا ہو ہی جاتا ہے، لہٰذا شک اور تردد دونوں اپنے معنی پر رہے مگر چونکہ حق پر پورا یقین حاصل نہیں کیا، اس لئے باطل کا اتنا اکھڑ جانا مقبول نہیں ہوا۔ اور ﴿مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ کی تفسیر توبہ کے قبول ہونے کے ساتھ اور ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ کی وضاحت میں لوٹنے اور نہ لوٹنے کا عموم آیت ﴿فَارْجِعْنَا﴾ کے[1] خلاف نہیں ہے، کیونکہ اصل مقصود ان کا ایمان قبول ہونا اور نجات ہے اور دنیا کی طرف لوٹنا اس کا ایک راستہ وطریقہ ہے، اگر اس کے بغیر مقصود حاصل ہو جائے تو خود لوٹنا ذاتی طور پر مطلوب نہیں ہے۔

﴿الحمدللہ! سورۃ السبا کی تفسیر ۲۳/صفر بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی اور اسی دن اگلی سورت کی تفسیر شروع کردی﴾

(۱) ظاہر میں ایک دوسرے کی نفی کا شبہ ہوتا ہے اس طرح کہ ﴿فَارْجِعْنَا﴾ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رجوع ہی مقصود ہے اور اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ رجوع مقصود نہیں، بلکہ توبہ مقصود ہے، چاہے رجوع ہو یا نہ ہو اور نفی نہ ہونے کی تقریر خود تفسیر میں مذکور ہے۔

(۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ (۴۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا زیادہ حصہ توحید کے اثبات اور شرک کے باطل کرنے میں ہے۔ اور بعض آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی ہے، جیسے آیت ۴ ﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ﴾ اور ۱۹ ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴾ سے ۲۶ تک۔ اور بعض آیتوں میں بعث وجزا کا مضمون ہے جیسے آیت ۵ ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ اور آیت ۹ میں ﴿ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴾ اور آیت ۲۹ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ﴾ سے آیت ۳۷ تک اور بعض آیتوں میں اعمال کے فائدے اور نقصان کا بیان ہے جیسے آیت ۱۰ ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ ﴾ اور آیت ۱۵ سے ۱۸ تک اور بعض آیتوں میں کفر کی برائی اور اس پر وعید ہے جیسے آیت ۳۸ و ۳۹ اور ۴۵ میں۔ اور گذشتہ سورت کے ختم پر توحید کے ساتھ حق کے انکار پر عاقبت کی برائی کا ذکر تھا۔ لہٰذا توحید کے ساتھ جس سے یہ سورت شروع ہوئی ہے گذشتہ سورت کی مناسبت ظاہر ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ ﴾

ترجمہ: تمام تر حمد اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں۔ وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اُس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اُس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔

توحید کا اثبات:

تمام تعریفیں (حمد وثنا اسی) اللہ کے لائق ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنانے والا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں (پیغام سے مراد انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی لانا ہے، عام

اس لئے کہ شریعتیں ہوں یا خوش خبریاں وغیرہ ہوں، اور کچھ چار ہی کی حد نہیں، بلکہ) وہ پیدا کرنے میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ بعض فرشتوں کے چھ سو بازو پیدا کئے ہیں، جیسا کہ حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (اور قدرت والا بھی ایسا کہ کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہیں کہ وہ) اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے (مثال کے طور پر بارش، پیڑ، پودے اور رزق) تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس کو بند کر دے تو اس کے (بند کرنے کے) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں (ہاں وہی پھر بند اور وسیع کر سکتا ہے) اور وہی غالب (یعنی قدرت وغلبہ اور) حکمت والا ہے (یعنی بند کرنے اور کھولنے پر قادر ہے اور ان میں سے جس کو ترجیح دیتا ہے، اس میں حکمت ہوتی ہے) اے لوگو! (وہ کامل قدرت والا ہونے کے علاوہ کامل نعمت والا بھی ہے، چنانچہ بے شمار نعمتوں کا فیضان فرمایا ہے تو) تم پر جو اللہ کے احسان ہیں انہیں یاد کرو (اور ان کا شکر ادا کرو اور وہ شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کرو اور شرک سے دور رہو۔ چنانچہ ہم تمہیں دو بڑی نعمتوں یعنی ایجاد کرنے اور باقی رکھنے پر تنبیہ کرتے ہیں۔ شکر کرو کہ) کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے (یعنی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے کہ پیدا کرنا ایجاد کی نعمت ہے اور نہ کوئی رزق دینے والا ہے کہ رزق دینا باقی رکھنے کی نعمت ہے، لہٰذا جب وہ ہر طرح سے کامل ہے تو یقیناً) اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق (بھی) نہیں (کیونکہ معبود یعنی پوجا کے لائق ہونے کے لئے پورا کمال ضروری ہے) تو (جب معبود ہونا اسی کا حق ہے تو) تم (شرک کر کے) کہاں الٹے جا رہے ہو؟

فائدہ: شاید فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بنانے کا ذکر کرنے میں یہ حکمت ہو کہ بعض مشرک انہیں بھی معبود یعنی پوجا کے لائق قرار دیتے تھے، لہٰذا اس میں ان کا محکوم یعنی حکم کا تابع اور مامور، حکم پر عمل کرنے والا ہونا بتا دیا تا کہ ان کا معبود ہونا باطل ہو جائے اور ان کا پیغام پہنچانے والا ہونے کے معنی کی تحقیق اور تفصیل سورۂ حج کی آیت ۷۵ ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور ﴿ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ میں یہاں زیادہ کی نفی نہ ہونے کا بیان سورۂ نساء آیت ۳ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ
فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ ع ۲
فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ ﴾

ترجمہ: اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اور سب اُمور اللہ ہی کے روبرو پیش کیے جاویں گے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور سچا ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان، اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے۔ یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اُس کو دشمن سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جاویں۔ جو لوگ کافر ہو گئے اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ تو کیا ایسا شخص جس کو اُس کا عمل بد اچھا کر کے دکھلایا گیا پھر وہ اُس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہے کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ سو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے تو اُن پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا۔ چونکہ کفار اس کا انکار کرتے تھے اور اس انکار سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و غم بھی ہوتا تھا۔ اب انکار پر ڈرانے اور رنج و غم پر تسلی کا مضمون ہے اور درمیان میں مقابلہ کی بات پوری کرنے کے لئے مؤمنوں کے حق میں خوش خبری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی، سرکشی کرنے والوں کو ڈرانا اور اہل ایمان کے لئے خوش خبری:

اور (اے رسول ﷺ) اگر یہ لوگ (توحید اور رسالت وغیرہ کے بارے میں) آپ کو جھٹلائیں تو (آپ غم نہ کریں، کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں (ایک تو اس سے تسلی حاصل کیجئے) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) سب امور اللہ ہی کے سامنے پیش کیے جائیں گے (وہ خود سب کو سمجھ لے گا، آپ کوئی فکر نہ کریں۔ آگے عام لوگوں کو خطاب ہے کہ) اے لوگو! ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ سن کر جس میں قیامت کی خبر ہے نہ کوئی تعجب کرنا اور نہ ہی اس کو ناممکن سمجھنا) اللہ تعالیٰ کا (یہ) وعدہ ضرور سچا ہے تو ایسا نہ ہو کہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں ڈالے رکھے (کہ اس میں مشغول ہو کر اس دن سے جس کا وعدہ کیا گیا ہے غافل رہو) اور ایسا نہ ہو کہ دھوکہ میں ڈالنے والا شیطان تمہیں اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ تم اس کے اس بہکانے میں آ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں نہ ڈالے گا۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے ﴿ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾ اور) یہ شیطان (جس کے دھوکہ میں ڈالنے کا اوپر ذکر ہے) بے شک تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو (یعنی اپنا اتباع کرنے والوں کو) صرف اس لئے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہنم والوں میں سے ہو جائیں (تو) جو لوگ کافر ہو گئے (اور اس کی دعوت دھوکہ میں آ گئے) ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے (اور اس کی دعوت اور دھوکہ میں نہ آئے) ان کے لئے (گناہوں کی) بخشش اور (ایمان اور نیک عمل پر) بڑا اجر ہے (اور جب کافر کا انجام شدید

عذاب اور مؤمن کا انجام مغفرت اور بڑا اجر ہے) تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو برے کو برا سمجھتا ہے، کہیں (یہ دونوں) برابر ہو سکتے ہیں؟ (پہلے شخص سے مراد کافر ہے جو شیطانی دھوکہ سے باطل کو حق اور نقصان دینے والے اعمال کو فائدہ دینے والا سمجھتا ہے اور دوسرے شخص سے مراد مؤمن ہے جو نبیوں کے اتباع اور شیطان کی مخالفت کی وجہ سے باطل کو باطل، حق کو حق، نقصان دینے والے اعمال کو نقصان دینے والا اور فائدہ دینے والے اعمال کو فائدہ دینے والا سمجھتا ہے۔ یہ دونوں برابر کہاں ہوئے؟ بلکہ ایک جہنمی اور ایک جنتی ہے، لہٰذا شیطان کے دھوکہ میں آنے والوں اور اس کو دشمن سمجھنے والوں میں یہ فرق ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں ﴿لَا یَغُرَّنَّکُمْ﴾ یعنی "تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے" اور ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ﴾ یعنی "شیطان تمہارا دشمن ہے" اور اگر اس پر تعجب ہو کہ عقل مند آدمی برے کو نیک کیسے سمجھ لیتا ہے؟) تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے (اس کی عقل الٹی اور خراب ہو جاتی ہے) اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے (اس کی سمجھ صحیح رہتی ہے، پھر جب ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مدار اللہ کی مشیت پر ہے) تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے (یعنی کچھ افسوس نہ کیجئے، صبر سے بیٹھے رہئے) اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے (وقت پر ان سب سے سمجھ لے گا)

فائدہ: اس تفسیر میں ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ﴾ کے ذریعہ ﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ الخ اور ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ کی مثالیں دی گئی ہیں۔ اور ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ﴾ الخ ﴿زُیِّنَ لَهٗ﴾ کا سبب ہے اور ﴿فَلَا تَذْهَبْ﴾ کے ذریعہ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ﴾ الخ کی مثال دی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ﴾ کے ذریعہ شیطانی دھوکہ کی مثال دی گئی ہو جن لوگوں کو وہ دھوکہ دیتا ہے ان میں ایسے بھی ہیں جو بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں، تو یہ مثال محض اچھا دیکھنے اور سمجھنے کے اعتبار سے ہوگی نہ کہ اچھے اور برے کے درمیان برابری کی نفی کے اعتبار سے۔ اور اس سے بھی مقصود تسلی ہوگی یعنی جب اچھے اور برے میں تمیز نہ رہے تو رہنمائی کرنے والے کو مایوس ہو کر غم نہیں کرنا چاہئے اور ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ﴾ اس تسلی کا سبب ہوا اور ﴿فَلَا تَذْهَبْ﴾ کے ذریعہ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ﴾ کی یا تسلی کے گذشتہ مضمون کی مثال دی گئی ہو، جو ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ﴾ الخ سے سمجھ میں آتا ہے اور احقر کے نزدیک دوسرا بیان زیادہ بہتر ہے، مگر متن کا پہلا بیان پہلے لکھ چکا تھا، اس لئے اس کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم۔ البتہ دوسرا بیان پڑھنے والوں کی سمجھ پر اعتماد کرنے کی وجہ سے لکھنے سے رہ گیا تھا، اب نظر ثانی میں اس کو آسان کر کے لکھتا ہوں۔ ﴿اَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ کا جو ترجمہ "بڑا اجر" ہے اس کے بعد عبارت اس طرح ہوگی "اور جو لوگ شیطانی دھوکہ میں آ جاتے ہیں" تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ بری باتوں کو اچھا اور اپنے آپ کو اچھے لوگوں کی برابر سمجھنے لگتے ہیں، مگر کیا واقع میں ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا اور ایسا شخص جو برے کو برا سمجھتا ہے کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ تو ایسے بدتمیزوں سے ہدایت کی امید مت رکھئے اور نہ غم

کیجئے کیونکہ اس سب کا دارومدار مشیت پر ہے، تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اس کی عقل الٹی اور خراب ہو جاتی ہے الخ اس کے بعد عبارت جوں کی توں رہے گی۔

﴿ وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ
الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ
یَبُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا
بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ وَمَا
یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَی الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا یُنَبِّئُكَ
ع ۲ ۱۴ مِثْلُ خَبِیْرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ ایسا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اُس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اُس کے ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح جی اٹھنا ہے۔ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے۔ اچھا کلام اُسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اُس کو پہنچاتا ہے۔ اور جو لوگ بُری بُری تدبیریں کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود ہو جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اُس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کو آسان ہے۔ اور دونوں دریا برابر نہیں ایک تو شیریں، پیاس بجھانے والا ہے اور ایک شور تلخ ہے اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو۔ اور زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو اُس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اُس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو۔ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اُسی کی سلطنت ہے۔ اور اُس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو

بھی تو وہ تمہاری سنیں گے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے۔ اور تجھ کو خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتلاوے گا۔

ربط: سورت کے شروع میں توحید کا مضمون تھا، اب آیت ۱۴ تک پھر وہی مضمون ہے صرف درمیان میں زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے ﴿ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴾ میں بعث کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اور اوپر والے مضمون شیطان کے دھوکہ میں ڈالنے والے مضمون کی مناسبت سے کافروں کی ایک غلطی کا، عزت طلب کرنے کے بارے میں اور اس کی مناسبت سے عزت حاصل کرنے کے طریقہ کا اور اس کی مناسبت سے اس طریقہ کے خلاف کرنے والوں کی ناامیدی وبدنصیبی اور گمراہی ونقصان کا بیان فرما دیا اور عزت طلب کرنے کا مضمون ﴿ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴾ سے بھی مناسبت رکھتا ہے کہ جب سب کو قیامت میں حاضر ہونا ہے تو وہاں کی عزت کا جو طریقہ تم نے سمجھا ہے، وہ غلط ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے الخ

توحید کے مضمون کا دوبارہ ذکر اور موقع ومحل کے مناسب بعض دوسرے مضامین:

اور اللہ ایسا (قدرت والا) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو اٹھاتی ہیں (جس کی حقیقت سورۂ روم آیت ۴۸ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے) پھر ہم اس بادل کو زمین کے خشک حصہ کی طرف ہانک لے جاتے ہیں (کہ وہاں بارش ہوتی ہے) پھر ہم اس (یعنی بادل کے پانی) کے ذریعہ سے زمین کو (پیڑ پودوں، ہریالی سے) زندہ کرتے ہیں (اور جس طرح زمین کو اس کے مناسب زندگی عطا فرمائی) اسی طرح (قیامت میں آدمیوں کا) جی اٹھنا ہے (کہ انہیں ان کے مناسب زندگی عطا ہوگی، تشبیہ کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں میں ایک زائل ہونے والی صفت کا پیدا کرنا ہے اگرچہ زمین میں صرف ایک عرضی امر کا تعلق ہوا ہے اور انسانی جسم کے اعضا میں ایک جوہری امر یعنی روح کا تعلق ہوگا، یہ نشور یعنی جی اٹھنے کا مضمون توحید کی دلیلوں کے درمیان میں زمین کے زندہ ہونے کے لئے تابع ہو کر آ گیا ہے۔ پھر اس جی اٹھنے کی مناسبت سے ایک اور مضمون ہے کہ جب قیامت میں زندہ ہونا ہے تو وہاں کی ذلت اور رسوائی سے بچنے کی فکر کرنا ضروری ہے، اس بارے میں مشرکوں نے اپنے معبودوں کو شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، عزت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے ﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یعنی ''یہ ہمارے علی الاطلاق شفاعت کرنے والے ہیں دنیاوی ضرورتوں میں بھی اور اگر قیامت کوئی چیز ہے تو آخرت کی نجات کے لئے بھی جیسا کہ حق تعالیٰ نے سورۂ مریم آیت ۸۱ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴾ اس کے متعلق ارشاد ہے کہ) جو شخص (آخرت میں) عزت حاصل کرنا چاہے (اور یہ چاہنا آخرت کے واقع ہونے کے یقین کی وجہ سے ضروری ہے) تو (اسے چاہئے کہ اللہ سے عزت حاصل کرے، کیونکہ) تمام تر عزت (ذاتی طور پر) اللہ ہی کے لئے (حاصل) ہے (اور دوسرے کے لئے جب ہوگی عرض کے

طور پر ہوگی اور جو عرض کے طور پر ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کا محتاج ہوتا ہے جو ذات کے طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں سب اللہ ہی کے محتاج ہوئے اور اللہ سے اس کا حاصل کرنا اس طرح ہے کہ قول کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے کہ اللہ کے نزدیک یہی چیزیں پسندیدہ ہیں، چنانچہ) اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے (یعنی وہی اس کو قبول کرتا ہے) اور اچھا کام اس کو پہنچتا ہے (اچھے کلام میں کلمۂ توحید اور اللہ کے تمام ذکر اور اچھے کام میں دل سے تصدیق اور تمام ظاہری وباطنی نیک اعمال داخل ہیں۔ اور رفع (اٹھانا) پوری طرح قبول کرنے سے عام ہے اور اس مختصر دلیل کی دوسری دلیلوں نے اس طرح تفصیل کردی ہے کہ دل کی تصدیق تو تمام اچھے کلموں کے لئے محض قبول کی شرط ہے اور دوسرے نیک اعمال تمام اچھے کلموں کے لئے پوری طرح قبولیت کی شرط ہے نہ کہ محض قبول کی، کیونکہ اگر فاسق شخص سے اچھے کلمے ادا ہوں تو بھی قبول صحیح ہے، لہٰذا جب یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں تو جو شخص ان کو اختیار کرے گا وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے نزدیک معزز ہوگا) اور جو لوگ (اس کے خلاف طریقہ اختیار کر کے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں جو کہ خود اللہ ہی کی مخالفت ہے، اور آپ کے ساتھ) بری بری تدبیریں کر رہے ہیں، انہیں سخت عذاب ہوگا (جو ان کی ذلت کا سبب ہوگا اور جن کو یہ پوجا کے لائق معبود سمجھ رہے ہیں، وہ انہیں خاک عزت نہ دے سکیں گے بلکہ اس کے برعکس وہ خود ان کے خلاف ہو جائیں گے، جیسا کہ سورۂ مریم آیت ۸۲ میں ہے ﴿سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ یہ تو ان کا آخرت میں نقصان ہوگا) اور (دنیا میں بھی ان کا یہ نقصان ہوگا کہ) ان لوگوں کا یہ مکر وفریب بے نام ونشان ہو جائے گا (یعنی ان تدبیروں میں انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے مگر خود ہی مٹ گئے۔ اس مضمون کے جملہ معترضہ کے طور پر پورا ہونے کے بعد پھر توحید کے مضمون کا ذکر ہے، یعنی حق تعالیٰ کا ایک تصرف تو وہ تھا جو اوپر ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ يُرْسِلُ﴾ الخ میں بیان کیا گیا) اور دوسرا تصرف جو توحید پر دلالت کرنے والا ہے، یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہیں (آدم کو پیدا کرنے کے ضمن میں) مٹی سے پیدا کیا، پھر (مستقل طور پر) نطفہ سے پیدا کیا، پھر تمہارے جوڑے بنائے (یعنی کچھ مرد بنائے اور کچھ عورتیں بنائیں۔ یہ تو اس کی قدرت ہے) اور (اس کا علم ایسا ہے کہ) کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ ہی وہ جنتی ہے مگر سب اس کے علم سے ہوتا ہے یعنی اسے پہلے سے سب کا علم ہوتا ہے) اور (اسی طرح) نہ کسی کی عمر زیادہ (مقرر) کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم (مقرر) کی جاتی ہے۔ مگر یہ سب لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہوتا ہے (جسے حق تعالیٰ نے اپنے قدیم علم کے مطابق اس میں درج فرما دیا ہے اور اگرچہ معلومات بے شمار ہیں کہ نہ ان کی گنتی کی جاسکتی ہے، نہ ان کا احاطہ کیا جاسکتا ہے مگر اس بات پر تعجب نہ کرو کہ واقع ہونے سے پہلے سارے واقعات کو کیسے مقدر ومقرر فرما دیا؟ کیونکہ) یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے (کیونکہ اس کا علم ذاتی ہے جس کے لئے تمام معلومات واقع ہونے سے پہلے اور واقع ہونے کے بعد سب برابر ہیں) اور (آگے قدرت کی اور دلیلیں سنو کہ اس کے

باوجود کہ پانی ایک ہی مادہ ہے مگر قبول کرنے والے کے ایک ہونے کے باوجود اس میں افعال کے اختلاف سے دو مختلف قسمیں پیدا کر دیں، چنانچہ) دونوں دریا برابر نہیں ہیں (بلکہ) ایک تو میٹھا پیاس بجھانے والا ہے جس کا پینا بھی (طبیعت کے قبول کرنے کی وجہ سے) آسان ہے اور ایک نمکین کڑوا ہے (تو یہ امر بھی قدرت کی عجیب باتوں میں ہے) اور (قدرت کی دوسری دلیلیں بھی ہیں جو قدرت پر دلالت کے ساتھ نعمت پر دلالت کرنے والی بھی ہیں، بعض تو انہی دریاؤں سے متعلق ہیں، مثلاً یہ کہ) تم ہر ایک (دریا) سے (مچھلیاں پکڑ کر ان کا) تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو۔ اور (اے مخاطب!) تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو، وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم (ان کے ذریعہ سفر کر کے) اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ (روزی حاصل کر کے) تم (اللہ کا) شکر کرو (اور بعض اور نعمتیں ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ) وہ رات (کے حصوں) کو دن (کے حصوں) میں داخل کر دیتا ہے اور دن (کے حصوں) کو رات (کے حصوں) میں داخل کر دیتا ہے (جس سے دن اور رات کے گھٹنے بڑھنے سے متعلق فائدے حاصل ہوتے ہیں) اور (مثال کے طور پر یہ کہ) اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے (ان میں سے) ہر ایک مقرر وقت (یعنی قیامت کے دن) تک (اس طرح) چلتا رہے گا، یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) تمہارا پروردگار ہے، اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے (چنانچہ بے جان جمادات زمینی معدنی چیزوں پتھر وغیرہ میں تو ظاہر ہے اور جاندار چیزوں میں اس لحاظ سے کہ ذاتی طور پر اختیار نہیں رکھتے اور ان کی یہ حالت ہے کہ) اگر تم انہیں پکارو بھی تو (اول تو) وہ تمہاری (کوئی بات) سنیں گے نہیں (جمادات تو اس لئے نہیں سنیں گے کہ ان میں سننے کی قوت ہی نہیں ہے اور جانداروں میں اس معنی میں کہ جس طرح کے سننے کا کافر عقیدہ رکھتے تھے کہ سننا لازم اور ہمیشہ رہنے والا ہے، وہ موجود ہی نہیں ہے) اور اگر (فرض کرو) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا پورا نہیں کریں گے (جمادات میں تو یہ بات بالکل ہی محض فرض ہے اور اس جملہ کے شرط ہونے کی وجہ سے اس کی جزا کا واقع ہونا ضروری نہیں، اور جانداروں میں یہ بات کبھی واقع بھی ہو سکتی ہے اور ﴿مَا اسْتَجَابُوْا﴾ میں قبولیت کی نفی جمادات کے حق میں تو قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اور جانداروں میں سے جو مقبول ہیں، جیسے فرشتے کہ ان میں رضا نہ ہونے کی وجہ سے، اور جو غیر مقبول ہیں جیسے شیطان ان میں جو امور ایسے ہیں کہ ان کے لئے پکارا جاتا ہے یا جن کے لئے دعا کی جاتی ہے وہ ان کے اختیار سے باہر ہیں، ان میں تو قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور جو اختیار میں ہیں ان میں مستقل قدرت نہ ہونے کے اعتبار سے یہ حالت تو ان معبودوں کی دنیا میں ہے) اور قیامت کے دن وہ (خود تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے، جیسا کہ ﴿مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ وغیرہ آیتوں میں بیان کیا گیا ہے) اور (ہم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے سچے ہونے میں ذرا شک وشبہ نہیں، کیونکہ ہم امور کی حقیقتوں کی پوری خبر رکھنے والے ہیں۔ اور اے مخاطب!) تمہیں خبر رکھنے والے کی برابر کوئی نہیں بتائے گا (لہٰذا ہمارا بتانا

سب سے صحیح ہے)

فائدہ: یہ بات مشہور ہے کہ موتی صرف دریائے شور یعنی نمکین پانی والے دریا میں سے نکلتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ﴿ وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً ﴾ الخ صرف نمکین پانی والے دریا کے اعتبار سے ہوگا، یعنی تازہ گوشت والا مذکورہ فائدہ تو مشترک تھا اور بعض فائدے نمکین پانی والے دریا کے ساتھ خاص ہیں کہ وہ موتیوں کا نکلنا ہے اور اس صورت میں ﴿ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ ﴾ میں زیر دینے والے حرف کے بعد آنے والی ضمیر کا دوبارہ لانا بھی دریائے شور یعنی نمکین پانی والے دریا کے مناسب ہوگا جو موتی کے نکلنے کے قرینہ سے ضمیر متصل کی طرح ہے اور اگرچہ یہ نفع مشترک ہے مگر دریائے شور میں اکثر بڑے بڑے جہازوں کا چلنا، جس میں پھاڑتے ہوئے چلنا اور روزی کا ڈھونڈنا زیادہ ثابت ہیں، البتہ خصوصیت کی وجہ ہوسکتی ہے اور ﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ سے متعلق ایک ضروری مضمون سورۂ لقمان آیت ۲۹ میں اسی طرح کے فقرہ کی تفسیر میں لکھا گیا ہے، ملاحظہ کیا جائے۔ اور ﴿ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ کے ترجمہ میں ''ذاتی طور پر'' کی قید ظاہر کردینے سے یہ آیت ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کے خلاف نہیں رہی، جیسا کہ ظاہر ہے اور ان آیتوں میں قدرت کی زیادہ دلیلوں اور علم کے فرمانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ قدرت کے آثار علم کے آثار سے زیادہ ظاہر ہیں، اور قدرت کی دلیلوں میں دونوں طرف آفاقی دلیلیں اور درمیان میں انفسی دلیلیں شاید اس لئے لائی گئی ہوں کہ آفاقی کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اور تلبسون سے متعلق سورۂ النحل آیت ۱۴ میں ضروری مضمون لکھا گیا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ
اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ
مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ﴾ ع ۱۴ ۱۵

ترجمہ: اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تم کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق کو پیدا کردے اور یہ بات خدا کو کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ

اٹھانے کے لئے بلاوے گا تب بھی اُس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ ہٹایا جاوے گا۔ اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور زندے اور مُردے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ اُن لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں میں ہیں۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، ہم ہی نے آپ کو حق دے کر خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انھوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ اُن کے پاس بھی اُن کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے اُن کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا، چونکہ کافر اس کا انکار کرتے تھے اور اس انکار سے رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال ہوتا تھا۔ اب اس انکار سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ ہونا بلکہ خود ان کافروں ہی کا نقصان ہونا اور تسلیم کر لینے سے حق کا تعالیٰ کچھ نفع نہ ہونا بلکہ خود انہی کا نفع ہونا اور دنیا میں اس نقصان کا احتمال اور آخرت میں اس کا واقع ہونا بیان کر کے کافروں کو ڈرانا اور اس کے بعد رسول ﷺ کے رنج و غم پر آپ کی تسلی کا مضمون ہے۔

انکار کرنے والوں کو ڈرانا اور سید المرسلین ﷺ کی تسلی:

اے لوگو! تم (ہی) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ (تو بے نیاز) بے پرواہ (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے (لہٰذا تمہاری حاجت وضرورت دیکھ کر تمہارے نفع کے لئے توحید وغیرہ کی تعلیم کی گئی ہے، اگر تم نہیں مانو گے تو تم اپنا نقصان کرو گے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو ذاتی بے نیازی اور ذاتی کمال کی وجہ سے تمہاری یا تمہارے اعمال کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ اس کے نقصان کا احتمال ہو اور کفر پر جو نقصان ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اب بھی واقع کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ) اگر وہ چاہے تو (تمہارے کفر کی سزا میں) تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق پیدا کر دے (جو تمہاری طرح کفر و انکار نہ کریں) اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں (لیکن مصلحت کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے۔ غرض یہاں تو ضرور اس کے واقع ہونے کا احتمال ہے لیکن قیامت میں وہ ضرور واقع ہو جائے گا) اور (اس وقت یہ حالت ہوگی کہ) کوئی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور (خود تو کوئی کسی کی رعایت کیا کرتا، یہ حالت ہوگی کہ) اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی کوئی گنہ گار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا (بھی) تب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہیں ہٹایا جائے گا۔ اگرچہ وہ شخص قریبی عزیز ہی (کیوں نہ) ہو (لہٰذا اس وقت اس کفر اور بد عملی کا پورا نقصان خود ہی بھگتنا پڑے گا، یہ تو انکار کرنے والوں کو ڈرانا ہو گیا۔

آگے حضور ﷺ کی تسلی ہے کہ اے محمد! ﷺ آپ ان کے انکار پر جس کی سزا یہ ایک دن ضرور بھگتیں گے، اس

قدر غم وافسوس کیوں کرتے ہیں؟) آپ تو (ایسا ڈرانا جس کا فائدہ ہو) صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں، جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (اس ﴿ اَلَّذِيْنَ ﴾ سے مراد مؤمن ہیں یعنی آپ کے ڈرانے سے صرف مؤمن فائدہ اٹھاتے ہیں، چاہے وہ اس وقت مؤمن ہوں یا بعد میں ایمان لانے والے ہوں اور دونوں میں مشترک امر حق کی طلب ہے۔ مطلب یہ کہ حق طلب کرنے والے کو نفع ہوا کرتا ہے، یہ لوگ حق کے طلب کرنے والے ہی نہیں ہیں، اس لئے ان سے کوئی امید ہی نہ رکھئے) اور (آپ ان کے ایمان نہ لانے سے اس قدر فکر کیوں کرتے ہیں؟) جو شخص (ایمان لاکر شرک وکفر سے) پاک ہوتا ہے، وہ اپنے (نفع کے) لئے پاک ہوتا ہے اور (جو ایمان نہیں لاتا وہ وہاں بھگتے گا کیونکہ سب کو) اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے (لہٰذا فائدہ ہے تو ان کا، پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں) اور (ان لوگوں سے کیا امید رکھی جائے کہ ان کی سمجھ داری مؤمنوں کی سمجھ داروں جیسی ہو جائے اور اس سمجھ داری کی وجہ سے مؤمنوں کی طرح یہ بھی حق کے راستہ کو قبول کرلیں اور حق کو قبول کرنے کے دینی نتیجوں اور فائدوں میں بھی یہ لوگ شریک ہو جائیں، کیونکہ حق کو سمجھنے میں مؤمنوں کی مثال آنکھوں سے دیکھنے والوں کی طرح ہے اور حق کو نہ دیکھنے میں ان کی مثال اندھوں جیسی ہے اور اسی طرح مؤمن نے حق کو سمجھ کر ہدایت کے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے، حق کے اس طریقہ کی مثال نور جیسی ہے اور کافر نے حق کو نہ سمجھ کر جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کی مثال اندھیرے جیسی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ اور اسی طرح اس طریقہ پر چلنے سے جو ثمرہ ونتیجہ جنت وغیرہ ملے گا اس کی مثال ٹھنڈے سایہ جیسی ہے اور باطل طریقہ پر جو ثمرہ ونتیجہ جہنم وغیرہ ملے گا اس کی مثال جلتی دھوپ جیسی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴾ سے ﴿ فِيْ سَمُوْمٍ ﴾ تک۔ اور ظاہر ہے کہ) اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ ہی اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ (لہٰذا نہ ان کی اور مؤمنوں کی سمجھ داری برابر ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا طریقہ اور نہ اس طریقہ کا ثمرہ اور نتیجہ) اور (مؤمن اور کافر میں جو فرق اندھے اور آنکھوں والے جیسا کہا گیا تو اس سے مقصود کمی کی نفی ہے نہ کہ زیادتی کی۔ کیونکہ ان میں فرق مردہ اور زندہ کا سا ہے لہٰذا ان کی برابری کی نفی کے لئے یوں کہنا بھی صحیح ہے کہ) زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے (اور جب یہ مردے ہیں تو مردوں کو زندہ کرنا اللہ کی قدرت میں تو ہے بندہ کی قدرت میں نہیں، لہٰذا اگر اللہ ہی انہیں ہدایت دیدے تب تو اور بات ہے، کیونکہ) اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے (ویسے آپ کی کوشش سے یہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کی تو آپ نے مردوں کی مثال سن لی) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (دفن) ہیں (لیکن اگر یہ نہ مانیں تو آپ غم نہ کیجئے کیونکہ) آپ تو (کافروں کے حق میں) صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ذمہ یہ نہیں کہ وہ کافر ڈر کو مان بھی لیں اور آپ کا یہ ڈرانا آپ کی اپنی طرف سے نہیں جیسا کہ نبوت کا انکار کرنے والے کہتے تھے، بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ہے، کیونکہ) ہم نے ہی

آپ کو (دین) دے کر (مسلمانوں کو) خوش خبری سنانے والا اور (کافروں کو) ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور (یہ بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں جیسا کہ کافر کہتے تھے، بلکہ) کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرسنانے والا (یعنی نبی) نہ گذرا ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (آپ ان گذشتہ رسولوں کا جن کا ابھی مختصر انداز میں ذکر ہوا ہے اور تفصیل کے ساتھ دوسری آیتوں میں ذکر ہے، کافروں کے ساتھ معاملہ یاد کر کے اپنے دل کو سمجھا لیجئے کیونکہ) جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، انھوں نے بھی (اپنے وقت کے رسولوں کو) جھٹلایا تھا (اور) ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے (یعنی بعض صحیفے اور بعض بڑی بڑی کتابیں اور بعض نبوت کی تصدیق کرنے والے معجزے اور گذشتہ نبیوں کے احکام لے کر آئے) پھر (جب انھوں نے جھٹلایا تو) میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا تو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا؟ (اسی طرح ان کے وقت پر انہیں سزا دوں گا)

فائدہ: اندھیرے اور روشنی اور سایہ اور دھوپ کے برابر ہونے کی نفی اس بنیاد پر نہیں کہ جن سے تشبیہ دی گئی ہے، ان کے برابر ہونے کا شبہ تھا، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ ان کی ہدایت نہ ہونے پر استدلال ہے کہ دیکھو ان سے جن چیزوں کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی ہدایت و گمراہی اور جنت و جہنم کا برابر نہ ہونا تو معلوم ہی ہے اور ہر فریق کے لئے ایک ایک بات مقدر ہے تو کافروں کی ہدایت کی توقع کرنا گویا ان امور کی امید برابری کے لئے لازم ہے جو کہ محال ہے، لہٰذا جس سے لازم کیا گیا وہ بھی مبالغۃً منفی ہے اور ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ﴾ کے ترجمہ سے نفی کا شبہ اگلی آیت ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ سے جاتا رہا۔ لہٰذا اس حصر سے یا تو بشیر یعنی خوش خبری دینے والے کی نفی بالکل مقصود ہی نہ ہو، بلکہ آپ سے جس کا سوال کیا جارہا ہے اس کی نفی ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ یا پھر بشیر کی نفی کافروں کے اعتبار سے ہو، میرے ترجمہ سے دونوں امر ظاہر ہیں۔ اور سورۂ نمل آیت ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ الخ کی تفسیر میں ﴿اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ سے متعلق کچھ مضمون گذرا ہے، ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اور مردوں کے سننے کے بارے میں سورۂ نمل آیت ۸۰ ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ کی تفسیر میں ضروری بحث لکھی گئی ہے اور ﴿لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ سورۂ عنکبوت کی آیت ۱۳ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ سے ٹکرا نہیں رہی ہے، چنانچہ اس کا بیان ترجمہ دیکھنے سے واضح ہو سکتا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۗ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝﴾

ترجمہ: کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ اُن کی بھی رنگتیں مختلف ہیں بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ اُن کی رنگتیں مختلف ہیں۔ خدا سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

ربط: جیسا کہ اوپر کئی جگہ توحید کا مضمون آچکا ہے، اب پھر توحید کا بیان ہے اور توحید کے ساتھ اس کے علم کے ایک عملی نتیجہ خشیت یعنی ڈرنے کا ذکر ہے اور اس نتیجہ کی علت کے طور پر اللہ کی بعض صفتوں کا بیان ہے۔

وحدت وخشیت، اور علت کے ذریعہ اس کی تقویت:

(اے مخاطب!) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے (چاہے مختلف نوعوں اور صفتوں کے اور چاہے ایک ہی نوع اور ایک ہی صفت کے) اور (اس طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعض) سفید اور (بعض) سرخ کہ (پھر خود) ان (سفید اور سرخ) کی بھی رنگتیں مختلف ہیں (کہ بعض بہت سفید اور بہت سرخ ہیں اور بعض ہلکے سفید اور ہلکے سرخ) اور (بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اس طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں (بعض اوقات اختلاف صنفوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی صنف میں۔ لہٰذا جو لوگ قدرت کی ان دلیلوں میں غور کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم ہوتا ہے اور) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں (اگر عظمت کا علم اعتقادی ہے تو خشیت یعنی ڈر بھی اعتقادی ہے اور اگر عظمت کا علم محض حال سے متعلق ہے تو خشیت بھی محض حال سے متعلق ہے اور) واقعی اللہ تعالیٰ (سے ڈرنا اپنے آپ میں بھی ضروری ہے، کیونکہ وہ) زبردست (ہے کہ سب کچھ کرسکتا ہے اور ایک انتہائی مقصود کی وجہ سے ضروری ہے، کیونکہ وہ ڈرنے والوں کے گناہوں کا) بڑا بخشنے والا ہے (لہٰذا ڈرنا عزت کا تقاضا بھی ہے اور مغفرت کا بھی تقاضا ہے)

فائدہ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ﴾ الخ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ بعض اہل علم کو خشیت یعنی اللہ کے ڈر سے خالی دیکھا جاتا ہے۔ اور ان آیتوں کے ربط کی ایک وضاحت اور بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ یہ بھی تسلی کے مضمون میں داخل ہے جس کا اس سے قریب کی آیتوں میں بیان ہوا ہے، لہٰذا حاصل یہ ہوگا کہ ہم نے مؤمن اور کافر میں جو دیکھنے والے اور اندھے کا سا فرق رکھا ہے تو کچھ ان کی خصوصیت نہیں، ہم نے دوسری مخلوقوں میں بھی حکمت کے تقاضہ سے بہت سے امور میں اختلاف اور فرق رکھے ہیں، چنانچہ دیکھو پھلوں، پتھروں اور حیوانوں کے رنگوں میں ہی کیسا فرق رکھا ہے، لہٰذا اس صورت میں کافروں سے کیا امید رکھی جائے؟ اور ان کے ایمان نہ لانے سے کیوں افسوس کیا

جائے؟ آپ کے ڈرانے سے تو صرف انہی لوگوں میں خشیت اور خشیت سے اطاعت پیدا ہو سکتی ہے جنہیں ڈرانے کے مضمون میں غور وفکر کر کے حق تعالیٰ کی عظمت کا علم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اسی مضمون سے تسلی شروع بھی ہوئی تھی ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ ﴾ الخ لہٰذا چونکہ مقصود یہی مضمون تھا، اس پر ختم بھی کیا گیا اور پہلی وضاحت لکھنے کے بعد جب یہ وضاحت ذہن میں آئی تو اس سے زیادہ بہتر معلوم ہوئی، لہٰذا جس کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں، اور مختلف امور میں رنگ کو خاص طور سے شاید اس لئے بیان کیا ہو کہ اس میں اختلاف بالکل ظاہر ہے اور دلیل کا پہلا حصہ جتنا زیادہ ظاہر ہو مطلوب میں اس کا اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً
لَّنْ تَبُوْرَ (۲۹) لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (۳۰) وَالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (۳۱) ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ
الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ (۳۲) جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ (۳۳) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَكُوْرُ (۳۴) الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (۳۵)
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ
نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ (۳۶) وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ
اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ (۳۷) ﴾ ع

ترجمہ: جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تا کہ اُن کو اُن کی اُجرتیں پوری دیں اور اُن کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے اُن میں متوسط درجہ کے ہیں۔ اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔ وہ باغات

ہیں ہمیشہ رہنے کے جس میں یہ لوگ داخل ہونگے اُن کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اُتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی ہم کو خستگی پہنچے گی۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آوے گی کہ مر ہی جاویں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جاوے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ اُس میں چلاویں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لیجئے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اُن کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا، سو مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ربط: اوپر تین مقامات میں (۱) ﴿اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ سے ﴿كَبِيۡرٌ﴾ تک (۲) ﴿كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ﴾ سے ﴿يَبُوۡرُ﴾ تک اور (۳) ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ﴾ سے ﴿الۡمَصِيۡرُ﴾ تک مختصر انداز میں آخرت، اس کی جزا و سزا و بدلہ کا ذکر آچکا ہے۔ اور اوپر والے مضمون کے ختم پر ﴿عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ﴾ سے بھی جزا و سزا کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ اب اس کی تفصیل اور زیادہ تصریح ہے۔

ثواب و عذاب کا بیان اور اعمال اور عمل کرنے والوں میں فرق:

جو لوگ اللہ کی کتاب (یعنی قرآن) کی تلاوت (عمل کے ساتھ) کرتے رہتے ہیں اور (خصوصیت واہتمام کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے) خرچ کرتے ہیں، وہ (اللہ کے وعدہ کی وجہ سے) ایسی (ہمیشہ کے نفع والی) تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی مندی نہیں ہوگی (کیونکہ اس سودے کا خریدار کوئی مخلوق میں سے نہیں ہے جو کبھی تو سودے کی قدر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا، بلکہ اس کا خریدار خود حق تعالیٰ ہوگا جو ضرور اپنے وعدہ کے مطابق اپنی غرض سے نہیں بلکہ صرف انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اس کی قدر کرے گا) تاکہ انہیں ان (کے اعمال) کی اجرتیں (بھی) پوری (پوری) دیں (جس کا آگے ﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ﴾ الخ میں بیان آئے گا) اور (اجرت کے علاوہ) انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں (اور اس میں سے نیکیوں کو بڑھا کر دینا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا﴾) بے شک وہ بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے (لہٰذا ان کے اعمال میں جو کچھ کوتاہی رہ گئی تھی اس کی ایسی قدر کی کہ اجرت کے علاوہ انعام بھی دیا) اور (قرآن مجید پر عمل کرنے کی برکت سے انہیں جو اجر و فضل ملا تو واقعی قرآن مجید ایسی ہی چیز ہے کیونکہ) یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل حق ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی (اس معنی میں) تصدیق کرتی ہے (کہ انہیں ان کی اصلی شکل میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی بتاتی ہے، چاہے بعد میں ان میں تحریف یعنی ردوبدل

کردی گئی ہو۔ غرض یہ کتاب ہر طرح کامل ہے اور چونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا (اور ان کی مصلحتوں کو) خوب دیکھنے والا ہے (اس لئے اس وقت ایسی ہی کامل کتاب کا نازل کرنا حکمت کے مطابق بھی تھا اور کامل کتاب پر عمل کرنے والا کامل جزا کا مستحق بھی ہوگا۔ جو کہ اجر و فضل کا مجموعہ ہے، لہٰذا اس اجر و فضل کے فیض کے لئے ہم نے یہ کتاب پہلے آپ پر نازل کی اور) پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے (تمام دنیا جہان کے) بندوں میں سے (ایمان کے اعتبار سے) پسند فرمایا (اس سے اہل اسلام مراد ہیں جو ایمان کی اس حیثیت سے تمام دنیا والوں میں اللہ کے نزدیک مقبول ہیں، چاہے ان میں برے عمل جیسی کوئی دوسری وجہ ملامت کا سبب بھی ہو، مطلب یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں وہ کتاب پہنچائی) پھر (ان میں سے انتخاب کر کے مشترک ہونے کے باوجود تین قسمیں ہیں کہ) ان میں سے (۱) بعض تو (کوئی گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور (۲) بعض ان میں (جو نہ گناہ کرتے ہیں اور نہ طاعتوں میں ضرورت سے زیادہ بڑھتے ہیں) درمیانی درجہ کے ہیں اور (۳) بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں (کہ گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور فرضوں کے ساتھ غیر فرضوں کی بھی ہمت کرتے ہیں۔ غرض ہم نے تینوں قسم کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں وہ کتاب پہنچائی اور) یہ (یعنی ایسی کامل کتاب کا پہنچا دینا اللہ کا) بڑا فضل ہے (کیونکہ اس پر عمل کرنے کی بدولت ہی وہ اجر و فضل کے مستحق ہوگئے۔ آگے اس اجر و فضل کا بیان ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ) وہ (اجر و فضل) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن میں یہ لوگ (جن کا آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ﴾ الخ میں ذکر ہے) داخل ہوں گے (اور) انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی اور (وہ وہاں داخل ہوکر) کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لئے رنج و) غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں اتارا، جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں کوئی رنج و غم ہوگا (یہ تو اللہ کی کتاب اور احکام پر عمل کرنے والوں کا حال ہوا) اور جو لوگ (ان کے برخلاف) کافر ہیں، ان کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں (اور مر کر چھوٹ جائیں) اور نہ ہی ان سے جہنم کا عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے۔ اور وہ لوگ اس (جہنم میں پڑے ہوئے) چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے) نکال لیجئے، ہم (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے ان کاموں کے برخلاف جو (پہلے) کیا کرتے تھے (ارشاد ہوگا کہ) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور (صرف عمر ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ) تمہارے پاس (ہماری طرف سے) ڈرانے والا (یعنی رسول) بھی پہنچا تھا (چاہے واسطہ سے یا بلا واسطہ، مگر تم نے ایک نہیں سنی) تو (اب اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا (یہاں) کوئی مددگار نہیں (ہم تو ناراضی کی وجہ سے دوسرے قدرت نہ ہونے کی

وجہ سے، چاہے اس کے ساتھ رضا کا ہونا ہو یا رضا کا نہ ہونا)

فائدہ: ﴿ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ ﴾ میں جس عمر کا ذکر ہے، اس سے بالغ ہونے کی عمر مراد ہے کہ اس میں ضرورت کے مطابق فہم یعنی پوری سمجھ حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اس عمر میں مکلف ہو جاتا ہے۔ قتادہ سے درمنثور میں یہی تفسیر نقل کی گئی ہے: قال اعلموا أن طول العمر حجة قال نزلت وإن فيهم لابن ثمان عشر سنة: اور اس سے بالغ ہونا مراد ہے جیسا کہ امام صاحب نے بالغ ہونے کی زیادہ سے زیادہ یہی مدت قرار دی ہے۔ اور بعض حدیثوں میں جو اس کی تفسیر میں ساٹھ برس آئے ہیں، اس سے تخصیص مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس سے اور زیادہ حجت ہوگی اور ﴿ يَتْلُوْنَ ﴾ پر جنت میں داخل ہونا اس کے سبب پر دلالت کرتا ہے اور اس سے اس پر موقوف ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اگر پہلے داخل ہونے کا اس پر موقوف ٹھہرایا جائے تو تلاوت سے مراد عمل ہے جو کہ تلاوت کا مقصود ہے، کیونکہ بغیر عمل کے تلاوت گنتی کے یا اعتبار کے قابل نہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا۔ بیشک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔ سو جو شخص کفر کرے گا اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور کافروں کے لئے اُن کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔ آپ کہئے کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انھوں نے زمین کا کونسا جزو بنایا ہے یا اُن کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے۔ یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی دلیل پر قائم ہوں۔ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں، اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ وہ حلیم غفور ہے۔

ربط :اوپر سورت کی اکثر آیتوں میں توحید کا ذکر ہوا ہے۔اب پھر توحید کے اثبات اور شرک کے باطل ہونے کا مضمون ہے اور درمیان میں فرع کے طور پر کفر کے برا ہونے کا ذکر ہے۔

توحیداور ڈرانا:

بے شک اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے، بے شک وہی (دل کی باتوں کا جاننے والا ہے (لہٰذا اس کا علمی کمال تو ایسا ہے اور عملی کمال جو کہ قدرت اور نعمت دونوں پر دلالت کرنے والا ہے، یہ ہے کہ) وہی ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا (اوران دلیلوں اور نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ استدلال اور شکر کے طور پر توحید اور اطاعت اختیار کرتے، مگر اس کے برخلاف بعض کفر پر اصرار کرتے ہیں) تو (کسی دوسرے کا کیا بگڑتا ہے، بلکہ) جو شخص کفر کرے گا، اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور (اس وبال کی تفصیل یہ ہے کہ) کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا سبب ہوتا ہے (جو دنیا ہی میں ظاہر اور ثابت ہوجاتی ہے) اور کافروں کے لئے ان کا کفر (آخرت میں) نقصان ہی بڑھنے کا سبب ہوتا ہے (کہ وہ جنت سے محرومی ہے اور جہنم کا کُندہ بننا ہے اور یہ جو کفر وشرک پر اصرار کرتے ہیں) آپ (ان سے ذرا یہ تو) کہیے ہیں کہ تم اپنے قرار دیئے ہوئے شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، یعنی مجھے یہ تو بتاؤ کہ انھوں نے زمین کا کونسا حصہ بنایا ہے؟ یا آسمان (بنانے) میں ان کی کچھ حصہ داری ہے؟ (تاکہ عقلی دلیل سے ان کا عبادت کا مستحق ہونا ثابت ہو) یا ہم نے ان (کافروں) کو کوئی کتاب دی ہے (جس میں شرک کے عقیدہ کا صحیح ہونا لکھا ہو) کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں (اور اس نقلی دلیل سے اپنے دعویٰ کو ثابت کردیں، اصل یہ ہے کہ نہ عقلی دلیل ہے اور نہ ہی نقلی دلیل ہے) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں (کہ ان کے بڑوں نے انہیں بغیر ثبوت وسند کی غلط بات بتادی کہ ﴿ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ یعنی "یہ اللہ کے نزدیک ہماری شفاعت کرنے والے ہیں" حالانکہ واقع میں وہ بالکل بے اختیار ہیں، لہٰذا وہ عبادت و پوجا کے مستحق ہی نہیں، البتہ مطلق مختار اللہ تعالیٰ ہے تو وہی عنایت وپوجا کے لائق بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مختار اور دوسروں کے غیر مختار ہونے کی دلیلوں میں سے نمونہ کے طور پر ایک مختصر سی بات بیان کرتے ہیں کہ دیکھو، یہ تو) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو (اپنی قدرت سے) تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر (فرض کرو) وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی انہیں تھام بھی نہیں سکتا (جب دوسروں سے دنیا کی حفاظت بھی نہ ہوسکتی ہو تو جوہر یا عرض کا جس میں ضرورتیں بھی داخل ہیں پیدا کرنا اور ایجاد کرنا انھوں نے کیا کیا، پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہوئے اور شرک کے باطل ہونے کے باوجود شرک کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں ابھی سزا دی جائے، مگر چونکہ) وہ بردبار

(ہے، اس لئے اس نے مہلت دے رکھی ہے اور اگر یہ لوگ اس مہلت میں حق کی طرف آجائیں تو چونکہ وہ) بخشنے والا (بھی) ہے (اس لئے ان کی پچھلی ساری شرارتیں معاف کردی جائیں)

فائدہ: ﴿ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ سے آسمانوں یا زمین کے سکون پر استدلال کرنے کا جواب احقر کے ترجمہ سے نکل آیا، یعنی زوال سے موجودہ انتظامی حالت سے منتقل ہونا مراد ہے کہ وہی دنیا کے نظام کو تہس نہس کرنے والا ہے، چاہے وہ حالت اس وقت حرکت کی ہو یا سکون کی اور حرکت چاہے وقتی ہو یا وضعی۔ واللہ اعلم

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۝ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا
بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ
تَحْوِيْلًا ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ يُؤَاخِذُ
اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا
جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور ان کفار نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو ہر ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔ پھر جب اُن کفار کے پاس ایک پیغمبر آپہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بُری تدبیروں کو۔ اور بُری تدبیروں کا وبال اُن تدبیروں والوں ہی پر پڑتا ہے۔ سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ خدا کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پاویں گے۔ اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیا ہوا حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور خدا ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اُس کو ہرا دے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

ربط: اوپر توحید، رسالت اور بعث کے بیان کے ضمن میں کافروں کے جھٹلانے کا کئی جگہ بیان ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ﴾ الخ اور اسی طرح ارشاد ہے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ﴾ الخ اور جیسا کہ فرمایا ﴿ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ ﴾ الخ اور فرمایا ﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ الخ اور فرمایا ﴿ فَمَنْ كَفَرَ ﴾ الخ اور جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ الخ اس انکار اور جھٹلانے پر لعنت وملامت فرما کر سورت کو ختم فرماتے ہیں۔

کفر پر لعنت وملامت:

اور (قریش کے) ان کافروں نے (رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے) بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی نبی) آئے تو وہ (یعنی ہم) ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں (یعنی یہود وعیسائیوں کی طرح ہم نہیں جھٹلائیں گے، تو پہلے تو یہ قسمیں کھایا کرتے تھے) پھر جب ان کے پاس ایک ڈرانے والے نبی (یعنی رسول اللہ ﷺ) آپہنچے تو دنیا میں خود کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے بس ان کی نفرت اور ان کی بری تدبیروں ہی کو ترقی ہوئی اور (صرف نفرت ہی پر اکتفا نہیں ہوا، بلکہ) تکبر کی وجہ سے آپ کے اتباع سے عار ہوئی، مگر یہی نہیں کہ آپ کا اتباع نہ کیا ہوتا اور آپ کو ایذا پہنچانے کے پیچھے نہ پڑے ہوتے بلکہ آپ کو ایذا پہنچانے کی فکر میں لگ گئے، چنانچہ ان کا ہر وقت اسی طرح کی کوششوں میں لگا رہنا معلوم ومشہور ہے) اور (یہ جو کچھ ہمارے رسول کے نقصان کے لئے بری بری تدبیریں کررہے ہیں خود اپنا ہی نقصان کررہے ہیں کیونکہ) بری تدبیروں کا (اصلی) وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے (اگرچہ ظاہر میں کبھی اس شخص کو بھی کچھ ضرر پہنچ جائے، جس کو نقصان پہنچانا چاہا ہے، لیکن وہ دنیاوی نقصان ہے نقصان پہنچانے والے ظالم کے برخلاف کہ اس پر آخرت کا وبال ضرور پڑے گا، اور دنیاوی نقصان آخرت کے نقصان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس حقیقی نقصان کے اعتبار سے حصر بالکل واقعی ہے) تو (یہ ضد اور نقصان پہنچانے پر اصرار کررہے ہیں تو) کیا یہ (اپنے بارے بھی حق تعالیٰ کے) اس دستور کا انتظار کرنے والے ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (یعنی سزا وہلاکت) تو (واقعی ان کے لئے بھی یہی ہونا ہے کیونکہ) آپ اللہ کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے (کہ ان پر عذاب کے بجائے عنایت ہونے لگے) اور (اسی طرح) آپ اللہ کے (اس) دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے (کہ ان کی جگہ دوسروں کو جو ایسے نہ ہوں عذاب ہونے لگے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کافروں کو عذاب ہوگا چاہے وہ دنیا میں بھی ہو چاہے صرف آخرت میں، اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے، لہٰذا نہ یہ احتمال ہے کہ انہیں عذاب نہ ہو، نہ یہ احتمال ہے کہ دوسروں کو ہونے لگے، اس دوبارہ کہنے سے مقصود عذاب واقع ہونے کی تاکید ہے) اور (یہ جو سمجھتے ہیں کہ کفر عذاب کا سبب نہیں ہے تو یہ ان کی بڑی غلطی ہے) کیا یہ لوگ زمین میں (مثال کے طور پر شام کے سفر میں اور ثمود یمن کی بستیوں میں اور سبا وغیرہ کی بستیوں میں) چلے پھرے نہیں؟ جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، ان کا (آخری) انجام (اس جھٹلانے کے سبب) کیا ہوا (کہ عذاب میں مبتلا ہوئے) حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور (چاہے کسی میں کیسی ہی قوت ہو، لیکن اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی (قوت والی) چیز اس کو ہرادے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں (کیونکہ) وہ بڑے علم والا (اور) بڑی قدرت والا ہے

(لہٰذا وہ اپنے علم سے اپنے ہر ارادہ کو نافذ کرنے کا طریقہ جانتا ہے اور اپنی قدرت سے اس کو نافذ کر سکتا ہے اور دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے پھر اس کو کونسی چیز ہرا سکتی ہے؟) اور (اگر یہ اس دھوکہ میں ہوں کہ اگر ہمیں عذاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا اور اس سے کفر کے برا نہ ہونے اور عذاب کی نفی پر استدلال کریں تو یہ بھی ان کی غلطی ہے، کیونکہ حکمت کے تقاضہ کے مطابق ان کے لئے فوری پکڑ تجویز نہیں کی گئی، ورنہ) اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے (کفر والے) اعمال کے سبب (فوراً) پکڑ فرمانے لگتا تو زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا (کیونکہ کافر تو کفر کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے دنیا میں نہ رکھے جاتے، کیونکہ دنیا کا نظام حکمت کے تقاضہ کے مطابق مجموعہ کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ اسی عذاب سے ہلاک ہوتے اور دوسری مخلوقات اس لئے کہ انہیں پیدا کرنے کا اصل مقصد بنی آدم کو نفع پہنچانا ہے، جب یہ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ رہتے) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ایک متعین میعاد (یعنی قیامت) تک مہلت دے رہا ہے تو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا (یعنی ان میں جو کافر ہوں گے انہیں سزا دے گا)

فائدہ: ﴿ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ ﴾ الخ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس کی بنیاد پر علم طبعیات والوں کے خلاف معمول پر انکار خوارق پر استدلال کی گنجائش نہیں رہی، اور سورۂ نحل آیت ۶۱ ﴿ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ ﴾ الخ کی تفسیر اس سے واضح ہوئی ہے۔ دیکھ لی جائے۔

﴿ الحمد للہ! سورۃ الفاطر کی تفسیر جمعرات ۲۶ صفر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی، اور آج ہی یٰسٓ شریف کی تفسیر شروع کر دی ﴾

اٰیاتہا ۸۳ (۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا خلاصہ تین مضمون ہیں:

ایک رسالت کا اثبات جس سے سورت شروع ہوئی ہے اور گذشتہ سورت کے شروع میں اسی رسالت سے کافروں کے انکار اور گھمنڈ و تکبر کا ذکر تھا، جس سے اس کے خاتمہ اور اس کے شروع میں بھی ربط ظاہر ہوگیا اور آیت ﴿اِنَّا جَعَلْنَا﴾ الخ میں اسی کے تعلق سے تسلی فرمائی گئی ہے اور اس مسئلہ کی تائید کے لئے آیت ۱۲ کے بعد ایک بستی والوں کا قصہ بیان فرمایا اور آیت ۶۹ ﴿مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ﴾ الخ میں پھر اسی کا ذکر ہے۔

دوسرا مضمون آیت بارہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ الخ میں مختصر انداز میں پہلے حشر کا ذکر ہوا۔ اور پھر آیت ۴۸ ﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ الخ سے آیت ۶۵ تک یہی مضمون چلا گیا ہے اور پھر آیت ۷۹ سے اسی کا ذکر رہا ہے۔

تیسرا مضمون توحید کا اثبات ہے جو آیت ۳۳ سے آیت ۵۰ تک ہے اور ایک ایک کر کے اس کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں اور اس کے ساتھ آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا﴾ الخ اور آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا﴾ الخ میں کافروں کا توحید کی دلیلوں سے متاثر نہ ہونا نہ ترہیباً نہ ترغیباً بیان ہوا ہے اور آیت ۷۷ ﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ﴾ الخ میں پھر اسی کا ذکر ہے۔ اور درمیان کی بعض آیتوں میں کافروں کو ان کے کفر پر ڈرایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے آیت ۳۱ ﴿اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا﴾ الخ اور آیت ۶۶ و ۶۷ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا﴾ الخ

﴿یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ
قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ
اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ
فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ
وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ
ع ۱ / ۱۲ / ۱۸ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۲﴾

ترجمہ: ﴿یٰسٓ﴾ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ من جملہ پیغمبروں کے ہیں۔ سیدھے راستے پر ہیں، یہ

قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرادیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے۔ سو اسی سے یہ بے خبر ہیں، اُن میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہوچکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو اُبل گئے۔ اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کردی اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کردی جس سے ہم نے اُن کو گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اور اُن کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہیں لاویں گے۔ بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے بے دیکھے ڈرے۔ سو آپ اُس کی مغفرت اور عمدہ عوض کی خوش خبری سنا دیجئے۔ بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کردیا تھا۔

رسالت کا اثبات اور عمل کرنے والوں کی استعداد کے فرق کے ذریعہ تسلی اور حشر میں اس پر جزا کا مرتب ہونا:

﴿یٰسٓ﴾ (اس کی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے) قسم ہے حکمت والے قرآن کی کہ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں (کہ اس میں جو آپ کی پیروی کرے وہ اللہ تک پہنچ جائے نہ کہ جیسا کافر کہتے ہیں ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ اور کہتے تھے ﴿بَلِ افْتَرٰىهُ﴾ جس کے لئے گمراہی لازم ہے اور ہدایت کے عام ہونے کے ساتھ آپ کی رسالت کے اثبات کے لئے بھی جس کا اوپر دعویٰ ہوا ہے) یہ قرآن زبردست مہربان ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (اور آپ رسول اس لئے بنائے گئے ہیں) تاکہ آپ (پہلے) ایسے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جن کے باپ دادا (قریب کے کسی رسول کے ذریعہ سے) نہیں ڈرائے گئے تھے تو اسی وجہ سے یہ بے خبر ہیں (کیونکہ اگرچہ عرب میں گذشتہ رسولوں کی شریعتوں کے بعض مضمون نقل بھی کئے گئے تھے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ مگر پھر بھی نبی کے آنے سے آگاہی ہوتی ہے، اس کے محض بعض حکموں اور خبروں کے نقل ہونے سے جب کہ وہ پورے بھی نہ ہوں اور بدل بھی دیئے گئے ہوں ویسی آگاہی نہیں ہوتی اور آپ کا ڈرانا سب سے پہلے قریش کو تھا اور پھر عام لوگوں کو بھی آپ نے دعوت فرمائی۔ کیونکہ آپ کی بعثت عام ہے اور آپ کی رسالت کے صحیح اور قرآن کے سچے ہونے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ اس کا غم نہ کیجئے کیونکہ) ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیر میں لکھی ہوئی) بات ثابت ہوچکی ہے (وہ بات یہ ہے ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾) تو یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہیں لائیں گے (البتہ بعض کی قسمت میں ایمان بھی تھا اور وہ ایمان لے بھی آئے اور ایمان سے دوری میں ان کی مثال

ایسی ہوگئی کہ جیسے) ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں، پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں، جس سے ان کے سراوپر کو اُبل گئے (یعنی اٹھے رہ گئے، نیچے کو نہیں ہوسکتے، چاہے اس وجہ سے کہ طوق میں جو موقع ٹھوڑی کے نیچے رہنے کا ہے، وہاں کوئی کیل وغیرہ ایسی ہو جو ٹھوڑی میں جا کر اڑ جائے، یا پھر طوق ایسا چوڑا چکلا ہو کہ اس کے کنارے ٹھوڑی میں اڑ جائیں۔ بہرحال دونوں طرح سے وہ راستہ دیکھنے سے محروم رہے۔ اور ایمان سے دوری میں ان کی مثال ایسی ہوگئی کہ جیسے) ہم نے ان کے سامنے ایک آڑ کردی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی، جس سے ہم نے (ہر طرف سے) انہیں (پردوں میں) گھیر دیا تو وہ (پردوں کے اس احاطہ کی وجہ سے کسی چیز کو) نہیں دیکھ سکتے اور (دونوں مثالوں سے حاصل یہ ہے کہ) ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ (کسی حالت میں بھی) ایمان نہیں لائیں گے (لہٰذا نا امیدی سے راحت حاصل کر لیجئے) بس آپ تو (ایسا ڈرانا جس سے نفع حاصل ہو) صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر عمل کرے اور اللہ سے بغیر دیکھے ڈرے (کہ ڈر ہی سے حق کی طلب ہوتی ہے اور طلب سے حق حاصل ہوتا ہے اور یہ ڈرتے ہی نہیں) تو (جو شخص ایسا ہو) آپ اس کو (گناہوں کی) مغفرت اور (طاعت پر) بہترین بدلے کی خوش خبری سنا دیجئے (اور اسی سے اس پر بھی دلالت ہوگئی کہ جو گمراہی اور منہ پھیرنے کا مرتکب ہو، وہ مغفرت اور اجر سے محروم اور عذاب کا مستحق ہے، اور اگرچہ دنیا میں اس جزاوسزا کا ظاہر ہونا لازم نہیں، لیکن) بے شک ہم (ایک دن) مردوں کو زندہ کریں گے (اس وقت یہ سب ظاہر ہو جائے گا) اور (جن اعمال پر جزاوسزا ہوگی) ہم (ان اعمال کو برابر) لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں (﴿ مَا قَدَّمُوْا ﴾ سے مراد وہ احکام ہیں جو اپنے ہاتھ سے کئے۔ اور ﴿ اٰثَارَهُمْ ﴾ سے مراد وہ اثر ہے جو اس کام کے سبب پیدا ہوا اور اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہا۔ مثال کے طور پر کسی نے کوئی نیک کام کیا اور وہ دوسروں کی بھی ہدایت کا سبب ہوگیا۔ یا کسی نے برا کام کیا اور وہ دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب ہوگیا۔ غرض یہ سب لکھے جا رہے ہیں، اور وہاں ان سب پر جزاوسزا دی جائے گی) اور (ہمارا علم تو ایسا وسیع ہے کہ ہم اس لکھنے کے بھی محتاج نہیں جو واقع ہونے کے بعد لکھا گیا ہے، کیونکہ) ہم نے (تو) ہر چیز کو (جو قیامت تک ہوگا، واقع ہونے سے پہلے ہی) ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ضبط کر دیا تھا (محض بعض حکمتوں کے تحت کتابت ہوتی ہے، لہٰذا جب ہمیں واقع ہونے سے پہلے سب چیزوں کا علم ہے تو واقع ہونے کے بعد کیوں نہ ہوتا؟ لہٰذا کسی عمل سے مکرنے کی یا اسے چھپانے کی گنجائش نہیں، ضرور سزا ہوگی اور لوح محفوظ کو اشیا کی تفصیل کے اعتبار سے واضح کہا گیا)

فائدہ: قرآن کی قسم اگر نفسی کلام کے اعتبار سے ہے تب تو غیر مخلوق کی قسم ہے اور اگر یہ قسم لفظی کلام کے اعتبار سے ہے تو مخلوق کی قسم کی توجیہ سورۂ حجر آیت ۷۲ ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾
قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ
اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾
ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا
لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا
غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَي الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾
وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کے سامنے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اُس وقت کا بیان کیجئے جب کہ اُس بستی میں کئی رسول آئے، یعنی جبکہ ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے اُن دونوں کو جھوٹا بتلایا۔ پھر تیسرے سے تائید کی سو اُن تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔ اُن رسولوں نے کہا: ہمارا پروردگار علیم ہے کہ بیشک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا تھا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اُس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو، اور ایک شخص اُس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں، اور میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اُس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں خدا کو چھوڑ کر اور ایسے ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آوے

اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سن لو۔ ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو۔ کہنے لگا کہ کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ اور ہم نے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اُتارنے کی ضرورت تھی، وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی اور وہ سب اُسی دم بجھ کر رہ گئے۔ افسوس بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے۔ اور ان سب میں کوئی ایسا نہیں جو مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جاوے۔

ربط: اوپر رسالت کا مسئلہ مع تسلی کے بیان کیا گیا تھا۔ اب رسالت کی تائید اور جھٹلانے والوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے ایک قصہ بیان کیا جا رہا ہے جو رسالت کو جھٹلانے والوں پر لعنت و ملامت پر ختم کیا گیا ہے، جس سے سزا دیئے جانے کے مضمون کی بھی تائید ہو گئی، جس کا اوپر ذکر ہوا تھا اور اس قصہ میں بستی والوں کے بت پرست ہونے سے اور ان پر عذاب نازل ہونے سے توحید کا واجب ہونا بھی معلوم و ظاہر ہوتا ہے جو کہ سورت کے مقاصد میں سے ہے۔

بستی والوں کا قصہ اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کی برائی:

اور آپ ان (کافروں) کے سامنے (اس غرض سے کہ رسالت کی تائید اور ان کے لئے توحید و رسالت کے انکار پر ڈرانا دھمکانا ہو) مثال کے طور پر ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت کا بیان کیجئے، جب اس بستی میں کئی رسول آئے، یعنی جب ہم نے ان کے پاس (پہلے) دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھوٹا بتایا، پھر تیسرے (رسول) سے (ان دونوں کی) تائید کی (یعنی تائید کے لئے۔ پھر تیسرے کو وہاں جانے کا حکم دیا) تو ان تینوں نے (اس بستی والوں سے) کہا کہ ہم تمہارے پاس (اللہ کی طرف سے) بھیجے گئے ہیں (تاکہ تمہیں ہدایت کریں کہ توحید اختیار کرو اور بت پرستی چھوڑو، کیونکہ وہ لوگ بتوں کو پوجنے والے تھے، جیسا کہ اللہ کے ارشاد سے دلالت ہوتی ہے ﴿ وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ﴾ الخ اور ﴿ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ﴾ الخ) ان لوگوں نے (یعنی بستی والوں نے) کہا کہ تم تو ہماری طرح (صرف) معمولی آدمی ہو (تمہیں رسول ہونے کا امتیاز حاصل نہیں) اور (تمہاری ہی کیا خصوصیت ہے، خود رسالت کا مسئلہ ہی بے اصل ہے، اور) اللہ نے (تو) جو رحمٰن ہے کوئی چیز (کتاب اور حکموں کی قسم سے کبھی) نازل (ہی) نہیں کی، تم تو صرف جھوٹ بولتے ہو، ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس (رسولوں کے طور پر) بھیجے گئے ہیں اور (اس قسم سے یہ مقصود نہیں کہ ہم اسی کے ذریعہ رسالت کا اثبات کرتے ہیں، بلکہ دلیلوں کے قائم کرنے کے بعد بھی جب انھوں نے نہیں مانا تو آخری جواب کے طور پر مجبور ہو کر قسم کھائی، جیسا کہ آگے خود ان کے ارشاد سے معلوم ہوتا

ہے کہ) ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (حکم کا) پہنچا دینا تھا (چونکہ واضح ہونا دلیل سے ثابت ہونے پر موقوف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دلیلیں قائم کر چکے تھے، آخر میں یہ فرمایا: غرض یہ کہ ہم اپنا کام کر چکے۔ تم نہ مانو تو ہم مجبور ہیں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں (ایسا یا تو اس لئے کہا کہ ان پر قحط پڑا تھا جیسا کہ المعالم میں ہے، یا پھر اس لئے کہا کہ جب کوئی نئی بات سنی جاتی ہے تو چاہے لوگ اس کو قبول نہ کریں مگر اس کا چرچا ضرور ہوتا ہے اور اکثر عام لوگوں میں اس کی وجہ سے گفتگو اور اس گفتگو میں اختلاف اور کبھی لڑائی جھگڑے اور نا اتفاقی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ تمام لوگوں میں ایک فتنہ ڈال دیا جس سے نقصان ہو رہے ہیں۔ یہ نحوست ہے اور اس نحوست کے سبب تم ہو) اگر تم (اس دعوت اور دعویٰ سے) باز نہ آئے تو (یاد رکھو) ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے، اور (پتھر مار مار کر ختم کرنے سے پہلے بھی) تمہیں ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی (یعنی اگر نہیں مانو گے تو اور طرح طرح سے ستائیں گے اور پھر آخر میں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے) ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ہی ساتھ لگی ہوئی ہے (یعنی جس کو تم نقصان کہتے ہو، اس کا سبب تو حق کو قبول نہ کرنا ہے، اگر حق قبول کرنے پر متفق ہو جاتے تو نہ کوئی فتنہ ہوتا نہ کوئی نا اتفاقی اور اختلاف ہوتا نہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوتے، رہا ہمارے آنے سے پہلے کا اتفاق تو ایسا اتفاق جو باطل پر ہو، وہ خود مطلوب نہیں، بلکہ اس کو تو ختم کرنا واجب ہے، اسی طرح قحط نہ ہونا وہ استدراج تھا یا حق نہ پہنچنے کی وجہ سے تھا اور استدراج یا حق کا نہ پہنچنا خود تمہاری خوش قسمتی کے خلاف تھا، لہٰذا تم پر جو خوش قسمتی کی تکمیل کے مخالف ہونے کی وجہ سے حوادث کا ہجوم ہوا، اس کا سبب وہی مخالفت ہے جو تمہارا فعل ہے، لہٰذا ہر حال میں اس نحوست کا سبب تمہارا فعل ہوا) کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے؟ جو خوش قسمتی کی بنیاد ہے؟ تو واقع میں یہ نحوست نہیں) بلکہ تم (خود عقل و شریعت کی) حد سے نکل جانے والے لوگ ہو (لہٰذا شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تم پر یہ نحوست آئی اور عقل کی مخالفت کی وجہ سے تم نے اس کا سبب غلط سمجھا) اور (اس گفتگو) کی خبر بستی میں پھیلی تو) ایک شخص (جو مسلمان تھا) اس شہر کے کسی دور مقام سے (جو وہاں سے دور تھا، یہ خبر سن کر اپنی قوم کی خیر خواہی کی غرض سے یا اس اندیشہ سے کہ کہیں لوگ ان رسولوں کو قتل نہ کر دیں جیسا کہ انھوں نے ﴿ لَنَرْجُمَنَّكُمْ ﴾ کی دھمکی دی تھی ان کی طرف داری کی غرض سے یا دونوں غرضوں سے) دوڑتا ہوا (یہاں) آیا (اور ان لوگوں سے) کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کے راستہ پر چلو ایسے لوگوں کے راستہ پر (ضرور) چلو جو تم سے (اس ہدایت اور وعظ و نصیحت پر) کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود سیدھے راستہ پر بھی ہیں (یعنی خود غرضی جو اتباع میں رکاوٹ ہے وہ موجود نہیں ہے اور ہدایت جو اتباع کا تقاضا ہے وہ موجود ہے، پھر اتباع کیوں نہ کی؟) اور آخر میں اس (معبود) کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ (جو کہ عبادت کے مستحق ہونے کی دلیلوں میں سے ہے) اور (اپنے اوپر رکھ کر اس لئے کہا کہ مخاطب بھڑکیں نہیں، کیونکہ مخاطب کا بھڑکنا غور و فکر میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اصل

مطلب یہی ہے کہ تم بھی اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ جیسا کہ آگے اس کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے (لہٰذا ایسی حالت میں حق کا اتباع انتہائی ضروری ہے۔ یہاں تک تو سچے معبود کے عبادت کا مستحق ہونے کا بیان تھا۔ آگے باطل معبودوں کے عبادت کا مستحق نہ ہونے کا بیان ہے یعنی) کیا میں اللہ کو چھوڑ کر ایسے ایسے دوسرے معبود قرار دے لوں (جن کے عاجز ومجبور ہونے کی حالت یہ ہے) کہ اگر رحمٰن ذات مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھے (خود اپنی قدرت سے اس تکلیف سے) چھڑا سکیں (یعنی نہ ان میں قدرت اور نہ ہی قدرت والے سے واسطہ، کیونکہ اول تو پتھروں وغیرہ جمادات میں شفاعت کی اہلیت ہی نہیں، دوسرے شفاعت بغیر اذن واجازت کے ہو نہیں سکتی، اور) اور اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا (یہ بھی اپنے اوپر رکھ کر ان لوگوں کو سنانا ہے) میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا تو تم (بھی) میری بات مان لو (اور ایمان لے آؤ، مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کو پتھروں سے مار مار کر یا آگ میں ڈال کر یا گلا گھونٹ کر جیسا کہ الدر المنثور میں ہے شہید کر ڈالا۔ چنانچہ اس شہادت کی بنیاد پر اس کے لئے اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (اس وقت بھی اس کو اپنی قوم کی فکر ہوئی) کہنے لگا کہ کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے (ایمان اور رسول کے اتباع کی برکت سے) مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کر دیا (تو اس حال کے معلوم ہونے پر وہ بھی ایمان لے آتے اور اس طرح وہ بھی بخش دیئے جاتے اور عزت والوں میں شامل ہو جاتے) اور (جب ان بستی والوں نے رسولوں اور رسولوں کا اتباع کرنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور انتقام لینے کے لئے) ہم نے اس (شہید شخص) کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد (فرشتوں کا) کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ (ہی) ہمیں اتارنے کی ضرورت تھی (کیونکہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ ابن مسعودؓ نے اس کی تفسیر کی ہے جسے ابن کثیر نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے، چنانچہ کہا ہے: **ما کاثرناهم بالجموع، الأمر کان أیسر علینا من ذلک**: بلکہ) وہ سزا بس ایک سخت آواز تھی (جو جبرئیل علیہ السلام نے کر دی جیسا کہ المعالم میں ہے یا کسی اور فرشتہ نے کر دی ہو۔ یا صیحہ سے مطلق سزا یا عذاب مراد ہو جس کی تعیین نہیں کی گئی، جیسا کہ سورۃ المؤمنون آیت ۴۱ ﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ہے) اور وہ سب اسی دم (اس سے) بجھ کر (یعنی مرکر) رہ گئے (آگے قصہ کے ذیل میں جھٹلانے والوں کی مذمت فرماتے ہیں کہ) افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو، کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں (اسی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے سبب) ہلاک کر چکے کہ وہ (پھر دنیا میں) ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے؟ (اگر اس میں غور کرتے تو جھٹلانے اور مذاق اڑانے سے بچتے اور یہ سزا تو جھٹلانے والوں کو دنیا میں دی گئی) اور (پھر آخرت

میں) ان سب میں کوئی ایسا نہیں جن کو جمع کر کے ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے (لہٰذا وہاں پھر سزا ہوگی اور وہ سزا کبھی ختم نہ ہونے والی ہوگی)

فائدہ: اکثر مفسرین نے اس قریہ یعنی بستی یا شہر کا نام انطاکیہ قرار دیا ہے اور ابن کثیر نے مفسرین کی اس رائے پر چند اعتراض کئے ہیں، لیکن صاحب فتح المنان نے ان اعتراضوں کے جواب بھی دیئے ہیں، البتہ اعتراض اور جواب کے کمزور اور قوی ہونے کے فرق میں مختلف باتیں ہیں لیکن آیت کی تفسیر اس شہر کے متعین ہونے پر موقوف نہیں ہے، لہٰذا اس بحث میں نہ پڑنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

اور رسولوں کے قصہ کے اختلاف کی بنیاد پر دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ بلا واسطہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے، جس کو نبی کہتے ہیں یا اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نبی کے واسطہ سے بھیجے ہوئے لوگ جنہیں نبی کا خلیفہ یا نائب کہنا چاہئے، اس صورت میں ﴿ اَرْسَلْنَآ ﴾ فرمانا واسطہ سے ہوگا۔ احقر نے لفظ رسول ترجمہ میں عام معنی میں استعمال کیا ہے اور اگر وہ خود نبی تھے تب تو بستی والوں کے اس قول ﴿ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ کی توجیہ ظاہر ہے۔ کہ وہ انسان اور نبی میں فرق کے قائل تھے اور اگر وہ نبی کے نائب خلیفہ تھے تو احقر کے نزدیک ﴿ مِّثْلُنَا ﴾ ظاہر کرنا ہوگا یعنی تمہیں ہم سے کسی بات میں امتیاز نہیں، لہٰذا اس سے تو نبی کے نائب ہونے کی نفی ہوگئی اور ﴿ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ ﴾ سے مطلق نبوت کے مسئلہ کی نفی ہوگئی اور اگر یہ تینوں نبی تھے تب تو اس قصہ سے رسالت کے مسئلہ کی تائید ظاہر ہے اور اگر نبی کے نائب تھے تو نبوت کا نائب ہونا نبوت کی تحقیق پر موقوف ہے لہٰذا واسطہ سے اس کی تائید ہو جائے گی۔

اور سزا کا عملی طور پر ہونا قوم کی ہلاکت سے ظاہر ہے اور اس کے ذیل میں بیان کرنے سے اس کی تصریح بھی ہوگئی ہے۔

اور ﴿ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴾ کی تفسیر میں جو لفظ دلیل آیا ہے اگر وہ تینوں نبی تھے تو معجزے اس کا مصداق ہیں، اور اگر وہ نبی کے نائب تھے تو خرق عادت کی ضرورت نہیں، کیونکہ غیر نبی میں اس کی ضرورت نہیں، بلکہ علمی دلیلیں مراد ہوں گی کہ جس نبی کے نائب کے طور پر آ کر تبلیغ کا کام کر رہے تھے اسی کا نبی ہونا اور ان احکام کی اس نبی کی طرف نسبت ہونا ثابت ہو، پھر نبی کی نبوت کے لئے خرق عادت کاموں کا بھی اثبات کرنا ہوگا۔

اور ﴿ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ﴾ میں اگر فوری طور پر داخلہ مراد ہو تو جنت سے ملتا جلتا کوئی مقام ہوگا، کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے نکلنا نہیں ہوتا اور حشر ونشر اور حساب کتاب یقینی طور پر جنت سے باہر ہوگا، اور اگر اس سے صرف خوش خبری سنانا مراد ہے کہ تم اس وقت پر جس کا وعدہ کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کے مستحق ہو گے۔ اس صورت میں خود جنت مراد لینا بھی صحیح ہے۔

اور ﴿ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴾ پر کافروں کو قتل کرنے کے لئے بدر کے دن فرشتوں کے نازل ہونے سے شبہ نہ کیا جائے

کیونکہ اس سے مقصود ضرورت کی نفی کرنا ہے نہ یہ کہ دوسری حکمتوں سے بھی نازل نہ ہوں گے، لہٰذا ممکن ہے کہ اس قصہ میں فرشتوں کے نازل ہونے کا کسی حکمت سے تقاضا نہ ہو اور بدر میں اس کا تقاضہ ہو، جس کی طرف مختصر انداز میں اس ارشاد میں اشارہ بھی ہے ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ الخ۔

اور ﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ کی ضمیر اگر صرف مکہ والوں کی طرف ہی نہیں لوٹ رہی ہو جیسا کہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے تو یہ حکم اکثر کے اعتبار سے ہوگا، کیونکہ سب سے پہلے ہلاک ہونے والے، یعنی دنیا میں جو لوگ سب سے پہلے ہلاک ہوئے ان پر یہ حکم لاگو نہیں ہو سکتا، ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ آگے قرآن میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان تینوں رسولوں کا کیا قصہ ہوا؟ واللہ اعلم

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝۳۳ وَجَعَلْنَا
فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝۳۴ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ
اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۵ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۶ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝۳۷ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ
اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ
فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝۴۲ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا
هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝۴۳ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۴۴﴾

ترجمہ: اور ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے مُردہ زمین ہے۔ ہم نے اُس کو زندہ کیا اور ہم نے اُس سے غلے نکالے سو اُن میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اُس میں چشمے جاری کئے۔ تا کہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اُس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔ سو کیا شکر نہیں کرتے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے بھی اور اُن چیزوں میں بھی جن کو لوگ نہیں جانتے۔ اور ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اُس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں، سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس کا جو زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ اور ایک نشانی اُن

کے لئے یہ ہے کہ ہم نے اُن کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے اُن کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اُن کو غرق کر دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ یہ خلاصی دیئے جاویں مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا ہے۔

ربط: اوپر رسالت سے متعلق مضمون تھا، جس سے توحید بھی ثابت ہوئی ہے۔ اب توحید کا قصداً ایسی دلیلوں سے اثبات ہے جن میں ضمنی طور پر نعمتوں اور احسانوں کا ذکر بھی ہے جس سے شرک کی بڑائی دو طریقوں سے معلوم ہوگئی اور اس کے ختم پر کشتیوں کے ذکر کی مناسبت سے ایک وعید کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا اور اس وعید میں شریکوں کی قدرت کی نفی کا اشارہ بھی کر دیا گیا۔ جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے معلوم ہوگا۔

توحید کا اثبات:

اور (قدرت کی نشانیوں میں سے کہ توحید کی دلیل بھی ہے اور نعمت بھی) ایک نشانی ان لوگوں کے (استدلال کے لئے) مردہ زمین بھی ہے (اور اس میں نشانی کی بات یہ ہے کہ) ہم نے اسے (بارش سے) زندہ کیا اور ہم نے اس (زمین) سے (مختلف) غلے نکالے تو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں، اور اس (زمین) میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس (زمین) میں (باغ کی آبپاشی کے لئے) چشمے (اور نالے) جاری کئے تا کہ لوگ (غلہ کی طرح) باغ کے پھلوں میں سے (بھی) کھائیں اور اس (پھل اور غلہ) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا (اگر چہ بیج بونے اور آبپاشی وغیرہ ظاہر میں انہی کے ہاتھوں سے ہوئی ہوں مگر پھل اور غلہ کی خاص صورت بنانا خاص اللہ ہی کا کام ہے) تو کیا ایسی دلیلیں دیکھ کر بھی) شکر نہیں کرتے؟ (جس کا پہلا زینہ توحید ہے، یہ تو بعض خاص آفاقی اور زمینی نشانیوں سے استدلال تھا، آگے عام زمینی اور انفسی نشانیوں سے استدلال ہے، یعنی) وہ ذات پاک ہے جس نے تمام قسموں کو پیدا کیا زمین کے پیڑ پودوں کی قسموں میں سے بھی (چاہے ایک جیسی ہونے کے لحاظ سے ہوں جیسے ایک جیسے غلے، ایک جیسے پھل، چاہے ضد کا مقابلہ ہو، جیسے گیہوں اور جو اور میٹھے پھل اور کھٹے پھل یا اس سے بھی زیادہ اختلاف ہو۔ البتہ شرط یہ کہ دس مقولوں سے کسی مقولہ کے تحت بلا واسطہ داخل ہو، جیسے جزئی چیزیں اور گھٹیا جنسیں، یا جزئی چیزوں کے واسطہ سے جیسے اعلیٰ قسم کی جنسیں کہ ان کی جزئی چیزیں کسی مقولہ میں ضرور داخل ہیں) اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی (جیسے مرد اور عورت) اور ان چیزوں میں بھی جن کو (عام) لوگ نہیں جانتے (کہ عام مقابلہ کے مفہوم کے اعتبار سے پوشیدہ چیزوں میں بھی کوئی چیز مقابل سے خالی نہیں اور اس سے حق تعالیٰ کا بغیر مقابل کے ہونا ظاہر ہو گیا، کیونکہ دس مقولوں میں سے جو کہ اعلیٰ قسم کی جنس ہیں اس پر کوئی مقولہ صادق نہیں آتا، لہٰذا کسی موجود کے ساتھ کسی ذاتی میں اس کو شرکت نہیں، لہٰذا ساری مخلوق کے جوڑے اور وہ ان سب کا خالق۔ یہاں سے آیت ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ کی بھی توضیح ہوگئی) اور آگے بعض آفاقی اور

آسمانی نشانیوں اور ان کے بعض آثار سے استدلال ہے یعنی (ان لوگوں کے لئے ایک نشانی رات (کا وقت) ہے (کہ اندھیرے کے اصل ہونے کی وجہ سے گویا اصل وقت وہی تھا اور سورج کی روشنی کے عارض سے گو اس کو دن نے چھپا لیا تھا، جیسے بکری کے گوشت کو اس کی کھال چھپا لیتی ہے، لہٰذا) ہم (اسی عارض کو زائل کر کے گویا) اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں تو اچانک (پھر رات ظاہر ہو جاتی ہے اور (وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، اور (ایک نشانی) سورج (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے (یہ اس نقطہ کے لئے بھی عام ہے جہاں سے چل کر سالانہ دورہ کر کے پھر اسی نقطہ پر جا پہنچتا ہے اور افق کے اس نقطہ کو بھی عام ہے کہ روزانہ کی حرکت میں وہاں پہنچ کر غروب ہو جاتا ہے) یہ اندازہ اس (اللہ) کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (یعنی قدرت والا ہے اور) علم والا ہے (کہ علم سے انتظامات میں مصلحت وحکمت جانتا ہے اور قدرت سے ان انتظامات کو نافذ کرتا ہے) اور (ایک نشانی) چاند (ہے کہ اس کی چال) کے لئے منزلیں مقرر کیں (کہ ہر روز ایک منزل طے کرتا ہے) یہاں تک کہ (اپنے دورہ کے آخر میں پتلا ہوتا ہوتا) ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی (کہ پتلی اور ٹیڑھی ہو جاتی ہے، اور ممکن ہے کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے پیلے پن میں بھی تشبیہ کا اعتبار کیا جائے اور سورج اور چاند کی چال اور رات اور دن کا آنا جانا ایسے انداز اور انتظام سے رکھی گئی ہے کہ) نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو (اس کی روشنی کے ظاہر ہونے کے وقت میں یعنی رات میں جب کہ وہ روشن ہو) جا پکڑے (یعنی وقت سے پہلے خود طلوع ہو کر اس کو اور اس کے وقت یعنی رات کو مٹا دے، جیسا کہ چاند بھی اسی طرح سورج کو اس کی روشنی کے ظاہر ہونے کے وقت نہیں پکڑ سکتا، کہ رات آ جائے اور اس کی روشنی ظاہر ہو جائے) اور (اسی طرح) نہ رات، دن (کے مقررہ وقت کے ختم ہونے) سے پہلے آ سکتی ہے (جیسے دن بھی رات کے مقررہ وقت کے ختم ہونے سے پہلے نہیں آ سکتا) اور (چاند اور سورج) دونوں ایک ایک دائرہ میں (حساب سے اس طرح چل رہے ہیں جیسے) تیر رہے ہیں (اور حساب سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہو سکے) اور (آگے آفاق کی اور زمین کی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی سواری اور سفر سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا (اکثر لوگ اپنی اولاد کو تجارت کے لئے سفر میں بھیجتے تھے، لہٰذا اس تعبیر میں تین نعمتوں کی طرف اشارہ ہو گیا، اول بھری ہوئی کشتی کہ جس کے بھاری اور وزنی ہونے کی وجہ سے اس کا تقاضا غرق ہونے کا ہے، اس کو پانی کی سطح پر جاری کرنا۔ دوسرے ان لوگوں کو اولاد فرمانا۔ تیسرے رزق وسامان دینا جس کی وجہ سے وہ خود گھر بیٹھے رہیں اور اولاد کو کارندے بنا کر بھیجیں) اور (خشکی کے سفر کی خاطر) ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی ایسی چیزیں پیدا کیں، جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں (اس سے اونٹ وغیرہ مراد ہیں، اور کشتی کے ساتھ تشبیہ خاص اس صفت کے اعتبار سے ہے کہ اس پر بھی سواری کی جاتی ہے، بوجھ لادا جاتا ہے اور سفر کیا جاتا ہے اور اس تشبیہ کا حسن اس سے اور بڑھ گیا کہ عرب میں اونٹوں کو عام طور سے سفائن البر یعنی

ریگستان کے جہاز کہا جاتا تھا، جیسا کہ کہا گیا سفائن بر والسراب یحارها) اور آگے کشتی کے ذکر کی مناسبت سے ایک وعید اور ارشاد فرماتے ہیں جس کا ذکر اور زیادہ عجیب ہونے کی وجہ سے زیادہ مقصود تھا اگرچہ اونٹوں وغیرہ کا ذکر بھی مناسبت سے آگیا تھا۔ یعنی یہ لوگ جو توحید کی دلیلوں کے واضح ہونے کے باوجود نہیں مانتے تو یہ ویسے تو اس قابل ہیں کہ انہیں فوراً سزا دی جائے اور ہم اس پر قادر بھی ہیں۔ چنانچہ) اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، پھر نہ تو (جن کو انھوں نے شریک سمجھ رکھا ہے ان میں سے) کوئی ان کی فریاد پوری کرنے والا ہو (جو غرق ہونے سے بچالے) اور نہ انہیں (غرق ہونے کے بعد موت سے) خلاصی دی جائے (یعنی نہ کوئی موت سے چھڑا سکے) مگر یہ ہماری مہربانی ہے، انہیں ایک معین وقت تک (دنیاوی زندگی سے) فائدہ دینا (منظور) ہے (اس لئے مہلت دے رکھی ہے اور بات ایسی ہے کہ جیسے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ جیسا کہ بعث کی دلیلوں کے بیان میں وعید کا ذکر کیا اور جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾)

فائدہ: ﴿ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ اس کا مستقر یعنی ٹھہرنے کا مقام عرش کے نیچے ہے اور یہ غروب ہونے کے وقت سجدہ کر کے حکم دریافت کرتا ہے تو اس کو معمول کے مطابق طلوع ہونے کا حکم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن اس کو واپس لوٹنے کا حکم ہوگا۔ تو سورج مغرب سے طلوع ہوگا، اس سے چند اور معلوم ہوئے جو کہ تحقیق کے قابل ہیں، ایک یہ کہ مستقر روزانہ کی حرکت کے اعتبار سے ہے، لیکن احقر نے جو تفسیر کی ہے اس میں چونکہ یہ بھی شامل ہے، اس لئے اس کی کوئی نفی نہیں۔

دوسرا امر یہ کہ اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے، اس لئے جن دو باتوں کا احقر نے تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ دونوں عرش کے نیچے ہیں، اس لئے اس سے بھی کوئی نفی نہیں رہی، یہ امر کہ سارے فلک اور ان کے نقطے اس امر میں مشترک ہیں، پھر خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خصوصیت کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ممکن ہے کہ یہ قید واقعی ہو۔ اور اصلی مقصود سجدہ کے بارے میں خبر دینا ہو، اور اس تعبیر سے یہ فائدہ ہو کہ اس سے اس کے اللہ کے حکم کے تحت ہونے کی تصریح ہوگئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے کا حکموں اور تصرفات کے نفاذ سے کنایہ ہونا کئی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا امر یہ کہ سجدہ کرنے کے کیا معنی ہیں تو چونکہ آیتوں اور روایتوں کے ظاہر سے ان مخلوقوں میں بھی ایک حد تک شعور ہونا ثابت ہے تو ممکن ہے کہ یہ اسی شعوری قوت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع اور عرض و معروض کرتا ہو، لہٰذا سجدہ سے یہ مراد ہو۔ اور آسان امر یہ ہے کہ اس کی روح کو سجدہ کرنے والی کہا جائے تو بہت سے شبہات ختم ہو جائیں گے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کو سکون ہو جاتا ہو، حالانکہ رصد یعنی ستاروں کی تجربہ گاہ کی دلیلوں سے حرکت کا کبھی ختم نہ ہونا ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ معنی کے سجدہ کے لئے اول تو حرکت کا ختم ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ سکون آنی یعنی لحہ کا ہو اور حرکت زمانی ہو۔ اس لئے رصد کے حساب میں کوئی خلل نہ ہوتا ہو اور نہ ہی وہ ضبط وادراک میں ہوتا ہو۔

پانچواں امر یہ کہ حقیقی غروب تو کبھی ہوتا ہی نہیں، ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے پھر اس کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عظیم بہت بڑی آبادی کا غروب مراد ہو، یعنی ایسا وقت جب آبادی کے اکثر حصہ میں سورج نکلا ہوا نہ ہو یا خاص مدینہ کا طلوع مراد ہو، جس کے بارے میں بات ہو رہی ہے یا خط استواء کا غروب مراد ہو جو سورج کی معتدل حرکت کا مقام ہے۔ بہر حال مخبر صادق یعنی سچی خبر دینے والے یعنی رسول کی دی ہوئی خبر ہے اور کوئی عقلی اشکال نہیں، اس لئے اس کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

اور آیت ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ﴾ سے متعلق کچھ مضمون سورۂ یٰسین آیت ۵ میں اور ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ کی وضاحت سورۃ الانبیاء آیت ۳۳ میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

اور ﴿نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ کی تفسیر میں جو اندھیرے کو اصل کہا گیا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ روشنی والے جسم حادث ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو ان کی روشنی بھی نہ ہوتی اور ﴿مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کی زیادہ توضیح کے لئے سورۂ نحل آیت ۸ ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کا ترجمہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۴۵ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴۶ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ تو وہ اصلاً پروا نہیں کرتے اور اُن کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی اُن کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو کھانے کو دیدے تم نری صریح غلطی میں ہو۔

ربط: اوپر توحید کی دلیلوں کا ذکر تھا جس میں نعمتوں کا بیان بھی شامل ہے اور اس مضمون کو انتقام کی وعید پر ختم کیا تھا،

جس کا حاصل ایمان اور توحید پر ترغیب اور کفر وشرک پر ترہیب یعنی ڈرانا دھمکانا ہے۔ اب ترغیب اور ترہیب سے کافروں کے متاثر نہ ہونے کا ذکر ہے، جس میں مذکورہ انتقام کی مثالوں سے متاثر نہ ہونے کا ذکر پہلے ہے اور مذکورہ نعمتوں کی مثالوں سے متاثر نہ ہونے کا ذکر بعد میں ہے۔

کافروں کا ترہیب وترغیب سے متاثر نہ ہونا:

اور جب ان لوگوں سے (توحید کی دلیلوں کے ساتھ ﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ﴾ جیسی وعید کا مضمون سنا کر) کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے (یعنی دنیا میں آسکتا) ہے (جیسے غرق ہونا جس کا ابھی ذکر ہوا۔ یا جیسے سورۃ سبا آیت ۹ ﴿اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ﴾ میں دھنسا دینے کا ذکر ہوا یا قتل وغیرہ) اور جو تمہارے (مرے) پیچھے (یعنی آخرت میں یقینی طور پر آنے والا) ہے (یعنی توحید کے انکار پر جو عذاب واقع ہوگا، چاہے صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی، تم اس سے ڈرو اور ایمان لے آؤ) تاکہ تم پر رحمت کی جائے، وہ (اس ترہیب یعنی ڈرانے دھمکانے کی) بالکل پروا نہیں کرتے اور (اسی مضمون کی کیا خصوصیت ہے وہ تو ایسے سخت دل ہوگئے ہیں کہ) ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آئی جس سے یہ منہ نہ پھیرتے ہوں اور (اس طرح ترغیب سے بھی انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ) جب انہیں اللہ کی نعمتیں جیسے اوپر ذکر ہوئی ہیں بارش اور دانے اور پھل وغیرہ یاد دلا کر جیسا کہ ان پر فقرہ ﴿رَزَقَكُمُ﴾ دلالت کرتا ہے) ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں، فقیروں، مسکینوں پر) خرچ کرو تو (اس کے باوجود کہ خرچ کرنے اور کھلانے کا اچھا ہونا خود انہیں بھی تسلیم ہے اور جن کاموں کا اچھا ہونا وہ تسلیم کرتے ہیں، یہ اُن میں شامل بھی ہے۔ چنانچہ ان امور پر ان کا فخر کرنا مشہور ہے۔ مگر اس پر بھی) یہ کافر (شرارت کے ساتھ ان) مسلمانوں سے (جنھوں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا تھا) یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں، جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود (بہت کچھ) کھلا دیتا؟ تم بالکل کھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو (لہٰذا جس امر کا اچھا ہونا خود انہیں تسلیم ہے، جب نعمتوں کے یاد دلانے سے ترغیب اس میں نفع نہیں دیتی تو ایمان اور توحید کا قبول کرنے کا اچھا ہونا تو ابھی وہ تسلیم بھی نہیں کرتے، اس میں ان سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ مذکورہ نعمتوں اور احسانوں کا یاد دلانا ایمان قبول کرنے میں موثر ہو جائے۔ غرض وہ نہ ترہیب سے ایمان لائیں اور نہ ہی ترغیب سے)

فائدہ: مسلمانوں کا ان سے ﴿اَنْفِقُوْا﴾ کہنا شرعی حکم کے نقل کے طور پر نہیں تھا، کیونکہ کافر یا تو فروعی احکام کے مکلف ہی نہیں یا ان سے بغیر ایمان کے فروعی اعمال قبول نہیں بلکہ اگر ضرورت مند کمزور لوگ ایسا کہنے والے تھے تب تو سوال کے طور پر ہے جو کہ شدید ضرورت کی صورت میں جائز ہے اور اگر غیر ضرورت مند ایسا کہنے والے تھے تو ضرورت مندوں کی سفارش کے طور پر ہے۔ اور سوال اور سفارش میں کفر رکاوٹ نہیں۔ اور ظاہر میں کافروں کا یہ کہنا اللہ کے بارے

میں رزاق ہونے کے عقیدہ کے باوجود صرف شرارت کی غرض سے تھا جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے
﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾ اس سے
ان کا مقصود مسلمانوں پر اعتراض کرنا تھا کہ تم تو اللہ کو رزاق مانتے ہو، پھر ہم سے سوال یا سفارش کیوں کرتے ہو؟ اللہ تو
رزق دے سکتا ہے، اس سے کیوں نہیں مانگتے؟ اب یہ وسوسہ بھی جاتا رہا کہ اپنے آپ میں تو یہ بات صحیح ہے کہ اللہ جس کو
چاہے کھانے کو دیدے، وسوسہ یہ دور کرنا ہے کہ اس سے ان کا مقصود اعتراض کرنا تھا اور خرچ کرنے کے لئے کہنے اور
مشیت کے اعتقاد کے درمیان ضد کا اثبات ہے تو یہ مقصود باطل ہے۔ اور اس اعتراض سے نعمتوں کو یاد دلانا اور خرچ کرنے
میں ترغیب کا مؤثر نہ ہونا اس طرح ثابت ہے کہ جس شخص کو خیر و بھلائی میں رغبت ہوتی ہے، اس کے لئے ذرا سی توجہ دلانا
اور کوشش کرنا کافی ہو جاتا ہے اور وہ کہنے والے کی خصوصیت کو نہیں دیکھتا بلکہ انظر إلى ماقال ولاتنظر إلى من قال یعنی
"یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے اور یہ مت دیکھو کون کہہ رہا ہے" پر عمل کرتا ہے۔ انھوں نے جب کہنے والے کی خصوصیت پر نظر کی
اور اس سے دشمنی، خرچ کے لئے رکاوٹ بن گئی تو مؤثر نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور ان کا یہ اعتراض بالکل مہمل ہے۔ یہ
اعتراض پہلے ہی ﴿ رَزَقَكُمُ اللَّهُ ﴾ سے دور ہو چکا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی مخلوق کا دینا اللہ کے کھلانے کے
خلاف نہیں، کیونکہ کسی کے واسطہ سے کھلانا بھی اللہ ہی کا کھلانا ہے جیسے خزانوں کا مالک بادشاہ کبھی خود انعام دیدیتا ہے، کبھی
اپنے خزانچی سے دلا دیتا ہے۔ اور دونوں بادشاہ ہی کے عطئے ہیں، اگر یہ نہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے دینے پر
قادر ہے، پھر یہ کہ یہ اعتراض تو ان پر بھی عائد ہوتا ہے جیسا کہ ان کا اللہ کو رزاق تسلیم کرنا اوپر معلوم ہوا۔

﴿ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً
تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا ع
هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾
فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي
شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم
مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ
يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾
وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾
اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ
نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي ع ٤ ١٧ ٢
الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی اور وہ باہم سب لڑ جھگڑ رہے ہونگے۔ سو نہ وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے۔ اور صور پھونکا جاوے گا، سو وہ سب یکا یک قبروں سے اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھادیا؟ یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کردیئے جاویں گے۔ پھر اُس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس اُن ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اہل جنت بیشک اُس روز اپنے مشغلوں میں خوش دل ہونگے وہ اور اُن کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔ اُن کے لئے وہاں میوے ہونگے اور جو کچھ مانگیں گے اُن کو ملے گا۔ اُن کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا۔ اور اے مجرمو! آج الگ ہوجاؤ۔ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کردی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور وہ تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کرچکا، سو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ آج اپنے کفر کے بدلے اس میں داخل ہو۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کردیتے۔ پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔ ہم جس کی زیادہ عمر کردیتے ہیں تو اُس کو طبعی حالت میں الٹا کردیتے ہیں، سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون اور اس کے ساتھ ﴿اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ میں آخرت کے عذاب سے ڈرانا مختصر طور پر بیان ہوا تھا، اب آخرت کے احوال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس کے آخر میں ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا﴾ الخ سے دنیا کے عذاب کے احتمال کے ذریعہ تہدید یعنی ڈرانا و دھمکانا ہے، جس سے ﴿مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ﴾ کی ایک طرح سے شرح ہوگئی اور اس مذکورہ ربط کے علاوہ ویسے بھی قرآن میں توحید اور بعث کا ذکر کثرت سے ساتھ ساتھ آتا ہے۔

آخرت کے احوال اور دنیاوی عذاب کے احتمال کے ذریعہ ڈرانا دھمکانا:

اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ ﷺ اور آپ کا اتباع کرنے والوں سے انکار کے طور پر) کہتے ہیں کہ (قیامت کا) یہ وعدہ (جو ﴿مَا خَلْفَكُمْ﴾ کا مصداق ہے اور ویسے بھی اکثر اس کی خبر دیا کرتے ہو، وہ) کب ہوگا؟ اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو (تو بتاؤ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ جو بار بار پوچھ رہے ہیں تو گویا) یہ لوگ بس ایک سخت آواز (یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے) کے انتظار میں ہیں، جو ان کو (یعنی مطلق کافروں کو) آ پکڑے گی اور وہ سب (اس وقت) آپس میں (معمولی طور پر اپنے معاملوں میں) لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تو اس آواز کے ساتھ اچانک اس طرح فنا ہو جائیں گے کہ) نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے (بلکہ جو جس حال میں ہوگا، مر کر رہ جائے گا) اور (پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو وہ سب ایک دم قبروں سے (نکل نکل کر) اپنے رب کی طرف (یعنی جہاں حساب ہوگا) جلدی جلدی چلنے لگیں گے (اور وہاں کی ہولناکی اور ہیبت دیکھ کر) کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! ہمیں ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا؟ (کہ یہاں کے مقابلہ میں تو وہاں ہی راحت میں تھے۔ فرشتے جواب دیں گے کہ) یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسول سچ کہتے تھے (مگر تم نے نہیں مانا تھا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) وہ (صور کا دوبارہ پھونکنا) بس ایک زوردار آواز ہوگی (جیسے صور کا پہلی بار پھونکنا بھی ایک آواز تھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ اسی طرح یہ بھی ایک آواز ہوگی) جس سے سب ایک دم جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے (پہلے جمع ہونے کی جگہ کی طرف چلنے کا ذکر تھا اور یہاں پہنچ جانے کا ذکر ہے اور یہ چلنا اور پہنچنا جبر و قہر کے ساتھ ہوگا، جس پر ارشاد ﴿مُحْضَرُوْنَ﴾ اور دوسرا ارشاد ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ دلالت کرتے ہیں) پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا، اور تمہیں بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم (دنیا میں کفر وغیرہ) کیا کرتے تھے (یہ تو جہنم والوں کا حال ہوا اور) بے شک اس دن جنت والوں (کا حال یہ ہوگا کہ وہ) اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیئے لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) ان کے لئے وہاں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے انہیں ملے گا (اور) انہیں پروردگار کی طرف سے جو مہربان ہے، سلام فرمایا جائے گا (یعنی حق تعالیٰ خود فرمائیں گے: السلام عليكم يا أهل الجنة: جیسا کہ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے) اور (آگے پھر جہنم والوں کے قصہ کا باقی حصہ ہے کہ انہیں جمع ہونے کی جگہ میں حکم ہوگا کہ) اے (کفر کا ارتکاب کرنے والے) مجرمو! آج (ایمان والوں سے) الگ ہو جاؤ (کیونکہ انہیں جنت میں بھیجنا ہے اور تمہیں جہنم میں، اور اس وقت ان سے ملامت کے طور پر یہ فرمایا جائے گا) اے آدم کی اولاد! (اور اسی طرح جنات سے بھی خطاب ہوگا، جس پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ الخ) کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ

کرنا؟ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے (عبادت سے مراد مطلق اطاعت ہے اور اسی طرح یہ ارشاد ہے ﴿ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ﴾ ﴿ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ﴾ اور (تمہیں شیطان کے بارے میں یہ بات بھی معلوم کرائی گئی تھی کہ) وہ تم میں (یعنی تمہاری نوع کے لوگوں میں) سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کر چکا (ہے، جن کی گمراہی کا وبال بھی تمہیں جتادیا گیا تھا جیسے جھٹلانے والوں کے اور ان کی سزا و عذاب کے قصے کہ قرآن میں بیان کئے گئے ہیں) تو کیا تم (اتنا) نہیں سمجھتے تھے (کہ اگر ہم اس کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو جائیں گے تو ہم بھی اس طرح عذاب کے مستحق ہوں گے، لو اب) یہ جہنم ہے جس کا تم سے (کفر اختیار کرنے کی صورت میں) وعدہ کیا جایا کرتا تھا، آج اپنے کفر کے بدلہ اس میں داخل ہو جاؤ، آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے (جس کی وجہ سے یہ باطل عذر نہ کر سکیں، جیسا کہ شروع شروع میں کہیں گے ﴿ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴾) اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے (یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا) اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں ان کے کفر کی سزا میں) ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے (چاہے بینائی یعنی دیکھنے کی قوت کو یا خود عضو یعنی آنکھوں ہی کو) پھر یہ راستے کی طرف (چلنے کے لئے) دوڑتے پھرتے تو انہیں کہاں نظر آتا (جیسا کہ لوط کی قوم کے لئے ہوا کہ ارشاد فرمایا ﴿ فَطَمَسْنَآ ﴾) اور (اس سے بڑھ کر) اگر ہم چاہتے تو (ان کے کفر کی سزا میں) ان کی صورتیں بدل ڈالتے (جیسے پہلے بعض لوگ بندر اور خنزیر ہو گئے) اس حالت میں کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے (یعنی صورتیں مسخ کرنے کے علاوہ انہیں چلنے پھرنے سے معذوری بھی ہوتی، جس کا حاصل یہ ہے کہ جانور بنا دیتے اور جانور بھی اپاہج) جس سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے، اور (اس بارے میں کوئی تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اعضا کا مٹنا اور شکلوں کا مسخ ہونا کیسے ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس کی ایک نظیر ہماری قدرت سے اس کے سامنے ہے کہ) ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں (یعنی بہت بوڑھا کر دیتے ہیں) تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں (طبعی حالت سے مراد ادراک کرنے، سننے، دیکھنے وغیرہ کی اور فعل کرنے والی، ہضم کرنے والی اور بڑھنے والی قوتیں اور رنگ و رغن اور حسن و جمال ہیں، اور الٹا کر دینے سے مراد ان کا ذلیل و حقیر کی طرف انقلاب اور حالت کی تبدیلی ہے چنانچہ عضو کا مٹا دینا اور مسخ کر دینا بھی کامل یعنی پورے سے ناقص یعنی ادھورے کی طرف ایک قسم کی تبدیلی ہے) تو کیا (اس حالت کو دیکھ کر بھی) وہ لوگ نہیں سمجھتے؟ کہ جب ایک تبدیلی پر قدرت ہے تو دوسری پر بھی ہے، بلکہ قدرت کی نسبت تو تمام ممکن امور کے ساتھ برابر ہے، چاہے ان میں مشابہت اور ایک جیسا ہونا بھی نہ پایا جائے، تو ان لوگوں کو اس پر نظر کر کے ڈرنا اور کفر کو چھوڑ دینا چاہئے)

فائدہ: ﴿ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ میں کہنے والے مکہ کے کافر تھے اور ﴿ تَاْخُذُهُمْ ﴾ میں جن کا پکڑا جانا پھونک مارے جانے کے اثر میں بیان ہوا ہے، وہ اور لوگ ہوں گے لیکن ایسے حادثہ میں اصل مقصود پکڑا جانا ہے جس سے

قیامت کے انکار کی گنجائش نہ رہے تو قیامت سے پہلے جو کافر گذرے ہیں، ان کے لئے موت، جس کے ساتھ آخرت کا معائنہ ہوجاتا ہے ایسا ہی حادثہ ہے، لہٰذا ﴿ تَاْخُذُ ﴾ میں ضمیر کا مرجع مطلق کافر لوگ ہیں، اور چونکہ قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے یہاں ضمیر کو مبہم رکھا گیا کہ ﴿ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ کہنے والے کافروں کے لئے قیامت کے واقع ہونے کا احتمال ہے اور یہاں دوسری بار صور پھونکے جانے کے وقت ﴿ يَنْسِلُوْنَ ﴾ فرمایا اور ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ تو ممکن ہے کہ پہلے مرحلہ میں حیرت زدہ کھڑے رہیں، پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کردیں اور ﴿ اَزْوَاجُهُمْ ﴾ میں حوریں اور مؤمن بیویاں منفرد طور پر یا اجتماعی طور پر دونوں مراد ہوسکتی ہیں۔ اور جنت کے سایوں کی تحقیق سورۂ رعد آیت ۳۵ ﴿ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور ﴿ يَدَّعُوْنَ ﴾ کی جو تفسیر مانگنے سے کی گئی ہے، اس سے جنت والوں کے مانگنے میں کوئی اشکال نہ کیا جائے، کیونکہ اپنے محبوب اور عظیم سے مانگنا خاص طور سے جب کہ فوراً مل جائے، اپنے آپ میں ایک لذت کا سبب ہے، لہٰذا اس سے جنت میں تکلیف کا وجود لازم نہیں آیا اور بعض نے ﴿ يَدَّعُوْنَ ﴾ کو یتمنون کے معنی میں کہا ہے، اس سے اور بھی سہولت ہوگئی، اور ﴿ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ﴾ کا خطاب اکثر کافروں کے اعتبار سے ہے لہٰذا سب سے پہلے جو کافر ہوئے ہیں جنھوں نے دوسرے کافروں کا گمراہ ہونا اور ان پر وبال نازل ہونا نہیں دیکھا نہ سنا ان کے اس خطاب میں شامل نہ ہونے سے کوئی وسوسہ نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک تنبیہ کرنے والے کے نہ ہونے سے دوسری دلیلوں اور تنبیہ کرنے والوں کی نفی لازم نہیں آتی لہٰذا الزام اُن پر بھی قائم ہے اور مہر لگنا یا تو حقیقت میں ہے یا یہ بالکل خاموشی سے مجاز ہے، اور ایک آیت میں ﴿ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ ﴾ بھی آیا ہے اور ایک میں ﴿ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ ﴾ آیا ہے، یہ سب اعضا بولنے والے اور گواہی دینے والے ہوں گے۔ اور مونہوں پر مہر اور زبانوں کی گواہی میں تطبیق یعنی مطابقت کی وجہ سورۂ نور آیت ۲۴ ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور اسلام سے مقصود یا تو جنت میں عزت و اکرام ہے یا خوش خبری اور ہمیشگی سلامتی کی خبر دینا ہے، لہٰذا شبہ نہ رہا کہ سلامتی کی دعا اور انشا میں تحصیل حاصل یعنی پہلے سے حاصل امر کا حاصل کرنا ہے۔

> ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے لئے شایاں بھی نہیں۔ وہ تو محض نصیحت اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام کی ظاہر کرنے والی ہے تاکہ ایسے شخص کو ڈراوے جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت ثابت ہوجاوے۔

ربط: اوپر بعث اور جزا کا مضمون تھا، اب رسالت اور اس کی دلیلوں میں سے سب سے عظیم یعنی قرآن کے حق ہونے

کا مضمون ہے جو سورت کے شروع میں بھی تھا۔

رسالت اور قرآن کی تحقیق:

اور (یہ کافر جو نبوت کی نفی کے لئے آپ کو شاعر یا خیالی باتیں کرنے والا کہتے ہیں کہ چاہے وہ نظم نہ ہو، تو ان کا ایسا کہنا بالکل باطل ہے، اس لئے کہ) ہم نے آپ کو شاعری (یعنی خیالی مضامین ترتیب دینے) کا علم نہیں دیا (اور بغیر تعلیم کے چاہے وہ ہبہ کیا ہوا ہو یا اپنی کوشش سے حاصل کیا ہوا کسی بھی چیز کا علم حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا آپ شاعری کے فن سے پاک ثابت ہوتے) اور وہ (شاعری) آپ کی شان کے مطابق بھی نہیں، کیونکہ آپ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور شعری مضامین کی بنیاد محض خیالوں پر ہوتی ہے، لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں، جس کی وجہ سے اس وقت تو ان کا جمع ہونا محال ہی ہے، لیکن قوت وصلاحیت کے لحاظ سے بھی ان کا جمع نہ ہونا یعنی شاعری پر قدرت نہ ہونا ایک دوسرے کی نفی کا بہت ہی اعلیٰ درجہ اور پاک ہونے کا کمال ہے یہاں تک کہ نظم میں چونکہ اکثر خیالی مضامین ہوا کرتے ہیں اس لئے نظم میں بھی مہارت نہیں دی، چاہے وہ شعر منفی معنی میں نہ ہو) وہ (یعنی انہیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ سکھایا ہے، جس کو وہ لوگ شعر کہتے ہیں۔ وہ) تو صرف نصیحت (کا مضمون) اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام ظاہر کرنے والی ہے تا کہ (اپنے احکام کے بیان کے اثر سے) ایسے شخص کو (ایسا ڈرانا) ڈرائے جو (نفع دینے والا ہو، اور دل کی زندگی کے اعتبار سے) زندہ ہو اور تا کہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جائے (کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے احکام کو سننے کے باوجود انکار کیا)

فائدہ: سورۂ شعرا آیت ۲۲۴ ﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ ﴾ الخ کی تفسیر میں بھی شعر کی نفی کے معنی اور وجہ گذر چکے ہیں، جس کو اس وقت ایک بار پھر دیکھنا مفید ہوگا، اور کسی صحیح اور اچھی غرض سے کسی شعر کا نقل کرنا یا بلا ارادہ کوئی موزوں کلام منہ سے نکل جانا آیت کے مضمون کے خلاف نہیں ہے۔

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا اُن لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ اُن کے مالک بن رہے ہیں۔ اور ہم نے اُن مواشی کو ان کا تابع بنا دیا۔ سو اُن میں بعضے تو اُن کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ سو کیا یہ لوگ شکر نہیں

کرتے۔اور انھوں نے خدا کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں، اس امید پر کہ ان کو مدد ملے۔ وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ اُن لوگوں کے حق میں ایک فریق ہوجاویں گے جو حاضر کئے جاویں گے۔

ربط: اوپر ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ ﴾ الخ میں ایسی دلیلوں کے ذریعہ توحید کا اثبات تھا جن میں اللہ کی نعمتوں کا بیان بھی شامل ہے۔اب پھر ایسی ہی دلیلوں کے ساتھ اسی مضمون کا بیان ہے اور وہاں آخر میں اشاروں میں شریکوں کی نفی تھی، یہاں اس امر کی صراحت ہے۔

ایک بار پھر توحید کا ذکر:

کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے (نفع کے) لئے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے پھر (ہمارے مالک بنانے سے) یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں، اور (آگے اس نفع کی کچھ تفصیل ہے کہ) ہم نے ان مویشیوں کو ان کا تابع بنادیا تو (وہ ان کے کام میں لانے سے، کام آتے ہیں۔ چنانچہ) ان میں بعض تو ان کی سواریاں ہیں، اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں (جیسے بال، کھال اور ہڈی وغیرہ مختلف طریقوں پر استعمال میں آتے ہیں) اور (ان میں ان لوگوں کے) پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی دودھ) تو کیا (اس پر بھی) یہ لوگ شکر نہیں کرتے (جس میں سب سے اہم اور پہلا کام توحید کا قبول کرنا ہے) اور انھوں نے (شکر اور توحید کے بجائے کفر اور شرک اختیار کر رکھا ہے، چنانچہ) اس امید پر اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں کہ انہیں (ان معبودوں کی طرف سے) مدد ملے (لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور (مدد تو کیا کرتے اور الٹے) وہ (معبود) ان لوگوں کے حق میں ایک (مخالف) فریق ہوجائیں گے جو (حساب کے لئے جمع ہونے کی جگہ میں زبردستی) حاضر کئے جائیں گے (اور وہاں حاضر ہوکر ان کی مخالفت کا اظہار کریں گے جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے ﴿ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ اور سورۂ یونس میں ﴿ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ وغیرہ آیتیں ہیں)

فائدہ: جو آیتیں ابھی لکھی گئی ہیں، ان کا ملاحظہ کر لینا مفید ہے۔اور اگر انعام سے خاص وہ مویشی مراد ہیں جو حلال ہیں تو ﴿ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ میں مِنْ ابتدائی لینے میں تو کوئی اشکال نہیں اور تبعیضیہ یعنی بعض کے لئے لینا یا تو اجزا کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزئیوں کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ تمام اجزا نہیں کھائے جاتے، اور اگر جزئیوں کے اعتبار سے ہے تو شریعت میں جائز قرار دینے کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ واقع کے اعتبار سے ہو اور ظاہر ہے کہ واقعی طور پر ان کے صرف بعض حصے کھائے جاتے ہیں، چاہے سب کا کھانا شامل ہو اور ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیدا کرنے میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔

﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝٧٦ ﴾

ترجمہ: تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے۔ بیشک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کے تقاضہ یعنی مویشیوں کے پیدا کرنے کے واضح ہونے کے باوجود جس کے واضح ہونے کے تقاضہ کی طرف ﴿ أَلَمْ يَرَوْا ﴾ سے اشارہ معلوم ہوتا ہے، مشرکوں کا توحید کو قبول نہ کرنا اور شرک کے خلاف حقیقتوں یعنی بتوں کے عاجز و مجبور ہونے کے واضح ہونے کے باوجود جس کا واضح ہونا کھلے عام دیکھے جانے سے اور ﴿ لَا يَسْتَطِيعُونَ ﴾ الخ سے صاف طور سے معلوم ہے، ان کے شرک کو اختیار کرنے کا بیان تھا، جس سے ان کے اندر بالکل بھی سوچنے والے ذہن دماغ کا نہ ہونا یا انتہائی درجہ کا عناد رکھنے والا ہونا لازم آتا ہے۔ اب اس لازم پر رسول ﷺ کی تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں۔ اور ﴿ إِنَّا نَعْلَمُ ﴾ الخ سے اس کی تاکید فرماتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا بعث کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہے اور اس مضمون سے رسالت کے مسئلہ میں اور زیادہ تسلی حاصل ہوتی ہے کہ جب یہ لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں تو آپ کے ساتھ تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی عجیب امر نہیں، لہٰذا اس مجموعی بیان سے تسلی کے اس مضمون کا بعث، رسالت اور توحید سے جن کا اسی ترتیب کے ساتھ اوپر ذکر ہوا، سب سے ربط ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

(جب یہ لوگ ایسے واضح واضح امور میں مخالفت کرتے ہیں) تو (توحید اور رسالت وغیرہ کے بارے میں) ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے رنج و غم کا سبب نہیں ہونی چاہئیں (کیونکہ رنج و غم امید سے ہوتے ہیں اور امید مخاطب کی عقل اور انصاف سے ہوتی ہے، اور یہاں اگر ان کے اندر سوچنے والا ذہن اور دماغ نہیں تو اس کا مطلب ہے عقل ہی نہیں اور اگر عناد ہے تو انصاف نہیں، پھر امید کیسی اور پھر غم کیوں؟ آگے دوسرے طریقہ سے تسلی کی تاکید ہے کہ) بے شک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ (زبان سے) ظاہر کرتے ہیں (لہٰذا انہیں وقت آنے پر کافی بدلہ ملے گا)

﴿ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝٧٧ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ
خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝٧٨ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيمٌ ۝٧٩ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝٨٠ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝٨١ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا
أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝٨٢ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝٨٣ ﴾ ع ۵

ترجمہ: کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اُس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا، اور اُس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دے دیجئے کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں اُن کو پیدا کیا ہے، اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے، وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اُس سے اور آگ سلگا لیتے ہو، اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو پیدا کر دے، ضرور وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اُس کا معمول تو یہ ہے کہ اُس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ ہوجاتی ہے۔ تو اُس کی ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ میں بعث کا مضمون تھا۔ اب خاتمہ میں پھر اسی کا بیان ہے، البتہ چونکہ وہاں سوال واقع ہونے کے تعلق سے تھا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ الخ۔ اس لئے وہاں واقعات زیادہ ہیں، اگرچہ ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ ﴾ الخ میں بعض ان واقعات کے صحیح ہونے پر بھی استدلال ہے اور چونکہ یہاں اس کے امکان پر اعتراض تھا جیسا کہ لباب میں ابن عباسؓ سے روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ عاص ابن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور ہڈی کو چٹکی سے مل کر کہنے لگا کہ کیا یہ ایسی حالت کے بعد پھر زندہ ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور تم جہنم میں جاؤ گے، اس پر ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ ﴾ سے سورت کے آخر تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس لئے یہاں زیادہ استدلال صحیح اور ممکن ہونے پر ہے، اگرچہ بالکل آخری آیت میں واقع ہونے کا بھی حکم ہے۔ واللہ اعلم

بعث کو محال سمجھنے کا جواب:

کیا (اس) آدمی کو (جو بعث کا انکار کرتا ہے) یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو (ایک حقیر) نطفہ سے پیدا کیا (جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی اس ابتدائی حالت کو دیکھ کر ایک تو اپنی حقارت اور خالق کی عظمت کی وجہ سے انکار اور اعتراض کی گستاخی کی جرأت سے طبعی طور پر شرماتا۔ دوسرے خود اس حالت سے بعث کے صحیح ہونے پر عقل کے ذریعہ استدلال کرتا) تو (اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ مذکورہ تقاضہ کے برخلاف) وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا، اور (وہ اعتراض یہ کہ) اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا (عجیب اس لئے کہ اس سے قدرت کا انکار لازم آتا ہے) اور اپنی اصل کو بھول گیا (کہ نطفہ ایک حقیر چیز ہے جس سے ہم نے اس کو انسان بنایا ہے ورنہ اگر اپنی اصل کو نہ بھولتا تو طبعی اور عقلی طور پر ایسی بات نہ کہتا) کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (خاص طور سے) جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دیجئے کہ انہیں وہ زندہ

کرے گا۔ جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا ہے (جب کہ وہ زندگی سے بہت دور تھیں، اوراب تو ایک بار وہ زندگی کو قبول بھی کر چکی ہیں) اور وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے (شروع میں بھی اور دوبارہ بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہیں) وہ ایسا (مطلق قدرت والا) ہے کہ تمہارے لئے (بعض) ہرے درخت سے آگ پیدا کردیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو (چنانچہ عرب میں ایک درخت مرخ اور ایک عفار تھا، ان سے چقماق کا کام لیتے تھے لہٰذا جب پانی میں کہ ہرا ہونا اسی کا اثر ہے آگ پیدا کر دیتے ہیں تو جمادات میں زندگی پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ کیونکہ وہاں تو آگ کے ساتھ پانی بھی رہتا ہے، اور یہاں تو زندگی کے ساتھ جمادا ہونا نہیں رہے گا تو وہ اس زندہ کرنے سے زیادہ عجیب ہے) اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کردے؟ ضرور وہ قادر ہے (بلکہ زمین اور آسمان تو اور بھی بڑے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾) اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے (اور اس کی قدرت ایسی ہے کہ وہ جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو بس وہ ہو جاتی ہے (تو اس کے لئے کونسی بات مشکل ہو سکتی ہے) تو (ان سب باتوں سے ثابت ہو گیا کہ) اس کی ذات پاک ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے (یعنی وہ عاجزی و مجبوری وغیرہ کی کمزوریوں سے پاک ہے) اور (یہ امر سارے شبہوں سے سالم محفوظ باقی رہ گیا) کہ تم سب کو) قیامت میں) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

فائدہ: ﴿مِثْلَهُمْ﴾ کے ایسے معنی ہیں جیسے محاوروں میں کہتے ہیں کہ میں تم جیسوں کو کیا سمجھتا ہوں، یعنی تمہیں بھی اور تمہارے جیسوں کو بھی، اور یہاں کئی استدلال جمع ہیں: اول ﴿يُحْيِيهَا﴾ جس کی طرف ﴿نَسِيَ﴾ ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ اور ﴿اَنْشَاَهَا﴾ میں بھی اشارہ ہے دوسرے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ جو کہ ﴿وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ سے قریب ہے۔ تیرے ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ﴾ الخ چوتھے ﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ﴾ الخ پانچویں ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ﴾ اور ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ﴾ الخ میں مذکورہ دلیلوں سے ثابت مطلوب کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کلمۂ فا اس پر دلالت کرتا ہے اور ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کی تحقیق سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۷ میں گذر چکی ہے۔ اور چیزوں کا بننا اگرچہ اسباب میں درجہ بدرجہ بھی ہوتا ہے، مگر نوعی صورت کا فیض یکبارگی ہوتا ہے یا درجہ بہ درجہ والے امور میں حکم ﴿كُنْ﴾ درجہ بہ درجہ ہوتا ہے اور دفع سے متعلق امور میں ﴿كُنْ﴾ ایک ہی بار میں ہوتا ہے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ یٰسٓ کی تفسیر ۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ بروز منگل پوری ہوئی﴾

(۳۷) سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (۵۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا خلاصہ یہ مضامین ہیں: (۱) توحید جس سے سورت شروع کی گئی ہے اور پھر (۲) بعث جس پر سورت کے شروع ہی میں توحید سے متعلق مذکور بعض دلیلوں سے استدلال بھی کیا گیا اور آیت ۷۴ تک وہی بعث کا مضمون چلا گیا ہے اور پھر (۳) رسالت جس کا سلسلہ قصوں کے ضمن میں سورت کے ختم تک چلا گیا ہے، پھر آیت ۱۴۸ ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ﴾ الخ سے توحید اور اللہ کے پاک ہونے کا بیان ہے اور پھر آیت ۱۶۷ ﴿وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ﴾ سے انکار کرنے والوں کو ملامت وعید کے ذریعہ اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی وعدہ کے ذریعہ، پھر خاتمہ میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی پاکی اور رسولوں کی شان کی، بلندی کا بیان ہے جو توحید اور رسالت سے مناسبت رکھتی ہے اور اس سے گذشتہ سورت کے مجموعہ کا اس سورت کے مجموعہ سے بھی ربط ظاہر ہو گیا کہ وہ بھی انہی مضمونوں پر مشتمل تھی۔

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۝ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۝﴾

ترجمہ: قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، پھر اُن فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر اُن فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا۔ ہم ہی نے رونق دی ہے، اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی ہے ہر شریر شیطان سے۔ وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیئے جاتے ہیں، اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اُس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔

دلیل کے ذریعہ توحید کا اثبات اور قسم کے ذریعہ اس کی تاکید:

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (عبادت میں یا حق تعالیٰ کا حکم سننے کے وقت) صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں (جیسا

کہ اسی سورت میں آگے آئے گا ﴿ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴾ اور حدیث میں ہے: الاتصفون کما تصف الملائکۃ: کیا تم اس طرح صف نہیں باندھتے جس طرح فرشتے باندھتے ہیں؟ پھر (قسم ہے) ان فرشتوں کی جو (شہاب ثاقب یعنی آسمان میں نظر آنے والے ٹوٹتے ہوئے ستارہ کے ذریعہ سے آسمانی خبریں لانے سے شیطانوں کی) بندش کرنے والے ہیں (جیسا کہ اس سورت میں آگے جلدی ہی آ رہا ہے ﴿ وَيُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ﴾ الخ) پھر (قسم ہے) ان فرشتوں کی جو (اللہ کے) ذکر (تسبیح وتقدیس) کی تلاوت کرنے والے ہیں (جیسا کہ اسی سورت میں آئے گا ﴿ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴾ غرض ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں) کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہے (اور اس توحید کی دلیل یہ ہے کہ) وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے سب کا (یعنی ان کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا) پروردگار ہے اور (سب ستاروں کے) طلوع کرنے کے موقعوں کا پروردگار ہے (اور) ہم نے ہی اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب زینت وسجاوٹ یعنی ستاروں کے ذریعہ رونق بخشی ہے اور ہر شیطان سے (انہی ستاروں کے ذریعہ اس آسمان کی یعنی اس کی خبروں کی) حفاظت بھی کی ہے (جس کا طریقہ آگے آ رہا ہے ﴿ يُقۡذَفُوۡنَ ﴾ الخ اور اسی قذف ورجم یعنی شہاب ثاقب کے مارنے کے انتظام کی وجہ سے) وہ شیطان، عالم بالا یعنی اوپر والی دنیا یعنی فرشتوں کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے (یعنی اکثر تو اس مار کے ڈر سے وہ دور ہی دور رہتے ہیں) اور (اگر کبھی اتفاق سے اس کی کوشش کرتے بھی ہیں تو) وہ ہر طرف سے (یعنی جس طرف بھی جو شیطان جائے) مار کر دھکے دیدیئے جاتے ہیں (یہ عذاب اور ذلت تو ان کے لئے اس وقت ہے) اور (پھر آخرت میں) ان کے لئے (جہنم کا) ہمیشہ کا عذاب ہوگا (غرض خبر سننے سے پہلے ہی ان پر شہاب ثاقب مار دیا جاتا ہے اور پوری طرح سننے کا ارادہ کر کے خبر سننے میں ناکام رہتا ہے) مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے (کہ اس کو جلا کر پھونک کر ختم کر دیتا ہے لہٰذا خبر سننے کے بعد بھی وہ خبر کو دوسروں تک پہنچانے اور سنانے میں ناکام رہتا ہے، لہٰذا یہ تمام انتظامات وتصرفات توحید پر دلالت کرنے والے ہیں اور اگرچہ اس استدلال کی بعض باتیں سمعی (نقلی) ہیں لیکن خود اس سمعی دلیل کی صحت عقلی دلیل سے ثابت ہے، لہٰذا وہ سمعی بھی عقلی جیسی ہوئی اور توحید پر یہ استدلال معنی کے لحاظ سے عقلی ہی رہا اور شہاب ثاقب سے شیطان کو مارا جانا اور چوری چھپے سننے کی کوشش کی تحقیق سورۂ حجر آیت ۱۷ اور ۱۸ میں گذر چکی ہے اور (آیت ﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا ﴾ کے ظاہر سے ستاروں کا زمین سے قریب والے آسمان میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور علم ہیئت سے تعلق رکھنے والوں کے پاس ستاروں کے الگ الگ آسمان میں ہونے کی کوئی کافی دلیل نہیں ہے اور اگر کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت ہو جائے تو آیت کی توجیہ یہ ہوگی کہ پھر بھی اس کی زینت وسجاوٹ تو ان سے ہو سکتی ہے۔

اور مخلوق کی قسم کھانے کی تحقیق سورۂ حجر آیت ۷۲ ﴿ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴾ کی تفصیل کے ذیل

میں گذر چکی ہے اور ان قسموں سے استدلال مقصود نہیں ان سے تو صرف کلام کی تاکید مقصود ہے، استدلال آگے ہے۔ جیسا کہ اوپر سرخی کے عنوان سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے، البتہ ان قسموں میں جس امر پر قسم کھائی گئی ہے، اس کے احوال سے استدلال کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا جس کی قسم کھائی گئی ہے، وہ اس کی نظیر ہوتا ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے کہ نظیر بھی ایک لحاظ سے دوسری نظیر پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ ان صافات یعنی صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کے احوال میں کہ جو مصنوع یعنی بنائے ہوئے ہیں، بنانے والے پر اور توحید پر دلالت ظاہر ہے، اس طرح ہر جگہ غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اور آیت ﴿ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ ﴾ کے آگے پیچھے کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دھیان سے سننے کی اکثر کے اعتبار سے نفی کی، پھر شاذ و نادر کے دھیان سے سننے کے بعد ﴿ يُقْذَفُونَ ﴾ میں سرے سے سننے ہی کی نفی کی، پھر اتفاقی طور پر سن لینے کے بعد ﴿ فَأَتْبَعَهُ ﴾ سے اِسماع یعنی دوسروں کو سنانے کی نفی کی۔

اور ﴿ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شیطان کو ہر طرف سے مارتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرف کوئی شیطان جائے اسے اس طرف سے مارا جاتا ہے۔

اور جن فرشتوں کی قسم کھائی ہے، ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب فرشتے مختلف جماعتیں ہیں، کوئی زمین کے انتظامات کرنے والی جماعت ہے، جن کو احکام بتائے جاتے ہیں، کوئی عبادت قائم کرنے میں مشغول ہے، اور یہ دونوں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، یا احکام سننے والوں کا صف باندھنا بازوؤں کے صف باندھنے کے معنی میں ہو، اور بعض فرشتے آسمان کا نظم و تدبیر کرنے والے ہیں، جو شیطانوں کو مارتے ہیں، اور بعض صرف تسبیح و تقدیس کے لئے مخصوص ہیں۔ اس صورت میں تو عطف ظاہر ہے، اور اگر ایک ہی جماعت یہ سب کام کرتی ہو تو عطف صفت کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے اعتبار سے ہوگا، اور کلمۂ فا کو آگے پیچھے لانا قسم کے فعل کے اعتبار سے ہے یعنی آگے پیچھے کئی قسمیں کھاتے ہیں، اس میں کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب قسمیں کئی ہوں گی تو انہیں زبان سے ادا کرنا آگے پیچھے ہی ہوگا۔ اور شیطانوں کو ہمیشہ کا عذاب ان کے کفر کی وجہ سے ہوگا۔ اور یہاں مغارب یعنی غروب ہونے کے مواقع کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ مشارق یعنی طلوع ہونے کے مواقع کا ذکر اس پر بھی دلالت کرتا ہے اور شاید مشارق یعنی طلوع ہونے کے موقعوں کی تخصیص اس لئے ہو کہ اشراق یعنی طلوع ہونا نظر کے سامنے ہونے کی وجہ سے قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے چاہے دوسری کئی وجھوں سے غروب زیادہ دلالت کرتا ہو، اور اس آیت میں لفظ مشارق جمع آیا ہے جب کہ بعض جگہوں پر لفظ مشرقین یعنی طلوع ہونے کے دو مواقع آیا ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے تو وہ سورج اور چاند دونوں کے الگ الگ اعتبار سے ہوگا، اور بعض جگہ جیسے سورۂ مزمل میں ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ واحد یعنی ایک ہی مشرق طلوع ہونے

کی جگہ آیا ہے تو یا تو اس سے مراد جنس ہوگا یا سورج کے سب سے مشہور اور بڑا ستارہ ہونے کی وجہ سے خاص اس کے طلوع ہونے کا موقع مراد ہوگا، اور اس کے سوا اور بھی توجیہوں کا احتمال ہے اور شیطانوں کی اس حالت کے بیان کرنے سے مذکورہ بیان کے ذریعہ توحید پر استدلال کرنے کے علاوہ ایک اور وضاحت سے بھی شرک کے باطل ہونے کی طرف اشارہ ہوگیا یعنی جن شیطانوں کو تم اللہ کے ساتھ معبود یا اس کی عبادت میں شریک قرار دیتے ہو، وہ اتنے زیادہ دھتکارے ہوئے مار کر بھگائے ہوئے اور عذاب کے شکار ہیں کہ انہیں اوپر کی دنیا تک پہنچنا بھی میسر نہیں تو اس سے زیادہ بلندی اور قدرت تو انہیں کیا ہوگی۔ پھر وہ معبود، عبادت کے لائق کب ہوسکتے ہیں اور رسالت کے صحیح ہونے کی طرف بھی اشارہ اس طرح حاصل ہوگیا کہ اس قرآن میں کاہنوں کی باتوں کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اور اس سے بعث پر استدلال خود آگے موجود ہے، اس طرح اس مضمون میں تینوں اصولی امور (توحید، رسالت اور بعث جمع ہوگئے)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا
هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ع
فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ
مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ
لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ
رَبِّنَآ ڰ اِنَّا لَذَاۗىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا
لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَاۗءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَاۗىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰي سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَاۗءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾
لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ
لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً
لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ
لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى
الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ
الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾ ع ۲

ترجمہ: تو آپ ان سے پوچھئے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں؟ ہم نے اُن لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں۔ اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اُس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم زندہ کئے جاویں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے۔ پس قیامت تو بس ایک للکار ہو گی سو سب یکا یک دیکھنے بھالنے لگیں گے۔ اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ تو وہی روزِ جزا ہے۔ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ جمع کر لو ظالموں کو اور اُن کے ہم مشربوں کو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ۔ اور ان کو ٹھیراؤ ان سے پوچھا جاوے گا کہ اب تم کو کیا ہوا؟ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ وہ سب کے سب اُس روز سرافگندہ ہو نگے۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب وسوال کرنے لگیں گے۔ تابعین کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی۔ متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے۔ اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں۔ بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب ہی پر ہمارے رب کی یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے۔ تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود ہی گمراہ تھے۔ تو وہ سب کے سب اُس روز عذاب میں شریک رہیں گے۔ ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔ بلکہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تم کو اُس ہی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں، اُن کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال معلوم ہے یعنی میوے۔ اور

وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ اُن کے پاس ایسا جام شراب لایا جاوے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا، سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی۔ نہ اُس میں درد سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آوے گا۔ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی ہونگی۔ گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے؟ کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاویں گے تو کیا ہم جزا و سزا دیئے جاویں گے؟ ارشاد ہوگا کہ کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو۔ سو وہ شخص جھانکے گا تو اُس کو وسط جہنم میں دیکھے گا۔ کہے گا کہ خدا کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا۔ اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔ کیا ہم بجز پہلی بار کے مرچکنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا۔ یہ بیشک بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے۔ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔ تو وہ لوگ اُس سے کھاویں گے اور اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جاوے گا۔ اور پھر اخیر ٹھکانا اُن کا دوزخ ہی کی طرف ہوگا، انھوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی اُن ہی کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے۔ اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہوچکے ہیں۔ اور ہم نے اُن میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے اُن لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے۔

ربط: اوپر توحید کا اثبات تھا۔ اب بعث کا اثبات ہے، جس کے ممکن ہونے پر اوپر مذکورہ توحید کی دلیل کے بعض اجزاء کے ذریعہ استدلال بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ میں کلمۂ فا سے اس پر دلالت ہوتی ہے اور نبوت کے ثبوت سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿وَإِذَا رَأَوْا﴾ الخ ترجمہ کی وضاحت سے معلوم ہوگا۔ اور بعث کے ساتھ کافروں کے عذاب اور مؤمنوں کے ثواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ﴾ میں مضمون پورا کرنے کے طور پر کافروں کے عذاب کی ایک علت بیان ہوئی ہے۔

بعث کی بحث اور اس کے واقعات:

(اور جب توحید کی دلیلوں میں حق تعالیٰ کا مخلوقات میں مذکورہ تصرفات پر قادر ہونا اور ان مخلوقات کا اللہ کی قدرت کے تحت ہونا معلوم ہوگیا) تو آپ (بعث کا انکار کرنے والے) ان لوگوں سے (الزام اور ملامت کے طور پر) پوچھئے کہ بناوٹ میں یہ لوگ زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی چیزیں؟ (جن کا ابھی ذکر ہوا تو واقع میں یہی چیزیں زیادہ سخت ہیں، کیونکہ) ہم نے ان لوگوں کو (تو شروع میں آدم کے پیدا کرنے میں اسی معمولی) چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے (جس

میں نہ کچھ قوت ہے نہ کوئی سختی، اور انسان جو اس سے بنا ہے وہ بھی زیادہ قوی اور سخت نہیں ہے لہٰذا جب ہم قوی اور سخت مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہیں تو کمزور اور نرم مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت کیوں نہ ہوگی؟ مگر ایسی واضح دلیل کے باوجود بھی یہ لوگ بعث کے امکان کے قائل نہیں ہوئے) بلکہ (اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ) آپ تو (ان کے اللہ کی قدرت کے انکار سے جو کہ امکان کی نفی سے لازم آتا ہے) تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ (انکار سے بڑھ کر بعث کے اس دعوی) کا مذاق اڑاتے ہیں اور (ظاہر ہے کہ اس دعوی کے دو ہی جز ہیں: (۱) بعث کا امکان اور (۲) بعض کا واقع ہونا۔ پہلے جز کا اثبات عقلی دلیلوں سے ہوسکتا ہے، جن میں سے ایک بیان ہوئی ﴿اَشَدُّ خَلْقًا﴾ الخ اور دوسرے جز کا اثبات نبوت کے ثبوت سے ہوسکتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب انہیں (عقلی دلیلوں سے امکان) سمجھایا جاتا ہے، تو یہ سمجھتے نہیں، اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں (جو انہیں نبوت کے ثبوت کی غرض سے دکھایا جاتا ہے جس سے بعث کا واقع ہونا ثابت کیا جائے) تو (خود) اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے (کیونکہ اگر یہ معجزہ ہو تو اس سے نبوت کا ثبوت اور اس سے بعث کا دعوی کرنے والے کا سچا ہونا لازم آتا ہے اور لازم محال ہے، کیونکہ) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ ہوں گے؟) آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! (تم ضرور زندہ ہوگے) اور تم ذلیل بھی ہوگے (جو شخص دلیل کے بعد بھی عناد کے طور پر انکار کرے، اس کے لئے ایسا ہی جواب مناسب وکافی ہے، آگے بعث کے مقدموں کے ثبوت پر بنیاد قائم فرماتے ہیں کہ) چنانچہ قیامت تو بس ایک للکار ہوگی (یعنی دوسری بار صور پھونکنا) تو (اس سے) سب ایک دم (زندہ ہوکر) دیکھنے بھالنے لگیں گے اور (حسرت کے ساتھ) کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی بدلہ کا دن (معلوم ہوتا) ہے (ارشاد ہوگا کہ ہاں) یہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (آگے بعض واقعات کی تفصیل ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) جمع کرلو ظالموں کو (یعنی جو کفر وشرک کے بانی اور پیشوا وسردار تھے) اور ان کے ہم مشرب لوگوں کو (یعنی جو ان کے ساتھ یا ان کے تابع تھے) اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے (یعنی شیطان اور بت) پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ (یعنی ادھر لے جاؤ) اور (پھر یہ حکم ہوگا کہ اچھا) انہیں (ذرا) روکو، ان سے کچھ پوچھا جائے گا (چنانچہ ان سے یہ سوال ہوگا) کہ اب تمہیں کیا ہوا؟ کہ (عذاب کا حکم سن کر) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (یعنی جن کی اتباع کی گئی تھی چاہے وہ انسان ہوں یا شیطان اپنے اتباع کرنے والوں کی مدد نہیں کرتے، جیسا کہ دنیا میں گمراہ کرنے اور دھوکہ وفریب میں ڈالنے کے وقت اپنے اتباع کو دھوکہ دیتے تھے، کہ برائی کے اس طریقہ کو اختیار کرو، کوئی نقصان نہیں ہوگا مگر اس سوال کے بعد بھی کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا) بلکہ وہ سب کے سب اس دن سر جھکائے (کھڑے) ہوں گے اور (ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ایک دوسرے سے نفرت اور جھگڑا کریں گے کہ) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال جواب (یعنی

اختلاف) کرنے لگیں گے (چنانچہ اتباع کرنے والے (جن کی وہ اتباع کرتے تھے، ان سے) کہیں گے کہ (ہمیں تو تم نے گمراہ کیا، کیونکہ) تم ہمارے پاس بڑے زور وقوت کے ساتھ آیا کرتے تھے (یعنی ہم پر خوب زور ڈال کر ہمیں گمراہ کرنے کا اہتمام اور اس میں کوشش کیا کرتے تھے) جن کا اتباع کیا جاتا تھا وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور (ہم پر ناحق الزام لگاتے ہو، کیونکہ) ہمارا تم پر کوئی زور وقوت نہیں تھا بلکہ تم خود ہی بغاوت کیا کرتے تھے تو (جب کفر کے مرتکب تم بھی تھے اور ہم بھی، اول پر ﴿ لَّمۡ تَكُونُواْ مُؤۡمِنِينَ ﴾ اور دوسرے پر ان کا قول ﴿ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُم مِّن سُلۡطَٰنٍۢ ﴾ دلالت کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ) سبھی پر ہمارے رب کی یہ (ہمیشہ کی لکھی ہوئی) بات ثابت ہو چکی تھی کہ ہم سب کو (عذاب کا) مزہ چکھنا ہے (جو ﴿ لَأَمۡلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ ٱلۡجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ﴾ کا حاصل ہے) تو (اس کا سامان یہ ہو گیا کہ) ہم نے تمہیں بہکایا (جس سے تم ہمارے زبردستی کئے بغیر خود اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے اور ادھر) ہم خود بھی (اپنے اختیار سے) گمراہ تھے (لہٰذا دونوں کی گمراہی کے اسباب جمع ہو گئے جس میں تمہارا اختیار تمہارے گمراہ ہونے کے اسباب کا ایک حصہ ہے پھر اپنے آپ کو کیسے بری کرنا چاہتے ہو؟ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب دونوں فریق کا کفر میں مشترک ہونا ثابت ہے) تو وہ سب کے سب اس دن عذاب میں (بھی) شریک رہیں گے (اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (آگے ان کے کفر اور جرم کا بیان ہے کہ) وہ لوگ ایسے تھے کہ (توحید کے بھی منکر تھے اور رسالت کے بھی۔ چنانچہ) جب ان سے (رسول ﷺ کے واسطہ سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو (اس کے ماننے سے) تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر، دیوانہ (کے کہنے) کی وجہ سے چھوڑ دیں گے (لہٰذا اس میں توحید اور رسالت دونوں کا انکار ہو گیا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رسول نہ شاعر ہیں نہ مجنون (دیوانہ) بلکہ (رسول ہیں کہ) ایک سچ دین لے کر آئے ہیں اور (توحید وغیرہ کے اصول میں) دوسرے نبیوں کی تصدیق (اور مطابقت وموافقت) کرتے ہیں (یعنی ایسے اصول بتاتے ہیں جس میں سارے رسول متفق، لہٰذا وہ اصول بہت ساری دلیلوں کے جمع ہونے کی بنیاد پر حق ہیں۔ خیال بندی نہیں اور حق بات کا کہنا جنون نہیں ہوتا۔ اسی طرح دوسری امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ اسی سے ملتا جلتا برتاؤ کیا۔ یہاں بعض آیتوں میں صرف اس امت کے کافروں کا ذکر قرآن کے نازل ہونے کے وقت مخاطب لوگوں کی خصوصیت کے اعتبار سے ہو گیا، آگے انہیں سیدھے طور پر خطاب کر کے اس مشترک عذاب کے سنانے کا بیان ہے کہ) تم سب (اتباع کرنے والوں کو بھی اور جن کی اتباع کرتے ہو) کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور (اس حکم میں تم پر کوئی ظلم نہیں ہوا، کیونکہ) تمہیں اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم (کفر وغیرہ) کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں (اس سے ایمان والے لوگ مراد ہیں کہ انھوں نے حق کا اتباع کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبول اور مخصوص فرما لیا، تو) ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں، جن

کا حال (دوسری سورتوں میں) معلوم (ہو چکا) ہے یعنی میوے (جن کا ملنا سورۂ یٰسین آیت ۵۷﴿ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴾میں بیان ہو چکا ہے اور جن کی خوبی سورۂ واقعہ آیت ۳۲و۳۳﴿ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴾میں اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے کیونکہ سورۂ یٰسین اور سورۂ واقعہ دونوں سورتیں سورۃ الصافات سے پہلے نازل ہو چکی ہیں جیسا کہ الاتقان میں ہے) اور وہ لوگ بڑی عزت کے ساتھ آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) ان کے پاس ایسے جام لائے جائیں گے (یعنی غلام لائیں گے جیسا کہ سورۂ واقعہ آیت ۱۷﴿ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴾الخ) جو بہتے ہوئے مشروب سے بھرے ہوں گے (جیسا کہ ارشاد ہے﴿ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴾جس سے اس کی کثرت اور پاکیزگی معلوم ہوئی۔ اور دیکھنے میں) سفید ہوگا (اور پینے میں) پینے والوں کو خوش ذائقہ معلوم ہوگا (اور) نہ اس سے ان کے جسم کو کوئی نقصان ہوگا اور نہ اس سے عقل میں کوئی خلل، خرابی آئے گی۔ اور ان کے پاس نظریں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی، جیسا کہ ارشاد ہے﴿ وَحُورٌ عِينٌ ﴾جن کی رنگت ایسی صاف ہوگی کہ) جیسے وہ (پروں کے نیچے) پوشیدہ رکھے ہوئے انڈے ہیں (کہ گرد و غبار اور داغ سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں، یہ تشبیہ عرب کی عادت کی وجہ سے صرف صفائی میں ہے کہ عورتوں کے لئے اس تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ الروح میں ہے اور رنگت کی خصوصیت میں تشبیہ نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں یاقوت اور مرجان سے تشبیہ دی ہے تو مختلف رنگتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ یا یوں کہا جائے کہ سبھی رنگ تھوڑے تھوڑے دمکتے ہوں گے) پھر (جب سب ایک جلسہ میں جمع ہوں گے تو) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اس بات چیت کے دوران) ان (جنت والوں) میں سے ایک کہنے والا (ساتھ بیٹھنے والوں سے) کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ملنے والا تھا وہ (مجھ سے تعجب کے طور پر) کہا کرتا تھا۔ کیا تم بعث کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں (دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اور زندہ کر کے) جزا و سزا دی جائے گی؟ (یعنی وہ بعث کا انکار کرنے والا تھا، لہٰذا ضرور وہ جہنم میں گیا ہوگا، حق تعالیٰ کا) ارشاد ہوگا کہ (اے جنت والو!) کیا تم (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو؟ (اگر تم دیکھنا چاہو تو تمہیں دیکھنے کی اجازت ہے) تو وہ شخص (جس نے قصہ بیان کیا تھا) دیکھے گا (چاہے اور لوگ بھی دیکھیں یا نہ دیکھیں، پہلی بنیاد پر اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس کو دیکھنے کی اجازت کا سبب یہی ہوا، اور اسی کو دیکھنے کی خواہش بھی زیادہ تھی، اور دوسری بنیاد پر تخصیص ظاہر ہے۔ غرض جب دیکھنا چاہے گا) تو اسے جہنم کی گہرائی میں (پڑا ہوا) دیکھ لے گا (اس کو وہاں دیکھ کر اس سے) کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے تباہ ہی کر دینے والا تھا (یعنی مجھے بھی بعث کا منکر بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا) اور اگر (مجھ پر) میرے رب کا فضل نہ ہوتا (کہ مجھے اللہ نے صحیح عقیدہ پر قائم رکھا) تو میں بھی (تیری طرح) پکڑے ہوئے لوگوں میں ہوتا (اس کے بعد اپنی مجلس کے

جنت والے ساتھیوں سے کہے گا کہ) کیا ہم پہلی بار مر چکنے کے سوا (کہ دنیا میں مر چکے ہیں) اب نہیں مریں گے؟ اور نہ ہمیں کوئی عذاب ہوگا؟ (یہ بات جنت والے اپنے ساتھیوں سے اور اسی طرح پہلی بات دنیا میں ملنے والے اس کافر سے متعلق کہنا، اس کو جھانکنا، دیکھنا، اس سے باتیں کرنا یہ سب خوشی کے جوش میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آفتوں اور تکلیفوں و پریشانیوں سے بچالیا اور ہمیشہ کے لئے بے فکر کردیا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے سننے والو! جنت کی جسمانی اور روحانی نعمتوں کا جو کچھ ذکر ہوا) یہ بے شک بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی (حاصل کرنے) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے (یعنی ایمان لانا اور اطاعت کرنی چاہیے، آگے عذاب وثواب دونوں کا مقابلہ کرکے ایمان والوں کو ترغیب دیتے اور کافروں کو ڈراتے ودھمکاتے ہیں، کہ اے سامنے والو! بتاؤ) بھلا (جنت کی نعمتوں کی) یہ دعوت (کہ پھل اور میوے وغیرہ ہیں) بہتر ہے (جو ایمان والوں کے لئے ہے؟) یا زقوم کا درخت؟ (جو کافروں کے لئے ہے) ہم نے اس درخت کو (آخرت میں سزا وعذاب بنانے کے علاوہ دنیا میں بھی) ان ظالموں کے لئے امتحان کا سبب بنایا ہے (کہ اس کو سن کر تصدیق کرتے ہیں یا جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے ہیں، چنانچہ کافر لوگ جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے ہوئے پیش آئے، کہنے لگے کہ زقوم تو مسکہ یعنی گھی ومکھن اور خرما یعنی چھوہارے کو کہتے ہیں وہ تو خوب لذیذ چیز ہے اور کہنے لگے کہ زقوم اگر درخت ہے تو وہ جہنم میں کیسے ہوسکتا ہے کہ جہاں آگ ہے؟ اس کا جواب آگے بیان فرماتے ہیں کہ) وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی گہرائی میں سے نکلتا ہے (یعنی وہ مسکہ وخرما نہیں ہے اور چونکہ خود آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس کا وہاں رہنا کوئی محال نہیں جیسا کہ سمندر نامی جانور کہ آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے۔ اس سے دونوں باتوں کا جواب ہوگیا۔ آگے اس کی ایک کیفیت کا بیان ہے کہ) اس کے پھل (دیکھنے میں) ایسے (برے) ہیں جیسے ناگ کے پھن (لہٰذا ایسے درختوں سے ظالموں کی دعوت ہوگی) تو وہ لوگ (بھوک کی شدت میں جب اور کچھ نہ ملے گا تو) اس سے کھائیں گے اور (چونکہ بھوک سے پریشان ہوں گے) اس سے پیٹ بھریں گے پھر (جب پیاس سے پریشان ہوکر پانی مانگیں گے تو) انہیں کھولتا ہوا پانی (غساق یعنی پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا اور (یہ نہیں کہ اس مصیبت کا خاتمہ ہوجائے بلکہ اس کے بعد) پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہی کی طرف ہوگا (یعنی اس کے بعد بھی وہاں ہی ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا، اور ان کی اس سزا کی وجہ یہ ہوگی کہ) انھوں نے (اللہ کی ہدایت کا اتباع نہیں کیا تھا، بلکہ) اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا، پھر یہ بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر تیزی کے ساتھ چلتے تھے (یعنی شوق اور رغبت کے ساتھ ان کے گمراہی والے راستہ پر چلتے تھے) اور ان (موجودہ کافروں) سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہوچکے ہیں۔ اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (نبی) بھیجے تھے تو دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا (اور انھوں نے نہ مانا تھا کہ ان پر (دنیا ہی میں کیا کیا عذاب نازل ہوا) ہاں! مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے (یعنی ایمان والے)

بندے تھے (وہ اس دنیاوی عذاب سے بھی محفوظ رہے)

فائدہ: ﴿ فَوَاكِهُ ﴾ یعنی پھل میوے اور زقوم کا درخت آپس میں، اور کاس یعنی جام اور حمیم آپس میں ایک دوسرے کی ضد و مقابل ہیں اور دونوں ﴿ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴾ معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔ اور ﴿ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ یعنی اللہ کے خاص کئے ہوئے بندوں کو ایک جگہ آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ایک جگہ دنیا کے عذاب سے۔ اور ﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَاۗءَهُمْ ﴾ کا حکم اکثر کافروں کے اعتبار سے ہے۔ اور پہلے والوں کو عذاب دینے کی علت خود ان کا گمراہی میں اصل ہونا ہے۔ اور ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا ﴾ سے مراد خود ھذا ہی ہے۔ محاوروں میں اسی طرح بولا کرتے ہیں، اور جس جنتی کا قصہ یہاں بیان کیا گیا ہے اس کی تعیین کسی صحیح قوی روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایسا شخص ایک ہی ہو۔ اور ﴿ فَاطَّلَعَ ﴾ سے کثرت استعمال کی بنا پر ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں یعنی بلندی کی طرف اور جہنم اسفل میں یعنی نیچے کی طرف ہے اور اس وقت آپس میں ایسا تعلق ہوگا کہ جھانکنے سے نظر آجائے گا۔ اور ﴿ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴾ کا فاعل احقر نے اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے اور بعض دوسرے مفسروں کی طرح اس جنتی کو قرار نہیں دیا کیونکہ ظاہر میں حق تعالیٰ کی اجازت کے بغیر جنت والوں کا خود اپنی رائے اور مرضی سے جہنم کی طرف جھانکنا تکوین کے طور پر محال معلوم ہوتا ہے، اور زقوم کو بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ ایک درخت کا نام ہے، جس کے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور بدبودار کڑوا ہوتا ہے۔ عرب کے علاقہ تہامہ میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اس سے ملتا جلتا تھوہر اور سینڈھ کا درخت ہوتا ہے۔ اور ﴿ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ یعنی شیطانوں کے سر یا ناگ کے پھن سے تشبیہ دینا بدنمائی میں ہے جیسے ہندوستان میں ایک کانٹے دار درخت کو شکل کی مشابہت کی وجہ سے ناگ پھن کہتے ہیں۔ اور سانپ یا ناگ کو اس کی خباثت اور ایذا پہنچانے کی فطرت کی وجہ سے شیطان کہتے ہیں۔ اور کافروں کے مذاق اڑانے کی وجہ یہ ہے کہ زقوم عربی لغت میں اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن جب اس کے ساتھ شجرہ یعنی درخت کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے تو اصل کے اعتبار سے اس کی گنجائش نہیں تھی۔ اور مذاق اڑانے اور جھٹلانے کی اور اس پر آیت ﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ ﴾ الخ اس شبہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ روایت میں تصریح ہے، لہٰذا اس درخت کا آگ میں ہونا کسی اور دلیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ یا تو حضور ﷺ نے تفسیر کے طور پر فرمایا ہوگا، یا اس مضمون کو سن کر شجر زقوم جہنم والوں کا کھانا ہے، عام طور پر لازم ہونے کی حیثیت سے اس درخت کا آگ میں ہونا سمجھے ہوں گے، جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت ۵۱و۵۲ ﴿ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّاۗلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴾ سے جو کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ الصافات سے پہلے نازل ہوئی ہے، یہ سمجھا ہو اور یہ شبہ کیا ہو، جس کو سورۂ بنی اسرائیل میں جو کہ اس واقعہ سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ مختصر انداز میں نقل کیا، پھر سورۃ الصافات میں جو بنی

اسرائیل سے بعد میں نازل ہوئی ہے، اس کا جواب بھی ارشاد فرمادیا اور نازل ہونے کی یہ ترتیب اتقان میں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور آیت ﴿ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ ﴾ الخ سے متعلق ایک ضروری تحقیق سورۂ مؤمن آیت ۷۲ ﴿ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾ کے ذیل میں آئے گی۔

﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝۷۵ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝۷۶ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝۷۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۷۸ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۹ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۰ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۱ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۸۲ ﴾

ترجمہ: اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔ اور ہم نے اُن کو اور اُن کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی، اور ہم نے باقی اُن ہی کی اولاد کو رہنے دیا اور ہم نے اُن کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔

ربط: اوپر مبدأ اور معاد یعنی توحید اور وعید کے دن کا بیان تھا اور ختم پر ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا ﴾ الخ مختصر انداز میں رسالت کے مسئلہ کا اثبات تھا۔ اب اس مختصر مضمون کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ذریعہ بیان کی جارہی ہے اور چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام توحید کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ اس لئے توحید کی بھی تائید ہوگئی اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنے سے کفر کی وعید کا مستحق ہونا بھی ثابت ہوگیا، جس سے ﴿ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ کی تفسیر اور آخرت و انجام کے مسئلہ کی مثال بھی ہوگئی۔

پہلا قصہ: نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے (مدد کے لئے) پکارا (یعنی دعا کی) تو (ہم نے ان کی فریاد پوری کی، اور) ہم خوب فریاد سننے والے ہیں، اور ہم نے انہیں اور ان کا اتباع کرنے والوں کو بڑے بھاری غم سے (جو کہ کافروں کے جھٹلانے اور ایذا پہنچانے کی وجہ سے پیش آیا) نجات دی (کہ طوفان کے ذریعہ کافروں کو غرق کر دیا اور انہیں اور ان کا اتباع کرنے والوں کو بچالیا) اور ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رہنے دیا (یعنی کسی اور کی نسل نہیں چلی) اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات (لمبی مدت کے لئے) رہنے دی کہ دنیا والوں میں نوح پر سلام ہو (یعنی اللہ کرے ان پر ساری دنیا والے جن و انسان اور فرشتے سلام بھیجا کریں، اس معنی میں کہ ان کی تعریف کیا کریں یا اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ وہ نوح علیہ السلام کو مطلق و کامل سلامتی کی خوش خبری دے جس کا نجات پانے والے مقرب لوگوں سے وعدہ کیا گیا

ہے۔ چنانچہ علیہ السلام اس اعتبار سے کہنا کہ سلام مطلق ہونے کی وجہ سے سلام میں تمام افراد یعنی جن و انسان اور فرشتے شامل ہیں) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے، پھر ہم نے دوسرے (راستہ پر چلنے والے) لوگوں (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا۔

فائدہ: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ انہی کی اولاد کی نسل چلی، کافر تو غرق ہو گئے اور کشتی میں سوار دوسرے لوگوں کی بھی نسل نہیں چلی۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنے بھی لوگ ہیں سب کا نسب نوح علیہ السلام تک پہنچ کر رکتا ہے، جیسا کہ ترمذی نے اس آیت کے سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں نقل کی ہیں: پہلی میں کہا ہے کہ حام وسام و یافث اور دوسری میں کہا ہے کہ سام عربوں کے باپ حام حبش والوں کے باپ اور یافث روم والوں کے باپ۔ اور قرآن مجید سے جیسا کہ ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ اور ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ اور ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ وغیرہ آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ طوفان کا زمین کے سارے آبادی والے حصہ کے لئے عام ہونا معلوم ہوتا ہے اور ترمذی کی مذکورہ روایتوں سے بھی ظاہر میں اس کی تائید ہوتی ہے اور جمہور نے اس کو اختیار کیا ہے، اور بہت تھوڑے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ طوفان صرف عرب کے ملک میں تھا، جہاں نوح علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔ اور ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ میں حصر عرب ملک میں غرق ہونے والوں کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ چاہے دوسرے ملکوں کے لوگوں کی نسل باقی ہو، اور ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ﴾ میں بھی ارض سے خاص زمین مراد لیتے ہیں اور پہلی صورت میں جو نوح علیہ السلام کی بعثت کے عام ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب سورۂ آلِ عمران آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی خاص اسی مقام تک محدود ہو جہاں نوح علیہ السلام تشریف رکھتے تھے اور بعثت کے عام ہونے کے معنی یہ ہوں کہ جب بہت ساری قومیں زمین میں آباد موجود ہوں، ان سب کی طرف بعثت ہو، ورنہ آدم علیہ السلام کے بعثت کا بھی عام ہونا لازم آئے گا اور ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام امور میں تشبیہ ہو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ محسنین یعنی نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اب جس مرتبہ کا احسان ہوگا اسی مرتبہ کا بدلہ ہوگا، لہٰذا نبیوں اور غیر نبیوں کا برابر ہونا لازم نہیں آتا، اور ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا﴾ میں لفظ ثم تراخی ذکری کے لئے ہے، کیونکہ غرق کرنا زمانہ کے لحاظ سے نسل کو باقی رکھنے کے بعد نہیں ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ
ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ
مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳

ترجمہ: اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے، جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ تو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے، تو یہ اُن کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے بھی نہیں ہو؟ پھر اُن پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے سو وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ تم اُن چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تعمیر کرو ان کو اُس دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ غرض اُن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا۔ سو ہم نے انھی کو نیچے دکھایا۔ اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا۔ اے میرے رب! مجھ کو ایک نیک فرزند دے۔ سو ہم نے اُن کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی، سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹایا اور ہم نے اُن کو آواز دی کہ ابراہیم! تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ وہ وقت بھی عجیب تھا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اُس کے عوض

میں دیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات اُن کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہونگے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور اُن دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی ہیں جو صریح اپنا نقصان کررہے ہیں۔

دوسرا قصہ: ابراہیم علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ:

اور ان نوح علیہ السلام) ہی کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے (یعنی اصول میں متفق لوگوں میں سے) ابراہیم بھی تھے (ان کا قصہ اس وقت کا یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے (صاف دل کا مطلب یہ ہے کہ برے عقیدوں اور ریاکاری وغیرہ سے پاک تھا جس کا حاصل خالص توحید اور کامل اخلاص ہے، اور) جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے (کہ وہ بتوں کو پوجتے تھے) فرمایا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کیا کرتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو (معبود بنانا) چاہتے ہو؟ (تو تمہارا عالموں کے رب کے بارے میں کیا خیال ہے؟ (یعنی تم نے جو اس کی عبادت چھوڑ رکھی ہے تو اس کے معبود یعنی عبادت کے لائق ہونے میں کوئی شبہ ہے؟ یعنی اول تو ایسا ہونا نہیں چاہئے اور کوئی شبہ ہے تو اس شبہ کو دور کرلو، غرض یوں ہی بحث ومباحثہ ہوتا رہتا تھا، ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان کا کوئی تیوہار آیا تو قوم نے ان سے بھی درخواست کی کہ ہمارے میلے میں چلو، جیسا کہ الدر میں زید بن اسلم سے روایت ہے) تو ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ بھر کر ستاروں کو دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں (اس لئے میلے میں نہیں جاسکتا کہ جاتے یا آتے میں تکلیف ہوگی، وہ لوگ شاید اس غرض سے لے جانا چاہتے ہوں کہ ہماری شان وشوکت دیکھ کر شاید ہمارے طریقہ کی کچھ وقعت ان کے دل میں پیدا ہوجائے، اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اکیلا رہ جاؤں تو یہاں بتوں کی مرمت کردوں، اس لئے ستاروں کو دیکھ کر بہانہ کردیا اور یہ ستاروں کو دیکھنا انہیں شک میں ڈالنے کے لئے تھا کہ وہ تو اس وجہ سے کہ ستاروں کو حوادث میں تصرف کرنے والا سمجھتے تھے، یہ سمجھے کہ انہیں ستاروں سے متعلق علم کا کوئی قاعدہ آتا ہوگا، جس کی وجہ سے ستاروں کی رفتار دیکھ کر معلوم ہوگیا کہ میں تھوڑی دیر میں بیمار ہوجاؤں گا اور چونکہ وہ لوگ ستاروں کے علم پر یقین رکھتے تھے اس لئے انھوں نے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا اور واقع میں ان کی اس نظر سے وہی غرض تھی جو شریعت میں پسند ہے یعنی پیدا کرنے اور بنانے والے کے کمال اور عظمت کو دماغوں میں بٹھانا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور ایک جگہ فرمایا ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ شک میں ڈالنا ان کے گمراہ ہونے کا سبب بن گیا، کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ پہلے ہی گمراہ تھے، رہا گمراہی پر باقی رہنے کا معاملہ تو چونکہ آپ

موقع پر توحید کے بارے میں ان سے کھلا مناظرہ کرنے والے تھے اور بہت سے مناظرے کر چکے تھے، اس لئے یہ شک میں ڈالنا اس کھلے اعلان کے ہوتے ہوئے گمراہی پر باقی رکھنے میں مؤثر نہیں ہوسکتا، رہا یہ کہ اس تصریح کے بعد پھر شک کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ لوگ تو جانتے تھے کہ آپ ایسا عقیدہ نہیں رکھتے تو بات یہ ہے کہ جو امر اپنے نفس کے مطابق ہوتا ہے اس کا کمزور احتمال بھی دل کو خوش کرنے والا ہوتا ہے، اس لئے شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ شاید ان کی رائے کچھ بدل گئی ہو اور یہ ہمارے طریقہ پر آجائیں گے، اور اگر اس میں بھی گمراہ کرنے کے کچھ نقصان کا وہم ہے تو اول تو جلد ہی کھلے مناظرہ سے وہ دور ہوگیا، دوسرے اس سے نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ مقصود ان سے اپنی جان چھڑانا تھا، جو اس مناظرہ کے لئے ذریعہ بننے والا تھا کہ جس سے ان کی حجت ختم ہونے والی تھی، لہٰذا ایسی ضرورت میں ایسا نقصان کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ رہا ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ کہنا کہ ظاہر میں واقع کے خلاف بات کہنا وسوسہ کا سبب ہوسکتا ہے، لیکن واقع میں بالکل صحیح ہے، یعنی یہ بات مستقبل کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ میں آئندہ کبھی بیمار ہوں گا، تو چونکہ موت یقینی ہے اور اگر آدمی مرنے سے پہلے عام معنی میں بیمار نہ بھی ہو تب بھی جس وقت موت شروع ہوتی ہے تو اس وقت مزاج میں علت اور پوری تندرستی سے باہر ہونا لازم ہے اور یہی مرض و بیماری ہے۔ اور موت روح کے نکل جانے کا نام ہے، لہٰذا ہر موت سے پہلے بیماری اور دکھ کا ہونا ضروری ہوا) غرض وہ لوگ (ان کا یہ عذر سن کر) انہیں چھوڑ کر چلے گئے (کہ ناحق بیماری میں ان کو اور ان کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی) تو یہ (یعنی ابراہیم علیہ السلام) ان کے بتوں میں جا گھسے اور (مذاق اڑانے کے انداز میں ان سے) کہنے لگے کیا تم (یہ چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہیں) کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم تو بولتے بھی نہیں ہو۔ پھر ان پر قوت کے ساتھ پل پڑے اور مارنے لگے (اور تیر وغیرہ سے انہیں توڑ پھوڑ دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا﴾) تو (جب ان لوگوں کو اس کی خبر ہوئی تو) وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے (گھبرائے ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے) آئے (اور بات چیت شروع ہوئی) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو، جنہیں تم خود (اپنے ہاتھوں سے) گھڑتے ہو؟ (تو جو تمہارا محتاج ہو وہ عبادت و پوجا کے لائق کیا ہوگا؟) حالانکہ تمہیں اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (اس لئے عبادت اس کی کرنی چاہئے) وہ لوگ (جب مناظرہ میں مات کھا گئے تو جھلا کر آپس میں) کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے ایک (آگ کا) الاؤ تیار کرو پھر اس میں آگ دہکا کر) ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی (کہ یہ ہلاک ہوجائیں گے) تو ہم نے انہی کو نیچا دکھایا (جس کا قصہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے) اور ابراہیم (علیہ السلام جب ان لوگوں کے ایمان لانے کے بارے میں مایوس ہوگئے تو) کہنے لگے کہ میں تو (تمہارے شہر اور اپنے اس وطن کو چھوڑ کر) اپنے رب (کے راستہ میں کسی دوسرے شہر) کی طرف چلا جاتا ہوں۔ وہ (کسی اچھی جگہ کی طرف) میری رہنمائی کردے گا (چنانچہ ملک شام میں جا پہنچے

اور یہ دعا کی کہ) اے میرے رب! مجھے ایک نیک بیٹا عطا فرما دے تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی خوش خبری دی (اس کی تحقیق جلدی آئے گی کہ یہ فرزند اسماعیل علیہ السلام ہیں یا اسحاق علیہ السلام اور وہ فرزند پیدا ہوا اور ہوشیار ہوا (تو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم (علیہ السلام) نے (ایک خواب دیکھا کہ میں اس بیٹے کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں، اور یہ ثابت نہیں کہ گلا کٹا ہوا بھی دیکھا یا نہیں۔ غرض آنکھ کھلی) تو اس وجہ سے کہ نبیوں کا خواب وحی ہوتا ہے، اس کو اللہ کا حکم سمجھے۔ اور اس پر عمل کے لئے تیار ہوئے، پھر اس خیال سے کہ فعل صاحبزادہ سے بھی متعلق ہے، اللہ جانے اس کی کیا رائے ہو یعنی وہ اختلاف کرے یا اتفاق کرے، اسے خبر کرنا ضروری سمجھا کہ پہلے معاملہ میں طبیعت مطمئن ہو جائے گی اور دوسرے معاملہ میں اس کو سمجھا دیں گے۔ اس لئے صاحبزادہ سے) فرمایا کہ پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں (اللہ کے حکم سے) تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ ابا جان! (اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے؟ جب آپ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم کیا گیا ہے تو) آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، آپ (بلا جھجک) اسے کر ڈالئے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں نے (اللہ کے حکم کو) مان لیا، اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لئے) ماتھے کے بل لٹا لیا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں، تو اس وقت) ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! (شاباش ہے) تم نے خواب کو پوری طرح سچ کر دکھایا (یعنی جو خواب میں حکم ہوا تھا، اپنی طرف سے اس پر پورا عمل کیا، اب ہم اس حکم کو ختم کرتے ہیں۔ بس ان کو چھوڑ دو، وہ وقت بھی عجیب تھا، غرض ان کو چھوڑ دیا۔ جان کی جان بچ گئی اور اس پر اور آگے بڑھ کر بلند درجے عطا ہوئے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ ان کے لئے دونوں جہان کی راحت نقد عطا کرتے ہیں) حقیقت میں یہ ایک کھلا امتحان تھا (جس کو سوائے پوری طرح نیک شخص کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا، تو ایسے امتحان میں پورا اترنے پر ہم نے بدلہ بھی بہت بڑا دیا۔ اور اس میں جیسا امتحان ابراہیم علیہ السلام کا تھا، اسی طرح اسماعیل علیہ السلام کا بھی تھا، تو وہ بھی بدلے میں شریک ہوں گے) اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بڑا ذبیحہ دیا (کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے اسے ذبح کرایا گیا جس کا بیان آگے آئے گا) اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو (چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک علیہ السلام کہا جا رہا ہے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں (کہ انہیں دعا اور سلامتی کی خوش خبری کا محل بناتے ہیں) بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے اور ہم نے (ان پر ایک انعام یہ کیا کہ) انہیں اسحاق کی خوش خبری دی کہ وہ نبی اور نیک کام کرنے والوں میں سے ہوں گے، اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں (ان میں سے ایک نسل کی کثرت اور اس نسل میں نبیوں کی کثرت ہے) اور (پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے بھی ہیں اور بعض ایسے بھی جو (بدی کے کام کر کے کھلا اپنا

نقصان کررہے ہیں (اس میں اس بات کا اظہار ہوگیا کہ اصول یعنی باپ دادا کا نیک ہونا بعد کی نسلوں کے کام نہیں آسکتا، جبکہ وہ خود ایمان سے محروم ہوں، اس میں یہود کے فخر کو ختم کردیا)

فائدہ: ﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴾ میں شک کی بات اس لئے کہی کہ شریعت میں علم نجوم یعنی ستاروں کے ذریعہ آنے والے زمانہ سے متعلق خبروں وحالات کو بتانے کے علم کو مذموم یعنی برا قرار دیا گیا ہے، چاہے اس وجہ سے کہ وہ خود اپنے آپ میں باطل ہے اور ستاروں میں سعادت یعنی نیک بختی اور نحوست یعنی بدبختی کی نفی ہے۔

اور قرآن میں آنے والے الفاظ ﴿ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ اور ﴿ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ سے اس کا شبہ کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ عذاب کی یہ نحوست خاص ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جن کو عذاب دیا گیا، ورنہ پہلی آیت کے تقاضہ کے مطابق پورا ہفتہ منحوس ہونا چاہئے کیونکہ اس کی تفسیر خود قرآن میں ﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ ﴾ یعنی سات راتیں اور آٹھ دن آئی ہے۔ اور دوسری آیت کی تفسیر بدھ کے دن سے آئی ہے۔ حالانکہ خود علم نجوم جاننے کا دعوی کرنے والے ہر بدھ کو منحوس نہیں کہتے اور ﴿ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ یعنی ''ہمیشہ رہنے والا'' یوم یعنی دن کی صفت نہیں ہے بلکہ ﴿ نَحْسٍ ﴾ یعنی مصدر کی صفت ہے یعنی وہ نحوست ان کے حق میں جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کی وجہ سے ہمیشہ رہنے والی ہے جیسا کہ قیامت کے سلسلہ میں آیا ہے ﴿ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴾ اور بعض واقعات نجومیوں کے کہنے کے مطابق ہوجانے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ تجربہ سے ان کا سچ ہونا پایا گیا ہے تو ان سے زیادہ واقعات کا ان کے کہنے کے خلاف ہونا ان کے جھوٹ ہونے کا بدرجۂ اولیٰ تجربہ ہوگا۔ اور فرعون کو نجومیوں کے ذریعہ خبر دینے کی جو بات کہی گئی ہے تو ممکن ہے کہ وہ خبر کاہنوں کے ذریعہ دی گئی ہو کہ پہلے کچھ آسمانی خبریں شیطانوں کے ذریعہ معلوم ہوجاتی تھیں۔ اور یا اس علم کی اس وجہ سے مذمت کی گئی ہے کہ اگرچہ ستاروں کی سعادت ونحوست نہ ہونے کا ثبوت نہ ہو مگر ثبوت کا نہ ہونا پایا جاتا ہے اور اس کے قواعد میں کسی صحیح دلیل کی سند نہیں اور پھر اس میں بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں، ہر اعتقاد کھلا شرک، اللہ پر توکل یعنی بھروسہ میں کمزوری اور نفع دینے والے علوم کا چھوڑ دینا وغیرہ ہے۔ حاصل یہ کہ نجوم کا علم مذموم، برا ہے، چاہے برائی خود اس علم میں ہونے کی وجہ سے یہ برا ہو، چاہے کسی دوسرے کی برائی کی وجہ سے اس کو برا کہا گیا ہو۔

اور خواب میں حکم ہونے کی حکمت شاید یہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع وفرماں برداری زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو محض خیال نہیں سمجھا بلکہ اس کو اللہ کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنے پر تیار ہوگئے۔

اور اس میں اختلاف ہوا ہے جن کو ذبح کے لئے لٹایا گیا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام اس سلسلہ میں دونوں کے حق میں روایتیں موجود ہیں، لیکن دونوں ہی طرح کی روایتوں کے سلسلہ میں اعتراض ہیں۔ آیت کے آگے

پیچھے کے حصوں کو ملانے سے ظاہر میں اسماعیل علیہ السلام معلوم ہوتے ہیں جن کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا گیا کہ ﴿ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ کے بعد پہلے بیٹے کی خوش خبری کا ذکر ہے، پھر ذبح کا قصہ ہے، پھر اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے جس بیٹے کی خوش خبری دی گئی وہ اسحاق نہیں ہیں، اس طرح ایک دوسری آیت اس کی تصدیق کرتی ہے ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴾ جب اسحاق علیہ السلام کے صاحب اولاد ہونے کی خوش خبری ہو چکی تھی تو اس میں ذبح کے حکم سے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ ذبح نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہ کوئی عظیم امتحان نہیں ہوگا۔ دوسرے لوگ جواب دیتے ہیں کہ اس مقام کی آیتوں میں پہلے جس کی خوش خبری دی گئی وہ اسحاق کی پیدائش ہے۔ اور دوسری خوش خبری اسحاق کی نبوت کی دی گئی ہے اور ﴿ بِاِسْحٰقَ ﴾ میں ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اور ﴿ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴾ میں یہ ضروری نہیں کہ دونوں کی خوش خبری ایک ہی وقت میں دی گئی ہو اور بعض تھوڑے سے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قصہ دونوں کے لئے شام میں اور منیٰ میں واقع ہوا۔ مگر یہ بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اور عظیم ذبح کی تعیین میں بھی بحث ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ معمولی دنبہ تھا اور عظیم بہت بڑے جسم والے کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ جنت سے بھیجا گیا تھا اور عظیم بہت زیادہ قدر والے کے معنی میں ہے اور جب حجر اسود، کالے پتھر وغیرہ کا جنت سے آنا ثابت ہے تو ایک جانور کا آنا کیا محال ہے، اور اس میں یہاں آ کر یہاں کی خاصیت پیدا ہو گئی، اس لئے ذبح کے بعد روح کے نکلنے میں اس اشکال کی گنجائش نہیں کہ جنت کی چیز فنا ہونے والی کیسے ہو گئی؟

﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ پر بھی احسان کیا، اور ہم نے اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے، اور ہم نے اُن دونوں کو واضح کتاب دی اور ہم نے اُن دونوں کو سیدھے راستہ پر قائم رکھا اور ہم نے اُن دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بیشک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

تیسرا قصہ: موسیٰ وہارون علیہما السلام کا:

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان کیا (کہ انہیں نبوت اور دوسرے کمالوں سے مشرف فرمایا) اور

ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) کو بڑے غم سے (جو کہ انہیں فرعون کی جانب سے تکلیف پہنچتی تھی) نجات دی اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں) مدد کی تو (آخر میں) یہی لوگ غالب آئے (کہ فرعون کو غرق کر دیا گیا اور انہیں حکومت حاصل ہوگئی) اور ہم نے (فرعون کے غرق ہونے کے بعد) ان دونوں (صاحبوں) کو (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اصل کے طور پر اور ہارون علیہ السلام کو ان کے تابع کے طور پر واضح کتاب دی (کتاب توریت مراد ہے کہ اس میں واضح طور پر احکام بیان کئے گئے تھے) اور ہم نے انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا (جس کا اعلیٰ درجہ عصمت یعنی گناہوں سے پاک رہنا ہے جو نبوت کے لئے لازم ہے) اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں (بہت لمبی مدت تک کے لئے) یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو (چنانچہ دونوں حضرات کے لئے علیہ السلام کہا جاتا ہے) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ انہیں تعریف اور دعا کا مستحق بناتے ہیں) بے شک وہ دونوں ہمارے (پوری طرح) ایمان والے بندوں میں سے تھے (اس لئے بدلہ بھی پورا عطا کیا گیا)

﴿وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿١٢٥﴾ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣١﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾﴾

ترجمہ: اور الیاسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اُس کو چھوڑے بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے، اللہ معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی رب ہے، سو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے۔ اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر سلام ہو۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

چوتھا قصہ: الیاس علیہ السلام کا:

اور الیاس (علیہ السلام) بھی (بنی اسرائیل کے) رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ بیان کیجئے) جب انھوں نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے (جو کہ بتوں کو پوجتے تھے) فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو (جو ایک بت کا نام تھا) پوجتے ہو؟ اور اس (کی عبادت) کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے) کیونکہ دوسرے تو صرف کچھ چیزوں کو اور ان کے اجزا کو ایک دوسرے سے الگ کرنے اور ایک دوسرے سے جوڑنے کی ہی قدرت رکھتے

ہیں، وہ بھی عارضی۔ اور وہ تمام چیزوں کے پہلی بار پیدا کرنے اور ایجاد کرنے پر ذاتی قدرت رکھتا ہے، پھر دوسرا کوئی کسی میں جان نہیں ڈال سکتا اور وہ جان ڈالتا ہے اور وہ) برحق (سچا) معبود ہے (اور) تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے، تو ان لوگوں نے (توحید کے اس دعویٰ میں) انہیں جھٹلایا تو (اس جھٹلانے کے برے نتیجہ میں) وہ لوگ (آخرت کے عذاب میں) پکڑے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ کے خاص بندے (یعنی ایمان والے) تھے (وہ ثواب اور اجر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس (علیہ السلام) کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں (بہت لمبی مدت کے لئے) یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر (کہ یہ بھی الیاس علیہ السلام کا نام ہے) سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (کہ انہیں تعریف اور دعا کا مستحق بناتے ہیں) بے شک وہ ہمارے (پورے) ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

فائدہ: طبری نے نقل کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے، اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ ملک شام میں جو ایک مشہور شہر بعلبک ہے وہ اسی بعل بت کے نام پر ہے اور روح میں الیاسین کو الیاس میں ایک لغت لکھا ہے اور کشاف سے نقل کیا ہے کہ شاید سریانی زبان میں اس یا اور نون کے کچھ معنی ہوں گے جیسا کہ سیناء میں سینین ہے اور یہاں اس لغت کے اختیار کرنے میں آیتوں کے آخری الفاظ کی بھی رعایت ہے، اور ایک قراءت میں آل یاسین آیا ہے اس میں بھی یاسین کو الیاس میں ایک لغت کہا گیا ہے۔ اور لفظ آل بزرگی ظاہر کرنے کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

﴿ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اور بیشک لوطؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز اُس بڑھیا کے وہ رہ جانے والو میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور تم تو اُن پر صبح ہوتے اور رات میں گزرا کرتے ہو، تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے۔

پانچواں قصہ: لوط علیہ السلام کا:

اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ ذکر کے قابل ہے) جب کہ ہم نے انہیں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو سب کو نجات دی، سوائے اس بڑھیا (یعنی ان کی بیوی) کے وہ پیچھے (عذاب میں) رہ جانے والوں میں رہ گئی، پھر ہم نے اور سب کو (جو لوط اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ تھے) ہلاک کر دیا (جن کا قصہ کئی جگہ آچکا ہے) اور (اے مکہ والو!) تم ان کے (علاقوں اور بستیوں) پر (شام کے سفر میں کبھی) صبح ہوتے (وقت)

اور (کبھی) رات میں، گذرا کرتے ہو (اور بربادی کے آثار اور ان کے کھنڈروں کے نشان (دیکھتے ہو) تو کیا (ان کو دیکھ کر) پھر بھی نہیں سمجھتے ہو؟ کہ کفر کا کیا انجام ہوا، جو کفر کرے گا اس کے لئے بھی اندیشہ ہے)

فائدہ: صبح اور رات کا ذکر اس لئے کیا کہ عربوں میں اکثر رات کو صبح تک چلنے کی عادت تھی، اگر لوط علیہ السلام کی قوم کے اس علاقہ اور رہنے کے مقاموں کے قریب سے منزل شروع ہوئی تو وہاں رات کے وقت گذر ہوگا اور اگر منزل وہاں ختم ہوئی تو صبح کو گذر ہوگا۔

﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ ﴾

ترجمہ: اور بیشک یونسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے، جبکہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے سو یونس بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھیرے۔ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اُسی کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے اُن کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے اور ہم نے اُن پر ایک بیلدار درخت بھی اُگا دیا تھا اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔

چھٹا قصہ: یونس علیہ السلام کا:

اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی رسولوں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جب کہ (انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے کہا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو عذاب آجائے گا، اور خود وہاں سے چلے گئے اور جب اس دن جس کا وعدہ کیا گیا تھا عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو قوم نے ایمان لانے کے ارادہ سے یونس علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کیا اور جب وہ نہ ملے تو سب نے اتفاق کر کے حق تعالیٰ کے سامنے معافی مانگنا اور توبہ کرنا شروع کیا اور مختصر یہ کہ ایمان لے آئے اور وہ عذاب ٹل گیا۔ ادھر یونس علیہ السلام کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ قوم پر عذاب نہیں آیا تو طبعی طور پر شرمندگی کا خیال ہوا کہ وہ لوگ وقت پر عذاب نہ آنے پر جھوٹا سمجھیں گے، حق تعالیٰ کی طرف سے کسی واضح حکم کے بغیر خود اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اس علاقہ سے کہیں دور چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے) بھاگ کر (چل دیئے، راستہ میں ایک بڑا دریا تھا، اس میں مسافروں سے بھری ہوئی کشتی تھی، اس) بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے (کشتی چلی تو طوفان آگیا، کشتی والے کہنے

لگے کہ ہم میں کوئی نیا قصوروار ہے، اسے کشتی سے نکال دینا چاہئے، قصوروار کی تعیین کے لئے قرعہ ڈالنے پر اتفاق ہوا) تو یونس (علیہ السلام) بھی قرعہ میں شریک ہوئے (قرعہ میں) یہی ملزم ٹھہرے (یعنی انہی کا نام) نکلا، لہٰذا وہ کشتی میں سے دریا میں اتر گئے شاید کنارہ قریب ہوگا، تیر کر کنارہ پر پہنچ جانے کا ارادہ ہوگا، لہٰذا خودکشی کا شبہ لازم نہیں آتا) پھر (جب دریا میں گرے تو ہمارے حکم سے) انہیں مچھلی نے (پورے کا پورا بغیر کوئی نقصان پہنچائے) نگل لیا۔ اور یہ (اس وقت) اپنے آپ کو (اس اجتہادی غلطی پر) ملامت کر رہے تھے (یہ تو دل سے توبہ ہوئی اور زبان سے بھی توحید اور تسبیح کے ساتھ استغفار کر رہے تھے، جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۷ میں ہے ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾) تو اگر وہ (اس وقت) تسبیح (اور استغفار) کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے (مطلب یہ کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنا میسر نہ ہوتا، بلکہ اس کی غذا بنا دیئے جاتے، لہٰذا اس مطلب پر اس مچھلی کا اور اس کے پیٹ کا قیامت تک باقی رہنا لازم نہیں آتا، یعنی اس اجتہادی غلطی پر اس قاعدہ کی بنیاد پر کہ نزدیکاں را بیش بود حیرانی یعنی "قریبی تعلق رکھنے والوں کو پریشانی زیادہ ہوتی ہے" یہ جسمانی تکلیف دی جاتی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور اصلی سزا و عذاب سے تو پاک ہی ہوتے ہیں) تو (چونکہ انھوں نے تسبیح اور توبہ کرلی، اس لئے) ہم نے (انہیں محفوظ رکھا اور اس تکلیف سے نجات دیدی اور مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) انہیں ایک میدان میں ڈال دیا (یعنی مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں کنارے پر اگل دے) اور وہ اس وقت کمزور حالت میں تھے (کیونکہ ظاہر ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں کافی ہوا اور غذا نہیں پہنچتی تھی) اور ہم نے (دھوپ سے بچانے کے لئے) ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا تھا (اور کوئی پہاڑی بکری اللہ کے حکم سے انہیں دودھ پلا جایا کرتی تھی) اور (ہم نے جو اوپر کہا ہے ﴿اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ تو انہیں جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا وہ بہت بڑی تعداد میں تھے۔ چنانچہ) ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف (شہر نینوا سے قریب موصل میں) رسول بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے (عذاب کے آثار کے معائنہ کے وقت مختصر انداز میں اور مچھلی کے واقعہ کے بعد جب یونس علیہ السلام وہاں دوبارہ تشریف لے گئے اس وقت تفصیل کے ساتھ) تو (ایمان کی برکت سے) ہم نے انہیں ایک زمانہ تک (یعنی عمر پوری ہونے تک خیر و خوبی کے ساتھ) عیش و آرام میں رکھا۔

فائدہ: یہ قرعہ کسی حق کے اثبات کے لئے نہیں تھا، جس میں ائمہ کا اختلاف ہے بلکہ کشتی کے مالک لوگوں کو ویسے بھی کسی عذر سے کسی سوار کو کشتی سے اتار دینے کا اختیار تھا، اور خود یونس علیہ السلام بھی اپنی خوشی سے کشتی سے علاحدہ ہو گئے تھے، اور عذاب کے ٹل جانے سے وعدہ خلافی لازم نہیں آتی، کیونکہ عذاب کے آنے کا وعدہ ایمان نہ لانے کی شرط پر تھا۔ اور شاید اس میدان میں کوئی تنے دار درخت ایسا ہوگا جس کے پتے سایہ دار نہ ہوں گے، اس پر ایسا بیل دار درخت پھیل گیا ہوگا، جس کے پتے چوڑے ہوں جس کی تعیین بھی بعض روایتوں میں ہے کہ کدو کی بیل تھی۔ اب یہ وسوسہ نہیں رہا کہ زمین

پر پھیلنے والے درخت یعنی بیل کا سایہ ان پر کیسے ہوا؟ اور لفظ عراء یعنی خالی میدان کہنے سے کوئی الزام نہیں آتا، کیونکہ بڑے میدان میں ایک دو درخت ہوتے ہوئے اس کو خالی کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور بعض نے کہا ہے کہ معمول کے خلاف یعنی معجزہ کے طور پر وہ درخت تنے دار ہو گیا تھا، اور ﴿أَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ یعنی "یا اس سے زیادہ" شک کے لئے نہیں کہا گیا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ کم یا زیادہ کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ کہو۔ اور اگر کم زیادہ کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو، لہٰذا لفظ أَوْ اختیار دینے کے لئے ہے اور ترمذی میں مرفوع روایت آئی ہے کہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ تھے اور یہ قصہ سورۂ یونس اور سورۂ انبیاء میں بھی آیا ہے وہاں اس سے متعلق کچھ ضروری مضامین لکھے گئے ہیں۔ اور یہاں جو مضامین روایت کی قسم کے لکھے گئے ہیں وہ درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَأْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ إِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّإِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾﴾

ترجمہ: سو ان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تم کو کیا ہو گیا؟ تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو۔ ہاں کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے؟ سو تم اگر سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو اور ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں رشتہ داری قرار دی ہے۔ اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ گرفتار ہونگے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو جو یہ بیان کرتے ہیں مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں۔ سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اُسی کو جو کہ جہنم رسید ہونے والا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اور ہم پاکی بیان کرنے میں بھی لگے ہوئے ہیں۔

ربط: اوپر جو قصے بیان کئے گئے ہیں ان سے سارے انبیاء علیہم السلام کا جن کی نبوت عقل کی بنیاد پر ثابت ہے مؤمن یعنی ایمان والا موحد یعنی توحید کا عقیدہ رکھنے والا عابد، مخلص اور توحید و ایمان کی طرف دعوت دینے والا ہونا ثابت ہوتا ہے،

اس سے پہلے سورت کے شروع میں توحید کی عقلی دلیلیں بیان ہو چکی ہیں۔ اب ان عقلی و نقلی دلیلوں کی بنیاد پر کفر و شرک کو باطل فرماتے ہیں جس کی وجہ عقلی دلیل پر تو ظاہر ہے اور نقلی دلیل پر یہ ہے کہ نبوت کا سچ ہونا لازم ہے، لہٰذا توحید کا حق ہونا ظاہر ہے اور شرک کا باطل ہونا اس کے لازمی امور میں سے ہونا ظاہر ہے۔

شرک کا باطل کرنا:

(توحید کی دلیلیں تو اوپر بیان ہو چکیں) تو (اب اس کے بعد) ان لوگوں سے (جو فرشتوں اور جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اس طرح کہ فرشتوں کو نعوذ باللہ من ذلک اللہ کی بیٹیاں اور جنوں کے سرداروں کی بیٹیوں کو ان فرشتوں کی مائیں قرار دیتے ہیں جس سے نعوذ باللہ فرشتوں سے نسب کا تعلق و رشتہ اور جنوں سے بیوی اور سسرال کا تعلق و رشتہ لازم آتا ہے، تو ان سب سے ملامت کے طور پر) پوچھئے کہ کیا تمہارے رب کے لئے تو بیٹیاں (ہوں) اور تمہارے لئے بیٹے (ہوں؟ یعنی جب اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہو تو مذکورہ عقیدہ میں اللہ کے لئے بیٹیاں کیسے تجویز کرتے ہو؟ لہٰذا اس عقیدہ میں ایک برائی تو یہ ہے اور) ہاں (دوسری بات سنو کہ) کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے؟ اور وہ (ان کے بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے؟ (یعنی دوسری برائی یہ ہے کہ بغیر دلیل کے فرشتوں پر عورت ہونے کی تہمت لگاتے ہیں کیونکہ مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے علاوہ یا تو دلیل عقلی ہو یا نقلی اور یہاں دونوں ہی نہیں ہیں، تو مشاہدہ ہونا چاہئے) خوب سن لو کہ وہ لوگ دلیل کچھ نہیں رکھتے، بلکہ صرف) اپنی من گھڑت بات کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ اولاد رکھتا ہے اور وہ یقیناً (بالکل) جھوٹے ہیں (اس طرح اس عقیدہ میں تیسری برائی یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت لازم آتی ہے، اور ان تینوں برائیوں میں پہلی برائی کا برا ہونا عرف سے بھی اور دوسری برائی کا برا ہونا نقل سے اور تیسری برائی کا برا ہونا عقل سے ثابت ہے اور جاہل لوگوں پر عرفی برائی کا لازم ہونا زیادہ حجت ہوتا ہے، اس لئے پہلی برائی کو دوسرے عنوان سے دوبارہ فرماتے ہیں۔ اور زیادہ ملامت کے لئے مخاطب کر کے فرمایا کہ ہاں! (کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسا (بے ہودہ) حکم لگاتے ہو؟ (جس کو تم عرف میں بھی برا مذموم سمجھتے ہو) پھر (عرف کے علاوہ) کیا تم (عقل اور) سوچ سے کام نہیں لیتے ہو (کہ کئی وجہ سے خود عقل کے بھی خلاف ہے۔ اول حق تعالیٰ کا اولاد والا ہونا۔ دوسرے ذات و صفات کے مرتبہ میں اس کی طرف ناقص امر کی نسبت کرنا، کیونکہ اولاد ہونے کا اثر ذات و صفات تک پہنچے گا، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۱۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ﴾ الخ میں جو بیان ہے، اس سے یہ ظاہر ہے لہٰذا عقلی دلیل بھی اس کو باطل کرنے والی ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرماتے ہیں کہ) ہاں! (اگر عقلی دلیل نہیں تو) کیا تمہارے پاس (اس پر) کوئی واضح دلیل موجود ہے (اس سے نقلی دلیل مراد ہے کیونکہ مقصود کے اثبات میں وہ زیادہ واضح ہوتی ہے چاہے خود اس کا دلیل ہونا کسی دوسری عقلی حجت پر موقوف ہو۔ اور آگے اس کو ﴿بِكِتٰبِكُمْ﴾ سے تعبیر کرنا بھی اس مراد کی دلیل

ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل نقلی موجود ہے؟) تو اگر تم (اس میں) سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو (اس موقع کا حاصل یہ ہوا کہ جس بات کا تم دعوی کر رہے ہو اس میں تین تو برائیاں ہیں: (۱) عرفی بھی (۲) نقلی بھی اور (۳) عقلی بھی۔ اور دلیل ایک بھی نہیں، نہ مشاہدہ جس کی نفی کی دوسری برائی میں تصریح ہے اور دوسروں میں بھی اس کی نفی ظاہر ہے، نہ عقل جس کا نہ ہونا بلکہ اس کے خلاف پر دلالت ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ میں بیان ہوا ہے اور نہ ہی نقل جس کی نفی کا ذکر ﴿ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ ﴾ الخ میں ہے اور مذکورہ عقیدہ میں فرشتوں کو اولاد قرار دینے کے علاوہ) ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں (بھی) رشتہ داری قرار دی ہے (جس کا باطل ہونا اور بھی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ بیوی خاص طور سے جس کام کے لئے ہوتی ہے حق تعالیٰ اس سے بالکل پاک ہے اور جب میاں بیوی ہونا محال ہے تو سسرالی رشتہ ہونا بھی جس کا تعلق میاں بیوی کے رشتہ سے ہوتا ہے محال ہے) اور (یہ لوگ جس جس کو اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، ان کی تو یہ حالت ہے کہ ان میں جو) جنات (ہیں، خود) ان کا یہ عقیدہ ہے کہ (ان میں جو کافر ہیں) وہ (عذاب میں) گرفتار ہوں گے (اور عذاب میں کیوں نہ گرفتار ہوں کہ حق تعالیٰ کے بارے میں بری باتیں بیان کرتے ہیں، حالانکہ) اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں (لہٰذا کفر کرنے والے بیانوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوں گے) مگر جو اللہ کے خاص (یعنی ایمان والے) بندے ہیں (وہ اس عذاب سے بچیں گے اور مؤمن جن کے اندر اس اعتقاد کا پایا جانا تو ظاہر ہے اور عرب کے کافروں کے معبودوں میں سے بعض جن اسلام بھی لے آئے تھے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۶ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ کی تفسیر میں گذرا ہے اور شاید کافر جنوں میں سے بھی بعض دلیلیں سن کر مجبوری کے طور پر اس کا اعتقاد رکھنے والے ہوں، لہٰذا جنوں کے معبود ہونے کی نفی کا یہ حکم خاص طور سے گرفتار ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں ہی کے اعتبار سے ہوگا، اور گرفتار ہونے کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کے معبود ہونے کی نفی دوسری دلیلوں سے باطل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے چارے جنات تو خود ہی اپنے بارے میں عبد ہونے کے لازمی امور کا اعتقاد رکھنے اور اعتراف کرنے والے ہیں، پھر انہیں شریک قرار دینا بڑی حماقت ہے، اور فرشتوں کا ذکر آگے آئے گا اور درمیان میں مخلص لوگوں کے استثنا کی مناسبت سے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں، جس سے شاید یہ مقصود ہو کہ قریش کے کافر لوگ اپنی گمراہی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں لگے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی ناکامی ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ جب خاص بندے عذاب میں گرفتار ہونے سے مستثنیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ اس استثناء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق واجب ہے اور اللہ کے علم کی خلاف ورزی منع ہے) تو (اس سے لازم آگیا کہ) تم اور تمہارے سب معبود (سب مل کر بھی) اللہ سے کسی کو نہیں پھیر سکتے (جیسی تم کوشش کیا کرتے ہو) سوائے اس کے جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں) جہنم میں جانے والا ہے۔ اور (آگے فرشتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ ان میں جو فرشتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم تو محض بندے ہیں۔ چنانچہ جو خدمت ہمیں سپرد ہے، اس میں) ہم میں سے ہر ایک کا متعین درجہ ہے (کہ اس کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں

کر سکتے) اور ہم (اللہ کے حضور میں حکم سننے کے وقت یا عبادت کے وقت ادب کے ساتھ) صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (اللہ کی پاکی بیان کرنے میں بھی لگے رہتے ہیں (غرض ہر طرح محکوم اور بندے ہیں، تو جب فرشتے عبد یعنی بندہ ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں پھر ان پر معبود ہونے کا شبہ کرنا محض حماقت ہے۔ چنانچہ بہت ہی اچھی طرح سے جنوں اور فرشتوں کے سلسلہ میں معبود ہونے کا اعتقاد باطل ہو گیا)

﴿ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت پہلے لوگوں کے طور پر آتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ پھر یہ لوگ اُس کا انکار کرنے لگے سو اب ان کو معلوم ہوا جاتا ہے۔ اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جاویں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔ تو آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ سو وہ جب ان کے روبرو آنازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی بُرا ہوگا۔ اور آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔

ربط: اوپر کافروں اور مشرکوں کی کفر سے متعلق باتوں اور دلیل سے انہیں باطل قرار دینے کا مضمون تھا، اب ان پر ایک دوسرے طریقہ یعنی وعدہ خلافی کے طور پر لعنت وملامت ہے اور اس پر وعید کے ذریعہ ملامت ہے اور اسی کے ضمن میں نبی شفیع ﷺ کی تسلی ہے۔

عہد توڑنے کی برائی اور کافروں کو معہود عذاب کے ذریعہ کھڑ کھڑانا اور رسول ﷺ کی تسلی:

اور یہ (عرب کے کافر) لوگ (رسول ﷺ کی بعثت سے پہلے) کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں (کی کتابوں) کی طرح آتی (یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ کے پاس رسول اور کتابیں آئیں۔ اگر ہمارے لئے ایسا ہوتا) تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے (یعنی تصدیق کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے اور ان لوگوں کی طرح نہ جھٹلاتے اور نہ ہی ان کی مخالفت کرتے۔ اور یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ﴾) پھر (جب وہ نصیحت کی کتاب رسول کے ذریعہ ان کے پاس پہنچی تو) یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے (اور اپنا وہ عہد توڑ دیا) تو (خیر) اب انہیں (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے (چنانچہ مرنے

کے ساتھ ہی کفر کا انجام سامنے آگیا، اور بعض سزائیں اور عذاب موت سے پہلے نازل ہوئے)

اور (آگے تسلی کا مضمون ہے کہ اگرچہ اس وقت ان مخالفوں کو کسی قدر شان وشوکت حاصل ہے، لیکن یہ چند دن کی ہے، کیونکہ) ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے (یعنی لوح محفوظ میں) مقرر ہو چکا ہے، کہ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾) اور (ہمارا تو عام قاعدہ ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے (جس میں رسولوں کا اتباع کرنے والے بھی شامل ہیں تو رسولوں کے لئے تو یہ بات اور بھی زیادہ بہتر طور پر ثابت ہوگی تو جب یہ بات ہے کہ آپ ہی غالب آنے والے ہیں) تو آپ (تسلی رکھئے اور تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور ایذا پہنچانے) کا خیال نہ کیجئے۔ اور (ذرا) انہیں دیکھتے رہئے (یعنی ان کی حالت کا تھوڑا انتظار کیجئے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے: أي انظرهم وارتقب ماذا يحل بهم: تو جلدی ہی یہ بھی دیکھ لیں گے (اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ کا تھا۔ اور اس وعید پر وہ کہہ سکتے تھے کہ وہ وعید کب واقع ہوگی؟ اور اکثر یہ بات کہا بھی کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ وغیرہ۔ اس لئے آگے اس سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ) کیا ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں؟ تو وہ (عذاب) جب ان کے سامنے آنازل ہوگا۔ تو وہ دن ان لوگوں کا جنہیں (پہلے سے) ڈرایا جاچکا تھا بہت ہی برا ہوگا (کہ وہ عذاب ٹل نہ سکے گا) اور (جب یہ بات ہے کہ ان لوگوں پر عذاب واقع ہونے والا ہے تو) آپ (تسلی رکھئے اور) تھوڑے زمانہ تک (صبر کیجئے اور) ان (کی مخالفت اور تکلیف پہنچانے) کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا ان کو یعنی ان کی حالت کو) دیکھتے رہئے (یعنی انتظار کیجئے) تو جلدی ہی یہ بھی دیکھ لیں گے ('بھی' کا مطلب کہ ﴿ اَبْصِرْ ﴾ کے بعد ﴿ يُبْصِرُوْنَ ﴾ کا آنا اس پر دلالت کرتا ہے، دونوں جگہ یہ ہے کہ آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے اور یہی یقین انتظار کی بنیاد ہے، معائنہ کے بعد انہیں بھی یقین ہو جائے گا۔ اور چونکہ اوپر اس مضمون کا تعلق اہل حق کے غلبہ سے ہے اور یہاں اہل باطل کو عذاب دیئے جانے سے ہے، اس لئے معنی کے لحاظ سے اس میں تکرار نہیں۔

فائدہ: اہل حق کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اصلی تقاضا یہی ہے لہٰذا امتحان اور آزمائش کی حکمت کے تحت عارضی طور پر مغلوب ہونا، اس کے خلاف نہیں، اور اس مضمون کی تفصیل سورۃ المائدہ آیت ۵۶ ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ کی تفسیر کے تحت ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٨٠ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٨١ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٢ ﴾ ع ۹

ترجمہ: آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور

تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

ربط: سورت میں تین مضمون اصل مقصود تھے: (۱) توحید (۲) رسالت اور (۳) بعث۔ جیسا کہ سورت کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر بعث کا عقیدہ بعث میں دیر ہونے کا مدار نقل پر ہونے کی وجہ سے رسالت کے اعتقاد کی فرع ہے۔ اور عقل و دانش والے لوگوں میں سے جو عقلی دلیل سے روحانی معاد کے قائل ہوئے ہیں، ان دلیلوں کی بنیادیں پوری طرح کمزور ہیں، لہٰذا اس کے فرع ہونے کے اعتبار سے اصل مقصود بالا ثبات توحید و رسالت کے مضمون رہ گئے۔ یہاں سورت کو انہی کے مختصر انداز کے بیان پر ختم کیا جاتا ہے اور چونکہ توحید سب سے پہلے ہے اور سب سے عظیم ہے۔ اور رسالت کا قائل ہونا اسی پر موقوف ہے اگرچہ توحید کا اعتقاد اس کے لئے لازم نہیں، اس لئے کلام کا آغاز و انجام توحید سے کیا اور رسولوں کا ذکر درمیان میں لائے اور چونکہ توحید میں ناقص امور کی نفی، کمالوں کے اثبات سے زیادہ اہم ہے کہ اس لئے کہ نقص فی نفسہ عیب ہے کمال کے برخلاف کہ اس کی نفی اپنے آپ میں عیب نہیں ہے اگرچہ اللہ جل مجدہ کی ذات واجب کی طرف دیکھتے ہوئے عیب لازم آتا ہے۔ اس لئے پاک ہونے کو تعریف سے پہلے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم

خاتمہ: تمام عالموں کے رب کی پاکی اور تعریف اور رسولوں کی شان کی بلندی:

آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے۔ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں (لہٰذا اللہ کو پاک سمجھو اور (رسولوں کے اتباع کو واجب سمجھو، کیونکہ ان کی شان ایسی ہے کہ ہم ان کی شان میں یہ کہتے ہیں کہ) سلام ہو رسولوں پر اور (اللہ کو پاک سمجھنے کے ساتھ کمال کی صفتوں والا بھی سمجھو۔ کیونکہ) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو (رب العالمین یعنی) سارے عالموں کا پروردگار (اور مالک) ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! کیا اچھا خاتمہ ہے کہ مختصر انداز میں اس میں تمام اصول و فروع شامل ہیں، کیونکہ کوئی فرع رسالت کے اعتقاد پر مرتب ہونے سے خالی نہیں، اور اس خاتمہ کی بڑائی اور بزرگی و خوبی کی وجہ سے روایتوں میں نماز کے بعد اور مجلس سے اٹھنے کے وقت اس کا پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔ پہلی بات کو الخطیب نے ابوسعیدؓ سے مرفوع کے طور پر نقل کیا ہے اور دوسری بات کو ابن ابی حاتم نے شعبی سے مرفوع کے طور پر نقل کیا ہے، جیسا کہ الروح میں ہے، اس لئے تبرک کے طور پر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تفسیر کے اس حصہ کو اسی پر ختم کروں، اس لئے کہتا ہوں ﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۸۱ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۸۲﴾

﴿الحمد للہ! سورۃ الصافات کی تفسیر بروز منگل ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ میں تمام ہوئی، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین﴾

(اٰیاتُہا ۸۸) (۳۸) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ (۳۸) (رکوعاتُہا ۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں زیادہ مضمون رسالت سے متعلق ہے، بعض آیتوں میں اس کے جھٹلانے اور انکار پر مذمت اور وعید ہے اور بعض آیتوں میں اس کا اثبات اور آپ کی تسلی ہے، اور قصوں کے ذریعہ رسالت کے اثبات کی اور بعض قصوں سے تسلی کی بھی تائید ہے، اور بعض آیتوں میں خاص توحید اور جزا و سزا کے انکار میں رسول کی مخالفت کی برائی ہے، جیسا کہ ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ ﴾ اور ﴿ عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ﴾ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض آیتوں میں اس توحید اور بعثت کی مختصر دلیل ہے اور بعض میں ان دونوں کے اثبات اور واقع ہونے کی تھوڑی سی تفصیل ہے جیسا کہ ﴿ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ ﴾ سے ﴿ كَالْفُجَّارِ ﴾ تک مختصر مضمون اور ﴿ هٰذَا ذِكْرٌ ﴾ سے ﴿ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴾ تک تفصیلی مضمون مدلول و معلوم ہے اور رسالت کے مسئلہ کی مناسبت سے بعض آیتوں میں قرآن کی تعریف ہے جیسا کہ شروع میں اس کو ﴿ ذِي الذِّكْرِ ﴾ یعنی "نصیحت سے بھرا ہوا" فرمایا۔ اور درمیان میں ﴿ مُبٰرَكٌ ﴾ اور آخر میں ﴿ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ فرمایا۔ اور گذشتہ سورت بھی انہی مضمونوں میں اس سے قریب قریب ہے اور یہی قریب قریب ہونا مناسبت کی وجہ ہے اور ابتدائی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابو طالب کی بیماری کے زمانہ میں قریش کے سرداران کے پاس آئے، اس وقت حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے تو قریش نے ابو طالب سے آپ کی شکایت کی، انھوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنی قوم سے کیا بات چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس سے سارا عرب ان کی اطاعت کرنے والا بن جائے اور عجم انہیں جزیہ دینے لگیں۔ انھوں نے پوچھا وہ ایک کلمہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ: قریش کہنے لگے کہ لو سارے معبودوں کا انکار کر کے ایک ہی معبود قرار دیدیا۔ یہ تو عجیب بات ہے، اس پر ﴿ صٓ ﴾ سے ﴿ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا ﴾ تک نازل ہوا۔ یہ اللباب میں احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ وہ لوگ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے، اسے الروح میں کئی راویوں سے روایت کیا ہے۔ اور اس سورت کے شروع میں جو قرآن کی قسم کھائی ہے، اگر اس سے کلام نفسی یعنی جو کلام نفس میں ہے مراد ہو تب تو کوئی اشکال نہیں کہ وہ غیر مخلوق صفت ہے، یعنی ایسی صفت ہے جو مخلوق یعنی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔ اور اگر کلام لفظی مراد ہے یعنی وہ کلام جس پر الفاظ دلالت کرتے ہیں جو کہ مخلوق یعنی پیدا کیا ہوا ہے تو اس کی توجیہ سورۂ حجر آیت ۷۲ ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ ﴾ میں گذر چکی ہے اور سورۃ الصافات کے

شروع میں جو ایسی قسموں کی حکمت لکھی گئی ہے یہاں اس کا بیان یہ ہے کہ قرآن رسالت کی دلیل ہے۔

﴿صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ
مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا
سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۖ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ
امۡشُوۡا وَ اصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِہَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۖ﴿۶﴾ مَا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۚۖ اِنۡ
ہٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۖ﴿۷﴾ ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡ ذِکۡرِیۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا
یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ؕ﴿۸﴾ اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَۃِ رَبِّکَ الۡعَزِیۡزِ الۡوَہَّابِ ۚ﴿۹﴾ اَمۡ لَہُمۡ مُّلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا
بَیۡنَہُمَا ۟ فَلۡیَرۡتَقُوۡا فِی الۡاَسۡبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنۡدٌ مَّا ہُنَالِکَ مَہۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ﴿۱۱﴾ کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ
وَّ فِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ﴿ۙ۱۲﴾ وَ ثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّ اَصۡحٰبُ لۡـَٔیۡکَۃِ ؕ اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنۡ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ
الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَ مَا یَنۡظُرُ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً مَّا لَہَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَ قَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا ع
قِطَّنَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾﴾

ترجمہ: ﴿صٓ﴾ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے۔ بلکہ یہ کفار تعصب اور مخالفت میں ہیں۔ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں سو اُنھوں نے بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا۔ اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر کذاب ہے۔ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔ اور ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو یہ کوئی مطلب کی بات ہے۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے مذہب میں سنی نہیں، ہو نہ ہو یہ گھڑت ہے، کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا۔ بلکہ یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ انھوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یا کیا اُن کو آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں اُن کا اختیار حاصل ہے؟ تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جاویں۔ اس مقام پر ان لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے من جملہ گروہوں کے جو شکست دیئے جاویں گے۔ ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے۔ اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی وہ گروہ یہی لوگ ہیں۔ ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب واقع ہو گیا۔ اور یہ لوگ بس ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب!

ہمارا حصہ ہم کو روزِ حساب سے پہلے دیدے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت، رب العالمین کی توحید اور قیامت کے دن کے واقع ہونے کا انکار کرنے اور جھٹلانے والے کافروں کو ملامت اور ان کی برائی:

﴿صٓ﴾ (اس کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے بھرا ہوا ہے (کہ کافر لوگ جو کچھ باتیں رسالت کی نفی کے بارے میں کہہ رہے ہیں، وہ ٹھیک نہیں) بلکہ (خود) یہ کافر لوگ (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں (پڑے) ہیں (اور اس تعصب و مخالفت کا وبال ایک دن ان پر پڑنے والا ہے، جیسا کہ) ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو (عذاب کے ذریعہ) ہلاک کر چکے ہیں تو انھوں نے (ہلاکت کے وقت) بہت چیخ پکار کی (اور بہت شور و غل مچایا) اور (اس وقت شور و غل سے کیا ہوتا ہے، کیونکہ) وہ وقت خلاصی کا نہ تھا (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾) اور (قریش کے) ان کافروں نے (اس پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے (یعنی جو کہ انہی کی طرح انسان ہے) ایک (رسول) ڈرانے والا آ گیا (تعجب کی وجہ ان کی جہالت تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور رسول ایک دوسرے کے مخالف اور ضد ہیں) اور (اس مخالف ہونے کا یہاں تک اعتقاد رکھنے لگے کہ نبوت کے دعویٰ اور معجزوں کے اظہار میں ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے، آپ کی شان میں) کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ یعنی اللہ کی پناہ) یہ شخص (عادت و معمول کے خلاف کاموں میں) جادوگر ہے (اور نبوت کے دعویٰ میں) بہت جھوٹ بولنے والا ہے (یعنی انسان ہونے کی وجہ سے نبی ہونا تو محال ہے اور اس کے معجزہ ہونے سے نبوت کا ثبوت لازم آتا ہے، لہٰذا جب لازم کی نفی ہے تو جس کے لئے وہ لازم ہے یعنی اس کے معجزہ ہونے کی بھی نفی ہے اور یہ چیز عجیب ہے تو یقینی طور پر جادو ہوگا۔ اور) کیا (یہ شخص سچا ہوسکتا ہے؟ کہ) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا (اور سب کے معبود ہونے کی نفی کردی) واقعی یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے (جس کی وجہ جلدی آ رہی ہے۔ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ الخ) اور (توحید کا مضمون سن کر) ان کافروں میں کے رئیس (بات چیت کی مجلس سے اٹھ کر دوسرے لوگوں سے) یہ کہتے ہوئے چلے کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر قائم رہو (کیونکہ اول تو) یہ (ان رسول کی توحید کی طرف دعوت) بھی کوئی مطلب کی بات (معلوم ہوتی) ہے (کہ اس بہانہ سے ریاست و حکومت چاہتے ہیں، یہ بات ایسی ہی ہے جیسی نوح کی قوم نے کہا تھا ﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ دوسرے خود دعویٰ بھی باطل اور عجیب ہے، کیونکہ) ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں سنی نہیں۔ ہو نہ ہو یہ (اس شخص کی) گھڑی ہوئی بات ہے (پچھلے مذہب کا مطلب یہ کہ دنیا میں بہت سے طریقوں پر عمل کرنے والے لوگ ہوئے، سب سے پیچھے ہم موجود ہیں تو ہم نے اس طریقہ کے بزرگوں سے

کبھی یہ بات نہیں سنی، لہٰذا اس کا حاصل وہی ہے ﴿ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴾ اور یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور توحید کو اللہ کی تعلیم بتاتا ہے تو اول تو نبوت اور انسان ہونا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ دوسرے اگر اس کو بھی نہ مانا جائے تو) کیا ہم سب میں سے اس شخص (کوئی فوقیت وفضیلت حاصل تھی کہ اسی کو نبوت ملی، اور) اللہ کا کلام اسی پر نازل کیا گیا (بلکہ کسی رئیس پر نازل ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴾ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ان پر کیوں نازل ہوا، کسی رئیس پر کیوں نہیں نازل ہوا؟ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا اتباع کرتے) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ لوگ (خود) میری وحی کی طرف سے شک (یعنی انکار) میں ہیں (یعنی خود نبوت کے مسئلہ ہی کے منکر ہیں، خاص طور سے انسان کے لئے اور یہ انکار بھی کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے چاہے عام نبوت کے مسئلہ کے سلسلہ میں یا خاص طور سے انسان کے لئے ثبوت کے طور پر) بلکہ (اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ) انھوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا (ورنہ ساری عقل ٹھکانے آجاتی، اس بیان سے ان کے دونوں شبہوں کا یعنی نبوت اور انسان کے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کا اور ﴿ اُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ ﴾ الخ کے نازل ہونے کے بعد، شبہ کا جواب ہوگیا۔ آگے دوسرے انداز سے جواب ہے کہ) کہ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے زبردست بخشش کرنے والے پروردگار کے خزانے ہیں؟ (جس میں نبوت بھی داخل ہے کہ جس کو چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں، یعنی نبوت ایک عظیم امر ہے، اس کے عطا کرنے کے لئے عطا کرنے والے کا خزانوں کا مالک، شدید غلبہ والا اور بہت زیادہ بخشش کرنے والا ہونا لازم ہے تو اس طرح اگر یہ ان کے اختیار میں ہوتا تو انہیں یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ ہم نے انسان کو نبوت نہیں دی تو پھر وہ نبی کیسے ہوگیا یا ہم نے فلاں انسان کو نبوت دی اور فلاں کو نہیں دی، اس صورت میں ان کا یہ کہنا مناسب تھا) یا (اگر سارے خزانے قبضہ میں نہ ہوں تو کم سے کم آسمان اور آسمانوں کی چیزیں اور زمین اور زمین کی چیزیں ہی قبضہ میں ہوتیں۔ کیونکہ نبوت سے اللہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں، اور احکام پر عمل کرنا عالم کے باقی رہنے کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مؤمن نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی، لہٰذا نبوت کو سارے عالم کا نظام چلانے اور اس کو باقی رکھنے میں دخل ہوا۔ تو عطا کرنے والی ایسی ذات ہونی چاہئے جو تمام عالم کی مصلحتوں کو جانتی ہو۔ اس نبوت کو لاگو کرنے کی قدرت رکھتی ہو تا کہ ایسے مناسب احکام جاری کرے جس سے عالم کا نظام اور مصلحتیں وابستہ ہوں اور اگر عالم کے اجزا میں سے آسمانی اور زمینی چیزوں کے سوا دوسرے اجزا کے وجود میں کسی کو شک یا بحث ہو تو آسمانی اور زمینی چیزوں کا وجود تو تسلیم ہے جو کھلی آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے، تو اس کا تو احکام سے وابستہ ماننا لازمی طور پر ظاہر ہے، تو پھر ان آسمانی اور زمینی چیزوں ہی کا اس نبوت عطا کرنے والے کے علم وقدرت کا احاطہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ﴿ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ ﴾ کے

بعد فرماتے ہیں کہ کم سے کم یہی قبضہ اور اختیار میں ہوتے تو) کیا انہیں آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں ان (سب) کا اختیار حاصل ہے (اور آگے انہیں عاجز کرنے اور مذاق اڑانے کے انداز میں ارشاد ہے کہ اگر انہیں اس پر اختیار ہے) تو انہیں چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں (اور ظاہر ہے کہ انہیں اس کی قدرت نہیں، لہٰذا جب عقلی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود انہیں آسمان پر پہنچنے کی بھی قدرت نہیں جو کہ ان کا حال معلوم کرنے کا آسان ذریعہ ہے اور دوسرے تصرفات سے بہت زیادہ آسان ہے تو علم کے دوسرے طریقوں اور مشکل تصرفات پر تو کیا قدرت ہوگی۔ جب علم وقدرت نہیں تو ان کے نظام کی کیا رعایت کر سکتے ہیں، پھر نبوت عطا کرنے والا بننے کی کیا صلاحیت ہوسکتی ہے؟ پھر انہیں ایسی بے سروپیر کی باتیں کہنے کا کیا حق ہے؟ مگر اے محمد ﷺ! آپ ان کی مخالفت کی فکر نہ کریں، کیونکہ) اس مقام پر (یعنی مکہ میں) ان لوگوں کی یوں ہی ایک بھیڑ ہے (رسولوں کی مخالفوں کے) ان گروہوں میں سے جنہیں (جلدی ہی) شکست دی جائے گی (چنانچہ بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور) ان سے پہلے بھی نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور عاد نے اور فرعون نے جس (کی حکومت وسلطنت) کے کھونٹے گڑ گئے تھے (یعنی اس کی سلطنت دور تک پھیلی اور بہت سخت تھی، جیسا کہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے عطیہ کی روایت میں کہا ہے: **الأوتاد الجنود يقوون ملكه كما يقوى الوتد الشيء**: یعنی "کھونٹوں سے مراد لشکر ہیں جو اس کے ملک کو اس طرح مضبوط کرتے ہیں جیسے کیل اور کھونٹے چیز کو مضبوط کرتے ہیں" جیسا کہ الروح میں ہے۔ اور اس لفظ کی ایک تفسیر سورۃ الفجر میں آئے گی) اور ثمود نے اور لوط (علیہ السلام) کی قوم نے اور ایکہ والوں نے (جن کے قصے کئی جگہ آچکے ہیں۔ ان سب نے) جھٹلایا تھا (اور) وہ گروہ (جن کا اوپر من الأحزاب میں ذکر آیا ہے) یہی لوگ ہیں، ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا (جیسا کہ قریش کے یہ کافر آپ کو جھٹلا رہے ہیں) تو میرا عذاب (ان پر) واقع ہوگیا (لہٰذا جب جرم مشترک ہے تو عذاب وسزا کے مشترک ہونے سے یہ کیوں مطمئن ہیں) اور یہ لوگ (جو جھٹلانے پر اصرار کرتے ہیں تو) بس ایک زور کی چیخ (یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے) کا انتظار کر رہے ہیں، جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی (اس سے قیامت مراد ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ﴾ (سورۂ محمد آیت ۱۸) اور یہ لوگ قیامت کی وعید سن کر رسول کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے کے انداز میں) کہتے ہیں کہ ہمارے رب! (کافروں کو جو عذاب آخرت میں ہوگا اس میں سے) ہمارا حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے (مطلب یہ کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی اور اگر آئے گی تو ہم عذاب ابھی چاہتے ہیں اور جب عذاب نہیں ہوتا تو معلوم ہوا قیامت نہیں آئے گی۔ اس جہالت پر اللہ کی پناہ!)

فائدہ: ﴿إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ سے یہ مقصود نہیں کہ ان کی دوسری صفتوں کی نفی کی جائے، بلکہ اس زمانہ

کے کافروں کے نازل ہونے کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ شاید ان کی ہلاکت کا سبب ان کا کفر نہ ہوا ہو، کوئی اور امر ہوا ہو۔ دعوی کے طور پر یہ اضافی حصر کیا گیا یعنی کفر اور جھٹلانے کے علاوہ کوئی اور سبب نہیں تھا، کیونکہ ان ہلاک ہونے والوں کا دوسری مذموم باتوں پر اصرار بھی اسی رسالت کو جھٹلانے کی وجہ سے تھا، لہٰذا ذکر کے قابل سبب یہی تھا۔

﴿اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحْنَ
بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ
الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَہَلْ اَتٰىکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْہُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ
خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاہْدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ ہٰذَاۤ
اَخِیْ لَہٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَۃً وَّلِیَ نَعْجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فَقَالَ اَکْفِلْنِیْہَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ
بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِہٖ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَقَلِیْلٌ مَّا ہُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَہٗ ذٰلِکَ وَاِنَّ لَہٗ السجدۃ
عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْہَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ
الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾﴾ ع ۲

ترجمہ: آپ ان لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی قدرت والے تھے۔ وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے سب اُن کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو نہایت قوت دی تھی۔ اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی تھی۔ اور بھلا آپ کو اُن اہل مقدمہ کی خبر بھی پہنچی ہے جبکہ وہ لوگ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس آئے تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے۔ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے، داؤد نے کہا کہ یہ جو تیری دُنبی اپنی دُنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اُن کا امتحان کیا ہے سو انھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی

اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے اُن کو وہ معاف کر دیا اور ہمارے یہاں اُن کے لئے قرب اور نیک انجامی ہے۔ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

ربط: اوپر کافروں کی مخالفت اور ان کے بعض کفر والے اقوال کا ذکر تھا جیسا کہ ان کا کہنا تھا کہ ﴿هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ اور ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ﴾ اور ﴿اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ﴾ سے ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ تک اور ان کا کہنا ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا﴾ الخ چونکہ ان امور سے حضور ﷺ کو رنج و غم ہوتا تھا، اس لئے صبر کا حکم اور بعض انبیاء علیہم السلام کے قصے کا بیان فرماتے ہیں کہ وہ بھی کامل صبر کرنے والے تھے، اور ان قصوں میں مذکورہ تسلی کے علاوہ انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں نبوت کی تائید بھی ہے۔

تسلی اور داؤد علیہ السلام کا پہلا قصہ:

آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو (عبادت میں، جس میں صبر بھی شامل ہے) بڑی قوت (اور ہمت) والے تھے (اور) وہ (اللہ کی طرف) بہت متوجہ ہونے والے تھے (اور ہم نے انہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی تھیں، ایک یہ کہ) ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ (شریک ہو کر) شام اور صبح (کہ یہ داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے اوقات تھے، تسبیح کیا کریں، اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (یہی حکم دے رکھا تھا) جو کہ (تسبیح کے وقت ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے (اور مذکورہ پہاڑوں اور پرندوں میں سے) سب ان کی (تسبیح کی) وجہ سے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور (دوسری نعمت یہ کہ ہم نے ان کی سلطنت کو نہایت قوت دی تھی اور (تیسری نعمت یہ کہ) ہم نے انہیں حکمت (یعنی نبوت) اور فیصلہ کر دینے والی بات (جو نہایت واضح اور جامع ہو) کی صلاحیت بخشی تھی (اور اس بڑی سلطنت کے باوجود جو اکثر حالات میں آدمی کو آپے سے باہر کر دیتی ہے وہ نبوت کے نور کی برکت سے نہایت صبر و ضبط کرنے والے تھے۔ چنانچہ ان سے متعلق خبروں سے ثابت ہے) اور (ہاں! صبر پر دلالت کرنے والی ان خبروں میں سے) بھلا آپ کو ان مقدمہ والوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ (جو داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ لائے تھے) جب کہ وہ لوگ (داؤد علیہ السلام کے) عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد (علیہ السلام) کے پاس آئے (کیونکہ دروازہ میں سے پہرہ داروں نے اس وجہ سے نہیں آنے دیا کہ وہ آپ کی عبادت کا خاص وقت تھا، جھگڑوں اور مقدموں کے فیصلوں کا وقت نہیں تھا) تو وہ (ان کے اس بے قاعدہ طور پر آنے سے) گھبرا گئے (کہ کہیں یہ لوگ دشمن نہ ہوں کہ قتل کے ارادہ سے تنہائی میں اس طرح آ گھسے ہوں) وہ لوگ (ان سے) کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دو معاملہ والے ہیں کہ ایک نے دوسرے پر (کچھ) زیادتی کی ہے (ہم

اس کے فیصلے کے لئے آئے ہیں، چونکہ پہرہ داروں نے نہیں آنے دیا، اس لئے ہم اس طرح آئے ہیں) تو آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیجئے۔ اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں (معاملہ کا) سیدھا راستہ بتادیجئے (پھر ان دونوں میں سے ایک شخص بولا کہ مقدمہ کی صورت یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے (دین کے اعتبار سے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی روایت سے الدر میں ہے، یا ملاقات کے اعتبار سے، اور) اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک دنبی ہے تو یہ کہتا ہے کہ تو وہ بھی مجھے دیدے اور باتوں میں مجھے دبالیتا ہے (کہ اپنی منہ زوری کی وجہ سے میری بات چلنے نہیں دیتا) داؤد (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ جو تمہاری دنبی اپنی (دنبیوں میں ملانے کی بات کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک (لوگوں کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں (یہ بات مظلوم کی تسلی کے لئے فرمائی) اور داؤد (علیہ السلام) کو خیال آیا کہ (اس واقعہ کے پیش آنے میں حکمت یہ ہے کہ) ہم نے ان کا امتحان لیا ہے (کہ دیکھیں یہ کیسے صبر کرنے والے اور تحمل کرنے والے ہیں، کیونکہ ایسے بڑے جلیل القدر سلطان کے خاص خلوت خانہ میں کسی کا بغیر اجازت اور پھر اس بے ڈھنگے پن سے گھس آنا پھر بات چیت اس انداز سے کرنا کہ اول تو یہ کہنا کہ ڈرومت، جس سے بات کرنے والے کا بڑا اور مخاطب کا چھوٹا ہونا ظاہر ہوتا ہے، پھر یہ کہنا کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور ناانصافی مت کرنا، جس سے خیال ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ سے ناانصافی کا بھی احتمال ہے۔ اور ان مضمونوں کے باہم ملنے سے ﴿ اهْدِنَآ ﴾ الخ کی دلالت بھی اس کے قریب قریب معلوم ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کا بھی احتمال ہے جس میں واجب کو چھوڑ دینے کی تہمت لازم آتی ہے اگرچہ مناجات میں یہ کلمہ بے ادبی کا سبب نہیں، کیونکہ اول تو مناجات اور تضرع اس خیال کے لئے رکاوٹ ہے۔ دوسرے حق تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جس سے خرابی لازم آتی ہے۔ غرض ان کی تمام باتیں اور عمل وحرکت نہایت درجہ کی گستاخی پر گستاخی ہے، لہٰذا اس میں داؤد علیہ السلام کے صبر وتحمل کا امتحان ہوگیا کہ کہیں سلطنت کے زور میں ان لگاتار گستاخیوں پر پکڑ کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو ملتوی کر کے دوسرا مقدمہ قائم کرتے ہیں یا نبوت کے نور کے غلبہ سے معاف فرماتے ہیں اور اس مقدمہ کو انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ بغیر غیظ وغضب کے شائبہ کے فیصلہ فرماتے ہیں، چنانچہ آپ امتحان میں صابر ثابت ہوئے، اور مقدمہ کو نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ سنا اور انصاف وایمانداری کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام جس قدر جلیل الشان اور عدل وانصاف کے جس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں انہی کا جو تقاضا ہے، اس سے بظاہر دور اتنا ہلکا سا امر یہ پیش آگیا کہ شرعی دلیل کے قیام کے بعد کہ وہ چاہے بیان ہو یا اقرار بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے یہ خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا، اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ اس نے تجھ پر ظلم کیا، جس سے طرف داری کی ایک صورت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرف داری بھی خاص طور سے مقدمہ

ختم ہوجانے کے بعد عبادت ہے، لیکن مقدمہ کا فریق ہونے کی حیثیت سے اور مقدمہ والوں کی مجلس نہ بدلنے اور ایک ہی مجلس میں مختلف فریقوں کے جمع ہونے کی حیثیت سے جانب داری کے اس ذرا سے خیال کا بھی نہ ہونا زیادہ عدل وانصاف اور کمال کا سبب ہوتا) اس لئے (داؤد علیہ السلام نے انتہائی تقوی کی وجہ سے اتنی سی بات کو بھی صبر کے کمال میں خلل پیدا کرنے والا اور امتحان میں ثبات کے خلاف سمجھا، اور) انھوں نے (اپنے رب کے سامنے (اس سے بھی) توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور (خاص طور پر اللہ کی طرف) متوجہ ہوئے تو ہم نے انہیں وہ (امر) معاف کردیا (اور اس سے صبر کے کمال پر ملنے والے ان کے اجر میں جو کمی ہوتی، اس کمی کو دور کردیا) اور ایسے ہلکے امر پر توبہ اور سجدہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) ہمارے یہاں ان کے لئے (خاص) قرب کا درجہ اور (اعلی درجہ کا) نیک انجام (یعنی جنت کا اعلی درجہ) ہے (اور مقرب لوگوں اور اچھے انجام والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ ذرا سی بات کو بھی اپنے لئے بہت بڑی سمجھتے ہیں، جب کہ داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے تو ہم نے ان کا دل بڑھانے کے لئے خاص طور پر خطاب فرمایا کہ) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر حاکم بنایا ہے تو (جس طرح اب تک کرتے رہے ہو، اس طرح آئندہ بھی) لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور (جس طرح اب تک کبھی نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کی، اسی طرح) آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ (اگر ایسا کروگے تو) وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی (اور) جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹکتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، اس وجہ سے کہ وہ حساب کے دن کو بھولے رہے (یہ بات دوسروں کو سنادی، جو بھٹک رہے ہیں)

فائدہ: پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی تحقیق سورۂ سبا آیت ۱۰ میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿ فَتَنّٰهُ ﴾ کی تفسیر میں ایک قول مشہور ہے جس میں ایک بی بی سے نکاح کرنے کا واقعہ ہے، مگر تحقیق کرنے والوں نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے کہا ہے: **أکثرها ماخوذ من الإسرائیلیات ولم یثبت فیها عن المعصوم حدیث یجب اتباعه لکن روى ابن ابی حاتم ههنا حدیثا لایصح سنده لأنه من روایة یزید الرقاشی عن أنس ویزید وإن کان من الصالحین لکنه ضعیف الحدیث عند الأئمة:** یعنی ”اس سلسلہ کی اکثر باتیں اسرائیلی روایتوں سے لی گئی ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ سے کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس کا اتباع کرنا واجب ہو البتہ ابن ابی حاتم نے اس سلسلہ میں ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی یزید الرقاشی ہے جس نے انس سے روایت کیا ہے اور یزید اگر چہ نیک وصالح لوگوں میں سے ہیں، لیکن حدیث کے اماموں کے نزدیک وہ حدیث کے سلسلہ میں ضعیف ہیں“ اور تفسیر خازن میں ہے: **روى سعید بن المسیب والحارث الأعور عن علی بن ابی طالب انه قال من حدثکم بحدیث داؤد علی ما یرویه القصاص جلدته مائة وستین جلدة وهو حد**

الفرية علی الأنبياء: یعنی "سعید بن المسیب اور الحارث الاعور نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے: انھوں نے کہا کہ تم سے جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث بیان کرے جو روایت کی جاتی ہے، اس کو ۱۶۰ درّے مارے جائیں کہ یہ انبیا پر بہتان لگانے کی سزا ہے" اور تفسیر حقانی میں اس قصہ کا ماخذ صموئیل کی کتاب کو کہا ہے جب کہ اس کتاب کے بارے میں آج تک اہل کتاب بھی یہ نہیں بتا سکے کہ اس کا مصنف کون ہے، البتہ وہ یہود میں تاریخ کی ایک کتاب (کے طور پر) رائج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بغیر ثبوت کے الہامی کتاب فرض کرلیا۔ اور بعض نے بغیر تحقیق کے داؤد علیہ السلام کے ﴿ لَقَدْ ظَلَمَكَ ﴾ کہہ دینے کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگرچہ اس کا مقصد اس شرط کے ساتھ کہنا ہے کہ "اگر تمہارے اس بھائی نے ایسا کیا ہے" لیکن الفاظ میں یہ شرط نہیں لگائی، لیکن بعض نے نقل کیا ہے کہ جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا آپ نے اس کے اقرار کے بعد ﴿ لَقَدْ ظَلَمَكَ ﴾ فرمایا، لہٰذا اس تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں افراد کی گستاخیوں پر غصہ آ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے استغفار کیا، مگر یہ لوگ غصہ آنا ثابت نہیں کر سکتے اور بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کی بنیاد خود قرآنی نص ہے، اور ﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ کے ساتھ اس قصہ کا یاد دلانا اس امر کا قرینہ ہے کہ اس میں بھی ان کی باتوں پر صبر تھا، چاہے دونوں جگہ باتوں میں کفر اور بے ادبی کا اختلاف ہو[1]۔ البتہ اس امر کا خیال ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو بنیاد سمجھا ہو، تو چونکہ دوسری تفسیروں کی بنیاد بھی خود قرآن میں نہیں، اس لئے یہ تفسیر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

اور ﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ ﴾ سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ساجھے داری ہوگی اور شاید معاملہ کی صورت ایسی ہو کہ جس سے ظلم کرنے والا کوئی چال چل سکتا تھا، اور ممکن ہے کہ خلطاء خلط ملط ہونے اور مل جل کر رہنے کے معنی میں ہو، اور چاہے دو فریقوں میں یہ قصہ واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کہ ویسے ہی بات بنائی ہو یا فرشتے ہوں کہ امتحان کے لئے بھیجے گئے ہوں اور مقصود ایک فرضی سوال ہو۔ ایسی صورت میں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں اُن کو خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں۔ سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ۔ ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے

(۱) یہ متصل ہے اوپر اس جملہ کے ساتھ بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کی بنیاد خود قرآنی نص ہے الخ مطلب یہ کہ اس کی بنیاد کا قرآن میں نص ہونا تو یقینی ہے مگر یہ امر محض گمان ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو بنیاد سمجھا ہو اور وہ بنیاد یہ قول ہے ﴿ لَقَدْ ظَلَمَكَ ﴾

اورانھوں نے اچھے کام کئے اُن کے برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے۔ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

ربط: اوپر داؤد علیہ السلام کا قصہ تھا اور اب جلدی دوسرے قصے آتے ہیں، لیکن داؤد علیہ السلام کے قصے سے پہلے جو توحید، رسالت اور بعثت سے متعلق مضمون بیان ہوا تھا، اس کے اہتمام اور تاکید کے لئے قصوں کے درمیان میں پھر اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے دہرایا ہے۔ چنانچہ اگلی تین آیتوں میں سے پہلی آیت میں توحید پر استدلال ہے اور دوسری آیت میں بعث پر اور تیسری آیت میں رسالت پر استدلال ہے۔ اور ان آیتوں کا قریب کی آیتوں سے بھی یہ ربط ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے توحید پر دلالت ہے اور ﴿ يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾ یعنی حساب کے دن میں بعث کی طرف اشارہ ہے اور پھر ان سب مضمونوں کا قرآن میں ہونا قرآن کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے، پھر ان تینوں آیتوں میں آپس میں بھی ربط ہے، چنانچہ پہلی آیت کے آخر میں جہنم کا ذکر ہے جو بعث کے دن کے واقعوں میں سے ہے، اور دوسری آیت میں ایمان، نیک عمل اور تقویٰ کا ذکر ہے جس کا حاصل قرآن پر عمل ہے۔

توحید، بعث اور رسالت پر مختصر انداز میں استدلال:

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا (بلکہ بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سب سے بڑی حکمت توحید پر دلالت ہے) یہ (یعنی ان کا بغیر حکمت کے ہونا جو کہ توحید کا انکار ہے جو کہ سب سے اعظم حکم ہے، لازم آتا ہے) ان لوگوں کا خیال ہے کہ جو کافر ہیں (کیونکہ جب توحید کا انکار کیا تو بڑی حکمت کا انکار کر دیا) تو کافروں کے لئے (آخرت میں) بڑی خرابی ہے یعنی جہنم (کیونکہ وہ دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود توحید کا انکار کرتے تھے) ہاں (ان کافروں کی ایک اور غلطی یہ ہے کہ وہ قیامت کا انکار کر کے بھی ہماری ایک عظیم حکمت کے منکر ہیں، کیونکہ ہم نے ایسی نقلی و قطعی دلیلوں سے جن کا صحیح ہونا عقل سے ثابت ہے، صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ قیامت میں یہ حکمت ہے کہ نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور فساد پھیلانے والوں کو ان کی غلطیوں اور برائیوں کی سزا ہو، اور یہ اس کے منکر ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ حکمت واقع نہ ہو، بلکہ سب برابر ہیں) تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ان کی برابر کر دیں گے، جو (کفر وغیرہ کر کے) دنیا میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یا (دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کیا) ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے (یعنی ہم نے جس حکمت کے واقع کرنے کا ارادہ کیا تھا جو امر اس کی نفی کے لئے لازم ہو وہ باطل ہے، لہٰذا بعث کا انکار باطل ہے اور جس طرح توحید اور بعث دلیل سے ثابت ہے، اسی طرح رسالت بھی دلیل سے ثابت ہے۔ چنانچہ) یہ (قرآن) ایک برکت والی کتاب ہے جسے ہم

نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں (یعنی ان کے معجزہ ہونے میں بھی اور ان کے مضمونوں کے بہت زیادہ نفع والا ہونے میں بھی غور کریں جو کہ برکت کا حاصل ہے) اور تاکہ (غور کر کے اس کی حقیقت معلوم کر کے اس سے) سمجھدار لوگ نصیحت حاصل کریں (یعنی اس پر عمل کریں، اس ذکر و یاد دہانی میں رسالت کا اعتقاد بھی آ گیا، اور شریعت کے باقی امور بھی آ گئے)

فائدہ: دوسری آیت کے مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جزا و سزا کا واجب ہونا عقلی امر ہے یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اور نہایت تعجب ہے کہ کشاف نے اس مقام کی جو وضاحت کر دی ہے پچھلے تمام مفسر اس کو نقل کرتے چلے گئے اور کسی نے معتزلہ کے اس دھوکہ و فریب پر دھیان نہیں دیا۔ الحمد للہ! کہ حق تعالیٰ نے بندہ پر فضل فرمایا کہ آیت کی تفسیر میں کافی غور و فکر کیا تو اللہ نے اہل سنت کے عقیدہ اور اصول کے مطابق دل میں بات ڈال دی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جزا و سزا کا خود اپنے آپ واقع ہونا واجب نہیں، بلکہ سچی خبر کے ملانے کے بعد اس کا واقع ہونا واجب ہے، یعنی یہ واجب عقلی نہیں بلکہ واجب نقلی ہے، ہاں اس نقل کی صحت عقلی ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کا واقع نہ ہونا حکمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے محال ہے تو اس کا واقع ہونا واجب ہوا۔ جواب یہ ہے کہ خود اس حکمت کا واقع ہونا ہی واجب نہیں، بلکہ اس کا واقع ہونا صرف جائز ہے، اگر قیامت واقع نہ ہوتی تو اس وقت اسی میں حکمت ہوتی مگر چونکہ اس جائز حکمت کا واقع ہونا قطعی دلیل سے معلوم ہو گیا تو اب اس حکمت کا انکار یا مخالفت کرنا کفر اور برا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔

اور اگر مشہور تفسیر کی طرح ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ﴾ الخ کو بھی قیامت کی حکمت کے بیان پر محمول کیا جائے تو اس کی وضاحت یہ ہو جائے گی کہ ہم نے آسمان اور زمین کو بغیر حکمت کے پیدا نہیں کیا، بلکہ حکمت سے پیدا کیا، اور جن نصوں کا صحیح ہونا عقل کی صحت سے ثابت ہو گیا کہ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں۔ اور نفع حاصل کرنے کی نعمت کا شکر ادا کریں اور اس شکر میں اطاعت بجا لائیں اور اس شکر و طاعت پر وعدہ کے مطابق آخرت میں ثمرہ ملے اور جو ناشکری کرے وہ نقصان اٹھائے اور ﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ میں اس جزا و سزا کے نہ ہونے کے گمان کو کفر اس لئے فرمایا کہ اس میں شریعت سے ثابت امر کا جھٹلانا لازم آتا ہے، بہر حال مذکورہ حکمت کے واقع ہونے کی ضرورت کے لئے وہ اپنے آپ میں ممکن ہے، نقلی دلیل کا شامل ماننا ضروری ہے۔

اور دوسری آیت میں ایک عنوان سے دوسرے عنوان کی طرف رخ کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ مؤمنوں میں ایمان کی صفت اور کافروں میں فساد پھیلانے کی برائی کافروں کے نزدیک اس قدر واضح نہیں تھی کہ وہ ایمان کو ایمان ہی نہ سمجھتے تھے اور وہ اپنے کفر کو فساد ہی نہ سمجھتے تھے۔ دوسرے عنوان کے برخلاف اس لئے کہ بہت سے امور عقلی برائیاں ہیں اور مؤمنوں

کاان سے بچنااور کافروں کاان میں مبتلا ہوناخود کافر بھی سمجھتے تھےاور دیکھتے تھے۔

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝٣٠ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝٣١
فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝٣٢ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ
وَالْاَعْنَاقِ ۝٣٣ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝٣٤ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا
يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٣٥ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۝٣٦ وَالشَّيٰطِيْنَ
كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝٣٧ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝٣٨ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٣٩ وَاِنَّ
ع لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٠ ﴾

ترجمہ:اور ہم نے داؤد کوسلیمان عطا کیا۔ بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے، جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے کہ میں اس مال کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سو انھوں نے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر انھوں نے رجوع کیا۔ دعا مانگی کہ اے میرے رب! میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا کہ وہ اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لئے غوطہ خوروں کو بھی۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ یہ ہمارا عطیہ ہے سوخواہ دو یا نہ دو تم سے کچھ داروگیر نہیں۔ اور ان کے لئے ہمارے یہاں قرب اور نیک انجامی ہے۔

ربط: اوپر کا مضمون قصوں کے درمیان میں آگیا تھا۔ اب پھر قصے بیان کئے جارہے ہیں۔

دوسرا قصہ: سلیمان علیہ السلام کا، جس میں دو قصے شامل ہیں:

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام صاحبزادہ) عطا کیا، وہ بہت اچھے بندے تھے کہ (اللہ کی طرف) بہت متوجہ ہونے والے تھے (چنانچہ ان کا وہ قصہ یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ شام کے وقت ان کے سامنے خوب سدھے (اور) تیز دوڑنے والے (عمدہ) گھوڑے (جو جہاد وغیرہ کی غرض سے رکھے جاتے تھے) پیش کئے گئے (اور ان کے دیکھنے میں اتنی دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا، اور کچھ معمول نماز کی قسم کا فوت ہوگیا۔ جیسا کہ الدر المنثور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ہیبت اور جلیل الشان ہونے کی وجہ سے کسی خادم کی جرأت نہیں ہوئی کہ متوجہ کرتا۔ جیسا کہ الدر المنثور

میں ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ پھر خود ہی (دھیان ہوا) تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد (یعنی نماز) سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ سورج (مغرب کے) پردہ میں چھپ گیا (پھر خادموں کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر سے میرے سامنے لاؤ (چنانچہ لائے گئے) تو انھوں نے ان (گھوڑوں) کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا (جیسا کہ الدر میں حسن سند سے مرفوع روایت ہے، یعنی انہیں ذبح کر ڈالا۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ سے غفلت کا سبب ہو جائے، اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔ ان کا ایک قصہ تو یہ ہوا) اور (دوسرا قصہ یہ ہے کہ) ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو (ایک اور طرح سے بھی) امتحان میں ڈالا جیسا کہ شیخین کی حدیث میں ہے کہ ایک بار سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے سرداروں پر جہاد میں ان کی کسی کوتاہی پر خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آج رات اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا کہ ان سے ستر مجاہد پیدا ہوں گے۔ فرشتہ نے دل میں ڈالا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے، مگر آپ کو کچھ خیال نہ رہا، چنانچہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا جس کے صرف ایک طرف کا دھڑ تھا) اور (اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ) ہم نے ان کے تخت پر ایک (ادھورا) دھڑ ڈالا (یعنی جنم دلانے والی دایہ نے آپ کے سامنے تخت پر لا رکھا کہ یہ پیدا ہوا ہے جیسا کہ الروح میں ہے) پھر وہ (اللہ کی طرف) متوجہ ہوئے (اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر توبہ کی اور ایسے ہلکے امر سے توبہ کرنا اور چونکنا دین میں کامل طور پر ثابت وقائم رہنے کی دلیل ہے، اس کو امتحان میں پورا اترنا کہیں گے۔ اور اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھ سے جہاد کے سلسلہ میں جو یہ دو غلطیاں ہوئی ہیں ایک سواریوں کے جمع کرنے میں اور دوسری سوار مہیا کرنے میں تو گذشتہ غلطیوں سے توبہ کر کے آئندہ کے لئے ایسی دعا کرنی چاہئے کہ اس سامان کی ضرورت ہی نہ پڑے جو معمول اور عادت کے مطابق مہیا کیا جاتا ہے جس میں پھر اس غلطی کا اندیشہ ہو، اس لئے اللہ سے) دعا مانگی کہ اے میرے رب! میرا (پچھلا) قصور معاف فرما دے اور (آئندہ کے لئے) مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو (چاہے غیب سے اپنی طرف سے سامان عطا فرما دیجئے چاہے اس زمانہ کے سلطانوں اور بادشاہوں کو ویسے ہی دبا دیجئے کہ وہ مقابلہ نہ کر سکیں، اور (آپ بڑے دینے والے ہیں، آپ کے لئے اس دعا کا قبول کر لینا کچھ دشوار نہیں) تو (ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ان کی خطا بھی معاف فرما دی اور) ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ (جانا) چاہتے نرمی سے چلتی (کہ اس کی وجہ سے گھوڑوں سے بے نیاز ہو گئے) اور جنوں کو بھی ان کے تابع کر دیا یعنی عمارتیں بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لئے غوطے لگانے والوں کو بھی اور دوسرے جنوں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (غالباً جو سونپی گئی خدمتیں انجام دینے سے بچتے ہوں یا ان میں کوتاہی کرتے ہوں انہیں قید کی سزا ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے۔ اس طرح ان جنوں کی وجہ سے آدمیوں سے جن میں سوار بھی آ گئے بے نیازی ہو گئی اور

سب سلطانوں کو ان سے پست اور مغلوب کر دیا اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے تو چاہے (کسی کو) دو یا نہ دو، تم پر کوئی پکڑ نہیں (یعنی جتنا سامان ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں خزانچی اور نگرانی کرنے والا نہیں بنایا جاتا جس طرح دوسرے بادشاہ اپنے ملکوں کے خزانوں کے مالک نہیں ہوتے محض انتظام کرنے والے ہوتے ہیں، بلکہ تمہیں مالک ہی بنادیا ہے مالک کے طور پر استعمال کرنے کا اختیار دیدیا ہے تو اس سے واجب حقوق کو ادا نہ کرنے میں اختیار لازم نہیں آتا) اور (اس سامان کے علاوہ جو انہیں دنیا میں عطا ہوا تھا) ان کے لئے ہمارے پاس قرب کا درجہ اور (اعلیٰ درجہ کا) نیک انجام ہے (جس کا ثمرہ اور نتیجہ پوری طرح آخرت میں ظاہر ہوگا)

فائدہ: یہ نماز جو رہ گئی تھی اگر نفل تھی تب تو کوئی اشکال نہیں مگر انبیاء کی شان اعظم ہوتی ہے، اس لئے انھوں نے اس کی بھی تلافی کی اور اگر فرض تھی تو بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا، اور یہ پنڈلیوں اور گردنوں کا کاٹ ڈالنا مال کا تلف کرنا نہیں تھا، بلکہ قربانی کے طور پر تھا اور پنڈلیوں کے کاٹنے کو شاید خون اور روح کے نکلنے سے آسانی ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہو، جیسا کہ الروح میں ہے۔ مگر ہماری شریعت میں پنڈلیوں کے کاٹنے کی اجازت نہیں جیسا کہ الزیلعی نے طبرانی سے روایت کیا۔

اور ہوا کو تابع کرنے سے متعلق سورۂ انبیاء آیت ۸۱ ﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً ﴾ میں ملاحظہ کے قابل کچھ ضروری مضمون گذر چکا ہے۔ اور جن اگرچہ لطیف، ہمیں نظر نہ آنے والے اور ہماری پکڑ میں نہ آنے والے ہوتے ہیں تو ان کی قید انہی کے مناسب ہوگی، جیسا کہ اب بھی عملیات کے حوالہ سے سنا جاتا ہے۔

اور ''ان شاء اللہ تعالیٰ'' زبان سے نہ کہنا بھی گناہ نہیں تھا، دل میں ہونا کافی ہے لیکن انتہائی قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے اس پر بھی متوجہ کیا گیا۔ اور اگر سلیمان علیہ السلام کا قصہ صرف داؤد علیہ السلام کے قصہ کا باقی حصہ ہے جیسا کہ اس پر ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ﴾ دلالت کرتا ہے تب تو ان کے لئے مستقل طور پر صبر کے اثبات کی ضرورت نہیں۔ اور اگر قصہ مستقل طور پر مقصود ہے اور اس کو بھی ﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ کی تائید کے لئے یاد دلایا ہے تو اس میں صبر کے اثبات کی ضرورت ہے۔ تو جہاد کے قصہ میں صبر یہ ہوا کہ اتنے کثیر مال کی کچھ پروا نہ کی، یہ دین میں ثابت رہنے کی دلیل ہے کہ صبر کی حقیقت یہی ہے، اور دھڑ کے قصہ میں توبہ کرنا بھی اس کے باوجود کہ یہ معصیت یعنی نافرمانی نہیں تھی، دین میں ثابت رہنے کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ ﴾

ترجمہ: اور آپ ہمارے بندہ ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا

ہے۔اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔اور ہم نے اُن کو اُن کا کنبہ عطا فرمایا اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مارلو اور قسم نہ توڑو۔بیشک ہم نے اُن کو صابر پایا۔اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے۔

تیسرا قصہ: ایوب علیہ السلام کا:

اور آپ ہمارے بندہ ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت رنج اور تکلیف میں ڈال دیا ہے (یہ رنج اور تکلیف بعض مفسروں کے قول کے مطابق وہ ہے جو احمد نے کتاب الزھد میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار شیطان طبیب کی شکل میں ایوب علیہ السلام کی بیوی کو کہیں راستہ میں ملا، انھوں نے اس کو طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اس نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کرسکتا ہوں کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو بس یہ کہہ دینا کہ انہیں تو نے شفا دی، میں اور کچھ بدلہ یا نذرانہ نہیں چاہتا۔انھوں نے ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: بھلی مانس! شفا تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے وہ یقیناً شیطان تھا۔میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھے سو قمچیاں ماروں گا، جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے۔اس طرح آپ کو سخت رنج ہوا کہ میری بیماری کی وجہ سے شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھ گیا کہ خاص میری بیوی سے ایسے الفاظ کہلانا چاہتا ہے جو ظاہر میں شرک کا سبب ہیں، چاہے تاویل کی وجہ سے شرک نہ ہو، اگرچہ ایوب علیہ السلام بیماری کے دور ہونے کے لئے پہلے بھی دعا کرتے تھے جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۳ میں ہے: ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ مگر اس واقعہ کی وجہ سے اور زیادہ گڑگڑا کر دعا کی اور گڑگڑانے ہی کی وجہ نصب اور عذاب دو لفظ جمع کئے گئے، لہٰذا ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور حکم دیا کہ) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو (چنانچہ انھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں ایک چشمہ پھوٹ نکلا جیسا کہ احمد نے الزہد میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔جیسا کہ الدر میں ہے۔چنانچہ ان سے ہم نے کہا کہ) یہ (تمہارے لئے) نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا (یعنی اس میں نہاؤ اور پیو بھی، چنانچہ وہ اس میں نہائے اور اس میں سے پیا بھی اور بالکل اچھے ہو گئے) اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا فرمایا۔اور ان کے ساتھ (گنتی میں) ان کے برابر اور بھی (دیئے) اپنی خاص رحمت کے سبب سے اور عقل والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے (یعنی عقل والے یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو کیسی جزا دیتے ہیں۔اور اب ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا، مگر چونکہ ان کی بیوی نے ان کی خدمت بہت کی تھی اور انھوں نے کوئی معصیت و نافرمانی بھی نہیں کی تھی، اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لئے نرمی فرمائی) اور (ارشاد فرمایا کہ اے ایوب!) تم اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو (جس میں سو تنکے ہوں) اور (اپنی بیوی کو) اس سے مارلو (اپنی) قسم نہ توڑو (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔آگے ایوب علیہ السلام کی تعریف ہے کہ) بے شک ہم نے انہیں (بڑا) صبر کرنے

والا پایا، اچھے بندے تھے کہ (اللہ کی طرف) بہت متوجہ ہوتے تھے)

فائدہ: اس طرح سے قسم کا پورا ہو جانا ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا، اگر اب کوئی ایسی قسم کھائے تو قسم کے الفاظ سے جو معنی ظاہر ہوں ان کے مطابق عمل کئے بغیر قسم پوری نہیں ہوگی، البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو، وہاں قسم توڑ دینا جائز ہوگا اور جہاں قسم توڑنا جائز نہ ہو، وہاں قسم کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ اور ﴿مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ میں بارد یعنی ٹھنڈے کی قید صراحت کے ساتھ شاید اس لئے ہو کہ موسم کے تقاضہ کی وجہ سے یا مزاج کی وجہ سے فرحت وخوشی ہوگی۔ اور ﴿اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ﴾ سے متعلق کچھ ضروری مضمون سورۂ انبیاء آیت ۸۴ میں گذر گیا ہے اور اس قسم کے بارے میں ایوب علیہ السلام کا قول اوپر والی روایت میں للہ علی آیا ہے۔ اس لئے ﴿لَا تَحْنَثْ﴾ فرمایا گیا۔ اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ اس میں کلی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں حیلہ سے کسی شرعی حکمت اور شرعی غرض کا باطل کرنا مقصود ہو، وہ حرام ہے اور جس میں یہ نہ ہو بلکہ کسی شرعی طور پر مطلوب امر کا حاصل کرنا مقصود ہو، وہ جائز ہے۔ اور اس کلی قاعدہ پر جزئی مسئلوں کی مطابقت کے لئے تبحر وتفقہ یعنی بہت زیادہ وسیع علم اور بہت زیادہ گہری سمجھ کی ضرورت ہے، اس قصہ سے ﴿اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کی تائید ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا﴾ کی تصریح سے ظاہر ہے۔

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝﴾

ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے اُن کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یاد آخرت کی ہے اور وہ ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ اور اسماعیل اور الیسع اور ذو الکفل کو بھی یاد کیجئے۔ اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں قصہ: ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور ذو الکفل کا مختصر انداز میں:

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کیجئے جو ہاتھوں (سے کام کرنے) والے اور آنکھوں (سے دیکھنے) والے تھے (یعنی ان میں عملی قوت بھی تھی اور علمی قوت بھی۔ اور) ہم نے انہیں ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ آخرت کی یاد ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ نبیوں میں یہ صفت سب سے کامل اور پوری ہوتی ہے) اور شاید یہ فقرہ اس لئے بڑھا دیا ہو کہ غافل رہنے والے غور وفکر اور سوچ سمجھ سے کام لیں کہ جب اس فکر سے انبیاء علیہم السلام

خالی نہیں تھے تو ہم کس گنتی میں ہیں) اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں چنے ہوئے اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں (یعنی چنے ہوئے لوگوں میں سے بھی سب سے بڑھ کر ہیں، چنانچہ ظاہر ہے کہ انبیاء دوسرے ولیوں اور صالح و نیک لوگوں سے افضل ہوتے ہیں) اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو بھی یاد کیجئے۔ اور یہ سب بھی سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

فائدہ: ان حضرات کے قصہ سے ﴿اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کی تائید ان کے "سب سے اچھے" ہونے سے ہوسکتی ہے، کیونکہ صبر اخیار یعنی "سب سے اچھے" ہونے کی صفت کے موصوف ہونے پر موقوف ہے اور حضرت ذوالکفل کا قصہ سورۂ انبیاء آیت ۸۵ و ۸۶ میں گذر چکا ہے اور الیسع علیہ السلام کو پہلے الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا، پھر انہیں نبوت عطا ہوگئی، جیسا کہ الروح میں ابن جریر سے روایت ہے۔

﴿هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۹ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝۵۰ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا
يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝۵۲ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
الْحِسَابِ ۝۵۳ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝۵۴ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ
فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۸ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ
لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۰
قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ
مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝۶۲ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝۶۳ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۶۴﴾ ع ۴

ترجمہ: ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیز گاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے اُن کے واسطے کھلے ہونگے، وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوا دیں گے۔ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہونگی۔ یہ وہ ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے۔ بیشک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم ہی نہیں، یہ بات تو ہو چکی۔ اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ، اس میں وہ داخل ہونگے سو بہت ہی بری جگہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اُس کو چکھیں اور بھی اسی قسم کی طرح طرح کی چیزیں ہیں۔ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں ان پر خدا کی مار۔ یہ بھی دوزخ ہی میں آرہے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار۔ تم ہی تو یہ ہمارے آگے لائے۔ سو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو شخص اس کو ہمارے آگے لایا ہو اُس کو دوزخ میں دونا عذاب دیجیو۔ اور وہ لوگ کہیں

گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے اُن کی ہنسی کر رکھی تھی یا اُن سے نگاہیں چکرا رہی ہیں۔ یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ ﴾ سے ﴿ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ تک توحید، مجازات اور رسالت کے متعلق مجمل مضمون تھا، اب کسی قدر مفصل ہے۔

مجازات کی تفصیل:

ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا (نبیوں کے قصے مراد ہیں کہ جھٹلانے والوں کے لئے اس میں نبوت کے مسئلہ کا اثبات ہے اور تصدیق کرنے والوں کے لئے اس میں اچھے اخلاق اور فضیلتوں والے اعمال کی تعلیم ہے) اور (جزا و سزا سے متعلق دوسرا مضمون اب شروع ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ) پرہیز گاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے، یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے (ظاہر مراد یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ﴾ الخ) وہ ان باغوں میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگاویں گے اور ان کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی، برابر کی عمر کی (حوریں مراد ہیں۔ اے مسلمانو!) یہ (جس کا اوپر ذکر ہوا) وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے حساب کا دن آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے، بے شک یہ ہمارا (عطا کیا ہوا) رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے)۔

یہ بات تو ہو چکی (جو اچھی قسمت اور اچھے نصیب والوں سے متعلق تھی) اور آگے بدقسمت اور برے نصیب والوں سے متعلق مضمون ہے اور وہ یہ ہے کہ) نافرمان باغیوں کے لئے (یعنی کفر کے معاملہ میں جن کا اتباع کیا جاتا تھا ان کے لئے) برا ٹھکانا ہے یعنی جہنم، وہ اس میں داخل ہوں گے تو بہت ہی بری جگہ ہے، یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (موجود) ہے۔ تو یہ لوگ اس کو چکھیں اور (اس کے علاوہ) اسی طرح کی اور بھی قسم قسم کی (ناگوار اور تکلیف کا سبب بننے والی) چیزیں (موجود) ہیں (انہیں بھی چکھیں اور جو اتباع کرنے والے تھے، ان کے لئے بھی یہی چیزیں ہیں، اگرچہ پہلے اور بعد میں اور زیادہ شدت اور کم شدت کا فرق ہو، باقی خود عذاب میں سب شریک ہیں۔ چنانچہ جن کا اتباع کیا جاتا تھا جب وہ پہلے داخل ہو چکیں گے پھر اتباع کرنے والے آئیں گے تو جن کا اتباع کیا جاتا تھا وہ آپس میں کہیں گے کہ لو) یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے جہنم میں) گھس رہے ہیں۔ ان پر اللہ کی مار! یہ بھی جہنم ہی میں آ رہے ہیں (یعنی اگر کوئی ایسا آتا جو عذاب کا مستحق نہ ہوتا تو اس کے آنے کی خوشی بھی ہوتی اور اس کی آؤ بھگت بھی کرتے، یہ تو خود بھی جہنمی ہیں، ان سے کیا امید؟ اور ان کے آنے کی کیا خوشی؟ اور کیا آؤ بھگت؟) وہ (اتباع کرنے والے

ان لوگوں سے جن کا وہ اتباع کرتے تھے) کہیں گے کہ بلکہ تمہارے ہی اوپر اللہ کی مار! (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے سامنے لائے (کیونکہ تم ہی نے ہمیں بہکایا تھا) تو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے (جو تمہاری بدولت ہمارے آگے آگے آیا۔ اس کے بعد جب ان میں ہر شخص دوسرے پر الزام رکھنے لگا تو اس وقت اتباع کرنے والے ان سے بات کرنا چھوڑ کر حق تعالیٰ سے) دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو شخص (مصیبت) کو ہمارے سامنے لایا ہو، اس کو جہنم میں دوگنا عذاب دیجئے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾)

اور وہ لوگ (یعنی جن کا اتباع کیا جاتا تھا یا سارے جہنمی آپس میں) کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (جہنم میں) نہیں دیکھتے جن کی ہم برے لوگوں میں گنتی کیا کرتے تھے؟ (یعنی مسلمانوں کو غلط راستہ پر اور حقیر و ذلیل سمجھا کرتے تھے) وہ کیوں نظر نہیں آتے؟ کیا ہم نے ان کا (یوں ہی) مذاق بنا رکھا تھا (اور وہ اس قابل نہیں تھے؟ اور جہنم میں نہیں آئے؟) یا (جہنم میں موجود ہیں، مگر) وہ آنکھوں سے اوجھل ہیں (کہ انہیں آنکھیں دیکھ نہیں پاتیں، مطلب یہ کہ عذاب کے ساتھ یہ ایک اور حسرت ہوگی، اور) یہ بات یعنی جہنم والوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے (کہ ضرور ہوگا)

فائدہ: ﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ﴾ میں ساتھ ہونے سے مراد وقت اور زمانہ میں ساتھ ہونا نہیں بلکہ عذاب میں شریک ہونا مراد ہے۔ اور ﴿مُّفَتَّحَةً﴾ کے بیان میں "ظاہر" میں اس لئے کہا کہ بعض نے ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ میں واؤ کو زاید کہا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ جنت کے دروازے جنت والوں کے پہنچنے کے بعد کھلیں گے اس صورت میں ﴿مُّفَتَّحَةً﴾ میں صرف کھلنے کا ذکر ہوگا پہلے کھلے ہونے کی قید نہ ہوگی، لیکن واؤ کا زاید ہونا ظاہر کے خلاف ہے، اور برابر کی عمر کی عورتوں کا بعض طبیعتوں کو محبوب و پسند نہ ہونا بلکہ اپنے سے کم عمر والیوں کا محبوب ہونا، دنیا میں اس لئے ہوتا ہے کہ کم عمر والی میں حسن و جمال اور ناز و انداز زیادہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہاں یہ صفتیں حوروں میں بھرپور انداز میں ہوں گی اس لئے ہم عمری اور برابر کی عمر محبوب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ بلکہ اور زیادہ مناسبت اور انسیت کا ذریعہ ہوگی اور یہ ہم عمری و برابر کی عمر زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ شکل و عادت اور ظاہری حالت برابر کی عمروں جیسی ہوں گی۔ واللہ اعلم

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٦٥ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٦٦ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝٦٧ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝٦٨ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝٦٩ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧٠﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت کے نہیں وہ پروردگار

ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں، زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم بے پرواہ ور ہے ہو، مجھ کو عالم بالا کی کچھ خبر نہ تھی جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے۔ میرے پاس وحی محض اس سبب سے آتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

ربط: تینوں مضمونوں میں جن کا ابھی اوپر کی سرخی میں ذکر ہوا ہے، جزا و سزا کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ آگے نبوت اور توحید کا مضمون ہے اور چونکہ رسالت سے توحید کی تحقیق خوب ہوتی ہے اس لئے پوری سورت کی طرح یہاں بھی کلام، رسالت سے متعلق زیادہ ہے۔

توحید اور رسالت کی تحقیق:

آپ کہہ دیجئے کہ (تم جو رسالت اور توحید کے مسئلہ میں جھٹلاتے اور انکار کرتے ہو، تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے، میرا کچھ حرج و نقصان نہیں کیونکہ) میں تو (تمہیں صرف اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (رسول) ہوں (چنانچہ ابھی اوپر جزا و سزا کے بیان میں عذاب سے ڈرایا بھی جا چکا ہے) اور (جس طرح میرا رسول اور ڈرانے والا ہونا واقعی ہے، اسی طرح توحید بھی امر حق ہے یعنی) اللہ کے سوا جو اکیلا اور غالب ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست (اور گناہوں کا) بڑا بخشنے والا ہے (اور چونکہ توحید کو تو کسی درجہ میں وہ لوگ مانتے بھی تھے اور رسالت کے بالکل ہی منکر تھے، اس لئے رسالت کی مزید تحقیق کے لئے ارشاد ہے کہ اے رسول! (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا مجھے توحید اور شریعت کے احکام و امور کی تعلیم کے لئے رسول بنانا جو گذشتہ کلام سے ظاہر ہے) ایک عظیم الشان مضمون ہے جس (کا تمہیں بڑا اہتمام کرنا چاہئے مگر افسوس کہ اس) سے تم (بالکل ہی) بے پرواہ ور ہے ہو (اور اس کے ﴿نَبَؤٌا عَظِيمٌ﴾ یعنی عظیم الشان مضمون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی خوش نصیبی کا حاصل کرنا اس کے اعتقاد کے بغیر ناممکن ہے۔ آگے رسالت کے اثبات کی ایک دلیل ہے۔ وہ یہ کہ) مجھے اوپر والے عالم (کی بحث و گفتگو) کی (کسی ذریعہ سے) کچھ بھی خبر نہ تھی جب کہ وہ (آدم کے پیدا کرنے کے بارے میں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے فائدہ اٹھانے والی) بحث کر رہے تھے (کیونکہ خبر و اطلاع کا ذریعہ یا تو مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنا ہے اور وہ موجود نہیں ہے، یا نقل ہے تو اہل کتاب سے میرا ملنا جلنا نہیں یا غیب سے خبروں کا آنا ہے تو یہ متعین ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے پاس (جو) وحی آتی ہے جس کے ذریعہ اوپر والے عالم کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں تو وہ) صرف اس لئے آتی ہے کہ میں (اللہ کی جانب سے) صاف صاف ڈرانے والا (مقرر کر کے بھیجا گیا) ہوں (یعنی چونکہ مجھے نبوت و رسالت ملی ہے اس لئے وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا واجب ہے کہ تم میری نبوت و رسالت کی تصدیق کرو)

فائدہ: اللہ تعالیٰ سے فرشتوں کی گفتگو کو مجاز کے طور پر اختصام یعنی جھگڑا یا بحث کہا ہے کہ ظاہر میں بحث جیسی تھی جیسا کہ الخازن میں ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ۚ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ۙ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ۚ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان کو بنانے والا ہوں۔ سو میں جب اُس کو پورا بنا چکوں اور اُس میں اپنی جان ڈال دوں تو تم سب اُس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔ سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اُس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون چیز مانع ہوئی۔ کیا تو غرور میں آ گیا یا یہ کہ تو بڑے درجہ والوں میں ہے۔ کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا۔ اور بیشک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک۔ کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ ارشاد ہوا تو تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم! کہ میں ان سب کو گمراہ کرونگا بجز آپ کے اُن بندوں کے جو اُن میں منتخب کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے اُن سب سے دوزخ کو بھر دونگا۔

ربط: اوپر ملأ اعلیٰ یا عالم بالا یا اوپر کے یعنی فرشتوں کے عالم کی گفتگو یا بحث کے وقت کے حالات کے وحی کے ذریعہ علم حاصل ہونے سے رسالت پر استدلال تھا۔ اب آدم علیہ السلام کے قصہ میں ان حالات کا بیان ہے اور یہ قصہ گذشتہ قصوں کے ساتھ رسالت کی تائید میں تو مشترک ہے اور صبر کی تعلیم کے اعتبار سے مشترک نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کا قصد نہیں ہے اور اگرچہ اس قصہ میں مذکورہ بحث و گفتگو کا بیان نہیں ہے لیکن بحث و گفتگو کے زمانہ کے واقعات کا بیان ہے، لہٰذا ﴿ اِذْ قَالَ ﴾ ﴿ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴾ سے بدل ہو جائے گا اور وہ ایک محذوف سے متعلق ہو جائے گا، جس کا یہ موقع تقاضہ

کررہا ہے یعنی ما کان لی علم بحال الملأ الأعلی وقت الاختصام اور قصہ اس حال کی تفصیل ہوگا۔ لہٰذا یہ شبہ نہیں رہا کہ یہاں بحث وگفتگو کا تو بیان نہیں کیا اور سورۂ بقرہ کا حوالہ دینا اس لئے ظاہر کے خلاف ہے کہ وہ سورت مدنی ہے اور نازل ہونے میں سورت صٓ کے بعد ہے، خوب سمجھ لیا جائے۔

دسواں قصہ: آدم علیہ السلام کا:

(وہ بحث وگفتگو جس کا ذکر ہوا اس وقت ہوئی تھی) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں ایک انسان کو (اس کے پتلے کو) گارے سے بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو (یعنی اس کے جسمانی اعضا کو) پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا تو (جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنالیا تو) سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے گھمنڈ کیا، اور کافروں میں سے ہوگیا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا (یعنی جس کے ایجاد کی طرف خاص طور سے اللہ نے توجہ فرمائی یہ تو اس کا اپنے آپ میں شرف ہے پھر اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِذْ اَمَرْتُكَ﴾) سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تجھے گھمنڈ ہوگیا (جب کہ تو واقع میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں تو ایسے) بڑے درجہ والوں میں ہے (جس کو سجدہ کا حکم ہی کرنا مناسب نہیں) کہنے لگا کہ (دوسری بات واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا ہے (لہٰذا مجھے حکم دینا کہ اس کے سامنے سجدہ کروں، حکمت کے خلاف ہے) ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) یہاں (آسمان) سے نکل کیونکہ بے شک تو (اس حرکت کی وجہ سے) مردود ہوگیا اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی (اور اس کے بعد رحم کے لائق ہونے کا احتمال ہی نہیں) کہنے لگا (کہ اگر مجھے آدم کی وجہ سے مردود کیا ہے) تو پھر مجھے (مرنے سے) قیامت کے دن تک مہلت دیجئے (تاکہ ان سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں) ارشاد ہوا (جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھے اس دن تک کی مہلت ہے جس کا وقت مجھے معلوم ہے، کہنے لگا (جب مجھے مہلت مل گئی) تو (مجھے بھی تیری (ہی) عزت کی قسم (ہے) کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے آپ کے ان بندوں کے جنہیں آپ نے خالص کرلیا ہے (یعنی آپ نے انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے) ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو (ہمیشہ) سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں، ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

فائدہ: سورۂ اعراف اور سورۂ حجر میں اس قصہ کے الفاظ ان آیتوں کے الفاظ سے ہی ملتے جلتے ہیں، ان سے متعلق ضروری مضمون ان دو مقاموں میں ملاحظہ فرمالئے جائیں اور آدم کی پیدائش کا مادہ کہیں ﴿طِيْنٍ﴾ آیا ہے۔ کہیں ﴿تُرَابٌ﴾ اور کہیں ﴿صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ اور ان سب میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کہیں قریبی مادہ بتا دیا اور کہیں

دور کا مادہ۔ اور ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ کا اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ سے بدل ہونا تمہید میں لکھا گیا ہے اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کا قول تھا تو یہ بھی آپ کا قول ہونا چاہئے تو اس صورت میں ربک کی بجائے ربی ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ یہ آپ کا قول حق تعالیٰ کی عبارت میں ہے۔

﴿قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝﴾ ع ۱۴

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ قرآن تو دنیا جہان والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے اور تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہو جاوے گا۔

ربط: اوپر سورت کی تمہید میں رسالت کا سورت کا حاصل ہونا بیان ہو چکا ہے۔ جس پر مناظرہ کے انداز میں خاتمہ فرمایا جا رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے سلسلہ میں نصیحت سے بھرے ہوئے کلام پر خاتمہ:

آپ (عذر ختم کرنے، حجت پوری کرنے اور آخری وقطعی قول کے طور پر) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن (کی تبلیغ) پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ ہی میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہو (کہ بناوٹ کے طور پر نبوت کا دعوی کیا ہو، اور جو چیز قرآن نہ ہو اس کو قرآن کہہ دیا ہو۔ یعنی اگر جھوٹ بولتا تو اس کا مقصد یا تو کوئی عقلی نفع ہوتا، جس کو اجر کہا ہے یا کوئی ایسی طبعی عادت ہوتی جس کو تکلف یعنی بناوٹ کہا ہے۔ تو یہ دونوں ہی امر نہیں ہیں۔ بلکہ واقع میں) یہ قرآن تو (اللہ کا کلام اور) دنیا جہان والوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے (جس کی تبلیغ کے لئے مجھے نبوت ملی ہے اور جس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے) اگر حق کے واضح ہونے کے بعد بھی نہیں مانتے تو) تھوڑے دنوں بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا (یعنی مرتے ہی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا اور انکار باطل تھا، مگر اس وقت معلوم ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا)

فائدہ: اس سورت میں قرآن کی تین جگہ تعریف ہے اور تینوں ہی جگہ اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی جگہ ﴿ذِي الذِّكْرِ﴾ درمیان میں ﴿لِيَتَذَكَّرَ﴾ اور آخر میں ﴿ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾۔

﴿بحمد للہ! سورۂ صٓ کی تفسیر ۱۵ ربیع الاول بروز پیر سنہ ۱۴۲۵ھ میں پوری ہوئی۔ والحمد للہ والسلام علی رسول اللہ وعلی جمیع أنبیاء اللہ وأولیاء اللہ وأصفیاء اللہ﴾

(۳۹) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: جس طرح گذشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے، اس سورت میں زیادہ تر کے مضامین توحید سے متعلق ہیں اس کا اثبات، اس کا وجوب، اس کی تصدیق کرنے والوں کی تعریف و جزا، اس کی ضد یعنی شرک کا باطل ہونا، شرک سے روکنا، منع کرنا، توحید کو جھٹلانے والوں یعنی مشرکوں کی برائی اور سزا اور دونوں فریقوں کا موجودہ اور مستقبل کے انجام کا فرق وغیرہ کا ذکر توحید سے متعلق مضمونوں میں سے خاص اہتمام کے ساتھ ہوا ہے، کہیں مختصر انداز میں اور کہیں تفصیل کے ساتھ، کہیں پاس ہی پاس کئی کئی مضمون ہیں اور باقی مضمون اس کے تابع ہیں، جیسے قرآن کا حق ہونا جس سے سورت شروع ہوئی ہے۔ اس طرح گذشتہ سورت کے ختم سے بھی ربط ہو گیا کہ قرآن توحید کا حکم دینے والا ہے، اسی لئے اس کے بعد ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ ﴾ کو کلمۂ فا سے شروع فرمایا۔ اور بعض دوسری آیتوں میں بھی قرآن کی برکتوں اور نفعوں کا اسی مناسبت سے ذکر ہے اور جیسے تسلی کا مضمون جو ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ ﴾ اور ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ الخ میں بیان ہوا ہے کہ توحید کا جھٹلانا بھی آپ کے لئے رنج و ملال کا سبب ہوتا تھا اور جیسے گناہوں کی مغفرت کا وعدہ کہ توحید کی برکتوں میں سے ہے وغیرہ جو غور و فکر کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ
زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ
اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ
يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥﴾

ترجمہ: یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے۔یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں کہ ہم تو اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں، تو ان کے باہمی اختلافات کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور کافر ہو۔اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا، وہ پاک ہے۔وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے۔اُس نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا۔یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے۔اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے پیدا کیا پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چار پایوں کے پیدا کئے۔وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں۔یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کی سلطنت ہے، اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو؟

تمہید: توحید کا حق ہونا اور شریک قرار دینے کا باطل ہونا اور قرآن کا برحق ہونا:

یہ غالب حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے (کہ اس کے غالب ہونے کا تقاضا تھا کہ جو اس کو جھٹلائے اسے سزا دی جائے، مگر چونکہ وہ حکیم بھی ہے اور مہلت میں مصلحت تھی، اس لئے سزا میں مہلت دے رکھی ہے) ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف ٹھیک طور سے نازل کیا ہے، تو آپ (قرآن کی تعلیم کے مطابق) خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے (جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہیں اور جب آپ پر بھی یہ واجب ہے تو دوسروں پر کیوں نہیں واجب ہوگا؟ اے لوگو!) یاد رکھو کہ جو عبادت (شرک سے) خالص ہو، وہ اللہ ہی کے لائق ہے (یعنی توحید سب پر واجب ہے) اور جن لوگوں نے (خالص عبادت کو چھوڑ کر) اللہ کے سوا دوسرے شریک تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں درجہ میں اللہ کے قریب کر دیں (یعنی ہماری حاجتوں وضرورتوں کو یا عبادتوں کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں جیسا کہ دنیا میں سلطانوں کے دربار میں وزیر اس کام کے لئے ہوتے ہیں) تو ان کے (اور ان کے مقابلہ میں ایمان والوں کے) آپسی اختلافات کا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ (عملی) فیصلہ کر دے گا (کہ توحید والوں کو جنت میں اور شرک والوں کو جہنم میں داخل کر دے گا، یعنی ان لوگوں کے نہ ماننے پر آپ غم نہ کریں، ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، اور اس کا بھی تعجب نہ کریں کہ دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود یہ سیدھے راستہ پر نہیں آتے۔کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سیدھے راستہ پر نہیں لاتا جو (بات کرنے میں) جھوٹا اور (اعتقاد میں) کافر ہو (یعنی زبان سے کفر والی باتوں اور دل سے کفر والے عقیدوں پر اصرار کرتا ہو، اور اس سے باز نہ آنے کا اور حق کو طلب کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتا ہو۔تو

اس کے اس عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا اور چونکہ مشرکوں میں بعض لوگ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے، جیسے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ آگے ان کا رد ہے کہ) اگر (فرض کرو) اللہ تعالیٰ (کسی کو اولاد بناتا تو اس وجہ سے کہ اللہ کے ارادہ کے بغیر کوئی فعل واقع نہیں ہوتا پہلے وہ خود اولاد بنانے کا ارادہ کرتا، اور اگر) کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو (چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب مخلوق ہیں، اس لئے) ضرور اپنی مخلوق (ہی) میں سے جس کو چاہتا (اس امر کے لئے) منتخب فرماتا (اور لازم باطل ہے، کیونکہ) وہ (عیبوں سے) پاک ہے (اور کسی دوسری جنس سے اولاد ہونا عیب ہے، لہٰذا مخلوق کا اولاد کے طور پر منتخب ہونا محال ہے لہٰذا اولاد اختیار کرنے کا ارادہ بھی محال اور جس پر کوئی چیز موقوف ہو اگر وہ محال ہو تو اس سے خود موقوف کا محال ہونا لازم آتا ہے۔ لہٰذا ارادہ کے محال ہونے سے اختیار کرنے کے فعل کا محال ہونا بھی لازم ہوا۔ لہٰذا شرک کی یہ صورت بھی باطل ہوئی چنانچہ ثابت ہو گیا کہ) وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے (کہ اس وقت اس کا کوئی شریک نہیں اور) زبردست ہے (اس کا کوئی شریک ہونا بالقوہ بھی ممکن نہیں، کیونکہ قوت وصلاحیت جب ہوتی جب کوئی ویسا ہی زبردست ہوتا اور ایسا ہے نہیں۔

آگے توحید کی دلیل ارشاد فرماتے ہیں کہ) اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہ رات (کے اندھیرے) کو دن (کی روشنی کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے (جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور رات آموجود ہوتی ہے) اور دن (کی روشنی) کو رات (کے اندھیرے کے محل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے (جس سے رات غائب اور دن موجود ہو جاتا ہے) اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ (ان میں) ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا، یاد رکھو کہ (ان دلیلوں کے بعد توحید کے انکار سے عذاب کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قدرت بھی رکھتا ہے، کیونکہ) وہ زبردست ہے (لیکن اگر انکار کے بعد بھی کوئی تسلیم کر لے تو گذشتہ انکار پر عذاب نہ دے گا، کیونکہ وہ) بڑا بخشنے والا (بھی) ہے (اس سے توحید کی ترغیب اور شرک سے ترہیب یعنی ڈرانا ہو گیا۔

اور اوپر آفاقی دلیلوں سے استدلال تھا۔ آگے خود انسان کی ذات کی دلیلوں سے استدلال ہے، اگرچہ بعض دلیلیں آفاق سے متعلق بھی تابع کے طور پر آ گئی ہیں، یعنی) اس نے تم لوگوں کو ایک ہی ذات (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا (کہ پہلے وہ ایک ذات پیدا ہوئی) پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا (اس سے حوا مراد ہیں، آگے پھر ان سے تمام آدمی پھیلا دیئے) اور (تمہیں پیدا کرنے کے بعد) تمہارے (باقی رہنے کے نفع کے) لئے آٹھ نر و مادہ چوپایوں کے پیدا کئے (جن کا ذکر سورۃ الانعام آیت ۱۴۲ تا ۱۴۴ میں آیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر اس لئے کہ یہ زیادہ کام میں آتے ہیں، یہی وہ جز ہے جو آفاقی دلیلوں میں سے تابع کے طور پر بیان ہو گیا۔ اور تابع کے طور پر اس لئے کہا گیا کہ اصل مقصود ذات کے باقی رہنے کا بیان کرنا ہے اور باقی رہنے کے اسباب میں سے ہے۔

آگے انسانی نسل کی پیدائش کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ) وہ تمہیں ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر (اور دوسری کیفیت کے بعد تیسری کیفیت پر اور اس طرح مختلف کیفیتوں پر کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ یعنی جما ہوا خون اور پھر مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا، اسی طرح آخر تک یعنی مکمل بچہ) بناتا ہے (اور یہ بنانا) تین اندھیروں میں (ہوتا ہے) ایک اندھیرا پیٹ کا، دوسرا رحم کا اور تیسرا اس جھلی کا جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے، اس طرح مختلف کیفیتوں میں پیدا ہونا قدرت کے کمال کی دلیل ہے اور تین اندھیروں میں پیدا کرنا علم کے کمال کی دلیل ہے) یہ ہے اللہ، تمہارا رب (جس کی صفتیں ابھی تم نے سنیں) اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں تو (ان دلیلوں کے بعد) تم کہاں (حق سے) پھرے چلے جا رہے ہو؟ (بلکہ واجب ہے کہ توحید کو قبول کرو اور شرک کو چھوڑ دو)

فائدہ: ایک ہی ذات سے اس کے جوڑے کے پیدا کرنے کا بیان سورۂ نساء آیت ا میں ہو چکا ہے۔

﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ
نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ
قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا
رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ع ۱
قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

ترجمہ: اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا حاجت مند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اُس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ وہ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے اور آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے پکار رہا تھا اُس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے۔ بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت

کی امید کر رہا ہو، آپ کہئے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں آپ کہئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں، اُن کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بیشمار ہی ملے گا۔

ربط: اوپر توحید کے حق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کا مضمون تھا، اب کفر و شرک کا برا اور ناپسندیدہ ہونا اور کفر والوں کی مذمت اور اس پر ملامت وڈرانا دھمکانا اور ایمان کا پسندیدہ ہونا اور ایمان واخلاص والوں کی تعریف اور ان سے مزید رحم ومہربانی کا وعدہ ہے۔

مشرکوں کی مذمت ووعید اور مؤمنوں کی تعریف ووعدہ:

(اے لوگو! تم نے کفر اور شرک کا باطل ہونا سن لیا، اس کے بعد) اگر تم کفر کرو گے (جس میں شرک بھی داخل ہے) تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ) تمہارا (اور تمہاری عبادت کا) ضرورت مند نہیں (کہ تمہارے عبادت اور توحید اختیار نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان پہنچے) اور (یہ بات ضرور ہے کہ) وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا (کیونکہ کفر سے بندوں کو نقصان پہنچتا ہے) اور اگر تم شکر کرو گے (جس کا سب سے بڑا امر ایمان ہے اور دوسرے امر بھی اسی پر موقوف ہیں) تو (اس کو کوئی نفع نہیں، مگر چونکہ تمہارا نفع ہے، اس لئے وہ) اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے، اور (چونکہ ہمارے یہاں قاعدہ مقرر ہے کہ) کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھاتا (اس لئے کفر کر کے یوں بھی نہ سمجھنا کہ ہمارا کفر کسی وجہ سے دوسرے کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائے گا اور ہم بری ہو جائیں گے۔ چاہے اس وجہ سے کہ ہم دوسروں کا اتباع کرنے والے ہیں، چاہے اپنے زمانہ والوں کے یا پہلے والے باپ دادا کے۔ چاہے اس وجہ سے کہ دوسرے اس کو اٹھا لینے کا وعدہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض کافر کہا کرتے تھے ﴿وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ غرض یہ نہ ہوگا، بلکہ تمہارا کفر تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا) پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہوگا، تو وہ تمہیں تمہارے سارے اعمال جتا دے گا (اور سزا دے گا، لہٰذا یہ گمان بھی غلط ہے کہ ان اعمال کی پیشی کا وقت نہیں آئے گا اور) وہ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے (لہٰذا یہ گمان بھی مت کرنا کہ شاید ہمارے کفر کی اس کو خبر نہ ہو۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ بعض لوگوں میں گفتگو ہوئی کہ معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری بات سنتا ہے یا نہیں، کسی نے کچھ جواب دیا کسی نے کچھ جواب دیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ﴾ الخ) اور (مشرک) آدمی (کی حالت یہ ہے کہ اس) کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے (حقیقی) رب کو اس کی طرف متوجہ ہو کر پکارنے لگتا ہے (اور دوسرے تمام معبودوں کو بھول جاتا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے (امن اور عیش وآرام کی) نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس (تکلیف کو دور کرنے) کے لئے پہلے سے (اللہ کو) پکار رہا تھا، اس کو بھول جاتا ہے (اور غافل ہو جاتا ہے) اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے، جس کا اثر

(اپنی گمراہی کے علاوہ) یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے راستہ سے دوسروں کو (بھی) گمراہ کرتا ہے (اور اگر اس مصیبت کو اپنی نظر کے سامنے رکھتا تو اس کا تقاضا یعنی خالص توحید بھی باقی رہتا، یہ شرک کی مذمت ہوئی۔ آگے ملامت اور ڈرانا دھمکانا ہے کہ) آپ (ایسے شخص سے) کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کے ساتھ تھوڑے دنوں اور بہار لوٹ لو (پھر آخرکار) تم جہنم والوں میں سے ہونے والے ہو (آگے توحید والوں کی تعریف اور انہیں خوش خبری ہے، یعنی) بھلا جو شخص (مذکورہ شرک کے حال کے برعکس) رات کے وقتوں میں (جو عام طور سے غفلت کا وقت ہوتا ہے) سجدہ وقیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو (یہ تو اس کا ظاہر ہوا اور باطن یہ ہو کہ) آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید (بھی) کر رہا ہو (کیا ایسا شخص اور مذکورہ مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ فرماں برداری کرنے والا، ہمیشہ عبادت کرنے والا، سجدے کرنے والا، نماز میں کھڑا رہنے والا، ڈرنے والا اور امید رکھنے والا پسندیدہ ہے اور مشرک جو مطلب نکال لینے کے بعد اخلاص کو چھوڑ دیتا ہے ناپسندیدہ، برا اور مذمت کا مستحق ہے اور چونکہ ان عبادتوں کو چھوڑنے کو کافر برا نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اسی فرق کی بنیاد پر پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے کے حکم میں انہیں شک وشبہ ہو سکتا تھا اس لئے آگے اس سے زیادہ واضح انداز میں اور تسلیم کئے ہوئے عنوان سے اس حکم کا اثبات فرماتے ہیں، یعنی اے رسول! ﷺ) آپ (ان سے اس عنوان سے) کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم جاہل (کہیں) برابر ہوتے ہیں؟ (چونکہ جہالت کو ہر شخص برا سمجھتا ہے، اس لئے اس کے جواب میں ان کی طرف سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بے علم جاہل برے وناپسندیدہ ہیں۔ آگے یہ ثابت کرنا رہ جائے گا کہ عمل کرنے والا ہی علم والا ہے اور عمل سے منہ پھیرنے والا جاہل ہے تو یہ امر ذرا غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے باوجود کہ اس بیان سے کفر اور کفر والوں کا مذموم اور ایمان والوں کا محمود یعنی تعریف کے قابل ہونا ثابت ہو گیا، لیکن پھر بھی) وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، جو (صحیح) عقل والے ہیں (اور جب اطاعت کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود، تعریف کے قابل ہونا ثابت ہو گیا تو اطاعت کی ترغیب دینے کے لئے) آپ (میری طرف سے مؤمنوں سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی ہمیشہ اطاعت وفرماں برداری کرتے رہو اور معصیت ونافرمانی سے بچتے رہو کہ یہ سب تقویٰ کی شاخیں ہیں، آگے اس کا ثمرہ ہے کہ) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں، ان کے لئے نیک بدلہ ہے (آخرت میں تو ضرور اور دنیا میں بھی باطنی طور پر یعنی راحت ضرور ہے اور کبھی ظاہری طور پر بھی) اور (اگر وطن میں کوئی نیکی کے کام کرنے میں رکاوٹ بنے تو ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ، کیونکہ) اللہ کی زمین بہت وسیع ہے (اور اگر وطن چھوڑ کر جانے میں کچھ تکلیف پہنچے تو دین پر مستقل طور پر قائم رہو، کیونکہ دین پر قائم رہنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب ہی ملے گا (لہٰذا اس سے اطاعت کی ترغیب ہو گئی)

فائدہ: بے حساب کنایہ ہے کثیر سے کیونکہ اشیا کی انتہا ثابت ہے۔

﴿قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝١١ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝١٢
قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝١٣ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ۝١٤
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝١٥ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ
اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝١٦ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝١٧ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝١٨ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ
مَنْ فِی النَّارِ ۝١٩ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ۝٢٠﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اُسی کے لئے خالص رکھوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اُسی کے لئے خالص رکھتا ہوں، سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اُس کی عبادت کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے۔ یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہ ہے۔ اُن کے لئے اُن کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہونگے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہونگے۔ یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔ اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوش خبری سنانے کے ہیں۔ سو آپ میرے اُن بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، اُن کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں۔ اُن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ وعدہ میں خلاف نہیں کرتا۔

ربط: اوپر کفر اور شرک کا ناپسندیدہ اور سخت وعید کا سبب ہونا اور ایمان اور اخلاص کا پسندیدہ اور مزید وعدہ کا سبب ہونا بیان ہوا تھا۔ اب ایمان واخلاص کا صراحت کے ساتھ حکم دیا جانا جو کہ اس کے پسندیدہ ہونے کا سبب ہے اور کفر وشرک سے ﴿اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ﴾ میں روکنا منع کیا جانا بیان کیا گیا ہے جو اس کے ناپسندیدہ ہونے اور مذکورہ وعدوں

دو عیدوں دونوں کا تفصیل کے ساتھ اور مکمل طور پر سبب ہے۔

ایمان کا حکم اور معصیت و نافرمانی سے روکنا اور ان کے ثمرات: جہنم و جنت:

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے (اللہ کی جانب سے) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھوں (یعنی اس میں شرک کی ذرا بھی ملاوت نہ ہو) اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اس امت کے لوگوں میں) سارے مسلمانوں میں پہلا (اسلام کو حق ماننے والا) میں رہوں (اور ظاہر ہے کہ نبی کا احکام کو قبول کرنے میں پہلا ہونا ضروری ہے اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اگر (بالفرض والمحال) میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں (جس کے ماننے کا (اوپر حکم ہوا ہے) تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا (کہ وہ قیامت کا دن ہے) اندیشہ ہے (مطلب یہ ہے کہ خالص توحید کا واجب ہونا اور اس کو ترک کرنے یعنی چھوڑنے پر عذاب کا مستحق ہونا، ایسا عام ہے کہ معصوم یعنی جو چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہو اور جس میں معصیت یعنی نافرمانی کا احتمال ہے ہی نہیں، وہ بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے تو پھر غیر معصوم تو کس گنتی میں ہے اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جس بات کا مجھے حکم ہوا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے تو اس پر عمل کا پابند ہوں، چنانچہ) میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں (کہ اس میں شرک کی ذرا بھی ملاوٹ نہیں) تو (ویسے تو تمہیں بھی ایسی ہی شرک سے خالی عبادت اختیار کرنی چاہئے، لیکن اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو اور) اللہ کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز (کی عبادت) کو چاہے اس کی عبادت کرو (قیامت کے دن اس کا نقصان اٹھاؤ گے اور) آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ پورے نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے تعلق رکھنے والوں سے قیامت کے دن نقصان میں رہیں (یعنی انہیں نہ اپنی جان سے نفع اور فائدہ ہوگا کہ راحت اور نجات نصیب ہوتی اور نہ تعلق رکھنے والوں سے فائدہ اور نفع ہوا۔ کیونکہ اگر وہ نجات پانے والے ہوئے تو دوری ظاہر ہے اور اگر وہ بھی ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے نجات سے محروم رہے تب بھی جہنم میں جمع ہو جانا نفع اور فائدہ کا سبب نہیں ہوسکتا) یاد رکھو کہ کھلا نقصان یہی ہے (کہ قیامت کے دن جو کہ آخری فیصلہ کا دن ہے نقصان میں واقع ہو۔

آگے اس نقصان کی کیفیت ہے کہ) ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی احاطہ کرنے والے آگ کے شعلے ہوں گے، اور ان کے نیچے سے احاطہ کرنے والے آگ کے شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے (اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے کہ وہ دین حق پر عمل کرنا ہے تو) اے میرے بندو! مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو (اور دین حق پر عمل کرو۔

یہ حال تو کافروں اور مشرکوں کا ہوا) اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (اس سے اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت مراد ہے جس کی بنیاد شیطان کی مطلق اطاعت ہے جو کہ عبادت کی حقیقت ہے) اور (ہمہ تن یعنی ہر لحاظ سے) اللہ

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ خوش خبری سنائے جانے کے مستحق ہیں تو آپ میرے ان بندوں کو (جو شیطان کی اطاعت سے بچنے والے اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں) خوش خبری سنا دیجئے (جن میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے:) جو (اللہ کے) اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر (کہ تمام احکام ایسے ہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد آگے آرہا ہے) چلتے ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت کی، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں (تو ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیجئے) اور جس کی خوش خبری ہے وہ آگے آتا ہے۔ ﴿لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ اور درمیان میں تسلی کے طور پر مذکورہ بالا کافروں اور مشرکوں کے ایمان کا رسول ﷺ کے اختیار سے باہر ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) بھلا جس شخص پر عذاب کی (ہمیشہ کی تقدیر کی) بات محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ (اللہ کے علم میں) جہنم میں ہے (جہنم کے اسباب سے) چھڑا سکتے ہیں؟ یعنی جو لوگ جہنم میں جانے والے ہیں، وہ کوشش کرنے سے بھی گمراہی سے نہیں نکلیں گے، ایسی صورت میں افسوس اور غم کرنا بے کار ہے) لیکن جو لوگ (ایسے ہیں کہ ان کے حق میں عذاب کی بات محقق نہیں ہوئی اور اس وجہ سے وہ آپ سے احکام سن کر) اپنے رب سے ڈرتے رہے (جن کی صفتیں اوپر ﴿اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ الخ میں آچکی ہیں تو) ان کے لئے (جنت کے) بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں (اور) ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں، یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (اور) اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا (لہٰذا لازمی طور پر انہیں یہ سب کچھ ملے گا)

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۲۱﴾ ع

ترجمہ: کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اُس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے پھر اُس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے سو اُس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر اُس کو چُورا چُورا کر دیتا ہے۔ اس میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔

ربط: اوپر ایمان کے تقاضے اور سبب کا اثبات اور آخرت کی نعمت کا اور کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب کا بیان تھا، اب ایمان کے راستہ کی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے جو دنیا میں منہمک ہونا ہے اور اس کے کمزور اور جلدی فنا ہونے کا بیان ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جیسا کہ سورۂ الحدید آیت ۲۰ و ۲۱ ہے: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ﴾ اور ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ الخ۔

دنیا کا جلدی فنا ہونا:

(اے مخاطب!) کیا تم نے انہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں (یعنی

ان حصوں میں جہاں سے پانی ابل کر کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے نکلتا ہے) داخل کر دیتا ہے پھر (جب وہ ابلتا ہے تو) اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے (جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے تو اس کو تم زرد دیکھتے ہو، پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے (کہ بالکل یہی حالت انسان کی دنیاوی زندگی کی ہے کہ آخر میں فنا ہی ہونا ہے تو اس میں لگ کر ہمیشہ کی راحت سے محروم رہنا اور ہمیشہ کی مصیبت کو سر پر لینا نہایت حماقت ہے)

فائدہ: چشموں اور کنوؤں میں پانی کی موجودگی کے دو سبب ثابت ہوتے ہیں: (۱) بھاپوں کا زمین کی ٹھنڈک کی وجہ سے نمی میں بدل جانا اور بارش کے زمین پر برسنے والے پانی کا زمین کی گہرائی میں جذب ہو جانا پھر ان کا سمٹ کر جمع ہو جانا اس آیت میں ایک کا ذکر ہے اور دوسرے کی نفی نہیں، لہٰذا آیت کا فلسفہ کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ ﴾

ترجمہ: سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اُن کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دُہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر اُن کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اُس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اُس کا کوئی ہادی نہیں۔

ربط: اوپر حق کا اثبات اور قبول کرنا اور باطل کی نفی اور ممانعت انتہائی کافی عمدہ طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ اب ان بیانوں سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا بیان ہوتا ہے۔

اللہ کی کتاب سے بعض کا متاثر ہونا اور بعض کا متاثر نہ ہونا:

(اگرچہ ہمارا بیان انتہائی بلیغ ہے مگر پھر بھی سننے والوں میں آپس میں فرق ہے) تو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا (یعنی اسلام کے حق ہونے کا اس کو یقین آگیا) اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا

کئے ہوئے) نور (یعنی ہدایت کے تقاضے) پر (چل رہا) ہے (یعنی ایمان لاکراوراس پر یقین کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگا) کیا وہ شخص اور سخت دل والے برابر ہیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) تو جن لوگوں کے (دل) اللہ کے ذکر سے (اس میں احکام، وعدے اور وعیدیں سب آگئے) متاثر نہیں ہوتے (یعنی ایمان نہیں لاتے) ان کے لئے (قیامت میں) بڑی خرابی ہے (اور دنیا میں) یہ لوگ کھلی گمراہی میں (گرفتار) ہیں (آگے اس نور اور ذکر کا بیان ہے یعنی) اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ (مضمونوں کے اور لفظوں کے نظم کے اعجاز اور معانی کی صحت کے اعتبار سے) آپس میں ملتی جلتی ہے (جو معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔ نظم کے لحاظ سے تو ظاہر ہے اور معنی کے لحاظ سے تو جیسا کہ آیت ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ میں گذرا ہے اور جس میں سمجھانے کے لئے بعض ضروری باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں (اور اسی طرح ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا﴾ الخ جس میں اصل مقصود کے ذہنوں میں بٹھانے اور تاکید کے فائدہ کے باوجود مخاطب کے دل میں ہر جگہ خاص خاص لطف ومہربانی کی بھی رعایت ہوتی ہے جس سے خالص تکرار نہیں رہتی، اور مثانی یعنی بار بار دہرایا جانا جیسا کہ کہا ہے ہدایت پر مشتمل ہونے کی دلیل ہے) جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں (یہ خوف سے کنایہ ہے کہ چاہے وہ دل ہی میں رہے، بدن پر اس کا اثر نہ آئے اور چاہے وہ خوف صرف عقلی اور ایمانی ہی ہو طبعی اور حال کے طور پر نہ ہو) پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور اطاعت والے) ہو کر اللہ کے ذکر (یعنی اللہ کی کتاب پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (یعنی ڈر کر جسمانی اعضا کے عمل اور دل کے اعمال کو اطاعت اور توبہ سے بجالاتے ہیں۔ اور) یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے، اس کے ذریعہ سے ہدایت عطا کرتا ہے (جیسا کہ ڈرنے والوں کا حال ابھی سنایا گیا) اور اللہ جس کو گمراہ کرتا ہے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں (جیسا کہ سخت دل لوگوں کا حال ابھی سنایا گیا)

فائدہ: اور سورۃ آلِ عمران آیت ۷ میں بعض آیتوں کو متشابہ فرمایا ہے، وہاں اس سے دوسرا امر مراد ہے جیسا کہ وہاں ترجمہ سے ظاہر ہے۔

﴿ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کی سپر بنائے گا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اُس کا مزہ چکھو تو کیا یہ اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ اُن سے پہلے ہو چکے ہیں، انھوں نے بھی

جھٹلایا تھا سو اُن پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ جاتے۔

ربط: اوپر ڈرنے والے ہدایت پانے والے اور سخت دل گمراہ کا حال کے اعتبار سے تفاوت، حق سے متاثر ہونے اور متاثر نہ ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا تھا۔ اب دونوں کے انجام کا فرق ثواب اور عذاب کے مستحق ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ آخرت میں یقینی طور پر اور دنیا میں بعض اوقات میں۔

گمراہ کے لئے عذاب اور ہدایت پانے کے لئے ثواب:

بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے منہ کو سخت عذاب کی ڈھال بنائے گا، اور ایسے ظالم لوگوں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزا چکھو، تو کیا یہ (جس کو عذاب دیا گیا) اور جو ایسا نہ ہو، برابر ہو سکتے ہیں۔ اور کافر لوگ ان عذابوں کو سن کر انکار نہ کریں، کیونکہ) جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، حق کو) انھوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر (اللہ کا) عذاب اس طرح آیا کہ انہیں خیال بھی نہیں تھا، تو (اس عذاب کو نازل کر کے) اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیاوی زندگی میں (بھی) رسوائی کا مزا چکھایا (کہ زمین میں دھنسائے جانے، شکلیں مسخ کر دیئے جانے اور پتھروں وغیرہ کی بارش وغیرہ کی وجہ سے ساری دنیا میں بدنام ہوئے) اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا (اور سخت) ہے۔ کاش! یہ لوگ سمجھتے۔

فائدہ: ڈھال بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی عادت ہے کہ جب کوئی اس پر حملہ کرتا ہے تو جو چیز اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، حملہ کو اس پر اور اگر کچھ نہ ہو تو خود ہاتھ ہی پر روکتا ہے اور وہاں ہاتھ میں تو کوئی ایسی چیز ہوگی ہی نہیں جس پر حملہ کو روکے خود ہاتھ پاؤں بھی جکڑے ہوئے ہوں گے، اس لئے سارے حملے اور چوٹیں منہ پر ہی لے گا۔ اللہ اپنے غضب سے پناہ میں رکھے۔

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں تا کہ یہ لوگ ڈریں۔

ربط: اوپر آیت ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ﴾ الخ میں قرآن سے بعض لوگوں کے متاثر ہونے اور بعض کے متاثر نہ ہونے کا بیان تھا۔ اب قرآن کا اپنے آپ میں تأثر کا تقاضہ کرنے والا ہونا بیان فرماتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ فرق تأثر قبول کرنے والے کے اعتبار سے ہے ورنہ تأثر کرنے والے میں کوئی نقص و کمی نہیں۔

قرآن کا فضل وکمال:

اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) اچھے اچھے مضمون بیان کئے ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا بھی ٹیڑھا پن نہیں، اور اس میں یہ مضمون اس لئے لائے گئے ہیں) تا کہ یہ لوگ (ان سچے اور بلاغت والے مضمونوں کو سن کر) ڈریں (چنانچہ ہدایت کی کتاب ہونے کے لئے کمال کی جن صفتوں کی ضرورت تھی، قرآن ان پر حاوی ہے چنانچہ اچھے مضمون ہونا، پھر عربی ہونا، جس کو عرب والے جو سب سے پہلے مخاطب ہیں، بلاواسطہ سمجھ سکتے تھے، پھر دوسروں کا سمجھ لینا ان کے واسطے سے آسان ہے، پھر کسی مضمون میں کوئی خلل نہیں، لیکن اگر انہی کی استعداد میں فساد و بگاڑ ہو تو کیا کیا جائے)

فائدہ: ٹیڑھے پن کے معنی سورۂ کہف کی پہلی آیت میں گذر چکے ہیں۔

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضدا ضدی ہے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے ان دونوں کی حالت یکساں ہے۔ الحمدللہ! بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔

ربط: اوپر ﴿ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ الخ میں مؤمن اور مشرک کا گمراہی اور ہدایت میں فرق معلوم ہوا تھا۔ اب ایک مثال کے ذریعہ اس فرق کی وضاحت اور توحید کا بیان اور اس کا شرک سے پاک ہونا بیان کیا گیا ہے جو کہ فرق کی بنیاد ہے۔

توحید کو ماننے والے اور مشرک کی نظیر:

اللہ تعالیٰ نے (توحید کو ماننے والے اور مشرک کے بارے میں) ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (ایسا غلام) ہے جس میں کئی ساجھی ہیں، جن میں آپس میں کھینچ تان (بھی) ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ پورا پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت برابر (ہوسکتی) ہے (ظاہر ہے کہ دونوں برابر نہیں، پہلا شخص تکلیف میں ہے کہ ہمیشہ پریشان رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں؟ کس کا کہنا نہ مانوں؟ جبکہ دوسرا آرام میں ہے کہ ایک ہی شخص سے تعلق ہے لہٰذا پہلی مثال مشرک کی ہے کہ ہمیشہ ڈانواڈول رہتا ہے، کبھی اللہ کے علاوہ دوسروں کی طرف دوڑتا ہے، کبھی اللہ کی طرف اور کبھی پھر غیر اللہ میں بھی اسی ایک پر اطمینان نہیں ہوتا کبھی کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کبھی کسی کی طرف اور چونکہ یہ لوگ بھی اس کے سوا اور کچھ جواب نہیں دے سکتے جس سے حجت کا لازم ہونا ثابت ہے، اس پر ارشاد ہے کہ) الحمدللہ (حق ثابت ہو گیا، مگر یہ لوگ پھر بھی قبول نہیں کرتے) بلکہ (قبول تو کیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں (کیونکہ سمجھنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے)

ع ۳ ۱۴ ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾﴾

ترجمہ: آپ کو بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے، پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔

ربط: اوپر جب ہر پہلو سے بحث کا فیصلہ ہو گیا اور عناد رکھنے والوں نے اس فیصلہ کو قبول نہیں کیا تو اب قیامت کے فیصلہ کا جو کہ آخری فیصلہ ہوگا اور جس سے کوئی بچ نہیں سکتا، بیان فرماتے ہیں۔ اور تمہید کے لئے موت کی خبر دیتے ہیں کہ یہ قیامت کی پہلی منزل ہے۔

قیامت کے دن مخاصمہ اور محاکمہ:

(اے رسول! ﷺ یہ اس عقل میں آنے اور سنائے جانے والے فیصلہ کو دنیا میں نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ دنیا سے) آپ کو بھی مر (کر جا) نا ہے (اسی طرح آپ کی اتباع کرنے والے اس حکم میں آگئے) اور انہیں بھی مر (کر جا) نا ہے، پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے (دونوں فریق اپنے اپنے) مقدمے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا، جس کے ظاہر ہونے کا آگے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ﴾ میں بیان آ رہا ہے۔

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾

ترجمہ: سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو جبکہ وہ اُس کے پاس پہنچی جھٹلا دے! کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا؟ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور اُس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں۔ وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے نیک کاروں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بُرے عملوں کو دور کر دے اور اُن کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے۔

ربط: اوپر اختصام (مقدمہ بازی) کا ذکر تھا۔ اب اس کا ظہور اور نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے۔

قیامت کے دن اختصام کے انجام کا ظاہر ہونا:

تو (اس بحث کے وقت فیصلہ یہ ہوگا کہ حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کو جہنم کا عذاب ہوگا، اور حق پرستوں کو اجر عظیم ملے گا، اور ظاہر ہے کہ) اس شخص سے زیادہ ناانصافی کرنے والا (اور حق کے مقابلہ میں باطل پرست) کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ (یعنی اللہ کے بارے میں یوں کہے کہ اس کا کوئی شریک یعنی معبود ہونے یا خدائی میں ساجھی ہے) اور

سچی بات (یعنی قرآن) کو جب کہ وہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ سے) پہنچے، جھٹلائے (تو ایسے شخص کا سب سے زیادہ بڑا ظالم ہونا بھی ظاہر ہے اور سب سے بڑے ظالم کا سب سے بڑے عذاب وسزا کا مستحق ہونا بھی ظاہر ہے اور سب سے بڑا عذاب جہنم ہے تو) کیا (قیامت کے دن) ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ (اس طرح حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کا (تو یہ فیصلہ ہوا) اور (ان کے برخلاف)[1] جو لوگ سچی بات لے کر (اللہ کی طرف سے یا رسول کی طرف سے لوگوں کے پاس) آئے (اس عام مفہوم میں رسول ﷺ بلکہ تمام انبیاء بھی کہ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے اور حق کی طرف دعوت دینے والے دوسرے لوگ بھی کہ رسول کی طرف سے حق لے کر آئے، سب داخل ہیں) اور (خود بھی) اس کو سچ جانا (یعنی سچ بولنے والے بھی ہیں اور سچ ماننے والے بھی ہیں اور تصدیق کرنے والے بھی جیسا کہ پہلے لوگ اَظۡلَمُ یعنی سب سے زیادہ ظلم کرنے والے جھوٹے بھی تھے اور جھٹلانے والے بھی) تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا کہ) وہ جو کچھ چاہیں گے، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ملے گا، یہ نیک کام کرنے والوں کا بدلا ہے (اور یہ بدلا ان کے واسطے اس لئے تجویز کیا) تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور ان کے نیک کاموں کے بدلہ میں انہیں ان کا ثواب دے (چونکہ ان کا گناہ بخشنا اور اجر عطا کرنا مقصود تھا، اس لئے ان سے وعدہ کیا گیا ﴿ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ ﴾ تاکہ یہ لوگ اس گناہ بخشنے کی اور اجر کی خواہش کریں تو وعدہ کے مطابق ان کی یہ خواہش پوری کردی جائے۔ اور اس کی خواہش ہونا ظاہر ہی ہے)

فائدہ: یہاں یہ مقصود نہیں کہ جہنم میں جانا اللہ پر جھوٹ باندھنے اور سچ کو جھوٹ قرار دینے دونوں کے مجموعہ پر موقوف ہے یا اسی طرح نجات پانا سچائی کی طرف دعوت دینے اور تصدیق کرنے دونوں کے مجموعہ پر موقوف ہے، بلکہ اس موقع پر جن اہل اختصام کا ذکر ہے، ان میں دونوں طرف مجموعہ متحقق تھا۔ اور تعریف کا زیادہ اور برائی کا زیادہ ہونا مقصود ہے، لہٰذا تخصیص وقوع کے اعتبار سے یا مدح وقدح کی زیادتی کے اعتبار سے ہے، نہ کہ توقف کے قصد کے اعتبار سے۔

﴿ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوۡنَكَ بِالَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ۞ وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِعَزِيۡزٍ ذِى انۡتِقَامٍ ۞ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِىۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ۞ قُلۡ يٰقَوۡمِ

(۱) اور اس آیت میں ﴿ اَسۡوَاَ ﴾ اور ﴿ اَحۡسَنِ ﴾ کو محل تکفیر اور محل جزا قرار دینا، حالانکہ مطلق سیّ اور مطلق حسن کو بھی عام ہے۔ اس لئے ہے کہ ﴿ اَسۡوَاَ ﴾ میں تو مبالغہ ہے، یعنی ﴿ اَسۡوَاَ ﴾ کا بھی کفارہ ہوجائے گا۔ چہ جائیکہ سیّ اور حسن میں اظہار رحمت ہے کہ ہم ان کے حسن کو بھی احسن قرار دے کر اس پر جزا دیں گے۔

اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ اِنَّآ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔ اور یہ لوگ آپ کو اُن سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا ہیں۔ اور جس کو خدا گمراہ کرے اُس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اُس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اُس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے خدا کافی ہے۔ توکل کرنے والے اُسی پر توکل کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اُس کو رسوا کر دے گا اور اُس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ ہم نے آپ پر یہ کتاب ان لوگوں کے لئے اُتاری جو حق کو لئے ہوئے ہیں، سو جو شخص راہ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اُس کا بے راہ ہونا اُسی پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے۔

ربط: اوپر کی کئی آیتوں میں توحید کا حق ہونا اور شرک کا باطل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ایسے مضمون سن کر کافر اور مشرک لوگ آپ سے کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی نہ کیجئے، ورنہ ہم ان سے درخواست کر کے آپ کو مجنوں کرا دیں گے۔ اس پر آیت ﴿ وَيُخَوِّفُوْنَكَ ﴾ الخ نازل ہوئی جیسا کہ اللباب میں ہے۔ اسی طرح اور بھی مخالفت اور عناد کی باتیں کیا کرتے تھے، جس سے آپ کو رنج و غم ہوتا تھا۔ اب آپ کی تسلی کے مضمون ہیں جن میں سے بعض میں آپ کو مخاطب اور بعض میں آپ کو جواب دینے والا بنانا مقصود ہے۔

مشرکوں کی باتوں اور برتاؤ کے تعلق سے رسول ﷺ کو تسلی:

کیا اللہ تعالیٰ اپنے (خاص) بندہ (محمد ﷺ کی حفاظت) کے لئے کافی نہیں؟ یعنی وہ تو سبھی کی حفاظت کے لئے کافی ہے، خصوصیت کے ساتھ اپنے خاص محبوب بندہ کے لئے کیوں نہ کافی ہوگا) اور یہ لوگ (ایسے احمق ہیں کہ اللہ کی حفاظت سے جان بوجھ کر انجان بن کر) آپ کو اس کے سوا دوسروں (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو انھوں نے تجویز کر رکھے ہیں حالانکہ وہ خود ہی بے جان عاجز اور مجبور ہیں، اور قدرت والے بھی ہوتے تو بھی آپ کے ساتھ اللہ کی

حفاظت ہوتے ہوئے عاجز اور مجبور ہی ہوتے) اور (اصل بات یہ ہے کہ) جس کو اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (چونکہ یہ لوگ ہمیشہ ہی سے گمراہ ہیں، ہدایت سے اتنے بے خبر ہیں کہ اللہ کے قادر اور بتوں کے عاجز ہونے پر نظر کر کے آپ کو ڈرانے کی حماقت نہ کرتے۔ چنانچہ اللہ کے کافی ہونے کی بنیاد یعنی کامل قدرت ہے۔ آگے تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ) کیا (ان کے نزدیک) اللہ تعالیٰ زبردست (اور) انتقام لینے (پر قدرت رکھنے) والا نہیں ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ مدد ونصرت کی صفت میں کامل ہے اور خاص بندہ مدد ونصرت کے مستحق ہونے کے قابل اور باطل معبود قدرت اور نصرت میں عاجز و مجبور۔ ایسے میں یہ ڈرانا کھلی گمراہی اور صرف جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟) اور (مزے کی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے مدد ونصرت میں کافی اور قدرت میں پورے ہونے کو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے (اور ایسی بڑی بڑی چیزوں کو عدم سے وجود میں لانا ظاہر ہے قدرت کے کمال کے لئے لازم ہوتا ہے تو ملزوم یعنی جس کے لئے لازم ہوا جب اس کو مان لیا تو لازم کو ماننا لازم ہوگا۔ چنانچہ آگے آپ کو جواب میں یہی بات کہنے کا حکم ہے یعنی اس پر) آپ (ان سے) کہئے کہ بھلا (جب تم اللہ کو تنہا خالق مانتے ہو تو) پھر یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جن کو پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے (تو) کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ (یعنی اللہ کے پیدا کرنے میں اکیلا ہونا تسلیم کرنے کے بعد جو کہ قدرت کے کمال کے لئے لازم ہے کیا اللہ کے علاوہ کو قدرت کے مقابل و مزاحم ہونے کے قائل ہو سکتے ہو؟ جس سے اس لازم کی نفی لازم آتی ہے اور اسی کے واسطہ سے ملزوم یعنی جو لازم کیا گیا یعنی پیدا کرنے میں اکیلا ہونے کی نفی جس کو پہلے تسلیم کر لیا، یہ اس کے خلاف ہے اور ان کے ڈرانے والے مضمون کے جواب میں ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ﴾ [1] کافی تھا۔ کیونکہ اس میں برا بھلا کہنے کی بنیاد نقصان پہنچانے کا ذکر تھا اور برا بھلا نہ کہنے کی بنیاد پر نقصان سے حفاظت کا ذکر نہیں تھا تاکہ جواب میں ﴿هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ﴾ کی ضرورت ہوتی، لیکن چونکہ اس ڈرانے میں قرینہ سے یہ بھی لازم ہے کہ اگر آپ ان معبودوں کو کچھ نہ کہیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے، اس لئے ﴿هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ﴾ بڑھا دیا گیا۔ آگے ارشاد ہے کہ جب اس بیان سے پوری قدرت ہونا ثابت ہو جائے تو) آپ (مدد ونصرت میں کافی

(۱) یعنی اس تخویف الاصنام یعنی بتوں سے ڈرانے کے مضمون میں صرف اس دعوی سے تعرض تھا کہ اگر آپ برا بھلا کہیں گے تو یہ بت نقصان پہنچائیں گے۔ اور اس کے جواب کے لئے ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ﴾ کافی تھا اور ان کے ڈرانے میں اس دعوی سے تعرض نہ تھا کہ اگر آپ برا بھلا نہ کہیں گے تو وہ آپ کو نقصان سے محفوظ رکھیں گے۔ اگر اس میں اس سے بھی تعرض ہوتا تو ﴿هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ﴾ کا مناسب ہونا ظاہر ہوتا۔

ہونے کا جو کہ نتیجہ کے طور پر ہے بیان ظاہر کر دیجئے اور) کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے اللہ کافی ہے (اور یہی مقصود تھا جیسا کہ شروع میں ارشاد ہوا ہے۔ ﴿ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ﴾ اور چونکہ وہ ایسا قدرت والا اور مدد کرنے والا ہے، اس لئے) بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں (لہٰذا میں بھی اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور تمہاری مخالفت وعناد کی کچھ پروا نہیں کرتا اور چونکہ وہ لوگ ان واضح روشن اور قطعی دلیلوں پر بھی اپنی اس جہالت اور گمراہی پر اصرار کرتے تھے، اس لئے آگے آخری جواب کی تعلیم ہے کہ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو تم جانو، بہتر ہے) تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں (یعنی جیسے تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا) تو اب تمہیں جلدی ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آنے والا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (مرنے کے بعد) اس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوگا (چنانچہ دنیا میں انہیں بدر میں سزا ہوئی، اور وہاں کا عذاب مرنے کے بعد بھگتنا ہوگا، جو ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک تو مخالفوں کے ڈر و خوف سے تسلی ہے، آگے رنج وغم کے دور کرنے سے تسلی ہے کہ) ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے لئے) اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے تو (آپ کا کام اس کو پہنچا دینا ہے، پھر) جو شخص سیدھے راستہ پر آئے گا وہ اپنے (نفع کے) لئے (سیدھے راستہ پر) آئے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ ہونا (یعنی اس کا وبال) اسی پر پڑے گا، اور آپ ان پر (کچھ ذمہ داروں کے طور پر) مسلط نہیں کئے گئے (کہ ان کی گمراہی کی پوچھ تاچھ آپ سے ہونے لگے، پھر آپ ان کی گمراہی سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں)

> ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو اُن کی موت کے وقت اور اُن جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی، ان کے سونے کے وقت، پھر اُن جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں، دلائل ہیں۔ ہاں کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو قرار دے رکھا ہے جو سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی

علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ تمام آسمان اور زمین کی سلطنت اُسی کی ہے۔ پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اُسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

ربط: اوپر جس طرح چند جگہ توحید تھی، اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

پھر سے توحید کا ذکر:

اللہ ہی ان کی موت کے وقت (پوری طرح ہر لحاظ سے ان) جانوں کو (جن کی موت کا وقت آ گیا ہے) قبض (یعنی معطل) کرتا ہے اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (بعض پہلوؤں سے کہ زندگی رہتی ہے لیکن ادراک نہیں رہتا اور موت کی حالت میں دونوں ہی چیزیں بدن میں نہیں رہتیں) پھر (اس معطل کرنے کے بعد) ان جانوں کو تو (جسموں میں تصرف کی طرف واپس لوٹنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور دوسری جانوں کو (جو کہ سونے کے وقت معطل ہوگئی تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا) ایک مقررہ وقت (یعنی عمر کی مدت) تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (کہ جاگ کر پھر پہلے ہی کی طرح جسموں میں تصرف کرنے لگتی ہیں) اس (مذکورہ تصرف کے مجموعہ) میں ان لوگوں کے لئے دلیلیں ہیں (جن سے وہ توحید پر استدلال کر سکتے ہیں) جو (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اکیلے تصرف واختیار میں) غور وفکر کرنے والے ہیں۔ ہاں! کیا (توحید کی دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود) ان (مشرک) لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے؟ جو (ان کی) سفارش کریں گے؟ (جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے ﴿ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾) آپ کہہ دیجئے کہ اگر چہ یہ (ان کے خیال کے مطابق شفاعت کرنے والے) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں (کیا پھر بھی انہیں سفارش وشفاعت کرنے والا ہی سمجھے جاؤ گے؟ یعنی شفاعت وسفارش کے لئے کم سے کم علم اور قدرت تو ضروری ہے۔ جو ان کے بے جان ہونے کی وجہ سے ان میں بالکل نہیں ہے اور چونکہ یہاں اس امر کا امکان ہے کہ کوئی مشرک یہ کہے کہ یہ بے جان اپنے آپ میں شفاعت کرنے والے نہیں، بلکہ شفاعت کرنے والے وہ ہیں جن کی یہ مورتیاں ہیں۔ اور وہ جان دار ہیں، جن میں علم اور قدرت دونوں ہیں۔ اس لئے آگے اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سفارش تو پوری طرح اللہ ہی کے اختیار میں ہے (کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ سفارش کر سکے اور اجازت کے لئے دو شرطیں ہیں: شفاعت کرنے والے کا مقبول ہونا اور جس کی شفاعت کی جائے اس کا مغفرت کے قابل ہونا، لہٰذا جن روحوں کو یہ معبود قرار دیتے ہیں اگر وہ شیطان ہیں تو دونوں ہی شرطیں نہیں ہیں، اور اگر وہ فرشتے وغیرہ ہیں تو دوسری شرط نہیں ہے۔ ہر حال میں اجازت نہیں ہے، لہٰذا ان کی شفاعت بھی منفی ہے اور انہیں معبود قرار دینے کی یہی بنیاد تھی، لہٰذا ان کا معبود ہونا

باطل ٹھہرا۔ اور حق تعالیٰ کی توحید ثابت ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ) تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر (اس دنیا کی مدت پوری ہوجانے کے بعد) تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (لہٰذا تم سب کو چھوڑ کر اسی سے ڈرو، اسی کی عبادت کرو) اور (توحید کی دلیلیں قائم ہوجانے کے باوجود کافروں اور مشرکوں کا یہ حال ہے کہ) جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ وہی تصرف کرنے والا ہے، وہی معبود ہے) تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں، جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (کیونکہ انہیں توحید سے نفرت ہے) اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر آتا ہے (چاہے کسی اکیلے کا یا مشترک طور پر اللہ کے ذکر کے ساتھ) تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہوجاتے ہیں (کیونکہ شرک انہیں محبوب اور پسندیدہ ہے)

فائدہ: سورہ انعام آیت ۶۱ میں اس توفی کی تفسیر گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے، اور ان کا سفارش کا اعتقاد دنیاوی ضرورتوں و حاجتوں میں تو تھا ہی اور آخرت میں آخرت کو فرض کر لینے کی بنیاد پر تھا۔ جیسا کہ ان کا قول نقل کیا گیا ﴿وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ﴾

﴿قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِن سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ اے اللہ! آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن اُمور میں فیصلہ فرماویں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور اُن چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے اُن کو دینے لگیں۔ اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور اُن کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہوجاویں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ اُن کو آگھیرے گا۔

ربط: اوپر توحید کے ضمن میں مشرکوں کے تکبر و گھمنڈ اور عناد کا بیان ہے، جیسا کہ ﴿أَمِ اتَّخَذُوا﴾ الخ اور ﴿إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ﴾ الخ کے ترجمہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ چونکہ تکبر و گھمنڈ اور عناد، تبلیغ کرنے والے کے رنج و ملال کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے اب آپ کی تسلی کے لئے ایک دعا کی تعلیم اور جزا کے بیان سے تسلی اور دعا کے مضمون کو پورا فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو دعا کی تعلیم کے ضمن میں تسلی اور کافروں کی جزا کے بیان سے مضمون کا پورا ہونا:

آپ (ان کے عناد کی شدت کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں اور اللہ سے دعا میں یہ) کہئے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو

پیدا کرنے والے! باطن اور ظاہر کو جاننے والے! آپ ہی (قیامت کے دن) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمائیں گے، جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے (یعنی آپ ان گھمنڈ کرنے والوں کی فکر میں نہ پڑیئے، بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے، وہ خود عملی فیصلہ فرمادیں گے) اور (اس فیصلہ کے وقت یہ حالت ہوگی کہ) اگر ظلم (یعنی شرک اختیار کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے (ذرا سی بھی دیر کئے بغیر) سب کچھ دینے لگیں گے (چاہے اس میں سے کچھ بھی قبول نہ ہو، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے ﴿مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ﴾) اور اللہ کی طرف سے انہیں وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا (کیونکہ اول تو آخرت کے منکر تھے۔ پھر اس میں بھی اچھائی اور بھلائی کا دعویٰ کرتے تھے) اور (اس وقت) انہیں اپنے سارے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا۔

﴿فَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلۡنٰهُ نِعۡمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ‌ ؕ بَلۡ هِىَ فِتۡنَةٌ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۞ قَدۡ قَالَهَا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ؕ وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيۡبُهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ۙ وَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ۞ اَوَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا
ع ۴ اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۞﴾

ترجمہ: پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اُس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو تدبیر سے ملی ہے۔ بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ یہ بات اُن لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہوگزرے ہیں، سواُن کی کارروائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر اُن کی تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی اُن کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ ہرا نہیں سکتے۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیدیتا ہے اور وہی تنگی کردیتا ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

ربط: اوپر ﴿اَمِ اتَّخَذُوۡا﴾ الخ اور ﴿اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ﴾ الخ سے جس طرح مشرکوں کا عناد اور گھمنڈ سمجھ میں آتا ہے جس کی مناسبت سے تسلی کا مضمون اور اس کا تکملہ بیان ہوا ہے۔ اس طرح ان کا اللہ کے سوا دوسروں کے ذکر سے خوش ہونے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کے کڑھنے پر خود واضح عبارت سے دلالت ہوئی ہے۔ اب اس کی مناسبت سے اس پر اس کے برعکس صورت حال پیش کرتے ہوئے، مشرکوں کی ایک حالت کو کلمۂ فاء لاکر بیان کرتے ہیں اور اس بات کو پورا کرنے کے لئے ان کی ایک دوسری حالت کا ذکر اور پھر اس پر ان کی برائی اور ملامت فرماتے ہیں۔

مشرکوں کی جہالت اور عبرتناک سزا:

(یوں تو مشرک لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کے ذکر سے خوش ہونے اور صرف اکیلے اللہ کے ذکر سے بیزار رہتے اور نفرت کرتے ہیں) پھر جس وقت (کسی ایسے مشرک) آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (جن کے ذکر سے خوش ہوا کرتا تھا، ان سب کو چھوڑ کر جن سے پہلے خوش تھا صرف) ہمیں پکارتا ہے (جس کے ذکر سے پہلے نفرت کرتا اور بیزار رہتا تھا اور یہ اقوال میں بھی اور افعال واحوال میں بھی برعکس بات ہے۔ جس سے مشرکوں کی صاف حماقت اور جہالت ظاہر ہونے کے علاوہ ان کا مذہب ومسلک بھی باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ان میں سے ایک بات یعنی توحید تو یقیناً صحیح ہے لہٰذا دوسری بات یعنی شرک باطل ہے، مگر) پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو (اس توحید پر جس کا حق ہونا خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا تھا قائم نہیں رہتا، چنانچہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ یوں) کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (میری) تدبیر سے ملی ہے (اور چونکہ حق تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کرتا بلکہ اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے توحید پر ثابت نہیں رہتا بلکہ اپنے پرانے شرک کے طریقہ کی طرف لوٹ کر اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت پوجا میں لگ جاتا ہے۔ آگے حق تعالیٰ اس قول ﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ ﴾ الخ کو رد فرماتے ہیں کہ وہ اس کی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے) بلکہ وہ (اللہ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے اور اس کی طرف سے انسان کی) ایک آزمائش ہے (کہ دیکھیں اس کے ملنے پر ہمیں بھول جاتا ہے اور کفر کو اختیار کرتا اور اس کے راستہ پر چلتا ہے یا ہمیں یاد رکھتا اور ہمارا شکر ادا کرتا ہے اور اس آزمائش کے لئے بعض نعمتوں میں اسباب اور کمانے ومحنت کرنے کا واسطہ بھی رکھ دیا ہے، اس سے اور زیادہ آزمائش ہوگئی کہ دیکھیں ظاہر صورت کے طور پر نظر آنے والی علت پر نظر رکھتا ہے یا حقیقی علت پر) لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) سمجھتے نہیں (اس لئے اس کو اپنی تدبیر کا نتیجہ بتاتے ہیں اور شرک میں مبتلا رہتے ہیں، آگے بیان ہے کہ) یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں (جیسے قارون نے کہا تھا ﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ﴾ جو لوگ ساری دنیا کو بنانے والے کے منکر گذرے ہیں جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ، ظاہر ہے کہ وہ بھی کسی نعمت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو نعمتیں بغیر کمائی، کوشش اور محنت کے مل گئیں ان کی نسبت اتفاق اور قسمت کی طرف اور جو کمائی کوشش اور محنت کے ذریعہ حاصل ہوئی ان کی نسبت ہنر اور تدبیر کی طرف کرتے تھے) تو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہیں آئی (اور عذاب کو نہیں روک پائی) پھر (عذاب کو روک نہ سکنے کے بعد اس کو دور کرنے والی بھی نہیں ہوئی، بلکہ) ان کی ساری بد اعمالیاں ان پر آ پڑیں (اور انہیں عذاب وسزا ہوئی) اور (یہ لوگ موجودہ زمانہ کے یہ خیال نہ کریں کہ جو کچھ ہونا تھا وہ اگلے لوگوں کے ساتھ ہو چکا، بلکہ) ان میں جو بھی ظالم ہیں، ان پر بھی ان کی بد اعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں، اور یہ (اللہ تعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے (چنانچہ انہیں بدر میں خوب سزا ملی، اور اوپر ﴿ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ ﴾ سے ﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ کا

باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔ آگے اس باطل ہونے پر اشارہ کے طور پر دلیل کا قائم کرتے ہی یعنی بعض احمق لوگ جو نعمت اور رزق کی نسبت اپنی تدبیر کی طرف کرتے ہیں تو) کیا ان لوگوں کو (حالات میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیدیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی بھی کر دیتا ہے (رزق کی) اس زیادتی اور (تنگی) میں (غور کرنے سے) ایمان والوں کے لئے (کہ وہ سمجھ دار ہوتے ہیں، اس بات پر) نشانیاں (یعنی دلیلیں قائم) ہیں (کہ رزق ونعمت دینے والا، ان کے دروازے کھولنے والا اور ان میں تنگی کرنے والا وہی ہے، اچھی یا بری تدبیر اس میں حقیقی علت نہیں، لہٰذا ان دلیلوں کو جو شخص سمجھ لے گا، وہ اپنی تدبیر کی طرف نسبت نہیں کرے گا، بلکہ اللہ کا نعمت دینے والا ہونے کے عقیدہ کو بھی کبھی دل و دماغ سے دور نہیں ہونے دے گا، جو شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن گیا تھا، بلکہ وہ ہمیشہ توحید کے عقیدہ پر قائم رہے گا، اور نفع ونقصان اور خوشی وتکلیف میں اس کا حال اور قول ایک دوسرے سے کبھی ٹکرائے گا نہیں)

فائدہ: ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا ﴾ الخ میں جس استدلال کی طرف صراحت کے ساتھ قریب کا اشارہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے پاس ایک ہی جیسا سرمایہ موجود ہے ایک ہی جیسا سلیقہ ہے وہ ایک ہی جیسی تدبیر بھی کرتے ہیں، ان کے پاس ایک ہی جیسا تجربہ بھی ہے، پھر ایک پر فراخی اور دوسرے پر تنگی ہے، اگر کہا جائے کہ ایک کی تدبیر کامیاب ہو گئی دوسرے کی ناکام ہو گئی تو اس کا باطل ہونا یہ ہے کہ اگر تدبیر کا کامیاب اور ناکام ہونا اپنے اختیار میں تھا تو دوسرے نے کیوں کامیاب نہیں کر لی؟ اگر اختیار میں نہیں تھا تو ہمارا مطلوب ومقصود ثابت ہو گیا، کیونکہ جس پر موقوف ہے جب وہ اختیاری نہیں تو جو موقوف ہے، وہ بھی پورا اختیاری نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ فراخی اور تنگی، کامیابی اور ناکامی میں اصل مؤثر کسی ایسی ذات کی مشیت ہے جو فاعل اور مختار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو متعلق کر دے۔

﴿ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝ وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید

مت ہو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے۔ اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے، اور تم کو خیال بھی نہ ہو۔ کبھی کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس! میری اُس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور میں تو ہنستا ہی رہا یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا، یا کوئی عذاب دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا پھر جانا ہوجاوے پھر میں نیک بندوں میں ہوجاؤں۔ ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے اُن کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا۔ اور آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنھوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ اور جو لوگ سچے تھے، اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اُن کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ربط: اوپر شرک کی مذمت اور اس پر وعید ہے جس سے توحید کی طرف دعوت مقصود ہے، ایسے مضمون سن کر بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ جب ایسی شدید وعید کے مستحق ہیں تو اگر آئندہ کے لئے ایمان اور توحید بھی اختیار کرلئے تب بھی گذشتہ شرک کا وبال تو بھگتنا پڑے گا پھر اسلام قبول کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب اگلی آیتوں میں دیا گیا کہ یہ سب معاف ہوجائے گا، اس پر بالکل عذاب نہیں ہوگا اور اس معافی کا طریقہ بھی بتایا گیا یعنی شرک سے توبہ اور اسلام کی طرف توجہ، اور اس کے ساتھ یہ بھی سنادیا کہ جس طرح اسلام قبول کرنے پر معافی اور نجات کا وعدہ ہے اسی طرح اس کی ضد یعنی کفروشرک پر اصرار کرنے پر وعیدیں بھی ہیں۔

اسلام پر مطلق نجات اور معافی کا وعدہ اور اس کی ضد پر عذاب وسزا کی وعید:

آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے پروردگار! جنھوں نے (کفروشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ایمان لانے کے بعد گذشتہ کفروشرک پر پکڑ ہوگی، تو یہ بات نہیں، بلکہ) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (پچھلے) گناہوں کو (چاہے وہ کفروشرک ہی کیوں نہ ہوں) معاف فرمائے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے اور (چونکہ اس معافی کی شرط اور طریقہ کفر سے توبہ کرنا اور اسلام کو قبول کرنا ہے، اس لئے) تم (کفر سے توبہ کرنے کے لئے) اپنے رب کی طرف توجہ کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرماں برداری کرو، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے (اور) پھر (اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے (یعنی جس طرح اسلام قبول کرنے کی صورت میں سب کفروشرک معاف ہوجائے گا، اسی طرح اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کفروشرک پر عذاب ہوگا۔ جسے

دور کرنے کی اسلام کے سوا کوئی صورت نہیں) اور (جب یہ بات ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کا یہ انجام ہے تو) تم (کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں (اس کا) خیال بھی نہ ہو (اس سے بعد والی آیت کے قرینہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے، اور اچانک یا تو اس لئے کہا کہ پہلی بار صور پھونکنے پر ساری روحیں بے ہوش ہو جائیں گی، پھر دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد عذاب کا ادراک ہونے لگے گا۔ اور یا اس لئے کہا کہ جیسا عذاب واقع ہوگا، واقع ہونے سے پہلے اس کی حقیقت کا ادراک نہ ہوگا اور ویسا گمان بھی نہ ہوگا اور یہ توجہ کرنے اور اسلام اور اتباع کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ) کبھی (کل قیامت کے دن) کوئی شخص کہنے لگے کہ میری اس کوتاہی پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے معاملہ میں کی (یعنی اس کی اطاعت میں جو مجھ سے کوتاہی ہوئی) اور میں تو (اللہ کے احکام پر) ہنستا ہی رہا۔ یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا (مگر ہدایت ہی سے محروم رہا، اس لئے یہ ساری کوتاہی ہوئی) یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے، پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں (یہاں ﴿حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ﴾ کی قید لگانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو قول عذاب دیکھنے سے پہلے ہوں گے غالباً پہلی بار حشر کے میدان میں جب اعمال کی کوتاہی کی اطلاع ہوگی، اس وقت پہلا قول کہا جائے گا پھر عذر و حجت کے طور پر شاید جبر کے مسئلہ سے دلیل پکڑنے کے طور پر کہ جان بچ جائے دوسرے قول سے کوتاہی کو حق کی ہدایت نہ ہونے کا سبب بتائیں گے، پھر جب اس عذر کو نفع دینے والا نہ پائیں گے اور عذاب کو دیکھ ہی لیں گے تو اس وقت واپس لوٹنے کی تمنا کریں گے، اس طرح تینوں اقوال ایک کے بعد ایک ہوں گے، چاہے ہر کافر تینوں قول ایک کے بعد ایک اسی ترتیب سے کہے۔ یا بعض لوگ ایک قول کہیں اور بعض دوسرا اور تیسرا۔ لہٰذا لفظ ﴿أَوْ﴾ اس لئے ہے کہ کسی حالت سے خالی نہیں۔

اور چونکہ دوسرا قول ظاہر میں دھوکہ کا سبب ہے، اس لئے اس کے رد میں جو جواب دیا جائے گا، اس کو نقل فرماتے ہیں کہ ﴿لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ﴾ کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ) ہاں! بے شک تمہارے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں تو تم نے انہیں جھٹلایا (اور جھٹلانا کسی شبہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ) تم نے تکبر کیا اور (یہ بھی نہ ہوا کہ دوسرے وقت دماغ درست ہو جاتا بلکہ تم (ہمیشہ) کافروں میں شامل رہے (جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبر و زبردستی ہدایت دینا تو آزمائش وامتحان کے خلاف ہے، اس کی نفی میں تو کوئی اشکال نہیں، اور بغیر جبر و زبردستی نفی کرنا غلط ہے کیونکہ آیتوں کا تمہارے پاس آنا ہدایت ہی تھا۔ لہٰذا ﴿هَدٰىنِىْ﴾ تو واقع ہوا تھا یعنی تمہارے لئے ہدایت کا انتظام وسامان تو کیا گیا تھا لیکن تقویٰ تمہارے غلط طریقہ اختیار کرنے اور غلط کام کرنے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا، لہٰذا تمہارا یہ عذر بالکل باطل ہے) اور (آگے کفر پر اصرار کرنے والوں اور کفر سے توبہ کرنے والوں کی سزا و جزا کا مختصر طور پر ذکر فرماتے ہیں کہ اے رسول!) آپ

قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنھوں نے اللہ کے بارے میں جھوٹ بولا تھا (اس میں دو امر آ گئے۔ایک یہ کہ جو بات اللہ نے نہیں کہی اس کو کہنا جیسے شرک وغیرہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بات اللہ نے کہی ہے۔ دوسرے یہ کہ جو بات اللہ نے کہی جیسے قرآن، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بات اللہ نے نہیں کہی ہے) کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ (جو کہ عناد اور تکبر کے طور پر جھٹلائیں) اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا، انہیں (ذرا بھی) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا (کیونکہ جنت میں غم نہیں)

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ
فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ
السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی۔ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کی فرمائش کرتے ہو۔ اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب! اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام غارت ہو جاوے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا۔ اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی، حالانکہ ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہونگے اُس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔

ربط: اوپر توحید کا حکم اور اس پر مزید لطف و مہربانی ہونے اور شرک کرنے اور شریک بنانے کی ممانعت اور اس پر شدید وعید کا ذکر تھا۔ اب ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ ﴾ الخ اور ﴿ لَهٗ مَقَالِيْدُ ﴾ الخ اور ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا ﴾ الخ آیتوں میں اللہ کی بعض صفتوں کے ذریعہ توحید اور وعدہ و وعید کے پورے ہونے کی تائید اور درمیان میں شرک کی مذمت کے ذریعہ شرک سے رکنے کی تاکید اور ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا ﴾ الخ سے آئندہ وعید کے دن کے احوال کی تفصیل کے تمہیدی مضمون ہیں۔

توحید کے امر کی تائید اور وعدہ و وعید کا واقع ہونا اور شرک کی مذمت کی تاکید:

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا ہے (اور) اسی کے اختیار میں آسمانوں اور

زمین کی کنجیاں ہیں (یعنی ایجاد کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ﴾۔ اور باقی رکھنے والا اور حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿وَّكِيْلٌ﴾۔ اور تصرف کرنے والا بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ﴾ اس لئے کہ خزانوں میں تصرف کرنے والا عام طور سے وہی ہوتا ہے جس کے پاس خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا یقیناً کمال کی ایسی صفتیں رکھنے والا شریک سے بھی پاک ہوگا۔ اور وہی جزا وسزا کا بھی مالک ہوگا۔ اس سے اوپر والے دونوں مضمونوں یعنی توحید اور وعدہ ووعید کی تائید ہوگئی) اور چونکہ خالق، حافظ اور کنجیوں کا مالک ہونا مخالفوں کو بھی تسلیم تھا، لہٰذا مقدموں کے تسلیم کرنے سے مقاصد یعنی توحید کا ثبوت اور جزا وسزا کی صحت کے تسلیم کرنے کی زیادہ تاکید ہوگئی، لہٰذا) جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو (جو کہ توحید اور جزا وسزا پر مشتمل ہیں، اور تسلیم کئے ہوئے مقدموں کی تائید کرنے والی ہیں) نہیں مانتے، وہ بڑے نقصان میں رہیں گے (اور اے رسول! یہ لوگ خود تو کفر وشرک میں مبتلا تھے ہی، مگر ان کا یہاں تک حوصلہ بڑھ گیا کہ نعوذ باللہ آپ کو اپنے طریقہ پر لانے کی فرمائش کرتے ہیں، تو) آپ (ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا (اس کے بعد کہ توحید ثابت ہو چکی اور شرک باطل ہو چکا) پھر بھی تم مجھ سے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ اور (اے رسول! آپ سے نعوذ باللہ شرک کے صادر ہونے کا کہاں احتمال ہے؟ جس پر وہ توقع کرتے ہیں، کیونکہ) آپ کی طرف بھی اور جو نبی آپ سے پہلے گذرے ہیں ان کی طرف سے بھی یہ بات) وحی (میں) بھیجی جا چکی ہے (کہ اپنے ہر امتی کو پہنچا دیں) کہ اے (عام مخاطب! اگر تم شرک کرو گے تو تمہارا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا، اور تم نقصان میں رہو گے (تو اے مخاطب! کبھی شرک مت کرنا) بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر گذار رہنا (یہ شرک کے قبیح یعنی برا ہونے کی دلیل ہے کہ وہ سب سے زیادہ شدید درجہ کی ناشکری ہے، لہٰذا جب انبیاء کو شرک کا قبیح ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہے اور دوسروں تک اس کے پہنچانے کا حکم ہے تو ان سے جیسا کہ ان میں سے آپ بھی ہیں، شرک کا صادر ہونا کب ممکن ہے؟ تو ایسی ہوس رکھنا ان کے دماغ کا خلل ہے) اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہیں کی، جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی (قدر کرنے سے مراد توحید کا ماننا ہے اور اس کی نفی سے مراد شرک ہے) حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داھنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے (اور کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے، لہٰذا) وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (اور اس میں توحید کے بیان کے ساتھ اگلے مضمون کی تمہید بھی ہوگئی۔

فائدہ: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کے ترجمہ کے بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہاں اس کا لانا پہلے والے مضمون کی بنیاد پر ہے، لہٰذا نہ یہ وسوسہ رہا کہ یہاں سزا کے ساتھ جزا کا ذکر کیوں نہیں ہوا، اور نہ ہی اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے یہ کہنے کی ضرورت رہی کہ اس کا عطف ﴿يُنَجِّي﴾ پر ہے کہ اس میں دوسرا وسوسہ یہ ہوگا کہ اس کا مقابلہ ﴿تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا﴾

سے پورا ہو چکا تھا، پھر اس کی کیا ضرورت رہی؟ اور ﴿ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ ﴾ کی تفسیر کے لئے سورۂ انبیاء آیت ۱۰۴ ﴿ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ ﴾ الخ کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے۔ اور یمین یعنی داھنا ہاتھ وغیرہ کا ثبوت متشابہات میں سے ہے۔ اس پر اس کی کیفیت کو جاننے کی کوشش کے بغیر ایمان لانا واجب ہے۔ اور توحید کو تعظیم کا حق جاننا یا قدر کرنا عقائد کے اعتبار سے کہا اور نہ تعظیم کا حق یا قدر کرنا اس میں محدود نہیں، اور کسی چیز کا تعظیم کا حق ہونا بندہ کی وسعت کے اعتبار سے ہے، ورنہ اس کی کامل ذات کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَسِيْقَ ع
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ
كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا
الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ
الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اور صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اُس میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعۃً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے، دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جاوے گی اور نامۂ اعمال رکھ دیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے۔ اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور اُن پر ذرا ظلم نہ ہوگا، اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے، اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے۔ یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں! لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ کہا جاوے گا کہ جہنم کے

دروازں میں داخل ہو، ہمیشہ اس میں رہا کرو۔ غرض تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے، وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کیئے جاویں گے۔ یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوئے ہونگے اور وہاں کے محافظ اُن سے کہیں گے: السلام علیکم! تم مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اور کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ غرض عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے۔ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہونگے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہونگے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردیا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ ﴾ الخ میں توحید کے اثبات اور شرک کو باطل کرنے کے ضمن میں جزاوسزا کی تمہید تھی، اور اس سے اوپر بھی بعض آیات میں اجمالاً اس کا ذکر ہوا ہے، اب مقصود بنا کر اور تفصیل کے ساتھ ختم سورت تک یہی مضمون ہے۔

خاتمہ میں جزاوسزا کی تفصیل:

اور (قیامت کے دن، جس کا اوپر ذکر آیا ہے) صور میں پھونک ماری جائے گی، تو سارے آسمانوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے (پھر زندہ تو مر جائیں گے اور مردوں کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی) سوائے اس کے جسے اللہ چاہے (وہ اس بے ہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو یکا یک سب کے سب (ہوش میں آکر اور روحوں کا تعلق جسموں سے ہو کر قبروں سے نکل) کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے (جیسا کہ کسی بھی عجیب حادثہ کے واقع ہونے کے وقت طبعی طور پر ایسا ہوتا ہے) اور (پھر حق تعالیٰ حساب کے لئے زمین پر اپنی شان کے مطابق تجلی نازل فرمائیں گے، اور زمین (بغیر کیفیت کے) اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور (سب کا) اعمال نامہ (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور نبی اور گواہ حاضر کیئے جائیں گے (گواہ میں عام مفہوم سے نبی شامل ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ﴾ اور فرشتے بھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ مَعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴾ جس کی تفسیر فرشتے سے مرفوع اور موقوف حدیثوں میں آئی ہے۔ جیسا کہ الدر المنثور میں سورۂ قٓ میں ہے اور اس میں محمد ﷺ کی امت بھی شامل ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ اور اعضا و جوارح بھی جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ تُكَلِّمُنَآ أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ ﴾) اور ان سب (مکلف لوگوں) میں (اعمال کے مطابق) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیک عمل جو اس کی شرطوں کے مطابق ہوا ہو چھپا لیا جائے، اعمال نامہ میں شامل نہ کیا جائے یا کوئی برا عمل بڑھا دیا جائے) اور

ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا (نیک اعمال میں بدلے کے پورا ہونے سے مقصود کمی کی نفی ہے اور برے اعمال میں بدلے کے پورا ہونے سے مقصود زیادتی کی نفی ہے) اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (لہٰذا اس کو ہر ایک کے مطابق جزا دیدینا کچھ مشکل نہیں) اور اس بدلہ کا بیان جو فیصلہ کا نتیجہ ہے، یہ ہے کہ) جو کافر ہیں وہ گروہ بنا بنا کر (دھکے دے کر ذلت وخواری کے ساتھ) جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے (گروہ بنا بنا کر اس لئے ہانکے جائیں گے کہ کفر کی قسمیں اور درجے ومرتبے جدا جدا ہیں، لہٰذا ہر قسم کے کافروں کے الگ الگ گروہ ہوں گے) یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے جہنم کے محافظ (فرشتے ملامت کے طور پر) کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں (کہ اس صورت میں فیض حاصل کرنا بھی آسان تھا) رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ وہ کافر کہیں گے کہ ہاں! (رسول بھی آئے تھے اور انھوں نے ڈرایا بھی تھا) لیکن کافروں پر (جن میں ہم شامل ہیں) عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا (یہ عذر نہیں بلکہ اعتراف ہے کہ ابلاغ اور تبلیغ کے باوجود ہم نے کفر کیا اور کافروں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ ہمارے سامنے آیا۔ واقعی ہماری نالائقی ہے۔ پھر ان سے) کہا جائے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازں میں داخل ہو جاؤ (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو، غرض (اللہ کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے (پھر اس حکم کے بعد وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور دروازے بند کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ یہ تو کافروں کا حال ہوا) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے (جس کا ابتدائی درجہ ایمان ہے پھر آگے مختلف درجے ہیں) وہ گروہ بنا بنا کر (کہ جس مرتبہ کا تقوی ہوگا، اس مرتبہ کے متقی ایک جگہ کر دیئے جائیں گے اور) جنت کی طرف (شوق دلا کر جلدی جلدی) روانہ کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تا کہ ذرا بھی دیر نہ لگے، ظاہر ہے عزت واکرام والوں کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مہمانوں کے لئے ہوتا ہے کہ پہلے سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾) اور اس کے محافظ (فرشتے) ان سے (عزت واکرام اور تعریف کے طور پر) کہیں گے: السلام علیکم تم مزے میں رہو۔ لہٰذا اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (وہ اس وقت اس میں داخل ہو جائیں گے) اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور ہمیں اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں، قیام کریں (یعنی ہر شخص کو خوب فراغت کی جگہ ملی ہے، کہ خوب کھل کھل کر چلیں پھریں، بیٹھیں، اٹھیں، قیام کے طور پر تو اپنی ہی جگہ میں اور سیر کے طور پر دوسرے جنتیوں کے درجوں میں بھی) غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلا ہے (یہ یا تو انہی جنتیوں کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو) اور (آگے اجلاس سے فیصلہ کے آخر تک کے اسی

مضمون کو مختصر اور شان وشوکت سے بھرے ہوئے الفاظ میں تلخیص کے طور پر فرماتے ہیں کہ) آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے لئے اجلاس کے نزول کے وقت) عرش کے آس پاس حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہوں گے۔ اور سارے بندوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور (اس فیصلہ کے ٹھیک ہونے پر ہر طرف سے جوش کے ساتھ یہی شور ہوگا، اور) کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لائق ہیں، جو سارے عالموں کا پروردگار ہے (جس نے ایسا عمدہ فیصلہ کیا پھر تحسین وتعریف کے اس نعرہ پر دربار برخاست ہو جائے گا)

فائدہ: ﴿ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنظُرُونَ ﴾ فرمایا اور سورۂ یٰسٓ آیت ۵۱ میں ﴿ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴾ فرمایا۔ دونوں کے درمیان مطابقت کی وجہ سورۂ یٰسٓ میں بیان ہوئی ہے اور ﴿ إِلَّا مَن شَاءَ ﴾ کی تفسیر سورۂ نمل آیت ۸۷ میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ ﴾ اور ﴿ تَرَى الْمَلَائِكَةَ ﴾ کی تفسیر میں جو لکھا گیا ہے وہ درمنثور کی حدیث مرفوع سے لیا گیا ہے اور جنت میں چلنے اور رہنے کی جگہ کو ﴿ الْأَرْضَ ﴾ کہنے میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہے۔

﴿ اللہ تعالیٰ کی مدد اور ان کی حفاظت سے سورۃ الزمر کی تفسیر ۲۲/ ربیع الاول کو جو پہلے سفارش کرنے والے کی ولادت کا مہینہ ہے بروز پیر سنہ ۱۳۲۵ھ کو پوری ہوئی ﴾

(۴۰) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ مَکِّیَّۃٌ (۶۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: پوری سورت کا حاصل تین مضمون ہیں: (۱) توحید، کہیں اس پر استدلال ہے، کہیں اسے اختیار کرنے کا حکم اور اس کی ضد کے حوالہ سے اس کی ممانعت ہے۔ اور کہیں اس کا اعتقاد رکھنے والو کی تعریف اور انہیں خوش خبری ہے (۲) حق کے معاملہ میں کہ حق کے عموم میں رسالت وغیرہ بھی داخل ہیں، بحث کرنے اور لڑنے جھگڑنے والوں کی ملامت اور ڈرانا ودھمکانا ہے کہیں دنیا کی سزا سے اور کہیں آخرت کے عذاب سے (۳) تیسرا مضمون رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے اور ملامت وتسلی کی تاکید وتائید کے لئے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کسی قدر تفصیل سے اور پچھلے نبیوں کے بھیجنے کا بیان مختصر انداز میں فرمایا ہے۔ اور گذشتہ سورت کے ختم پر آخرت میں مؤمنوں اور کافروں کے حال کا فرق کہ ایک نجات پانے والا ہے اور دوسرا عذاب میں مبتلا ہے، اور اس سورت میں دونوں فریقوں کے دنیا میں حال کا فرق کہ ایک فرماں بردار مؤمن ہے اور دوسرا بحث وجھگڑے اور گمراہی میں گرفتار ہے۔ ان کے ذکر سے دونوں کے ختم اور شروع میں مناسبت بھی ظاہر ہوگئی اور دنیا میں حال کے اس بیان سے پہلے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کا حق ہونا اور نازل کرنے والے کی بعض صفتیں جو مع توحید آئی ہیں انہیں بحث کرنے اور جھگڑنے والوں اور ان کے مقابلہ والوں کے اختلاف کے موقع پر تمہید وتعیین کے طور پر سمجھنا چاہئے، لہٰذا ختم اور شروع کے مضمون میں اجنبی کے خلل کا شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

﴿ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي
الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ
فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ
جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَ

ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: ﴿ حٰمٓ ﴾ یہ کتاب اُتاری گئی اللہ کی طرف سے، جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اُسی کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ اُن کے بعد ہوئے جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اُس ناحق سے حق کو باطل کردیں سو میں نے اُن پر دار و گیر کی۔ سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔ اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہونگے۔ جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، سو اُن لوگوں کو بخش دیجئے جنھوں نے توبہ کرلی ہے اور آپ کے راستے پر چلتے ہیں اور اُن کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار! اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، داخل کردیجئے اور اُن کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو لائق ہوں اُن کو بھی داخل کردیجئے۔ بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔ اور اُن کو تکالیف سے بچائیے۔ اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اُس پر آپ نے مہربانی فرمائی۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

تمہید میں قرآن مجید کے برحق ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفتوں کا بیان پھر ضدی جھگڑالو لوگوں کو دھمکانا اور توحید والوں کے مدائح:

﴿ حٰمٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے (لہٰذا قرآن اور توحید کے حق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے انکار اور اس کے بارے میں بحث و جھگڑا نہ کیا جائے، مگر پھر بھی) اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں (یعنی قرآن میں جو کہ توحید پر مشتمل ہے) وہی لوگ (ناحق بحث و جھگڑے کرتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں (اور اس انکار کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں سزا ہو جاتی، لیکن جلدی سزا نہ ہونا عادت کے خلاف ڈھیل دینا ہے) تو ان لوگوں کا شہروں میں (امن و امان کے ساتھ دنیاوی

فائدوں کے لئے) چلنا پھرنا آپ کو شبہ میں نہ ڈالے (کہ اس سے ان کا سزا سے ہمیشہ کے لئے بچا رہنا سمجھ لیا جائے اور آپ کے اس خطاب سے دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔غرض ان پر کسی نہ کسی وقت پکڑ ضرور ہوگی۔ چنانچہ) ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو کہ ان کے بعد ہوئے (جیسے عاد وثمود وغیرہ۔ دین حق کو) جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت (میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے، انھوں) نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا (کہ پکڑ کر قتل کردیا جائے) اور ناحق کے جھگڑے نکالے تا کہ اس ناحق کے ذریعہ حق کو باطل کردیں تو (آخر) میں نے ان پر پکڑ کی تو (دیکھو) میری طرف سے (انہیں) کیسی سزا ہوئی۔ اور (جس طرح انہیں دنیا میں سزا ہوئی) اسی طرح آپ کے پروردگار کا یہ قول تمام کافروں پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) جہنمی ہوں گے (یعنی یہاں بھی سزا ہوئی اور وہاں بھی ہوگی، اسی طرح کفر کے سبب ان موجودہ کافروں کی بھی پکڑ اور سزا ہونے والی ہے، چاہے دونوں عالم میں یا آخرت میں، یہ تو انکار کرنے والوں کا حال ہوا کہ وہ توہین و بے عزتی اور عذاب وسزا کے مستحق ہیں، اور جو لوگ توحید کے ماننے والے اور مؤمن ہیں، وہ ایسے عزت والے ہیں کہ مقرب فرشتے ایمان اور تسبیح کی طرح ان کے لئے دعا اور استغفار کرنے میں مشغول رہتے ہیں جو کہ ﴿ يَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ ﴾ کے قاعدہ کے مطابق ان کے استغفار کے لئے حکم دیئے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔ جس سے مؤمنوں کا اللہ کے نزدیک محبوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو فرشتے کہ (اللہ کے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے آس پاس ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح وحمد بیان کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح دعا و) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی (عام) رحمت اور علم ہر چیز پر چھائے ہوتے ہیں (لہٰذا ایمان والوں پر درجۂ اولیٰ میں رحمت ہوگی اور ان کے ایمان کا آپ کو علم بھی ہے) لہٰذا آپ ان لوگوں کو بخش دیجئے جنھوں نے (شرک اور کفر سے) توبہ کرلی ہے۔ اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں، اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے (جو کہ مغفرت کا تقاضا ہے کیونکہ عذاب کا سبب گناہ ہیں اور گناہوں کے دور ہونے سے عذاب بھی دور ہو جائے گا) اے ہمارے رب! اور (جہنم کے عذاب سے بچا کر) انہیں ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں داخل کردیجئے، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مؤمن) ہوں (چاہے ان کے درجہ کے نہ ہوں جن کی اوپر صفت بیان کی گئی) انہیں بھی داخل کردیجئے، بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں (کہ مغفرت پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہر ایک کے حال کے مناسب اس کو درجہ عطا فرماتے ہیں) اور (جس طرح ان کو جہنم سے بچانے کے لئے جو کہ سب سے اعظم عذاب ہے، آپ سے دعا ہے، اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ) انہیں (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکلیفوں سے بچایئے (چاہے وہ جہنم سے ہلکی ہوں جیسے قیامت کے دن کی پریشانیاں) اور آپ جس کو اس دن کی تکلیفوں سے بچالیں تو اس پر آپ نے (بہت)

مہربانی فرمائی۔ اور یہ (جس کا ابھی ذکر ہوا یعنی مغفرت وحفاظت اور چھوٹا بڑا عذاب اور جنت کا داخلہ) بڑی کامیابی ہے (لہٰذا اپنے مؤمن بندوں کو اس سے محروم نہ رکھئے)

فائدہ: یہاں سے سورۂ احقاف تک برابر ملی ہوئی سات سورتیں کلمہ ﴿حٰمٓ﴾ سے شروع ہوئی ہیں، اور عجیب لطیفہ ہے کہ ساتوں سورتیں قرآن مجید کے اللہ کے طرف سے نازل ہونے اور وحی کے ذریعہ آنے کے مضمون سے شروع ہوئی ہیں اور ایک آیت میں جو ﴿یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ آیا ہے، اس میں یا تو ﴿مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ سے مراد مؤمن ہیں یا استغفار سے مراد عذاب وسزا جلدی مانگنے کی دعا ترک کرنا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ۝ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ۝﴾

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو نفرت تھی۔ جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی۔ سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان بڑے رتبہ والا ہے۔

ربط: اوپر ملامت وڈرانے دھمکانے میں ﴿اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ سے کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کا ذکر تھا۔ اب جہنم میں داخل ہونے کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:

جو لوگ کافر ہوئے (وہ جب جہنم میں جا کر اپنے کفر وشرک اختیار کرنے پر حسرت وافسوس کریں گے اور خود ان کو اپنے آپ سے سخت نفرت ہوگی، یہاں تک کہ غصہ کے مارے انگلیاں کاٹ کاٹ کھائیں گے جیسا کہ الدر میں حسن سے روایت ہے۔ اس وقت انہیں پکارا جائے گا کہ جس طرح تمہیں (اس وقت) اپنے آپ سے نفرت ہے، اس سے بڑھ کر اللہ کو (تم سے) نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر (بلانے کے بعد) تم نہیں مانا کرتے تھے (اس کہنے سے مقصود حسرت وندامت زیادہ کرنا ہے) وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! (ہم جو دوسری زندگی کا انکار کیا کرتے تھے اور اسی کے انکار سے کفر وشرک اور تمام معصیتوں پر دلیر تھے۔ اب ہمیں اپنی غلطی معلوم ہوگئی چنانچہ) ہم

نے دیکھ لیا کہ) آپ نے ہمیں دوبار مردہ رکھا ایک بار ہمارے جنم لینے سے پہلے جب کہ بے جان مادوں کی حالت میں
تھے جن میں مشہور و معروف قسم کی جان نہیں ہوتی، اور دوسری بار جس کو سب موت کہتے ہیں) اور دوبار زندگی دی (ایک دنیا
کی زندگی، دوسری آخرت کی زندگی۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا ﴾ الخ یہ سب چار حالتیں
ہوئیں، اگرچہ ان میں انکار ایک ہی کا تھا، اور اسی کا اقرار اس وقت مقصود ہے لیکن باقی تین حالتوں کا اس لئے ذکر کر دیا کہ
وہ یقینی تھیں، لہٰذا مقصود یہ ہوگا کہ یہ چوتھی حالت بھی ان تینوں کی طرح یقینی اور محقق ہے) تو ہم اپنی خطاؤں کا جن میں
اصل بعث کا انکار ہے۔ اور باقی اس کے فروع) اقرار کرتے ہیں، تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے (کہ دنیا
میں پھر جا کر ان سب خطاؤں کی تلافی کر لیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ اور قول نقل کیا
گیا ہے ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ جواب ارشاد ہوگا کہ تمہارے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں، بلکہ اب ہمیشہ یہاں ہی
رہنا ہوگا، اور) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا (یعنی توحید کا ذکر ہوتا تھا) تو تم انکار کیا کرتے تھے
اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ﴾ الخ تو
(اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا (کیا ہوا) ہے جو عالی شان والا (اور) بڑے رتبہ والا ہے (یعنی چونکہ حق تعالیٰ کے اعلیٰ اور اکبر
ہونے کے اعتبار سے یہ عظیم جرم تھا، اس لئے فیصلہ سزا بھی عظیم تجویز ہوئی، یعنی ہمیشہ کا داخلہ)

﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ فَادْعُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ
عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ۙ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ
شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ
الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَـنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ۭ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ
يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ع
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ
اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

ترجمہ: وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے۔ اور صرف وہی شخص

نصیحت قبول کرتا ہے جو رجوع کرتا ہے۔ سوتم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو، گو کافروں کو ناگوار ہو۔ وہ رفیع الدرجات ہے، وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تا کہ اجتماع کے دن سے ڈرائے۔ جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے اُن کی کوئی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی۔ بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے گھٹ گھٹ جاویں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جاوے۔ وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اُن کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔ اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا۔ وہ لوگ قوت اور اُن نشانیوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو ان کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے اُن پر دارو گیر فرمائی۔ اور اُن کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ اُن کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے، پھر انھوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مؤاخذہ فرمایا۔ بیشک وہ بڑی قدرت والا سخت سزا دینے والا ہے۔

ربط: اوپر شروع کی آیتوں میں جو توحید و ملامت کا مضمون ہے، اب پھر اسی کا بیان ہے اور اس سے قریب ہی اوپر ﴿إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ﴾ الخ میں عذاب و سزا کے سبب شرک کا ذکر ہے۔ اگلے مضمون سے اس کا بھی بیان ہو گیا۔

توحید اور دھمکانا:

وہی ہے جو تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے (تا کہ ان سے توحید پر استدلال کرو) اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے (یعنی بارش کرتا ہے جس سے رزق پیدا ہوتا ہے، یہ بھی مذکورہ نشانیوں میں سے ہے) اور (ان نشانیوں سے) صرف وہی شخص (نصیحت قبول کرتا ہے جو (اللہ کی طرف) توجہ (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے (کیونکہ توجہ کرنے کے ارادہ سے غور و فکر کرتا ہے اور غور و فکر سے حق تک پہنچ جاتا ہے) تو (جب توحید پر دلیلیں قائم ہیں تو تم لوگ (کفر و شرک کو چھوڑ کر) اللہ کو خالص اعتقاد کر کے (یعنی توحید کے ساتھ) پکارو (اور مسلمان ہو جاؤ) چاہے کافروں کو ناگوار (ہی کیوں نہ) ہو، وہ بلند درجوں والا ہے، وہ عرش کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تا کہ وہ (وحی والا، لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے (یعنی قیامت کے دن سے) ڈرائے، جس دن سب لوگ (اللہ کے) سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی بات اللہ سے چھپی نہیں رہے گی، آج کے دن کس کی حکومت ہوگی؟ بس اللہ ہی کی ہوگی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اس کے کئے (ہوئے کاموں) کا بدلا دیا جائے گا۔ آج

(کسی پر) کچھ ظلم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور (جس طرح سبھی نبیوں اور رسولوں کو اس دن سے ڈرانے کا حکم ہوا ہے جیسا کہ ارشاد گذرا۔ اسی طرح آپ کو بھی اس کا حکم ہے، لہٰذا) آپ (بھی) ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے (کہ قیامت کا دن ہے) ڈرائیے، جس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے (اس دن) ظالموں (یعنی کافروں) کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا، جس کا کہنا مانا جائے (اور) وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں (جن کو کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو بندوں کے تمام اعمال کا علمی احاطہ ہے جس پر جزا و سزا موقوف ہے) اور (چونکہ اللہ تعالیٰ (کا علم اور تمام صفتیں کامل ہیں، اس لئے وہ) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے (اسی طرح اس میں کمال کی اور بھی صفتیں ہیں، اور دوسرے معبود کمال کی ان صفتوں سے خالی ہیں، اس لئے اس کے سوا دوسرا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک شریکوں کا مدد سے عاجز ہونا۔ دوسرے شرکت کی نفی۔ اور یہ لوگ جو جزا و سزا اور برابری کے مضمون سن کر کفر و شرک کے سزا کا سبب ہونے سے انکار کرتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں (اس کفر کی بدولت) ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ لوگ قوت اور ان نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں (جیسے عمارتیں وغیرہ) ان (موجودہ کافروں) سے بہت زیادہ تھے تو ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ ان میں سے سب سے شدید درجہ کفر تھا) اللہ نے ان پر پکڑ فرمائی (یعنی عذاب نازل کیا) اور انہیں کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا (آگے ان گناہوں کی تفصیل ہے کہ) یہ (پکڑ) اس سبب سے ہوئی کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں (یعنی معجزے جو کہ نبوت کی دلیلیں ہیں) لے کر آتے رہے، پھر انھوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پکڑ فرمائی۔ بے شک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے (لہٰذا جب پکڑ کی علت کفر و شرک ہے جو ان میں بھی مشترک ہے پھر یہ پکڑ سے کیسے محفوظ ہیں، چاہے دونوں جہانوں میں یا آخرت میں)

فائدہ: ﴿رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ﴾ بلند درجوں والا کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، جیسا کہ خازن میں ہے: ایک درجوں کو بلند کرنے والا اس صورت میں اس کو رسالت اور بعثت سے مناسبت ہوگی، کہ وہ کسی کا درجہ رسالت تک بڑھا دیتا ہے، جیسا کہ آگے ہے ﴿يُلْقِي الرُّوحَ﴾ الخ اور اسی طرح قیامت میں عمل والوں کو مختلف درجے عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور دوسرا مطلب عظیم صفتوں والا، لہٰذا درجات کا مجازی معنی میں صفتوں پر اطلاق ہوگا، کیونکہ اس کے اصل معنی بلند جگہوں اور سیڑھیوں کے ہیں۔

اور قیامت کو یوم الاجتماع یعنی جمع ہونے کا دن کہنا ظاہر ہے کہ اس میں ساری مخلوقیں جمع ہوں گی۔ اور در منثور میں

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ﴾ روایتوں میں دو بار آیا ہے ایک صور میں پہلی بار پھونک مارے جانے کے بعد سب کے فنا ہونے کے بعد دوسرا دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد حساب کے شروع ہونے سے پہلے، پہلے کا ذکر اس ارشاد میں ہے ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ﴾ الخ اور دوسرے کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تفسیر ان روایتوں پر موقوف نہیں، قرآنی دلالت سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ندا کا ذکر نہیں، بلکہ گفتگو کے وقت اس دن کو مبالغہ کے طور پر حاضر فرض کر کے بیان کے استفہام کے طور پر سوال کر کے جواب ارشاد فرماتے ہیں، اور اس فرض کی وجہ سے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ کو ﴿الْيَوْمَ﴾ فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ لہٰذا آیت سے نہ اس روایت کا تقاضا ہے اور نہ ہی اس کی نفی ہے۔ اس لئے نہ ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کی نفی کرنے والی اور ٹکرانے والی۔ اور ﴿الْاٰزِفَةِ﴾ میں قیامت کو قریب اس لئے کہا کہ روزانہ قریب ہوتی جا رہی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ
كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ
وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ
لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ ٣ ع ٨
يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ
اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ
مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا

ع ۹

كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا
هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ
وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ
حِسَابٍ ۝ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ
لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا
مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ ؏

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو اُن لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو۔ اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔ اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔ اور فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اُس کو چاہئے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خرد ماغ شخص سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک مؤمن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے، اس میں سے کچھ تو تم پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو، سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا؟ اگر وہ ہم پر آپڑا۔ فرعون نے کہا: میں تو تم کو وہی رائے دونگا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتلاتا ہوں۔ اور اُس مؤمن نے کہا: صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اور امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے۔ جیسا قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُن کے بعد والوں کا حال ہوا تھا۔ اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور صاحبو! مجھ کو تمہاری نسبت اُس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہونگی جس روز پشت پھیر کر لوٹو گے۔ تم کو خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جس کو خدا ہی گمراہ کرے اُس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

اوراس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف دلائل لے کر آچکے ہیں سوتم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتی کہ جب اُن کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپے سے باہر ہو جانے والوں، شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ اُن کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مؤمنین کو بھی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں۔ اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اُس کو مستحسن معلوم ہوئی تھیں اور راستہ سے رُک گیا۔ اور فرعون کی تدبیر غارت ہی گئی۔ اور اُس مؤمن نے کہا کہ اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں۔ اے بھائیو! یہ دینی زندگانی محض حظ چند روزہ ہے اور ٹھیرنے کا مقام تو آخرت ہے۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اُس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے وہاں بے حساب اُن کو رزق ملے گا۔ اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شریک کروں اور ایسی چیز کو اُس کا ساجھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدائے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہونگے۔ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُس کو اُن لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا۔ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا۔ وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کرو۔

ربط: اوپر جگہ جگہ توحید اور رسالت کا انکار کرنے والوں کی ملامت کے ضمن میں کافروں کی مخالفت اور عناد کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے رنج و ملال کا سبب ہے۔ اب رسول کی تسلی کے لئے اور توحید و رسالت کا انکار کرنے والوں کی ملامت کی تائید کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کا اتباع کرنے والوں کا قصہ بیان ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کا اتباع کرنے والوں کا قصہ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیلوں (یعنی معجزوں، جو نبوت کے دعوی کے سچے ہونے کی دلیل ہے) کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں (میں سے بعض نے یا سب) نے کہا کہ (نعوذ باللہ)

یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے (جادوگر معجزہ کے سلسلہ میں اور کذاب یعنی جھوٹا نبوت اور احکام کے دعوی میں کہا اور قارون چونکہ بنی اسرائیل میں سے تھا، اس لئے اس کے موسیٰ علیہ السلام کو ساحر یعنی جادوگر کہنے اور نہ کہنے دونوں کا احتمال ہے۔ اگر اس نے نہیں کہا تو ﴿قَالُوا﴾ میں اکثر کا غلبہ مراد ہوگا) پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس (دلیل سے ثابت حق اور سچا دین لے کر آئے، جو ہماری طرف سے تھا (تو جس پر بعض لوگ مسلمان بھی ہوگئے) تو ان (مذکورہ) لوگوں نے (مشورہ کے طور پر) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ (ہوکر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو (تاکہ ان کی جمعیت اور قوت نہ بڑھ جائے، جس سے سلطنت کے زوال کا اندیشہ ہے) اور (چونکہ عورتوں سے ایسا اندیشہ نہیں اور ہمارے گھروں میں خدمت کے کاموں کے لئے ان کی ضرورت ہے۔ اس لئے) ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔ غرض انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کو روکنے کی یہ تدبیر کی) اور ان کافروں کی تدبیر بالکل بے اثر رہی (چنانچہ آخر میں موسیٰ علیہ السلام غالب آئے، چاہے اس تدبیر پر عمل کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، کوئی روایت اس سے متعلق نہیں دیکھی اور یہ قتل پہلے والے قتل کے علاوہ ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کیا گیا تھا، پھر اس کے بعد خود موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے میں گفتگو ہوئی) اور فرعون نے (درباروالوں سے) کہا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکار لے، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد (نہ) پھیلا دے (کہ ایک دین کا نقصان ہے اور دوسرا دنیا کا، اور فرعون کا ﴿ذَرُوْنِیْٓ﴾ یعنی ''مجھے چھوڑ دو موسیٰ کو قتل کرنے دو'' کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ شاید درباروالوں نے اس وجہ سے قتل کرنے کی رائے نہ دی ہوگی کہ اسے ملک کی مصلحت کے خلاف سمجھا ہوگا کہ عام چرچا ہوگا کہ ایک ایسے شخص سے ڈر گئے جس کے پاس کوئی ساز وسامان بھی نہیں تھا، یا یہ کہنا چاپلوسی اور فریب کے طور پر ہے کہ عام سننے والے سمجھیں کہ اب تک تو قتل نہ کرنا مشیروں کے روکنے کی وجہ سے ہے چاہے قتل کی جرأت نہ ہونے کا اصل سبب آسمانی ہلاکت کا خوف ہو، کیونکہ دل میں تو معجزوں کی وجہ سے یقین ہو ہی گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور اسی طرح ﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ کہنا بہادری کے اظہار کے لئے ہو کہ چاہے دل اندر سے تھرا رہا ہو) اور موسیٰ (علیہ السلام نے جو یہ بات سنی خواہ خود اس سے سنا ہو یا کسی دوسرے کے واسطہ سے تو انھوں) نے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) رب کی پناہ لیتا ہوں ہر گھمنڈی تکبر کرنے والے شخص (کے شر) سے جو حساب کے دن پر یقین نہیں رکھتا (اور اس لئے حق کا مقابلہ کرتا ہے پہلی صورت یعنی خود اس سے سننے میں ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا خطاب فرعون وغیرہ کو ہوگا اور ﴿مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ﴾ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھنا ہوگا۔ اور اس کا ایسا مضمون ہوگا جیسا دوسری آیت میں ہے ﴿وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾ اور دوسری صورت یعنی کسی دوسرے کے واسطہ سے سننے میں ﴿وَرَبِّكُمْ﴾ کا خطاب بات پہنچانے والوں کو ہوگا اور ایسا مضمون ہوگا جیسا ایک

دوسری آیت میں ہے ﴿ قَالَ مُوسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ﴾ اور (مشورہ کی اس مجلس میں) ایک مؤمن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور اب تک) ایمان پوشیدہ رکھتے تھے (یہ مشورہ سن کر لوگوں سے) کہا کیا تم ایک شخص کو (صرف) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعوی پر) دلیلیں (بھی) لے کر آیا ہے (یعنی معجزے بھی دکھاتا ہے جو نبوت کے دعوی کے سچے ہونے اور توحید کی تبلیغ کے لئے اللہ کی طرف سے مقرر ہونے کی دلیل ہے اور دلیل موجود ہوتے ہوئے دلیل والے کی مخالفت کرنا اور مخالفت بھی اس درجہ کی کہ قتل کا ارادہ کیا جائے نہایت نامناسب ہے) اور اگر (فرض کرو) وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا (اور اللہ کی طرف سے آپ ہی ذلیل ورسوا ہوگا قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے (کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں ایسا ایسا عذاب ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾) اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑے گا (تو اس صورت میں قتل کر کے اپنے سر اور بھی زیادہ بلا لینا ہے۔ غرض اس کے جھوٹ کی صورت میں قتل کرنا فضول ہے اور سچا ہونے کی صورت میں نقصان دینے والا، پھر ایسا کام کیوں کیا جائے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا (جو اپنی) حد سے گذر جانے والا (اور) بہت جھوٹ بولنے والا ہو (یعنی چاہے کچھ دن اس کی بات چل جائے مگر اس حد سے گذرنے اور جھوٹ کا انجام ذلت ورسوائی اور محرومی وناکامی ہے۔ لہٰذا اس کلی قاعدہ کے اعتبار سے فرض کرو اگر موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہوں تو اس وجہ سے کہ نبوت کا جھوٹا دعوی حد درجہ کا حد سے گذرنا اور جھوٹ ہے اگر ایسے جھوٹے پر قہر نہ کیا جائے اور اسے ہلاک نہ کیا جائے تو مخلوق کو فریب میں مبتلا کرنا اور اس کے عیب کو چھپانا لازم آتا ہے، اور یہ بات عقل کے لحاظ سے حق تعالیٰ سے منفی ہے یعنی حق تعالیٰ کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا، لازمی بات ہے، یہ مغلوب اور ذلیل ورسوا ہوں گے۔ پھر قتل کی کیا ضرورت ہے اور اگر سچے ہیں تو تم لوگ یقینی طور پر جھوٹے ہو اور جھوٹ میں حد سے گذرنے والے بھی ہو کہ فرعون کے معبود ہونے کا دعوی کرنے والے ہو، اور حد سے گذرنے والے جھوٹے کو کامیابی نہیں ہوتی۔ لہٰذا تم لوگ قتل میں کامیاب نہیں ہوگے۔ یا تو قدرت نہیں ہوگی یا آخر میں اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ بہرحال دونوں صورتوں کا تقاضا یہی رہا کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اس بیان کی بنیاد پر تو کسی فساد پھیلانے والے کو قتل نہ کیا جایا کرے۔ جواب یہ ہے کہ یہ بیان اس صورت میں ہے جہاں جھوٹا یا سچا ہونے میں شبہ ہوا اور معجزوں سے کم سے کم درجہ سچ کے احتمال کا ضرور تھا۔ اور جہاں قطعی دلیلوں سے جھوٹ یقینی ہو وہاں یہ تردید نہیں ہے اور اگرچہ اس مؤمن کو موسیٰ علیہ السلام کے سچا ہونے کا پورا یقین تھا، مگر اس انداز سے گفتگو کرنا دعوت میں نرمی کا طریقہ اختیار کرنا اور ہدایت کا عمل دھیرے دھیرے کرنا ہے۔ آگے بھی اسی قتل سے روکنے سے متعلق مضمون ہے کہ) اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس ملک

میں تم حاکم ہو تو اللہ کے عذاب میں ہماری مدد کون کرے گا؟ اگر (ان کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر پڑا (جیسا کہ سچا ہونے کی صورت میں اس کا احتمال ہے) فرعون نے (یہ تقریر سن کر جواب میں) کہا کہ میں تمہیں وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں (کہ انہیں قتل کرنا ہی مناسب ہے) اور میں تمہیں بالکل مصلحت کا راستہ بتاتا ہوں۔ اور اس مؤمن نے (جب دیکھا کہ نصیحت میں نرمی اور مخاطب کے خیال کی رعایت سے کام نہیں چل رہا ہے تو اب ملامت اور ڈرانے دھمکانے سے کام لیا اور) کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں دوسری امتوں جیسے برے دن کا اندیشہ ہے، جیسا نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی لوط کی قوم وغیرہ) کا حال ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا (لیکن جب تم حرکتیں ہی ایسی کرو گے تو ضرور ہی اس کی سزا پاؤ گے) اور (یہ دنیا کے عذاب سے ڈرانا تھا۔ آگے آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے کہ) صاحبو! مجھے تمہارے بارے میں اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بہت زیادہ پکارا جائے گا (یعنی وہ دن بہت عظیم اور بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے، کیونکہ بہت زیادہ پکارا جانا بہت عظیم اور بڑے بڑے واقعات ہونے میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی پکار صور پھونکنے کی ہوگی جس سے مردے زندہ ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ﴾ ایک پکار حساب کے لئے ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ ایک پکار جنت والوں اور جہنم والوں میں آپس میں ہوگی جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ الخ اور ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ﴾ الخ ایک پکار آخر میں موت کو ذبح کرنے کے وقت ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے: يا أهل الجنة خلود ولا موت ويا أهل النار خلود ولا موت: یعنی "اے جنت والو! تم ہمیشہ کے لئے داخل ہو گئے اور اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اے جہنم والو! تم ہمیشہ کے لئے داخل ہو گئے اور اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور آگے یہاں اس دن کی ایک اور حالت بیان کی گئی ہے) جس دن (حساب کے لئے جمع ہونے کی جگہ سے) پیٹھ پھیر کر (جہنم کی طرف) لوٹو گے (جیسا کہ البغوی نے تفسیر کی ہے اور اس وقت) تمہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا (اور یہ مضمون انتہائی درجہ میں ہدایت کا تقاضا کرنے والا ہے، لیکن) جس کو اللہ ہی گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور (آگے اس پر ملامت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دوسرے رسول کو بھی جھٹلا چکے ہیں، یعنی) اس سے پہلے تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) توحید و نبوت کی دلیلیں لے کر آ چکے ہیں (یعنی اس قبطی قوم میں جن میں سے تم بھی ہو اور پچھلے باپ دادا سے تم تک بھی ان کی خبر برابر پہنچی ہے) تو تم ان معاملوں میں بھی برابر شک (و انکار) ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا (یہ قول شرارت کے طور پر تھا۔ مطلب یہ کہ اول تو یوسف بھی رسول نہیں تھے، اور اگر فرض کرو تھے بھی تو جب ایک کو نہ مانا تو اللہ میاں کہیں گے کہ

دوسرے کو بھیجنے کی کیا ضرورت تو ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہوگیا۔ اس سے اصلی مقصود رسالت کے مسئلہ کی نفی ہے جیسا کہ اگلے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تم اس مسئلہ میں غلط راستہ پر ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ آپے سے باہر ہوجانے والوں (اور) شک وشبہ میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے، جو کسی سند کے بغیر جو ان کے پاس موجود ہو، اللہ کی آیتوں میں بحث و جھگڑا کیا کرتے ہیں (اس منہ زوری اور کٹھ حجتی) سے اللہ تعالیٰ کو بھی نفرت ہے، اور مؤمنوں کو بھی اور (جس طرح تمہارے دلوں پر مہر لگا رکھی ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر گھمنڈ تکبر کرنے والے جبر وزیادتی کرنے والے کے پورے دل پر مہر کر دیتا ہے (کہ اس میں حق کو سمجھنے کی بالکل گنجائش نہیں رہتی، یہ ان مؤمن بزرگ کی تقریر تھی اور اس تقریر سے ان بزرگ کے ایمان چھپانے سے اشکال ختم ہوگیا، چاہے پہلی تقریر سے جس میں انھوں نے کہا ﴿ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴾ اور پہلی بات ظاہر ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ الخ اور ﴿ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا ﴾ الخ وغیرہ سے دوسری بات کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس سے مقصود نرمی اختیار کرنا ہے نہ کہ ایمان کو چھپانا اور فرعون نے (جو ایسی تقریر سنی جس کا کوئی جواب نہیں تو فرعون اس مؤمن کو کچھ جواب نہیں دے سکا اپنے زعم میں اپنی پرانی جہالت پر حجت قائم کرنے کے لئے اس نے ہامان سے) کہا: اے ہامان! میرے واسطے ایک اونچی عمارت بناؤ (میں اس پر چڑھ کر دیکھوں گا) شاید میں آسمان پر جانے کے راستوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر (وہاں جاکر) موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو موسیٰ کو (اس دعوی میں کہ کوئی اور معبود ہے) جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (پھر محل بنایا نہیں اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں کہیں کوئی ذکر نہیں ملا) اور (آگے تلخیص کے طور پر فرعون کی مجموعی حالت کی مذمت ارشاد ہے کہ اسی جہالت تک کیا محدود ہے) اسی طرح فرعون کے (دوسرے) برے عمل (بھی) اسے اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ (سیدھے) راستہ سے رک گیا اور (موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی تدبیریں کیں، مگر) فرعون کی (ہر) تدبیر ناکام ہی ہوگئی (اور وہ کسی میں کامیاب نہ ہوا) اور اس مؤمن نے (جب دیکھا کہ فرعون سے کوئی معقول جواب نہیں بن پڑا تو پھر دوبارہ) کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم میرے راستہ پر چلو، میں تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتاتا ہوں (یعنی ہدایت کا راستہ میرا بتایا ہوا راستہ ہے نہ کہ فرعون کا۔ جیسا کہ اس نے کہا تھا ﴿ مَآ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴾) اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیاوی زندگی صرف چند دن کے مزے کا سامان ہے اور مستقل طور پر رہنے کا (اصل) مقام تو آخرت ہے (جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر کا ہی بدلا ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے چاہے (وہ) مرد ہو یا عورت شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو، ایسے لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں انہیں بے حساب رزق ملے گا اور (اس مؤمن کو قوم کے حال سے یا انکی باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ انہیں میری باتوں پر تعجب ہورہا ہے، اور وہ خود مجھے اپنے کفر کے طریقہ کی طرف بلانا چاہتے ہیں، اس لئے یہ بھی کہا کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات (کے طریقہ) کی طرف بلاتا ہوں اور تم

مجھے جہنم (کے طریقہ) کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ (توبہ توبہ) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں، اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس (کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں (یعنی واقع میں بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیلیں قائم ہیں) اور میں تمہیں زبردست، خطائیں بخشنے والے (اللہ) کی طرف بلاتا ہوں یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی عبادت) کی طرف مجھے بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں (کسی دنیاوی حاجت کے لئے) پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ ہی (عذاب کو دور کرنے کے لئے) آخرت میں (کیونکہ برحق دعوت کے لئے کامل علم وقدرت شرط ہے اور یہاں شرط موجود نہیں ہے) اور (یقینی بات ہے کہ) ہم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور (یقینی بات ہے کہ) جو لوگ (بندہ ہونے کے) دائرہ سے نکل رہے ہیں (جیسے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے) وہ سب (وہاں جاکر) جہنمی ہوں گے تو اب میرا کہنا تمہارے جی کو نہیں لگتا، مگر) آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور (قوم کی طرف سے آثار سے یا کچھ کلموں سے کچھ دھمکی معلوم ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ المعالم میں ہے۔ اور کم سے کم اس کا شبہ تو ضرور ہی تھا، اس لئے اس مؤمن نے یہ بھی کہا کہ) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد (اور حوالہ) کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب بندوں کی (ازخود) نگرانی کرنے والا ہے (میں تم سے بالکل نہیں ڈرتا) پھر (اللہ تعالیٰ نے اس (مؤمن) کو ان لوگوں کی نقصان پہنچانے والی تدبیروں سے محفوظ رکھا (محفوظ رکھنے کی تفصیل تو ہماری نظر سے کہیں نہیں گذری کہ فرعونیوں نے اس کے واسطے کیا تدبیر سوچی ہوگی، بہرحال وہ محفوظ رہا۔ چنانچہ قتادہ کے قول کے مطابق اسے بھی غرق ہونے سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل ہوئی، جیسا کہ الدر میں ہے) اور فرعون والوں پر (فرعون سمیت) ایذا پہنچانے والا عذاب نازل ہوا (جس کا آگے بیان ہے کہ) وہ لوگ (برزخ میں) صبح وشام جہنم کی آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ تمہیں قیامت کے دن اس میں ڈالا جائے گا) اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اس دن حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو (فرعون سمیت) نہایت سخت عذاب میں داخل کردو (چنانچہ وہ داخل ہوں گے، اور اس سے مراد جہنم ہے، اور پھر جہنم کا بھی سخت طبقہ اور برزخ میں اس آگ کا صرف قریب سے معائنہ اور اثر محسوس ہوتا ہے اور جس آگ سے برزخ کا عذاب ہوگا وہ برزخ ہی کی آگ ہے، چاہے اس کی حقیقت الگ ہو یا وہ جہنم ہی کی آگ کا اثر ہو)

فائدہ: عمارت بننے نہ بننے کی تحقیق سورۃ القصص میں گذر چکی ہے۔ اور آخری آیتوں سے برزخ کا عذاب ثابت ہوتا ہے، اس پر ابن کثیر نے ایک سوال اور اس کے جواب لکھے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہودی عورت کو کچھ دیا تو اس نے دعا دی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر جناب رسول اللہ ﷺ سے کیا اور قبر کے عذاب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے نفی فرمائی کہ قبر میں عذاب نہیں ہوتا مگر اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے

کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے، لہٰذا جب مکی آیت اس پر دلالت کرنے والی موجود تھی تو آپ نے اس کی نفی کیسے فرمائی؟ اس کے کئی جواب دیئے ہیں: ان میں سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ آپ نے مطلق نفی نہیں فرمائی تھی بلکہ مؤمنوں پر قبر کے عذاب کی نفی فرمائی تھی۔ چنانچہ احمد کی روایت میں ہے: إنما یفتن یھود: یعنی "یہود کو قبر میں عذاب ہوگا" پھر وحی کے ذریعہ کچھ مسلمانوں کو بھی قبر کا عذاب ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے: فلبثنا لیالی، ثم قال رسول اللہ علیہ وسلم الا إنکم تفتنون فی القبور: یعنی چند راتیں گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار قبر میں تمہیں بھی عذاب ہوگا۔ اور احقر کے نزدیک آسان جواب یہ ہے کہ آیت سے صرف فرعون والوں کے لئے برزخ کا عذاب ثابت ہے، اس لئے نفی فرمادی تھی، پھر وحی سے معلوم ہوگیا۔

﴿ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ﴾ ع ۵ ۱۴ ۱۰

ترجمہ: اور جبکہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنی درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا۔ اور جتنے لوگ دوزخ میں ہونگے جہنم کے مؤکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعاء کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے۔ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے۔ دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے۔ فرشتے کہیں گے کہ تو پھر تم ہی دعاء کرلو اور کافروں کی دعاء محض بے اثر ہے۔

ربط: اوپر کافروں کو چند جگہ وعید سنائی گئی ہے، سورت کے شروع آیت ۵ میں ﴿ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾ اور آیت ۶ میں ﴿ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ آیت ۱۸ میں ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ﴾ الخ اوپر قصہ میں آیت ۴۳ ﴿ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾۔ آگے جہنم والوں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد بعض حالات کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ ﴾ الخ میں یہی مضمون تھا۔ اور آگے ان جہنم والوں کے عموم میں فرعون والے بھی داخل ہیں، جن کا قصہ ابھی بیان ہوا ہے۔

جہنم میں داخل ہونے کے بعد کافروں کے بعض حالات:

اور (وہ وقت بھی نظر میں رکھنے کے قابل ہے) جب کہ (مکہ کے) کافر جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو نچلے درجہ کے لوگ (یعنی اتباع کرنے والے) اونچے درجہ کے لوگوں سے (یعنی جن کا اتباع کیا جاتا تھا، ان سے) کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ (یعنی جب تم ہم سے اپنا اتباع کراتے تھے تو اب تمہیں ہماری مدد کرنی چاہئے) وہ لوگ جو تکبر کرتے تھے، کہیں گے کہ ہم سب ہی جہنم میں (پڑے) ہیں (یعنی جس طرح تم جہنم میں ہو ہم بھی جہنم میں ہیں، تو اگر ہم میں کچھ مدد کرنے کی قوت ہوتی تو پہلے اپنی ہی فکر کرتے جب ہم خود اپنے آپ سے ہی عذاب کو دور نہیں کر سکتے تو تم سے کیا دور کریں گے) اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا (اب اس کے خلاف کا احتمال نہیں، اس فیصلہ میں ہم سب جہنمی ٹھہرے، اب کیا ہوتا ہے؟) اور (اس کے بعد جتنے لوگ جہنم میں ہوں گے (یعنی اتباع کرنے والے اور جن کا اتباع کیا جاتا تھا سب مل کر) جہنم کے محافظ فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے (یعنی اس کی تو کیا امید کریں کہ عذاب بالکل ہٹ جائے یا ہمیشہ کے لئے ہلکا ہو جائے مگر خیر ایک ہی دن کے لئے ہلکا ہو جائے) فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آتے رہے تھے؟ (اور جہنم سے بچنے کا طریقہ نہیں بتاتے رہے تھے؟ جہنمی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہتے تھے (مگر ہم نے ان کا کہنا نہیں مانا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا ﴾) فرشتے کہیں گے تو پھر (ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے، کیونکہ جھٹلانے والوں کے لئے دعا کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے) تم ہی (اگر جی چاہے) دعا کر لو اور (تمہاری دعا کا بھی کوئی نتیجہ نہیں ہوگا، کیونکہ) کافروں کی دعا (چاہے حق تعالیٰ ہی سے ہو، آخرت میں) بالکل بے اثر ہے (کیونکہ اس دعا کا اور اس کی قبولیت کی شرط کا یعنی ایمان کا موقع دنیا ہی میں تھا، کہ یہ عمل کرنے کا عالم ہے، جبکہ آخرت جزا کا عالم ہے وہاں عمل بے کار ہے)

فائدہ: ﴿ دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ ﴾ کے بیان میں جو کہا گیا "چاہے حق تعالیٰ ہی سے ہو" یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ سے دعا کرنا تو دنیا میں بھی بے اثر ہے، چنانچہ سورۂ رعد آیت ۱۴ میں جو آیا ہے ﴿ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ وہاں یہی معنی ہیں۔ اور یہ جو کہا کہ "آخرت میں" اس سے یہ فائدہ ہوا کہ دنیا میں کافر کی دعا قبول ہو سکتی ہے جیسا کہ ابلیس نے لمبی عمر کی دعا مانگی اور وہ منظور کی گئی۔

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ

اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ۝ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ
لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْكَارِ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ
سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ
الْبَصِیْرُ۝ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ وَ مَا
یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ۙ۬ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ۝
اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ
اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۝ ع ۶ ۱۰ ۱۱

ترجمہ: ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اُس روز بھی جس میں کہ گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔ جس دن کہ ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور اُن کے لئے لعنت ہوگی اور اُن کے لئے اُس عالم میں خرابی ہوگی۔ اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت تھی اہل عقل کے لئے۔ سو آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگئے اور شام اور صبح اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے۔ جو لوگ بلا کسی سند کے جو اُن کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اُن کے دلوں میں نری بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔ بالیقین آسمان اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے اور بینا نابینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور بدکار باہم برابر نہیں ہوتے۔ تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی اس میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہونگے۔

ربط: اوپر جگہ جگہ حق کا انکار کرنے والوں کو ملامت اور ڈرانے دھمکانے کے ضمن میں ان کے اختلاف اور بحث وجھگڑے کا ذکر ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ کو رنج وملال بھی ہوتا تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آگے مدد ونصرت کی خبر کے ذریعہ آپ کی تسلی ہے کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قصہ سے گواہی ہے اور اس میں مذکورہ عذاب کے واقع ہونے کی علت بھی ہے اور بنی اسرائیل سے متعلق خبر سے رسالت کے مسئلہ کی تائید بھی ہے۔ اور صبر وتسبیح اور استعاذہ کے حکم سے آپ کی تسلی کے ساتھ بحث وجھگڑا کرنے والے منکروں کو ملامت اور ان کے بعض ان معاملات سے متعلق کچھ کلام ہے جن میں بحث اور جھگڑا ہے۔

رسول کی تسلی، گمراہ لوگوں کی ملامت اور بعض بحثوں اور جھگڑوں کا رد:

ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں (جیسا کہ اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوا) اور اس دن بھی جس میں کہ گواہی دینے والے (فرشتے جو کہ نامۂ اعمال لکھتے تھے اور وہ قیامت کے دن اس بات کی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کا کام کیا اور کافروں نے جھٹلانے کا کام کیا۔ غرض وہ فرشتے گواہی کے لئے کھڑے ہوں گے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے، چنانچہ وہاں کی مدد کا حال ابھی کافروں کے جہنم کے عذاب میں ڈالے جانے سے معلوم ہوا۔ آگے اس دن کا بیان ہے جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی (یعنی اول تو کوئی ذکر کے قابل معذرت نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی مجبوری کی سی حرکت ہوئی بھی تو وہ نفع نہیں دے گی، اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی (لہٰذا اس طرح آپ اور آپ کا اتباع کرنے والوں کی بھی مدد ہوگی، اور مخالفوں کو ذلت و رسوائی اور قہر ہوں گے۔ تو آپ تسلی رکھئے) اور (آپ سے پہلے) ہم موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی جو کہ (صحیح) عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی (برخلاف بے عقلوں کے کہ انھوں نے اس سے نفع نہیں اٹھایا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صاحب رسالت اور صاحب وحی ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح ہی آپ کا اتباع کرنے والے آپ کی کتاب کی خدمت کریں گے اور جس طرح ان میں عقل والے، تصدیق کرنے والے اور اتباع کرنے والے تھے اور بے عقل انکار کرنے والے اور مخالف تھے، اسی طرح آپ کی امت میں بھی دونوں طرح کے لوگ ہیں) تو (اس سے بھی) آپ (تسلی حاصل کیجئے اور کافروں کی اذیتوں پر) صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ (جس کا اوپر ﴿لَنَنْصُرُ﴾ الخ میں ذکر ہوا ہے بالکل) سچا ہے اور (اگر کبھی صبر کے کمال میں کچھ کمی ہوگئی ہو جو شرعی قواعد کے مطابق واقع میں تو گناہ نہیں، مگر آپ کے اعلیٰ رتبہ کے اعتبار سے تدارک کے واجب ہونے میں گناہ ہی کی طرح ہے۔ اس کا تدارک کیجئے، اور وہ تدارک یہ ہے کہ) اپنے (اس) گناہ کی (جس کو مجاز کے طور پر گناہ کہہ دیا) معافی مانگئے اور (ایسے شغل میں رہئے کہ حزن و ملال کا سبب بننے والے امور کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ وہ شغل یہ ہے کہ (شام) اور صبح (یعنی ہمیشہ) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہئے

یہ مضمون تو تسلی سے متعلق ہوگیا۔ آگے انکار کرنے اور بحث و جھگڑا کرنے والوں پر ملامت اور رد ہے، یعنی) جو لوگ بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس موجود ہو اللہ کی آیتوں میں بحث و جھگڑے کیا کرتے ہیں (انہیں شک و شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو بحث و جھگڑے کا سبب ہو بلکہ) ان کے دلوں میں صرف ایسی بڑائی (ہی بڑائی) ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں (اور وہی بڑائی بحث و جھگڑے کا سبب ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اتباع سے شرم محسوس کرتے ہیں، وہ خود دوسروں ہی کو اپنا تابع بنانے کی ہوس رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ بڑائی نصیب نہیں ہوگی، بلکہ جلدی ہی ذلیل و خوار ہوں

گے۔ چنانچہ جلدی ہی سب نے دیکھ لیا کہ واقعی وہ مسلمانوں سے مغلوب ہوئے) تو (جب یہ خود بڑائی چاہتے ہیں تو آپ سے حسد وعداوت سب کچھ کریں گے، لیکن) آپ (اندیشہ نہ کیجئے بلکہ ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگتے رہئے، بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا (تو وہ اپنے کمال کی صفتوں سے اپنی پناہ میں آئے ہوئے کو محفوظ رکھے گا۔

یہ بحث و جھگڑا تو ان کا رسول ماننے میں تھا، چنانچہ گھمنڈ و تکبر کا سبب ہونا اس پر دلالت کرتا ہے۔ آگے بعث میں ان کا جھگڑا بحث سمیت بیان کیا گیا ہے یعنی جو لوگ انسانوں کے دوبارہ پیدا ہونے کے منکر ہیں وہ بڑے کم عقل ہیں، اس واسطے کہ) یقیناً آسمانوں اور زمین کا (شروع میں) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں بڑا کام ہے (جب بڑے پر قدرت ثابت ہوگئی تو چھوٹے پر درجۂ اولیٰ میں ثابت ہے اور یہ دلیل ثبوت کے لئے کافی وشافی ہے) لیکن اکثر لوگ (اتنی بات) نہیں سمجھتے (اس وجہ سے کہ غور نہیں کرتے اور بعض جو غور کرتے ہیں وہ سمجھتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں، اور اس سمجھنے اور ماننے میں فرق کی وجہ سے دو طرح کے مختلف لوگ ہوگئے۔ ایک بصیرت اور ایمان کی صفت والے، کہ پہلی صفت سمجھنے کی حاصل ہے اور دوسری صفت ماننے کی حاصل ہے۔ دوسرے اندھے ہونے اور برے عمل کرنے کی صفت والے کہ پہلی صفت نہ سمجھنے کی حاصل ہے اور دوسری صفت نہ ماننے کی حاصل ہے) اور (ان دونوں قسموں کے آدمی یعنی ایک) دیکھنے والا (دوسرا) نابینا، اندھا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) برے کام کرنے والے برابر نہیں ہوتے (اس میں آپ کی تسلی بھی ہے کہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، سب کیسے سمجھنے لگیں؟ اور انکار کرنے والوں پر قیامت کے عذاب کی وعید بھی ہے کہ ہم سب کو برابر نہ رکھیں گے۔

آگے انکار کرنے والوں کو جو اندھے اور برے کام کرنے والے کے مصداق ہیں التفات کے طور پر ملامت کے انداز میں فرماتے ہیں کہ) تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو، ورنہ اندھے اور برے کام کرنے والے نہ رہتے۔ اور پر قیامت سے متعلق بحث و جھگڑے کا جواب دے کر) آگے اس کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ) قیامت تو ضرور ہی آ کر رہے گی، اس (کے آنے) میں کسی طرح کا شک ہی نہیں ہے مگر اکثر لوگ (دلیلوں میں غور نہ کرنے کی وجہ سے اس کو) نہیں مانتے۔

اور (ان کی ایک بحث توحید کے سلسلہ میں تھی کہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ آگے اس سے متعلق کلام ہے یعنی تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ (حاجتوں کے لئے غیروں کو مت پکارو بلکہ) مجھے پکارو میں (نامناسب درخواست کو چھوڑ کر) تمہاری (ہر) درخواست قبول کرلوں گا (اور اس قید ﴿فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ﴾ کے یہی معنی ہیں) جو لوگ (صرف) میری عبادت سے (جس میں مجھ سے دعا مانگنا بھی داخل ہے) گھمنڈ کرتے ہیں (اور غیروں کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں، مطلب یہ کہ جو لوگ توحید سے منہ پھیر کر شرک کرتے ہیں) وہ جلدی ہی (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

فائدہ: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ سے متعلق تحقیق سورۂ مائدہ آیت ۵۶ میں گذر چکی ہے یہاں اس سے زیادہ اتنی بات اور تفسیر ابن کثیر میں نظر سے گذری کہ مدد و نصرت کی صورت کبھی بدلا لینا ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہم کافروں سے رسولوں کا اور ایمان والوں کا بدلا لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کبھی کافروں نے رسولوں اور مؤمنوں پر غلبہ پا کر انہیں قتل وہلاک کیا تو چاہے اس وقت حق والے مغلوب ہو گئے۔ مگر اللہ کی جانب سے کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور تاریخ سب گواہ ہیں اور یہ جواب احقر کو بہت پسند آیا۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۶۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲
كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝۶۳ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۴ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۵
قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَ اُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا
مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۶۸﴾ ع ۷

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اُس میں آرام کرو اور اُسی نے دن کو روشن بنایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو تم لوگ کہاں اُلٹے چلے جارہے ہو؟ اسی طرح وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب، سو بڑا عالیشان ہے اللہ، جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم خالص اعتقاد کر کے اُس کو پکارا کرو۔ تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آ چکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے گردن جھکا لوں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے

نکالتا ہے پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تا کہ تم سب وقت مقرر تک پہنچ جاؤ اور تا کہ تم لوگ سمجھو۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرما دیتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان معاملوں میں جن میں بحث اور جھگڑا تھا، آخر میں توحید کا ذکر تھا۔ اب بھی یہی مضمون ہے اور توحید، تمہید کے بیان کے مطابق سورت کے اصل مقاصد میں سے ہے۔

توحید:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تا کہ تم (اس میں آرام کرو اور اس نے دن کو دیکھنے کے لئے روشن بنایا (تا کہ بے تکلف روزی روزگار حاصل کرو) بے شک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے (کہ ان کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایت فرمائی) لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے (بلکہ الٹا شرک کرتے ہیں) تمہارا رب وہ اللہ ہے (جس کا ذکر ہوا۔ نہ کہ وہ جو تم نے گھڑ رکھے ہیں) وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو (توحید کے ثابت ہو جانے کے بعد) تم لوگ (شرک کر کے) کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ (اور ان مخاطب لوگوں کی کیا خصوصیت ہے، جس طرح تعصب اور عناد کی وجہ سے یہ لوگ الٹے چلے جا رہے ہیں) اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی (پیدا کی ہوئی اور نازل کی ہوئی) نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے (یہ بات اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ اس میں ایک طرح سے آپ کی تسلی بھی ہے) اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کے لئے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو (اوپر سے) چھت (کی طرح) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا تو عمدہ نقشہ بنایا (چنانچہ انسان کے اعضا میں جو تناسب اور حسن و جمال رکھا گیا ہے کسی بھی حیوان کے اعضا میں ایسا نہیں پایا جاتا، جس کو سب دیکھتے، جانتے اور تسلیم کرتے ہیں) اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (تو بس) تمہارا رب وہی اللہ ہے، بڑا عالی شان والا ہے اللہ، جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، وہی (ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے) زندہ (رہنے والا) ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو (اور شرک نہ کیا کرو) تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ آپ (ان مشرکوں کو سنانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آ چکیں (عقلی و نقلی دلیلیں مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ شرک سے مجھے منع کر دیا گیا ہے) اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں (عبادت میں صرف) عالموں کے رب کے سامنے گردن جھکا لوں (مطلب یہ کہ مجھے توحید کا حکم ہوا ہے) وہی ہے جس نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ آدم کو) مٹی سے پیدا کیا، پھر (آگے ان کی نسل کو) نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے (جیسا کہ سورۃ

الحج آیت ۵ میں بیان ہوا ہے) پھر تمہیں بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے، پھر (تمہیں زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر (تمہیں اور زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی (ان عمروں یعنی جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے ہی مر جاتا ہے (یہ تو سب کا الگ الگ حاصل ہوا کہ کوئی جوان ہوا، کوئی نہ ہوا، کوئی بوڑھا ہوا کوئی نہ ہوا) اور (اگلا معاملہ سب میں مشترک ہے، وہ یہ کہ تم میں سے ہر ایک کو ایک خاص عمر دیتا ہے) تا کہ تم سب (اپنے اپنے) مقررہ وقت (جو تقدیر میں مقرر کیا گیا اور لکھا گیا ہے) تک پہنچ جاؤ (لہٰذا یہ کلی امر ہے اور مختلف جزئیات سب اسی کلی کے جزئے ہیں) اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا) تا کہ تم لوگ (ان معاملوں میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کو) سمجھو، وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کو (اچانک اور ایکدم ہی) پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس کے بارے میں (اتنا) فرما دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ﴿ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ کی تحقیق سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۷ میں گذر چکی ہے۔ اور اس سے دھیرے دھیرے پیدا کرنے اور بنانے کی نفی نہ سمجھ لی جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ اگر کسی چیز کو ایک ہی بار میں پیدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے تو دھیرے دھیرے درجہ بدرجہ پیدا کرنا چاہے تو بدرجۂ اولیٰ پیدا کر سکتا ہے اور ترجمہ کی وضاحت سے اس جواب کی طرف اشارہ ہو گیا ہے اور اس کا ایک جواب سورۂ یٰسٓ آیت ۸۲ میں بھی گذر چکا ہے۔

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ۝ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ
وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۝ فِي
الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ
قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ
تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ۝ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا
عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا
جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۝ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں؟ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں؟ جن لوگوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اُس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا، سو اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہونگے اور زنجیریں۔ ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جائیں گے۔ پھر یہ

آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھران سے پوچھا جاوے گا کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک ٹھیراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہوگئے بلکہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے۔ یہ اُس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلہ میں کہ تم اتراتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہو۔ سو متکبرین کا وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ تو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر جس کا ان سے ہم وعدہ کررہے ہیں، اُس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دیدیں تو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعضے تو وہ ہیں کہ اُن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور کسی رسول سے یہ نہ ہوسکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کرسکے پھر جس وقت اللہ کا حکم آوے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوجاوے گا۔ اور اُس وقت باطل خسارہ میں رہ جائیں گے۔

ربط: اوپر آیتوں ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ﴾ الخ میں جس طرح کافروں پر ملامت اور آپ ﷺ کی تسلی تھی، اسی طرح آگے بھی ہے۔ لیکن وہاں کفر کی جزا مختصر انداز میں بیان کی گئی تھی ﴿ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے اور وہاں تسلی میں صرف موسیٰ علیہ السلام کے جزیئے کا ذکر تھا۔ یہاں تمام رسولوں کا کلی ذکر ہے۔

بحث و جھگڑا کرنے والوں کو ملامت اور ڈرانا دھمکانا اور رسول ﷺ کو تسلی:

کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بحث اور جھگڑے کرتے ہیں (وہ حق سے) کہاں پھرے چلے جارہے ہیں؟ جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی (جھٹلایا) جو ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا (اس میں کتابیں اور احکام اور معجزے سب داخل ہوگئے کیونکہ عرب کے مشرک لوگ کسی اور رسول یا نبی کو بھی نہیں مانتے تھے) تو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو کہ قریب ہی ہے) معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان طوقوں میں) زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی جن کے دوسرے سرے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اور ان زنجیروں سے) انہیں گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جائیں گے، پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کے سوا وہ سب (معبود) کہاں گئے جنہیں تم (معبود ہونے میں) شریک ٹھہراتے تھے (یعنی وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟) وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہوگئے، بلکہ (سچ بات تو یہ ہے کہ) ہم اس سے پہلے (دنیا میں جو بتوں کو پوجتے تھے تو اب معلوم ہوا کہ) کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے (یعنی معلوم ہوا کہ ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، ایسی بات غلطی کے ظاہر ہونے کے وقت کہی جاتی ہے جیسے کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھائے اور اس سے پوچھا جائے کہ تم فلاں چیز کی تجارت کیا کرتے ہو؟ اور وہ کہے میں تو کسی بھی چیز کی تجارت نہیں کرتا،

یعنی جب اس کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا تو یوں سمجھنا چاہئے کہ کچھ بھی نہ ہوا۔ آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے (کہ جس چیز کی کوئی حیثیت نہ ہونے اور کوئی فائدہ نہ پہنچانے کا وہاں خود اقرار کریں گے، آج یہاں ان کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ) یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے، اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے (﴿ تَفْرَحُوْنَ ﴾ یعنی ''خوشیاں مناتے تھے'' کا تعلق دل سے ہے اور ﴿ تَمْرَحُوْنَ ﴾ یعنی ''اتراتے تھے'' کا تعلق بدن سے ہے۔ چاہے لغت کے اعتبار سے ہو یا اس کے مقابلہ میں، یعنی دنیا کے ساز و سامان کو اصل مقصود سمجھ کر اس کو حاصل کرنے پر دل میں ایسے خوش ہوتے تھے کہ اس کے اثر ونشان ان سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ جیسے چال وغیرہ میں جس سے منع کیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ اور اس سے پہلے انہیں حکم ہوگا کہ) جہنم کے دروازں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو۔ تو (اللہ کی آیتوں کے مقابلہ میں گھمنڈ کرنے والوں) کا وہ برا ٹھکانا ہے (اور جب ان سے اس طرح انتقام لیا جائے گا) تو آپ (تھوڑا) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر جس (عذاب) کا (مطلق) ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (کہ کفر عذاب کا سبب ہے) اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھا دیں (یعنی آپ کی زندگی میں وہ ان پر نازل ہو جائے) یا (اس کے نازل ہونے سے پہلے ہی) ہم آپ کو وفات دیدیں (پھر چاہے بعد میں نازل ہو یا نہ ہو) تو (دونوں احتمال ہیں، ان میں سے کوئی ایک بات ضروری نہیں، لیکن ہر حال اور ہر احتمال پر) انہیں ہمارے ہی پاس آنا ہوگا (اور اس وقت ان پر یقینی طور پر عذاب واقع ہوگا) اور (اس بات کو یاد کر کے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ) ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، جن میں بعض تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے (مختصر انداز میں یا تفصیل کے ساتھ) بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور (یہ معاملہ سب میں مشترک ہے کہ) کسی رسول سے یہ نہیں ہوسکا کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ ظاہر کر سکے (اور اپنی امت کی ہر فرمائش پوری کر سکے، تو بعض اس لئے بھی انہیں جھٹلاتے رہے، اس طرح یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ تسلی رکھئے اور صبر کیجئے) پھر جس وقت (عذاب کے نازل ہونے کے لئے) اللہ کا حکم آئے گا (چاہے دنیا میں یا آخرت میں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ ﴾ الخ) ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت باطل والے لوگ نقصان میں رہ جائیں گے۔

فائدہ: ﴿ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ ﴾ الخ سے یہ مقصود نہیں کہ جھٹلانے کی تمام باتوں کا مجموعہ عذاب کی بنیاد ہے کیونکہ ان میں سے ہر قول وعمل ہمیشہ کے عذاب کا سبب ہے، بلکہ مشرکوں کا حال بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ دونوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور یہ جو ارشاد فرمایا ﴿ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾ اس سے ظاہر ہے حمیم یعنی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹتے ہوئے لے جانا جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخلہ سے پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء اسی کے قائل ہیں کہ حمیم جہنم سے باہر ہے اور انھوں نے سورۃ الصافات کی آیت ۶۸ ﴿ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى

﴿الْجَحِيمِ﴾ کو اس پر محمول کیا ہے کہ حمیم پلانے کے وقت انہیں جہنم سے باہر لائیں گے اور حمیم پلا کر پھر جہنم میں لے جائیں گے جیسا کہ لفظ ﴿مَرْجِعَهُمْ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض اس کے قائل نہیں ہیں اور ان آیتوں پر توجہ دی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ﴾ (سورۃ الدخان آیت ۴۷ و ۴۸) ان آیتوں سے جحیم یعنی جہنم کا حمیم یعنی کھولتے ہوئے پانی سے پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۷ ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ جہنم میں ڈالے گئے لوگوں کے اس سے باہر آنے کی نفی ہوتی ہے۔ اور ہر فریق نے دوسرے کی دلیلوں میں مناسب تاویل کی ہے، احقر کو آیتوں میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے کبھی کچھ کبھی کچھ۔ ان میں سے حمیم اور جحیم بھی ہیں، لہٰذا دونوں کا مسئلہ برابر جاری رہے گا، لہٰذا ہر قسم ایک فرد کے اعتبار سے دوسری قسم سے پہلے بھی ہے اور دوسرے فرد کے اعتبار سے اس سے بعد میں بھی ہے اور جہنم کا اطلاق کبھی حمیم کے مقابلہ پر آتا ہے کبھی حمیم سے عام مفہوم پر، کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا خود اسی آگ کا اثر ہے، لہٰذا اس میں ڈالا جانا بالکل آگ ہی میں ڈالا جانا ہے، لہٰذا پہلے معنی کے اعتبار سے حمیم کو جحیم سے باہر کہہ سکتے ہیں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے جہنم سے باہر نہ ہونے کا حکم صحیح رہتا ہے، اس وضاحت میں تمام آیتیں جمع ہوگئیں اور اس وضاحت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے ﴿هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ﴾ اور اس موقع پر ابن کثیر نے کہا ہے: **يسحبونهم على وجوههم تارة إلى الحميم وتارة إلى الجحيم**: یعنی "کبھی انہیں چہروں کے بل گھسیٹتے ہوئے حمیم کی طرف لے جائیں گے اور کبھی جحیم کی طرف۔ **واللہ أعلم بحقيقة الحال۔**

اور ﴿ضَلُّوا عَنَّا﴾ پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ دوسری آیتوں سے خود بتوں اور شیطانوں کا بھی جہنم میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ یعنی تم اور جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جاؤ گے (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸) اور ارشاد ہے ﴿قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ﴾ یعنی "وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے رب! اس کو میں نے گمراہ نہیں کیا تھا" (سورۂ ق آیت ۲۷) پھر ﴿ضَلُّوا﴾ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ یا تو اس وقت وہ ان کی نظروں کے سامنے نہ ہوں یا آسان ترین معنی یہ ہے کہ **ضلوا عن نصرتنا**: یعنی ہماری مدد سے گئے۔

اور ﴿فَاصْبِرْ﴾ کی علت میں عذاب کے واقع ہونے کے وعدہ کا سچا ہونا جو بیان فرمایا، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ ایسے رحیم و شفیق ہونے کے باوجود ان کے لئے عذاب چاہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ایمان سے مایوس ہونے کے بعد حق والوں کے ساتھ (کہ جن کو وہ ظالم ستاتے تھے) اس عذاب سے چاہنے کا سبب ہمدردی کرنا ہو تو یہ رحمت شفقت کے خلاف نہیں، جب ظالم کو مظلوم کی مدد و نصرت میں سزا دی جائے تو اس کو کوئی رحمت و شفقت کے خلاف نہیں کہہ سکتا، آخر اس حکمت کے لئے جہاد بھی ہوتا تھا۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ
وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ
اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا
كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ
مُشْرِكِیْنَ ۝ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ
وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ ع ۹ ۱۴

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تا کہ اُن میں بعض سے سواری لو اور اُن میں بعض کو کھاتے بھی ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ تم اُن پر اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اُن پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔ اور تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، اُن کا کیسا انجام ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے، سو اُن کی کمائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ غرض جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے علم پر بڑے نازاں ہوئے جو اُن کو حاصل تھا اور اُن پر وہ عذاب آپڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور اُن سب چیزوں سے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ سو اُن کو اُن کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اُس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

ربط: اوپر آیت ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ﴾ الخ میں توحید کا مضمون تھا۔ اب اس پر سورت ختم ہے، جس میں پہلے توحید کی دلیل ہے، پھر اس کے انکار پر ملامت ہے پھر گذشتہ امتوں کے مشرکوں کا حال یاد دلا کر ڈرانا و دھمکانا اور اسی سلسلہ میں عذاب کے معائنہ کے وقت مشرک سے توبہ کا قبول نہ ہونا ارشاد ہے۔

عالموں کے رب کی توحید اور منکروں مشرکوں کی علامت اور ان کے ڈرانے دھمکانے پر سورت کا خاتمہ:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تا کہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ ان کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور اون کام آتے ہیں) اور (اس

لئے بنائے) تاکہ تم ان پر (سوار ہوکر) اپنے مقصد (ومنزل) تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے (جیسے کسی سے ملنے کے لئے جانا، تجارت کے لئے جانا وغیرہ۔ اوپر خود سوار ہونا مقصد تھا یہاں اس سوار ہونے کی غرض ہے) اور (سوار ہونے میں کچھ انہی کی خصوصیت نہیں بلکہ) ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو، اور (ان کے علاوہ) تمہیں اپنی (قدرت کی) اور بھی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے (چنانچہ ہر بنی ہوئی چیز اس کے بنانے والے کی قدرت اور کاری گری کی ایک نشانی وعلامت ہے) تو تم اللہ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کروگے (اور یہ لوگ جو دلیلوں کے قائم ہونے کے بعد بھی توحید کے منکر ہیں تو کیا انہیں شرک کے وبال کی خبر نہیں؟ اور) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں (اس شرک کی بدولت) ان کا کیسا انجام ہوا (حالانکہ) وہ لوگ ان سے (تعداد میں) بھی زیادہ تھے اور قوت اور ان نشانوں میں (بھی) زیادہ بڑھے ہوئے تھے جو کہ وہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں (جیسے عمارتیں وغیرہ) تو ان کی (یہ تمام تر) کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی (اور اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے) غرض جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس روزی وروزگار کے) علم پر بڑا ناز کرنے لگے جو انہیں حاصل تھا (یعنی روزی روزگار کو مقصود سمجھ کر اور اس میں انہیں جو لیاقت حاصل تھی اس پر خوش ہوئے، اور آخرت میں اٹھائے جانے کا انکار کرکے جنت کی طلب کو دیوانگی اور اس کے انکار پر عذاب کی وعید کو مذاق اڑانے کا ذریعہ قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ الخ) اور (اس کے وبال میں) ان پر وہ عذاب آپڑا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ (اب) ہم اکیلے اللہ پر ایمان لے آئے اور ان سب چیزوں سے منکر ہوگئے جنہیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے تو ان کو ان کے اس ایمان لانے نے نفع نہیں دیا، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا (کیونکہ وہ ایمان بے بسی اور مجبوری کا ہے اور بندہ اختیاری ایمان کا مکلف ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت (یعنی جب ایمان کا کوئی فائدہ نہ ہوا) کافر نقصان میں رہ گئے (لہٰذا ان مشرکوں کو بھی ان سارے مضمونوں کو سمجھ کر ڈرنا چاہئے۔ ان کے لئے بھی یہی ہوگا، پھر کچھ تلافی نہ ہوسکے گی)

فائدہ: جب آخرت کا عذاب اور عذاب کے فرشتے نظر آجائیں تو اس وقت کا ایمان قبولیت کے قابل نہیں، اور اس کو ایمان یاس یا بے بسی کا عذاب کہتے ہیں اور اس کی تحقیق سورۂ نساء آیت ۱۸ میں گذری ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

﴿الحمد للہ! سورۃ المؤمن کی تفسیر ۲۷ ربیع الاول بروز سنیچر سنہ ۱۴۲۵ھ کو مکمل ہوئی اور اس کے بعد سورۃ حم السجدة کی تفسیر ہے﴾

(۴۱) سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۶۱)
اٰیَاتُھَا ۵۴ رُکُوْعَاتُھَا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا حاصل یہ مضمون ہیں:

(۱) توحید، جس سے تمہید کے بعد سورت شروع ہوئی ہے اور پچھلی سورت اسی پر ختم ہوئی تھی۔ جس کا صریح بیان آیت ۸ سے چلا ہے۔ پھر آیت ۳۷ ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ ﴾ الخ سے اس کو دوبارہ لایا گیا ہے اور پھر ختم کے قریب آیت ۴۷ ﴿ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا ﴾ الخ دہرایا گیا ہے

(۲) دوسرا مضمون جو توحید سے پہلے شروع میں تمہید کے طور پر بیان ہوا ہے پھر آگے آیت ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا ﴾ الخ سے دہرایا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں آیت ۳۴ ﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ ﴾ الخ میں آپ کی تسلی کے طور پر صبر کرنے اور معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور پھر آگے آیت ۴۱ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ ﴾ الخ میں تسلی کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون توحید و رسالت کے انکار پر ڈرانا دھمکانا اور عذاب کے انکار پر وعید ہے، شروع میں آیت ۶ ﴿ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ﴾ الخ میں پھر آیت ۱۳ ﴿ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ ﴾ الخ میں اور پھر آیت ۴۰ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ﴾ الخ میں بیان ہوئی ہے اور چونکہ اس میں قیامت کے عذاب کا ذکر ہے، اس مناسبت سے قیامت کے واقع ہونے کی تحقیق ہے جو شروع میں آیت ۳۹ ﴿ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ﴾ میں پھر آیت ۴۷ ﴿ اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ میں اور پھر آیت ۵۴ ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ﴾ میں بیان کی گئی ہے اور اس مضمون کے مقابلہ اور اس کو پورا کرنے کے لئے کئی جگہ ایمان والوں کے لئے خوش خبریوں کا بھی ذکر کیا ہے اور باقی مضمون بیچ بیچ میں انہی مضمونوں کے تابع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

﴿ حٰمٓ ۝ (۱) تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (۲) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ (۳) بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ

أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ
لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
ع وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ ﴾

ترجمہ: ﴿حٰمٓ﴾ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں۔ بشارت دینے والا ہے، ڈرانے والا ہے۔ سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں، ہمارے دل اُس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک حجاب ہے۔ سو آپ اپنا کام کئے جایئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اُس کی طرف سیدھ باندھ لو اور اُس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں، جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو موقوف ہونے والا نہیں۔

توحید کی تمہید میں قرآن مبین کا اور رسالت کا برحق ہونا اور منکرین پر ڈانٹ اور تتمہ میں منکرین کی سخت سزا اور مؤمنین موحدین کے ثواب کا بیان:

﴿حٰمٓ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ (کلام) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے (تاکہ جن لوگوں میں یہ نازل ہوا ہے، وہ آسانی سے سمجھ لیں اور) ایسے لوگوں کے لئے (نفع دینے والا) ہے جو عقل و (دانش اور) سمجھ والے ہیں (یعنی اگرچہ مکلف سبھی ہیں، مگر اس سے فائدہ صرف عقل و دانش والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اور ماننے والوں کے لئے) خوش خبری دینے والا ہے (اور نہ ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے تو (کمال کی ان صفتوں کا تقاضا یہ تھا کہ اس پر سب ایمان لاتے، مگر) اکثر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیرا، پھر (منہ پھیرنے کی وجہ سے) وہ سنتے ہی نہیں اور (جب آپ انہیں سناتے ہیں تو) وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں، ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں (یعنی وہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی) اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگ رہی) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک پردہ ہے تو آپ اپنا کام کرتے رہئے (یعنی ہم سے اس کو قبول کر لینے کی کوئی امید نہ رکھئے اور پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہتے رہئے آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ہم اپنے طریقہ کو نہ چھوڑیں گے) آپ فرما دیجئے کہ (ٹھیک ہے میں تمہیں ایمان

پر مجبور کرنے کی تو قدرت نہیں رکھتا کہ زبردستی قبول کراسکوں، کیونکہ) میں بھی تم جیسا ہی انسان ہوں (لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے الگ سے یہ حیثیت دی ہے کہ) مجھ پر (وحی) نازل ہوتی ہے اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقل کے لحاظ سے قبول کرنے کے قابل ہے، یعنی) یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (یعنی میں وحی اور نبوت والا ہوں، جس کی تصدیق معجزوں کے ذریعہ ہو چکی ہے، جن میں سب سے بڑا (عظیم معجزہ قرآن ہے جس کا بیان اوپر ہوا ہے اور نبی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس کی کوئی بات عقل سے ثابت نہ ہو تب بھی ماننی چاہئے، جب کہ وہ بات عقل سے ثابت بھی ہو) تو (اس حالت میں تمہارے قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، ضرور قبول کرو، اور) تم سیدھے اسی (سچے و برحق معبود) کی طرف رخ اختیار کرلو (یعنی کسی اور کی عبادت کی طرف توجہ مت کرو) اور (اب تک جو اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کی ہے، اس عبادت کی) اس سے معافی مانگو (یعنی توحید اختیار کرو اور گذشتہ شرک سے توبہ کرو) اور (آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو (نبوت کے ثابت ہونے اور اتباع کے واجب ہونے کے مضمون کو سن کر بھی اپنے طریقہ کو نہیں چھوڑتے اور) زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں (اور ان کے برخلاف) جو لوگ (رسالت کے حق ہونے کا اعتقاد کرکے) ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں ہے۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا یہ قول ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ الخ مذمت کے طور پر نقل کیا ہے جس سے اس کا جھوٹا اور باطل ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض آیتوں میں خود ان چیزوں کا اثبات فرمایا ہے جیسے ﴿وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ جیسا سورۃ الانعام، بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں ہے، لہٰذا ان کو جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان اقوال سے کافروں کا رسول اور قرآن کی باتوں کو قبول کرنے کی استعداد و قابلیت کا بالکل نہ ہونا بیان کرنا مقصود تھا۔ اور یہ باطل ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود فعل سے قریب کی استعداد و قابلیت کا نہ ہونا بیان کرنا ہے۔ اور یہ حق ہے۔ دوسرے ان کی اس کلام سے غرض اپنے کفر پر اصرار کے عزم کی خبر دینا تھا۔ اور یہ مذمت کے قابل اور برا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ہے، کیونکہ کبھی کلام کا رد کرنا اس کے اعتبار سے نہیں ہوتا جس پر دلالت ہوتی ہے بلکہ غرض کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور یہاں ﴿لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ سے متعلق دو سوال ہیں: ایک یہ کہ کافروں پر زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے وعید کا کیا مطلب ہے؟ دوسرے زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورت مکی ہے؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر مذمت اس کی ذاتی حیثیت سے مقصود نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ کافروں میں ایمان نہ لانے کی وجہ سے یہ زکوٰۃ نہ دینا، ایمان نہ ہونے کی علامت ہے، لہٰذا اصل مقصود کفر پر مذمت کرنا ہے اور دوسری علامتوں میں سے اس کی تخصیص شاید

اس لئے ہے کہ ایمان نہ لانے کے اسباب میں سے ایک سبب مال کی محبت بھی ہے۔ جو زکوٰۃ نہ دینے کا سبب ہے، اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا لفظ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کے معنی میں عرب والوں میں پہلے سے بھی مشہور تھا چنانچہ شعر: امیة: الفاعلون للزکوٰۃ: نقل کیا گیا ہے اور مطلق بھلائی کے کاموں میں بعض موقعوں میں خرچ کرنا مکہ میں بھی واجب تھا اور مخصوص معنی میں مخصوص شرطوں کے ساتھ فرض ہونا مدینہ کے ساتھ خاص ہے۔

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾﴾

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اُس کے شریک ٹھیراتے ہو۔ یہی سارے جہان کا رب ہے۔ اُس نے زمین میں اُس کے اوپر پہاڑ بنادیئے اور اُس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں، اور اُس میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں۔ چار دن میں یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اُس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اُس کے سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اُس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اُس کی حفاظت کی، یہ تجویز ہے زبردست واقف الکل کی۔

ربط: اوپر توحید کی تمہید کے طور پر رسالت کا مضمون تھا۔ اب توحید کا مضمون ہے۔

توحید:

آپ (ان لوگوں سے) فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسی ذات (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (اتنی بڑی وسعت کے باوجود) دو دن (کی مقدار کے وقت) میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، یہی (اللہ جس کی قدرت معلوم ہوئی) سارے جہان کا رب ہے (لہٰذا معبود بھی وہی ہے) اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنادیئے۔ اور اس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں (جیسے پیڑ پودے اور جانور وغیرہ) اور (زمین) میں اس (کے

رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کردیں (چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ زمین کے ہر حصہ میں رہنے والوں کے لئے مناسب الگ الگ غذائیں ہیں یعنی زمین میں ہر قسم کے غلے میوے پیدا کردیئے، کہیں کچھ، کہیں کچھ، جن کا سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے، یہ سب) چار دن میں (ہوا، دو دن میں زمین دو دن میں پہاڑ وغیرہ جو گنتی میں) پورے ہیں (مخلوق کی تعداد و مقدار پوچھنے والوں کے لئے (جیسے یہود نے آپ سے ﴿خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے بارے میں پوچھا، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) پھر (یہ سب کچھ پیدا کر کے) آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا (یعنی اس کا مادہ جو کہ زمین کے مادہ کے بعد اور زمین کی موجودہ صورت سے پہلے بن چکا تھا، اس شکل میں تھا) تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں (کو ہمارے حکم کی طرف آنا تو ضرور پڑے گا، اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہے) خوشی سے آؤ یا زبردستی سے (آؤ، مطلب یہ کہ ہمارے تکوینی احکام جو تم دونوں میں جاری ہوا کریں گے جیسے آسمان میں اس کے بعد ہی تبدیلی ہونے والی تھی کہ اس کا مادہ جو ایک ہی تھا، اس سے کئی آسمان بننے والے تھے اور زمین میں قیامت تک بے انتہا تبدیلیاں ہوتی چلی جائیں گی، تو ان کا جاری ہونا تو تمہارے اختیار سے باہر ہے، لیکن جو ادراک شعور و احساس تمہیں عطا ہوا ہے اس سے تمہاری حالت کے مطابق راضی ہونا اور راضی نہ ہونا دونوں باتیں ہوسکتی ہیں، جیسے انسان کے لئے مرض یا موت کہ ان کے غیر اختیاری ہونے کے باوجود کوئی اس پر راضی ہے کوئی ناراض ہے۔ تم تو دیکھ لو کہ ہمارے ان احکام پر راضی رہا کرو گے یا ناپسند کیا کرو گے؟) دونوں نے عرض کیا کہ ہم (ان احکام کے لئے) خوشی سے حاضر ہیں تو دو دن میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور (چونکہ آسمان فرشتوں سے بھر دیئے تھے، اس لئے) ہر آسمان میں (فرشتوں کو) اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا (یعنی جن فرشتوں سے جو کام لینا تھا، وہ انہیں بتا دیا جیسا کہ مدتوں بعد زمین پر وحی آتی تھی) اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے سجایا اور (شیطانوں کے چوری چھپے خبر لے آنے سے) اس کی حفاظت کی۔ یہ تجویز (اس ذات کی) ہے جو زبردست ہے اور سب سے واقف ہے (لہٰذا عبادت کے لائق یہ ذات ہے جو کامل صفتوں والی ہے یا دوسری چیزیں جس کی ذات بھی ناقص اور صفتیں بھی ناقص؟)

فائدہ: زمین اور آسمان کی پیدائش سے متعلق ترتیب سورۂ بقرہ آیت ۲۹ اور جمادات یعنی بے جان کے ادراک سے متعلق سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ میں اور دنیاوی آسمان کو سجانے سے متعلق سورۃ الصفت آیت ۶ میں اور آسمانوں کی حفاظت سے متعلق سورۃ الحجر آیت ۷ اور اس کے بعد کی آیتوں میں کلام ہوچکا ہے، البتہ آسمانوں کی حفاظت سے متعلق اتنی بات رہ گئی تھی کہ جب دنیاوی آسمان شیطانوں سے محفوظ ہے تو دوسرے آسمان اس سے بدرجۂ اولیٰ میں محفوظ ہیں۔

اب چند فائدے اس موقع سے متعلق لکھتا ہوں۔

اول: یہ کہ زمین میں پہاڑ بنانے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھنے کے ساتھ جو چار دن کی بات فرمائی یہ صرف اسی

کا یعنی پہاڑ بنانے اور غذائیں تجویز کرنے کا زمانہ نہیں، ورنہ اس صورت میں مجموعہ آٹھ دن ہو جائیں گے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنانے کی کئی جگہ تصریح ہے۔ چنانچہ یہ زمانہ پہلے والے کے ساتھ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دو سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار سال میں مکتب میں بٹھایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دودھ چھڑانے کے دو سال کے علاوہ چار سال میں مکتب میں بٹھایا کہ اس طرح کل چھ سال ہو جاتے ہیں بلکہ اس طرح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دو سال کی عمر میں دودھ چھڑایا اور چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھایا، یعنی دودھ چھڑانے کے دو سال مکتب میں بٹھانے کے چار سال میں شامل ہیں، ان سے الگ نہیں ہیں۔

دوسرے: ان چار دنوں کے ساتھ لفظ سواء کیوں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا ہے وہ دو دن پورے نہیں تھے، بلکہ اس کے آخری وقت یعنی عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو بنایا گیا جیسا کہ مسلم میں ہے۔ اس لئے وہاں سواء فرمایا تاکہ سننے والا ایجاز پر محمول نہ کرلے جیسا کہ محاوروں میں کسر کو پورا کرلیا کرتے ہیں۔

تیسرے: ﴿لِّلسَّآئِلِیۡنَ﴾ یعنی پوچھنے والوں کی تخصیص زمین اور اس سے متعلق چیزیں پیدا کرنے میں کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید اس میں اس بات کا اشارہ ہو کہ عام پوچھنے والوں کے ذہن کے لحاظ سے زمین اور اس سے متعلق چیزوں کا چار دن میں بننا آسمانوں کے دو دن میں بننے کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے کہ مدت کم اور جسے بنایا گیا وہ اعظم یعنی سب سے بڑا، لہٰذا سوال کا جواب زمین اور اس سے متعلق چیزوں میں سمجھنے کے لئے آسان ہے۔

چوتھے: ''تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے'' کا خطاب زمین سے اس کے برابر ہونے کے بعد اور آسمان سے برابر ہونے سے پہلے ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین میں برابر ہونے کے بعد بھی آسمان کے برخلاف بہت سی تبدیلیاں ہونے والی تھیں، اس لئے زمین کی حالت برابر ہونے کے بعد اور آسمان کی حالت برابر ہونے سے پہلے ایک ہی جیسی ہیں۔

﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡہُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ قَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً ؕ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَہُمۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیۡقَہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَخۡزٰی وَ ہُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ فَہَدَیۡنٰہُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا ع ٢ ١٦
جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ
عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا
كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا
يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾
فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ
فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع ٣ ١٧

ترجمہ: پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد ثمود پر آفت آئی تھی۔ جبکہ اُن کے پاس اُن کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مت پوجو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اُس سے بھی منکر ہیں جس کو دے کر تم بھیجے گئے ہو۔ پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے۔ اور کہنے لگے وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟ کیا اُن کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا، وہ اُن سے قوت میں بہت زیادہ ہے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے، تو ہم نے اُن پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تا کہ ہم اُن کو اس دنیوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اُن کو مدد نہ پہنچے گی۔ اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے اُن کو راستہ بتلایا سو انھوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا، پس اُن کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے پکڑ لیا اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے، اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کر کے لائے جاویں گے پھر وہ روکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اُس کے قریب آجاویں گے تو اُن کے کان اور آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن پر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف میں کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اُس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی اور اُس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس پھر لائے گئے ہو، اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں۔ اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تم کو برباد کیا پھر تم خسارہ میں

پڑ گئے۔سو اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں تو بھی مقبول نہ ہوگا۔اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو اُن سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں، بیشک وہ بھی خسارہ میں رہے۔

ربط: اوپر توحید کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں شرک پر انکار اور توحید کا اثبات تھا۔اب توحید کا انکار کرنے والوں کو جلدی کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور بعد کے عذاب کی وعید سناتے ہیں اور قصہ کے ضمن میں رسالت کے انکار پر بھی ملامت فرماتے ہیں۔جیسا کہ فرمایا﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ﴾الخ۔

توحید و رسالت کا انکار کرنے والوں کو دھمکانا و ڈرانا:

پھر (توحید کی دلیلیں سن کر بھی) اگر یہ لوگ (توحید سے) منہ پھیریں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں، جیسی آفت عاد اور ثمود پر (شرک و کفر کی بدولت) آئی تھی (اس سے ہلاک کرنے والا عذاب مراد ہے، چنانچہ مکہ والے بھی بدر میں ہلاک کئے گئے اور عاد و ثمود کا قصہ اس وقت واقع ہوا تھا) جب کہ ان (عاد و ثمود) کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی رسول آئے (یعنی جو رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے، انھوں نے بڑی کوشش سے بہت زیادہ سمجھایا جیسے کوئی شخص کسی کو کبھی سامنے سے آکر سمجھائے اور کبھی پیچھے سے آکر سمجھائے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا قول نقل فرمایا ہے﴿لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾الخ اور ان رسولوں نے یہی کہا) کہ اللہ کے سوا کسی اور کو مت پوجو۔انھوں نے جواب دیا کہ (تم جو کہتے ہو کہ اللہ نے ہمیں رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے کہ توحید کی طرف دعوت دیں، تو اپنے آپ میں خود یہی غلط ہے، کیونکہ) اگر ہمارے رب کو (یہ) منظور ہوتا (کہ) کسی کو رسول بنا کر بھیجے) تو (اس کام کے لئے) فرشتوں کو بھیجتا تو (جب یہ نہیں ہوا تو) ہم اس (توحید) سے منکر ہیں، جو کچھ دے کر (تمہارے زعم کے مطابق) تمہیں (رسول کے طور پر) بھیجا گیا ہے، پھر (ان کے لئے اس مشترکہ قول کے بعد ہر ایک کے خاص حال کی یہ تفصیل ہے کہ) وہ جو عاد کے لوگ تھے، وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور (جب عذاب کی وعید سنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت ۷۱ میں ہود کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾تو) کہنے لگے کہ وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے (جو ہمارے اوپر کوئی حادثہ واقع کرے جسے ہم دور نہ کر سکیں؟ آگے جواب ہے کہ) کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا وہ قوت میں ان سے بہت زیادہ ہے (اور وہ عذاب واقع کر سکتا ہے مگر اس کے باوجود

بھی ایمان نہ لائے) اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جو (اللہ کے عذاب کے نازل ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں) منحوس تھے تا کہ ہم انہیں اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اس رسوائی کے وقت کسی طرف سے بھی) انہیں مدد نہیں پہنچے گی۔ اور وہ جو ثمود تھے تو (ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ) ہم نے انہیں (رسولوں کے ذریعہ سے) راستہ بتایا تو انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا، چنانچہ انہیں پوری طرح ذلت کے عذاب نے پکڑ لیا۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے اور ہم نے (اس عذاب سے) ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے (یہاں تک دنیاوی عذاب کا ذکر تھا) اور (آگے آخرت کے عذاب کا ذکر ہے یعنی انہیں وہ دن بھی یاد دلایئے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کافر لوگ) جہنم کی طرف جمع کر (نے) کے (لئے حساب کی غرض سے جمع کرنے کے مقام پر) لائے جائیں گے، پھر (راستہ میں انتہائی کثرت کی وجہ سے اکٹھے رہنے کے لئے) وہ روکے جائیں گے (تا کہ باقی لوگ بھی آجائیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴾) یہاں تک کہ جب وہ (سب جمع ہو کر) اس (جہنم) کے قریب آجائیں گے (اس سے قیامت کے دن جمع ہونے کا مقام مراد ہے، کیونکہ جہنم قریب ہی نظر آئے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جہنم کو جمع ہونے کے مقام میں حاضر کریں گے اور آیا ہے کہ کافر اپنے چاروں طرف جہنم ہی دیکھے گا۔ غرض یہ کہ جب جمع ہونے کے مقام میں آجائیں گے اور حساب شروع ہوگا) تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور (اس وقت) وہ لوگ (تعجب کے ساتھ) اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ (ہم تو دنیا میں تمہارے ہی لئے سب کچھ کرتے تھے جیسا کہ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں ہے: فعنکن کنت أُنَا فضِلُ: میں تو تمہاری ہی طرفداری کرتا تھا) وہ (اعضا) جواب دیں گے کہ ہمیں اس (مطلق قدرت والے نے) بولنے کی قوت دی جس نے (گویا) ہر چیز کو بولنے کی قوت دی (جس سے ہم نے خود اپنے اندر اس کی قدرت کا مشاہدہ کرلیا) اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر (تم دوبارہ زندہ کرکے) لائے گئے ہو (اگرچہ تم اس کا انکار کرنے والے تھے لہٰذا جو اللہ ایسا قدرت والا عظیم شان والا ہو اس کے سامنے اس کے پوچھنے پر ہم حق کو کیسے چھپا سکتے تھے کہ اس کی عظمت یعنی بڑائی اس کے لئے رکاوٹ تھی، اس لئے ہم نے گواہی دیدی) اور (آگے حق تعالیٰ ان انکار کرنے والوں سے خطاب فرمائیں گے کہ) تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا (اور بچا) ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (کیونکہ حق تعالیٰ کی قدرت مطلق طور پر اور اعمال کا علم واقع میں ثابت ہے اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ناپسندیدہ اعمال سے بچتے) لیکن تم (اس لئے نہیں بچے کہ) اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں (یہاں علم اور خبر عام معنی

میں ہے، کیونکہ بعض جاہل لوگوں کو تو خود علم ہی کا اعتقاد نہ تھا، جیسا کہ اس کی شان نزول میں روایت ہے اور بعض لوگ اس علم کی نفی کرتے تھے جو توجہ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کے نزدیک سزا کے قابل نہیں، کیونکہ سزا برے عمل پر ہوتی ہے اور وہ کفر سے متعلق اعمال کو برا نہیں سمجھتے تھے، اور علم کا جو انجام جزا ہے بعثت کے انکار کی وجہ سے اس کا سب انکار کرتے تھے، لہٰذا یہاں علم میں مجاز کے عموم کے طور پر اطلاع، توجہ اور جزا سب شامل ہیں) اور تمہارے اسی گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تمہیں برباد کیا (کیونکہ وہ اس گمان کی وجہ سے کفر والے اعمال کے مرتکب ہوئے اور وہ اعمال (ان کی بربادی کے سبب ہوئے) پھر تم (ہمیشہ کے) نقصان میں پڑ گئے تو (اس حالت میں) اگر یہ لوگ (اس بربادی و نقصان پر) صبر کریں (اور تقدیر کے بھروسہ رہ کر عذر و اعتراض نہ کریں) تب بھی جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہے (یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کا صبر اور ان کی خاموشی رحم کا سبب و ذریعہ بن جائے جیسا کہ کبھی کبھی دنیا میں ایسا ہو جاتا ہے) اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو (یہ عذر) بھی قبول نہ ہوگا، اور ہم نے (دنیا میں) ان (کافروں کے) لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیطان) مقرر کر رکھے تھے تو انھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا رکھے تھے (اس لئے وہ ان اعمال پر اصرار کرتے تھے) اور (کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے) ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کی بات (یعنی عذاب کا وعدہ) پوری ہو کر رہی جو ان سے پہلے جن اور انسان (کافر) گذر چکے ہیں۔ بے شک وہ (سب) بھی نقصان میں رہے۔

فائدہ: ذکر میں عاد اور ثمود کی تخصیص اس لئے ہے کہ یمن اور شام کے سفر میں عرب والوں کو ان کے رہنے کے مقام اور آثار و نشان نظر آتے تھے اور ان قوموں کو یہ لوگ جانتے بھی خوب تھے۔ اور ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ﴾ میں لفظ رسل جو جمع استعمال کیا حالانکہ عاد میں ہود علیہ السلام کا اور ثمود میں صالح علیہ السلا کا آنا ہی مشہور ہے تو یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور بھی رسول آئے ہوں، اور ﴿مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ میں داخل ہوں۔ یا تعظیم کے طور پر دو ہی کو جمع فرمادیا ہو۔ اس لئے ہر ایک نے گویا کئی کئی رسولوں کا کام کیا ہو، یا ہود اور صالح علیہما السلام کے ذریعہ سے پہلے والے رسولوں کی خبر اور اصل توحید میں اتفاق کی بات پہنچی ہو۔ اس لئے رسولوں کا آنا، عام ہوگا۔ ذات کے آنے کو اور خبر کے آنے کو۔ جیسا کہ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ﴾ میں کہا جاتا ہے کہ ایک کے جھٹلانے سے سب کا جھٹلانا ہوگا۔ اور ﴿اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ سے متعلق ضروری تحقیق سورۃ الصافات آیت ۸۸ ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور ﴿كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اس لئے فرمایا کہ علم کی نفی چاہے جس معنی میں بھی ہو، ہر عمل کے لئے اس کا اعتقاد عام نہ تھا۔ چنانچہ جو اعمال علانیہ کئے جاتے ہیں۔ اس میں اطلاع کے سب معتقد تھے اور بعض اعمال کو برا بھی سمجھتے تھے اور ان پر دنیاوی جزا کے قائل تھے، چنانچہ قسامہ میں جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے تباہ ہونے سے ڈرتے تھے اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے اور اچھا لکھا ہے کہ ﴿يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ﴾ الخ میں معین دشمن مراد ہیں یعنی مکہ کے کافر سب مراد نہیں، کیونکہ سب کی

صفت میں ﴿فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ الخ صادق نہیں آتا۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید تم ہی غالب رہو۔ سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھادیں گے اور ان کو اُن کے بُرے کاموں کی سزادیں گے۔ یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ، اُن کے لئے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور وہ کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، ہم اُن کو اپنے پیروں تلے مل ڈالیں تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں قرآن اور رسالت سے متعلق مضمون تھا۔ اب اس کا انکار کرنے والوں پر ملامت ہے۔

قرآن اور رسالت کا انکار کرنے والوں کی مذمت اور عذاب:

اور یہ کافر (آپس میں) یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز مت سنو، اور اگر رسول ﷺ سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں شور مچادیا کرو، شاید کہ (اس تدبیر سے) تم ہی غالب آجاؤ (اور رسول ہار کر چپ ہوجائیں) تو (اس نالائق حرکت اور اس کے عزم کے بدلہ میں) ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھادیں گے اور انہیں ان کے (ایسے) برے برے کاموں کی سزادیں گے۔ اللہ کے دشمنوں کی یہی سزا ہے یعنی جہنم۔ ان کے لئے وہاں ہمیشہ کا رہنا ہوگا، اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور (جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو) وہ کافر لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں وہ دونوں شیطان اور انسان دکھادیجئے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، ہم انہیں اپنے پیروں تلے مل ڈالیں تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں (یعنی اس وقت ان لوگوں پر غصہ آئے گا جنھوں نے بہکایا تھا، آدمیوں پر بھی اور شیطانوں پر بھی، چاہے ایک ایک ہوں یا کئی ہوں اور اس درخواست کا منظور ہونا ضروری نہیں، اور یوں تو گمراہ کرنے والے بھی جہنم میں ہوں گے، مگر شاید درخواست کے وقت نظر نہ آئیں)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَنْ ع ۱۸
أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِي ٱلْحَسَنَةُ
وَلَا ٱلسَّيِّئَةُ ۚ ٱدْفَعْ بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُۥ عَدَٰوَةٌ كَأَنَّهُۥ وَلِيٌّ
حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ
مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے، اُن پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو، جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اُس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔ اور اُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں، اور یہ بات اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

ربط: اوپر کافروں کی بدحالی اور برے انجام کا ذکر تھا۔ اب مؤمنوں کے اچھے حال اور اچھے انجام کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں اچھے اخلاق اور اعمال کا حکم اور ترغیب بھی ہے جس سے ان کی خوش حالی اور نیک انجام میں ترقی ہو اور جس کی ضرورت ایسے لوگوں کے مقابلہ میں واقع ہوگی جن کا اوپر یہ قول آیا ہے ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾۔

مؤمنوں کا اچھا حال وانجام اور ان کے اخلاق واعمال کی تعریف:

جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا (حقیقی) رب (صرف) اللہ ہے (مطلب یہ کہ شرک سے تعلق نہ رکھنے کا اعلان کر کے توحید اختیار کرلی) پھر (اس پر) قائم رہے (یعنی اس کو چھوڑا نہیں) ان (لوگوں) پر (اللہ کی طرف سے رحمت وبشارت کے) فرشتے اتریں گے (پہلے مرتے وقت، پھر قبر میں، پھر بعث کے وقت جیسا کہ زید بن اسلم سے درمنثور میں روایت ہے اور کہیں گے) کہ (آخرت کی آنے والی ہولناکیوں سے) نہ تم اندیشہ کرو اور نہ (دنیا کے چھوڑنے پر) رنج کرو (کیونکہ آگے تمہارے لئے امن اور بہترین بدلہ ہے) اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (رسول کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا (اور) ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے (چنانچہ

دنیا میں نیکیوں کا الہام اور حادثوں میں صبر وتسکین، فرشتوں ہی کا فیض ہے، چنانچہ وہ حدیث کے مطابق ساتھ ہی رہتے ہیں، اور آخرت کے سلسلہ میں ﴿ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ اور ﴿ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ وغیرہ۔ خود آیتوں میں آیا ہے) اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا، موجود ہے اور تمہارے لئے (بھی) اس میں جو مانگو گے موجود ہے (یعنی طلب کرنا چاہے بے بسی ومجبوری کا ہو یا اختیار کا دونوں برابر پورے ہوں گے) یہ غفور، رحیم کی طرف سے مہمان کے طور پر ہوگا (یعنی یہ نعمتیں عزت واکرام کے ساتھ ملیں گی، جس طرح مہمان کو ملتی ہیں) اور (اچھے حال کے بعد ان کے اعمال کی اچھائی بتاتے ہیں کہ) اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اطاعت وفرماں برداری کے اظہار کے لئے) کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں (یعنی بندگی کو فخر سمجھے اور گھمنڈ وتکبر کرنے والوں کی طرح شرم محسوس نہ کرے) اور (چونکہ اللہ کی طرف دعوت میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اکثر جاہلوں کی طرف سے اذیت اور نقصان کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق خصوصاً اور دوسرے حالات میں بھی عموماً بہتر معاملہ اختیار کرنے کی تعلیم فرماتے ہیں، یعنی سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے، جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب) آپ (اتباع کرنے والوں کے ساتھ) اچھے برتاؤ سے (برائی کو) ٹال دیا کیجئے۔ پھر (آپ دیکھ لینا کہ) آپ میں اور جس شخص میں دشمنی تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے (برائی کا جواب اور بدلہ برائی سے دینے میں تو دشمنی بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے طبیعت کی سلامتی کی شرط کے ساتھ دشمن کی دشمنی کم ہوتی ہے یہاں تک کہ اکثر دشمنی بالکل جاتی رہتی ہے اور اس معاملہ میں دوست کی طرح ہو جاتا ہے چاہے دل سے دوست نہ ہو) اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو (اخلاق کے اعتبار سے) بہت مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اس کو نصیب ہوتی ہے جو (ثواب کے اعتبار سے) بڑا نصیب والا ہوتا ہے اور اگر (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے (غصہ کا) کچھ وسوسہ آنے لگے تو (فوراً، اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

فائدہ: عقل کی سلامتی کی قید، عقل کی دلیل سے ہے، اب یہ خدشہ نہ رہا کہ کبھی کبھی اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔــمُوْنَ ۝۳۸ (السجدۃ) وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ ﴾

ترجمہ: اور من جملہ ان کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند

کو، اور اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں، وہ شب و روز اُس کی پاکی کرتے ہیں اور وہ نہیں اُکتاتے۔ اور من جملہ اُس کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے۔ جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مُردوں کو زندہ کر دے گا۔ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ربط: اوپر آیت نو سے توحید کا مضمون تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے اور اس کے ختم پر زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت سے مردوں کو جلانے کا ذکر فرما دیا جس سے قیامت کے عذاب کی تاکید بھی ہوگئی جس کا انکار کرنے والوں کے لئے سورت میں جگہ جگہ ذکر ہے، اور اس کے بعد اس کے قریب ہی جو جہنم کی وعید کا ذکر ہے اس کی تمہید بھی ہوگئی۔

دوبارہ توحید کا ذکر تاکید کے ساتھ اور نئے سرے سے پیدا کرنے کا اثبات سخت وعید کی تمہید کے ساتھ:

اور اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں میں سے رات ہے اور دن ہے، اور سورج ہے اور چاند ہے (لہٰذا تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو (سجدہ کرو جیسے صابی وغیرہ ستاروں اور سورج و چاند وغیرہ کی عبادت کرتے تھے، جیسا کہ الکشاف، المدارک اور الخازن میں ہے) اور (صرف) اس اللہ کو سجدہ کرو، جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا، اگر تمہیں اللہ کی عبادت کرنی ہے (یعنی مشرک لوگ جو اللہ کی عبادت کے بھی دعویدار ہیں تو جس عبادت میں شرک پایا جاتا ہو وہ حقیقت میں اللہ کی عبادت نہیں ہے اور وہ دعوی غلط ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے تو شرک کو چھوڑ کر عبادت کرو) پھر اگر یہ لوگ (توحید والی عبادت سے جس میں) باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا ہے، شرم اور تکبر کریں تو (ان کی حماقت ہے، کیونکہ) جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں (اور شان و عظمت میں ان لوگوں سے ہزاروں درجے اوپر اور بلند ہیں) وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ اس سے (ذرا بھی) اکتاتے نہیں (تو انہیں کیسے شرم آتی ہے؟ اور یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۲۰۶) اور اس کی (قدرت و توحید کی) نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب!) تم زمین کو دیکھتے ہو کہ دبی دبائی (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے (اور اس سے توحید پر دلالت کے علاوہ بعث کے امکان پر بھی دلالت حاصل ہوئی اور ثابت ہوا کہ) جس نے زمین کو (اس زندگی سے) زندہ کر دیا (جو اس کے مناسب ہے) وہی مردوں کو (اس زندگی سے جو ان کے مناسب ہے) زندہ کر دے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (اور امکان میں دونوں امر جن کا ذکر ہوا برابر ہیں، لہٰذا دونوں پر قدرت یکساں ہوگی۔ اور قدرت کے وقت ایک کا آسان ہونا ظاہر ہے سب کو معلوم ہے لہٰذا دوسرا بھی آسان ہوگا، پھر اس کو محال سمجھنا کھلی جہالت ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ
يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤٠﴾﴾

ترجمہ: بلاشبہ جولوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں۔سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وامان کے ساتھ آئے۔جو جی چاہے کرلو وہ تمہارا سب کیا ہوا دیکھ رہا ہے۔

ربط: اوپر ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ الخ میں توحید اور رسالت کا انکار کرنے والوں پر ملامت اور وعید ہے۔اب پھر اسی کا ذکر ہے، اور اوپر جو آیت ابھی گذری اس میں اس کی تمہید بھی آچکی ہے جیسا کہ وہاں ربط میں بیان کیا گیا۔

توحید اور رسالت کے انکار پر ملامت اور وعید:

بلاشبہ جولوگ ہماری آیتوں میں (جو توحید پر دلالت کرنے والی ہیں اور مخصوص نبی پر نازل ہوئی ہیں) ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں یعنی اس سے متعلق جو سیدھا راستہ ہے کہ اس پر ایمان لائیں، اس راستہ کو چھوڑ کر اس کو جھٹلاتے ہیں جیسا کہ قتادہ سے درمنثور میں روایت ہے، وہ لوگ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں (ہمیں ان کا حال سب معلوم ہے اور ہم انہیں جہنم کی سزا دیں گے) تو بھلا جو شخص جہنم میں ڈالا جائے (جیسا کہ یہ جھٹلانے والا ڈالا جائے گا) وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ (جنت میں) آئے (آگے ملامت کے ساتھ خطاب ہے کہ) جو جی چاہے (خوب) کرلو، وہ تمہارا کیا ہوا سب دیکھ رہا ہے (ایک ہی بار سزا دیدے گا)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ
مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى ع ۱۹
الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾﴾

ترجمہ: جولوگ اس قرآن کا جبکہ وہ اُن کے پاس پہنچتا ہے، انکار کرتے ہیں۔اور یہ بڑی باوقعت کتاب ہے۔جس میں

غیر واقعی بات نہ اُس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ کو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں۔ آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔ اور اگر ہم اُس کو عجمی قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما ہے اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ قرآن اُن کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اُس میں بھی اختلاف ہوا۔ اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھیر چکی ہے تو ان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور یہ لوگ اُس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے اُن کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں، پھر ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ﴾ کے ضمن میں رسالت اور قرآن کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی تھی۔ اب پھر یہی بیان ہے اور اس سلسلہ میں انکار کرنے والوں کے بعض اقوال کا جواب ہے اور بعض مضمونوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی بھی فرمائی گئی ہے۔

قرآن کی حقانیت کا بیان، اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور نافرمانوں کا رد اور ان کی مذمت:

جو لوگ اس قرآن کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے (ان میں خود سوچ سمجھ اور غور وفکر کی کمی ہے) اور (اس قرآن میں کوئی کمی نہیں ہے، کیونکہ) یہ (قرآن) بڑی وقعت والی کتاب ہے، جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے (یعنی اس میں کسی بھی پہلو اور کسی بھی لحاظ سے اس کا احتمال نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہ نازل ہوا ہو اور پھر اس کو واقع کے خلاف غلط طریقہ سے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا کہہ دیا جائے، جیسا کہ کافر لوگ آپ کے بارے میں یہی شبہ کرتے تھے، حق تعالیٰ نے خاص اس شبہ کی بھی ایک کلی قاعدہ کے ذریعہ نفی کردی، اس احتمال کی نفی کی وجہ اس کا معجزہ ہونا ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ) یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو حکمت والا ہے اور (بڑی خوبیوں والا اور) تعریف کے لائق ہے، اور اس کے باوجود (کہ یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں آپ یہ معلوم کرکے تسلی کرلیجئے کہ) آپ سے (جھٹلانے اور اذیت دینے والی) وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی ہیں (انھوں نے بھی صبر کیا تھا، آپ بھی صبر کیجئے، اور اس سے بھی تسلی حاصل کیجئے کہ) آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے (لہٰذا اگر یہ مخالف لوگ مخالفت سے باز آکر مغفرت کے مستحق نہ ہو گئے تو انہیں بھی سزا دوں گا۔ پھر آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟) اور (یہ لوگ ایک شبہ یہ کرتے ہیں کہ قرآن کا کچھ

حصہ عجمی زبان میں بھی ہونا چاہئے تھا جیسا کہ قریش سے نقل کرتے ہوئے سعید بن جبیر سے الدر المنثور میں روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اس صورت میں اس کا معجزہ ہونا خوب ظاہر ہوتا کہ جو نبی عجمی زبان نہیں جانتے، وہ عجمی زبان میں کلام کریں، تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ) اگر ہم اس کو (پوری طرح یا اس کے کچھ حصہ کو) عجمی (زبان کا) قرآن بناتے (تو یہ ہرگز نہ ہوتا کہ اس کو مان لیتے بلکہ اس میں ایک اور حجت نکالتے، کیونکہ جب کسی چیز کو ماننے اور سمجھنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو اس کی مخالفت کے لئے کوئی نہ کوئی بات کسی نہ کسی صورت میں نکال ہی لی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں ہوتا) تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں (اس طرح) صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں (کہ ہم سمجھ لیتے؟ یعنی عربی میں کیوں نہیں آیا؟ اگر اس کا کچھ حصہ عجمی ہوتا تو کہتے کہ یہ سارا ہی عربی میں کیوں نہیں ہے؟ غرض مخالفت اور اعتراض کرنے والے کو تو کسی بھی طرح چین نہیں آتا اور یوں کہتے کہ) یہ کیا بات ہے کہ کتاب عجمی اور رسول عربی؟ (غرض یہ کہ اب جب کہ قرآن عربی ہے تو کہتے ہیں کہ عجمی کیوں نہیں اور اگر عجمی ہوتا تو کہتے کہ عربی کیوں نہیں؟ پھر عجمی ہونے سے کیا فائدہ ہوتا؟ رہا معجزہ ہونا تو عربی ہونے کی حالت میں بھی معجزہ ہے، بلکہ اس وقت کا معجزہ ہونا زیادہ حجت ہے، کیونکہ عربی فن میں اپنی مہارت کی وجہ سے اور اس کے باوجود کہ اس جیسا لانے سے عاجز اور مجبور ہونے کو اس وقت زیادہ بہتر تفصیل کے ساتھ اور بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، جبکہ اس صورت میں مختصر انداز میں سمجھئے۔ اگر معجزہ کا مختصر انداز میں سمجھ لینا بھی کافی حجت ہے جیسا کہ عجم والے قرآن کے معجزہ ہونے کو اسی طرح سمجھ سکتے ہیں مگر پوری حجت کافی حجت سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ غرض اس طرح کے شک وشبہے بالکل بے کار ہیں، اصل بنیاد اعجاز پر ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ﴾ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کے حق ہونے میں تو کوئی کمی اور شبہ نہیں۔ اگر کوئی شخص نہ مانے تو اسی میں کچھ کمی ہے۔ آگے اس طرح جواب دینے کا حکم ہے کہ اے رسول! ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے (تو نیک کاموں کو بتانے میں) رہنما ہے اور (برے کاموں سے جو برائیاں اور بیماریاں دلوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، ایسے میں اگر اس قرآن کی رہنمائی پر عمل کیا جائے تو یہ ان بیماریوں سے) شفا ہے (تو چونکہ ان لوگوں میں غور وفکر کرنے سوچنے سمجھنے اور حق کے طلب کرنے کی کمی نہیں تھی، تو قرآن نے ان کے حق میں اپنے حق ہونے سے نفع پہنچایا) اور جو (حق کے واضح ہونے کے باوجود عناد ودشمنی کے طور پر) ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے (جس کی وجہ سے حق کو انصاف اور توجہ ودھیان سے سوچنے سمجھنے کے لئے نہیں سنتے، اور وہ کمی یہی ہے) اور (اسی کمی کی وجہ سے) وہ قرآن ان کے حق میں اندھا پن ہے (کیونکہ سوچنے سمجھنے کی کمی اور انصاف وحق طلب کرنے کی کمی کی وجہ سے تعصب میں قوت رہتی ہے اور تعصب ہدایت کے معاملہ میں رکاوٹ بلکہ گمراہی کی زیادتی کا سبب ہو جاتا ہے۔ اندھے پن کا سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سورج دنیا کو روشنی دیتا ہے، چمگادڑ کو اندھا کر دیتا ہے اور) یہ لوگ (حق کو سن کر فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے) کسی بڑی جگہ سے

پکارے جارہے ہیں (کہ آواز سنتے ہوں، مگر سمجھتے نہ ہوں) اور (آپ کی تسلی کے لئے جیسا کہ اوپر مختصر طور پر رسولوں کا ذکر ہوا ہے۔ اب خاص موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی تو اس میں بھی اختلاف ہوا (کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا، یہ کوئی نئی بات آپ کے لئے نہیں ہوئی اس لئے آپ رنج وغم نہ کریں) اور (یہ انکار کرنے اور نہ ماننے والے عذاب کے ایسے مستحق ہیں کہ) اگر ایک بات نہ ہوتی، جو آپ کے رب کی طرف سے ٹھیر چکی ہے (کہ انہیں پورا عذاب آخرت میں دوں گا) تو ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ (دلیلوں کے قائم ہو جانے کے باوجود) ابھی تک اس (فیصلہ یعنی جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے) کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے انہیں الجھن و پریشانی میں ڈال رکھا ہے (کہ انہیں عذاب کا یقین ہی نہیں آتا۔ حالانکہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا۔ اور اس فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ) جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے (یعنی وہ اس کا وہاں نفع اور ثواب پائے گا) اور جو شخص برا عمل کرتا ہے، اس کا وبال یعنی نقصان اور عذاب اسی پر پڑے گا۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (کہ کوئی نیکی جس پر اس کی شرطوں کے ساتھ عمل کیا گیا ہو۔ اس کی گنتی نہ کرے یا کسی برائی کی زیادہ گنتی کرلے)

فائدہ: احقر نے ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾ کا موقع ومحل، تسلی ٹھہرایا ہے، اگر اس سے کسی کو وسوسہ ہو کہ دوسروں کی سزا کے ذکر سے تسلی ہونے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ ان کے لئے سزا وعذاب چاہتے تھے، اس کا جواب سورۂ مؤمن آیت ۷۷ کی تفسیر میں فائدہ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۞ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۞ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ
دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۞ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۞ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۞ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ
وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۞
۶ ع ۱ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۞﴾

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے۔ اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی

عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے، اور جس روز اللہ تعالیٰ اُن کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی مدعی نہیں۔ اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جاویں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں۔ آدمی ترقی کی خواہش سے اُس کا جی نہیں بھرتا اور اگر اُس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اُس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اُس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اُس کے پاس بھی بہتری ہی ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کردار ضرور بتلا دیں گے۔ اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھاویں گے۔ اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کے یہاں سے آیا ہو اور پھر تم اس کا انکار کر دو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو۔ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد ونواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔ کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ یاد رکھو وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں، یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کی دلیل یعنی قرآن کا انکار کرنے والوں کو وعید کے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اب ان تینوں کے بارے میں ملی جلی باتیں ہیں۔

قیامت، توحید اور رسالت کا اثبات اور جہالت والوں کی گمراہی:

(اوپر جس قیامت کا ذکر ہے کہ اس میں انہیں جزا ملے گی، اس) قیامت کے علم کا حوالہ اللہ ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے (یعنی اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کب آئے گی؟ جیسا کہ کافر انکار کے طور پر اس کا سوال کیا کرتے تھے، یہی کہا جائے گا کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے، مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا) اور (قیامت ہی کی کیا خصوصیت ہے اس کا علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے یہاں تک کہ) کوئی پھل اپنے خول سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے (اور اس علم کی وجہ اس کے علم کی صفت کا ذاتی ہونا ہے جو اعلیٰ درجہ کا کمال ہونے کی وجہ سے توحید کی بھی دلیل ہے اور ذاتی صفت کی نسبت کے برابر ہونے کی وجہ سے تمام متعلقات کے ساتھ قیامت کے علم کی دلیل بھی ہے۔ لہٰذا اس سے دونوں مضمونوں کی تائید ہوگئی) اور (آگے اس قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک باطل بھی ہوتا ہے یعنی) جس دن اللہ تعالیٰ ان

(مشرکوں) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ (جن کو تم نے میرا شریک قرار دے رکھا تھا، وہ) میرے شریک (اب) کہاں ہیں؟ (انہیں بلاؤ کہ تمہیں اس مصیبت سے بچائیں) وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی (اس عقیدہ کا) دعویٰ کرنے والا نہیں (یعنی ہم اپنی غلطی کا اقرار کرنے والے ہیں، چونکہ وہاں عقیدوں کی حقیقتیں کھل کر سامنے آجائیں گی، لہٰذا یہ اقرار یا تو بے بسی اور مجبوری کا ہے یا اس سے کچھ نجات کی امید ہو) اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے، وہ سب غائب ہو جائیں گے (اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ حق کے واضح ہونے کے سبب ان کے شریک ہونے کا اعتقاد ذہن سے سب دور ہو جائے گا یا یہ کہ وہ مدد نہیں کر سکیں گے اور بعض آیتوں میں جو آیا ہے ﴿قِيلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ﴾ ﴿مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ﴾ اس کے خلاف نہیں، کیونکہ وہ پکارنا حیرت کی زیادتی اور بدحواسی کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اعتقاد کی وجہ سے) اور (جب یہ حالت دیکھیں گے تو) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں کوئی بچاؤ کی صورت نہیں (اس وقت شریکوں کا باطل ہونا اور ایک معبود کا حق ہونا معلوم ہو جائے گا، آگے شرک اور کفر کا انسانی طبیعت پر پڑنے والا ایک بڑا اثر بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید اور ایمان سے خالی ہے، اس) آدمی (کے اخلاق واعمال اور عقائد ایسے برے ہوتے ہیں کہ ایک تو کسی بھی حالت میں یعنی آرام اور تنگی دونوں میں) ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا (اور یہ حرص کا کمال ہے) اور (خاص تنگی وغیرہ کی حالت میں یہ کیفیت ہے کہ) اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہراساں ہو جاتا ہے (اور یہ انتہائی ناشکری اور اللہ کے سلسلہ میں بدگمانی اور اللہ کے حکم سے کراہت ہے) اور (خاص تنگی کے زوال کی حالت میں یہ کیفیت ہے کہ) اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا (کیونکہ میری تدبیر، لیاقت اور فضیلت کا یہی تقاضا تھا۔ اور یہ بھی انتہائی ناشکری اور تکبر ہے) اور (اس نعمت میں یہاں تک پھولتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ) میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئیگی اور اگر (فرض کرلو، وہ آئی بھی اور) مجھے اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا (جیسا کہ نبی کہتے ہیں) تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے (کیونکہ میں حق پر ہوں اور اس کا مستحق ہوں اور قیامت کا انکار انتہائی درجہ کا کفر اور واقع ہونے کا فرض کرنے پر وہاں بہتری پانے کا دعویٰ کرنا اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کا غرور وگھمنڈ ہے۔ غرض کفر اور شرک سے یہ مفاسد وبگاڑ پیدا ہوئے۔ وہ ایسی بری چیز ہے) تو (یہ لوگ یہاں جو چاہیں حق اور مستحق ہونے کا دعویٰ کرلیں، اب جلدی ہی) ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتا دیں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزا چکھاویں گے، اور کفر وشرک کے آثار میں سے نعمت کی حالت میں چاہے وہ نعمت پہلے سے ہو یا عذاب کے زائل ہونے کے بعد ملی ہو۔ ایک یہ ہے کہ) جب ہم (ایسے) آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے (اور یہ انتہائی درجہ کی برائی ہے اور اوپر نعمت کا جو اثر بیان کیا گیا، وہ عقیدہ سے

متعلق تھا، اور یہ اعمال سے متعلق ہے اور سارے مجموعہ کا مقصود اثبات ہے) اور (تنگی ونقصان کی حالت میں کفر وشرک کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ) جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو (نعمت کے جاتے رہنے پر پریشانی میں گڑگڑاتے ہوئے نہ کہ نعمت دینے والے کی طرف توجہ والتجا کے طور پر) خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے (اور یہ انتہائی درجہ کی بے صبری اور دنیا کی محبت میں مشغول ہونا ہے، اور اوپر جو عذاب کا اثر بیان ہوا، وہ کیفیتوں اور حالات میں سے تھا، اور یہ اقوال وافعال میں سے ہے۔ غرض یہ اور جن کا اوپر بیان ہوا سب کفر وشرک کے مفاسد اور بگاڑوں میں سے ہیں، برخلاف ایمان کے کہ اس کے آثار یہ ہیں: حریص نہ ہونا نقصان کی حالت میں مایوس نہ ہونا اور بے صبری وپریشانی ظاہر نہ کرنا، امن اور عیش کی حالت میں کفر اور ناشکری نہ کرنا، اب توحید اور قیامت کی تحقیق کے ساتھ رسالت اور قرآن کی تحقیق جس سے توحید اور قیامت کا بھی پتہ چلتا ہے اور توحید اور قیامت کا بھی احساس اور شعور ہوتا اور خبر ملتی ہے، دعوت میں نرمی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی (اے رسول ﷺ) آپ (ان منکروں سے) کہیئے کہ (اے منکرو! قرآن کے حق ہونے پر جو دلیلیں قائم ہیں، جیسے اعجاز یعنی اس کا معجزہ ہونا غیب کی خبریں بتانا، اگر تم غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے انہیں یقین پیدا کرنے والے نہیں سمجھتے تو کم سے کم درجہ احتمال پیدا کرنے والے تو ضرور ہوں گے، کیونکہ نفی پر تو تمہارے پاس کوئی دلیل قائم نہیں تو) بھلا یہ بتاؤ کہ جس احتمال کا اوپر ذکر ہوا اگر اس کی بنیاد پر) یہ قرآن اللہ کے یہاں سے آیا ہے اور پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو (اور اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کے احتمال پر تم اس کے مصداق ہوگے۔ اور اس امر کا ہونا لازم ہے چاہے ان کا ایک دوسرے پر احتمال ہی کیوں نہ ہو، لیکن عقل کے لحاظ سے گمراہی کے احتمال سے بھی بچنا واجب ہے اور یہ بچنا قرآن میں غور وفکر پر موقوف ہے لہٰذا پہلے امر کے واجب ہونے کی وجہ سے یہ بھی واجب ہوا، لہٰذا انکار میں آگے بڑھنے اور جلد بازی کی کوشش مت کرو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو تا کہ حق واضح اور متعین ہو جائے اور ان لوگوں سے تو کیا امید ہے کہ یہ غور وفکر کریں مگر خیر) ہم (خود ہی) جلدی ہی انہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں (جو قرآن کے سچے ہونے پر دلالت کرنے والی ہوں) ان کے آس پاس میں بھی دکھائیں گے (کہ عرب کے تمام ملک پیشین گوئی کے مطابق فتح ہو جائیں گے) اور خود ان کی (خاص) ذات میں بھی (دکھائیں گے کہ وہ بدر میں مارے جائیں گے اور ان کا ٹھکانا مکہ بھی فتح ہو جائے گا) یہاں تک کہ (ان پیشین گوئیوں کے واقع ہونے اور واقع کے مطابق ہونا خواہی نخواہی) ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے (کہ اس کی پیشین گوئیاں کس طرح سچ ہو رہی ہیں۔ اگرچہ یہ بے بسی کا عمل اختیاری تصدیق کے بغیر ذکر کے قابل نہیں، لیکن حجت پوری کرنے میں تو قوت زیادہ ہو جائے گی۔ غرض اس کا حق ہونا ایک دن اس طرح ظاہر ہوگا۔ باقی فی الحال یہ لوگ جو آپ کی وحی اور رسالت کا انکار کر رہے ہیں تو آپ رنج وغم نہ کریں، کیونکہ اگر یہ لوگ اس پر گواہی نہ دیں تو) کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کے حق

ہونے کی شہادت اور تسلی کے لئے) کافی نہیں؟ کہ وہ (واقعی) ہر چیز کا گواہ ہے (اور اس نے جگہ جگہ آپ کی رسالت کی گواہی دی ہے قول کے لحاظ سے بھی اور معجزوں کے اظہار کے ذریعہ عمل کے طور پر بھی، لہٰذا وہ گواہی کافی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ آگے اس انکار کی اور دوسرے حق امور کے انکار کی اصل وجہ بتاتے ہیں۔ اور اس سے تسلی بھی زیادہ ہوسکتی ہے کہ) یادرکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے سامنے جانے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے دلوں میں اس کا ڈر نہیں جس کی بنیاد پر حق کو طلب کریں، مگر) یادرکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے (چنانچہ ان کے شک وشبہ کو بھی جانتا ہے اور اس پر سزا دے گا)

فائدہ: ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ﴾ سے ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ تک کے متعلق سورۂ یونس آیت ۱۲ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ الخ کی تفسیر میں ایک تحقیق گذر چکی ہے، اس کا ملاحظہ کرنا اس مقام کو حل کرنے میں معاون ہوگا۔ اور مایوسی اور دعا میں ٹکراؤ وہاں دو طرح سے دور کیا گیا تھا، یہاں ایک تیسری بات اور زیادہ بعض تفسیروں سے معلوم ہوئی کہ یہ دعا اے اللہ! کے طور پر التجا نہیں، بلکہ جس طرح دنیا کے عاشق نفس کو ناگوار ہونے والے ذرا ذرا سے واقعات پر شور وغل، ہائے واویلا مچاتے ہیں کہ ہائے اللہ! کیا کروں؟ ہائے اللہ کیا ہوگا وغیرہ کی طرح ہے۔ احقر نے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ کے ترجمہ وبیان میں اس طرف اشارہ کردیا ہے۔

﴿اللہ کا شکر ہے کہ حم السجدۃ کی تفسیر ۲۲ یا ۲۳ / ربیع الثانی بروز جمعرات سنہ ۱۳۲۵ھ کو اختتام پذیر ہوئی﴾

آیاتہا ۵۳ (۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں یہ مضمون ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں: (۱) توحید اور شرک کا باطل ہونا۔ اور اس سلسلہ میں کمال کی صفتوں اور حکمت و نعمت پر مشتمل افعال کا بیان ہے (۲) رسالت اور اس سلسلہ میں تسلی کے مضمون بھی ہیں (۳) بعث اور جزاء، اور اس سلسلہ میں جلد بازی کے شبہ کا بھی جواب دیا ہے (۴) دنیا میں مشغول ہونے کی مذمت اور آخرت طلب کرنے کی ترغیب (۵) ایمان والوں کے اچھے اعمال اور انجام کا اچھا ہونا اور کافروں کے برے اعمال اور انجام کا برا ہونا۔ چنانچہ آیتوں میں غور کرنے سے سب کا انطباق واضح ہو جائے گا، اور گذشتہ سورت کا ختم اور اس سورت کا شروع توحید، رسالت اور بعث میں مشترک ہے۔

﴿ حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا
وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٨ اَمِ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٩ ﴾ ع ۱

ترجمہ: ﴿ حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ﴾۔ اسی طرح آپ پر اور جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے وحی بھیجتا رہا ہے۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے خدا کے

سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں اللہ اُن کو دیکھ بھال رہا ہے۔اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں کیا گیا۔اور ہم نے اسی طرح آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے تا کہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں اُن کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں۔ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا۔اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔اور ظالموں کا کوئی حامی مددگار نہیں۔کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں،سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

توحید، رسالت بعث اور جزاء:

﴿ حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں۔جس طرح عظیم فائدوں اور دینی اصولوں کی تحقیق کے لئے یہ سورت آپ نازل ہو رہی ہے) اسی طرح (دینی اصولوں کی تحقیق کے لئے) آپ پر اور جو (رسول) آپ سے پہلے گذر چکے ہیں ان پر (بھی) اللہ تعالیٰ اسی طرح (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے جو زبردست ہے، حکمت والا ہے، (اور اس کی شان یہ ہے کہ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم شان والا ہے (اور اس کی شان کی عظمت کو چاہے دنیا والے کچھ لوگ نہ جانیں اور نہ مانیں مگر آسمانوں میں اس کے جاننے والے یعنی فرشتے اتنے زیادہ ہیں کہ) کوئی بڑی بات نہیں کہ آسمان (ان کے بوجھ کی وجہ سے) اپنے اوپر سے (کہ ادھر ہی سے بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں (جیسا کہ حدیث میں ہے: أطت السماء وحق لها أن تئط ما فيها موضع أربعة أصابع إلا وملک واضع جبهته ساجداً لله: اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اسی کے مطابق مدارک میں تفسیر بیان کی ہے) اور (وہ) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور زمین والوں (میں جو لوگ اس عظمت کا حق ادا نہیں کرتے، مثال کے طور پر شرک کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ سزا و عذاب کے مستحق ہوں، وہ فرشتے ان) کے حق میں (ایک خاص وقت تک کے لئے) مغفرت کی دعا کرتے ہیں (محدود وقت کی مغفرت و معافی کی دعا سے مراد دنیا میں بالکل ختم کر دینے والے عذاب سے بچا رہنا ہے اور عمومی واقعات سے سزائیں ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب ہونا اس استغفار کے مفہوم سے باہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو منظور فرما لیتا ہے اور اس کی وجہ سے مشرکوں پر جلدی عذاب نازل نہیں فرماتا) خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی مغفرت کرنے والا (ہے چاہے کافروں کے لئے وہ معافی محدود سہی اور وہی) رحمت کرنے والا ہے (چاہے وہ رحمت کافروں پر دنیا ہی میں ہوتی ہے) اور (آپ ان مشرکوں پر جلدی ہی عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ) جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے سرپرست قرار دے رکھے ہیں، اللہ ان (کے برے اعمال) پر نظر رکھے ہوئے ہے (وہ خود ہی مناسب وقت پر سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا (کہ آپ

جب چاہیں ان پر عذاب نازل کرا دیں) اور (اسی طرح آپ ان کے ایمان نہ لانے پر بھی رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے، اس سے زیادہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ چنانچہ) ہم نے اسی طرح (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں) آپ کے بعد (اس) قرآن کو عربی میں وحی کے ذریعہ سے (محض اس لئے) نازل کیا ہے تاکہ آپ (سب سے پہلے) مکہ میں رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس (آباد) ہیں، ان کو ڈرائیں اور (ڈرائیں بھی ایک بڑی چیز سے یعنی) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس میں پہلے والے اور بعد والے سب جمع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ﴾) جس (کے آنے) میں ذرا شک نہیں (جس میں یہ فیصلہ ہوگا کہ) ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں (داخل) ہوگا (بس آپ کا کام صرف ایسے دن سے ڈرا دینا ہے) اور (باقی ان کے ایمان لانے اور ایمان نہ لانے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں، وہ اللہ کی مشیت پر ہے چنانچہ) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ پر چلنے والا بنا دیتا (یعنی سب کو ایمان نصیب کر دیتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ الخ) لیکن بہت سی حکمتوں کی وجہ سے اسے یہ منظور نہیں ہوا، بلکہ) وہ جس کو چاہتا ہے (ایمان دے کر) اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے (اور جس کو چاہتا ہے شرک و کفر میں مبتلا رکھ کر رحمت سے باہر کر دیتا ہے) اور (ان) ظالموں کو (جو کہ شرک و کفر میں مبتلا ہیں قیامت کے دن) کوئی حامی مددگار نہیں (ہوگا۔

اور اوپر ﴿ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ ﴾ الخ میں شرک کو اختیار کرنے پر ملامت اور ڈرانا دھمکانا تھا۔ آگے شرک کو باطل قرار دیا گیا ہے، یعنی) کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں) تو (اگر مددگار بنانا ہے تو) مددگار (بنائے جانے کا مستحق) تو اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (تو مددگار بنانے کے لائق وہی ہوا جس کی قدرت ہر چیز پر عام طور سے اور مردوں کو زندہ کرنے پر خاص طور سے ثابت ہے، اس خاص قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ اس وقت اوروں کی قدرت جواب محض برائے نام ہے اس وقت وہ بھی بے نام و نشان ہو جائے گی تو قدرت پوری طرح ظاہر ہوگی۔

فائدہ: ﴿ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى ﴾ الخ میں جو بعثت کے عام ہونے پر شبہ واقع ہو سکتا تھا ترجمہ کی وضاحت میں جو "پہلے" کی قید لگائی گئی ہے، اس سے وہ شبہ دور ہو گیا، اور ﴿ يَتَفَطَّرْنَ ﴾ کی تفسیر میں جو حدیث لکھی ہے اس سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں ثقل یعنی بھاری پن بھی ہے، اور اس میں کوئی محال بات نہیں کیونکہ ان کے جسموں کا ہونا تو قطعی نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ ان کے جسموں کے خواص ثابت ہیں۔ اور جسموں میں بھاری پن ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر یہ شبہ ہو کہ بھاری پن کی علت مرکز کی طرف میلان ہے اور لطیف جسم احاطہ کرنے والے کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں تسلیم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کوئی جسم اس کے خلاف پیدا کر دے تو اس کی نفی

کی کیا دلیل ہے؟ دوسرے جسموں کا میلان احاطہ کرنے والے کی طرف اس لئے ہے کہ اس طرف ان کی اندرونی سطح ہے۔ لہٰذا اصل میلان اندرونی سطح کی طرف ہے چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کی اندرونی سطح وہی آسمان ہے تو مذکورہ طبعی قاعدہ کے مطابق ان کا میلان اسی آسمان کی طرف ہوگا، اور چونکہ وہ فرشتے اس آسمان کی اوپر والی سطح پر رہتے ہیں، لہٰذا اس میلان کا وزن اور اثر اس آسمان کے اوپر ہوگا اور لغت میں اس کو بھاری پن کہا جاسکتا ہے چاہے اصطلاح میں مرکز کی طرف میلان کے معنی میں اس کو ثقل یا بھاری پن نہ کہیں۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جس جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہ اللہ میرا رب ہے میں اُسی پر توکل رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کے جوڑے بنائے اور مواشی کے جوڑے بنائے اُس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔ کوئی چیز اُس کی مثل نہیں، اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور کم کر دیتا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔

ربط: اوپر کے تین مضمونوں میں جو توحید کا مضمون تھا۔ اب بھی اسی کی تقویت و تاکید ہے۔

توحید کی تاکید:

اور (آپ ان لوگوں سے جو کہ توحید میں آپ سے اختلاف کرتے ہیں، کہئے کہ) جس جس بات میں تم (حق کے ماننے والوں کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو (جیسے توحید وغیرہ) اس (سب) کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے (دنیا میں صحیح دلیل سے اور آخرت میں ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ سے) یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) میرا رب ہے، میں (ان اختلافوں کی آثار یعنی تمہارے نقصان پہنچانے کے ارادہ وغیرہ کے بارے میں) اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور (دنیا اور دین کے تمام امور میں) اسی کی طرف متوجہ رہتا ہوں (لہٰذا نہ ان نقصانوں سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی توحید میں، جس کو اس نے حق کہہ دیا ہے، کوئی شبہ کرتا ہوں، اس سے توحید کے مضمون کی خوب تاکید ہوگئی۔ آگے کمال کی اور صفتوں سے اس کی تاکید کی جاتی ہے یعنی) وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (اور تمہارا بھی پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ) اس

نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مویشیوں کے جوڑے بنائے (اور) اس (جوڑے ملانے) کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا ہے (وہ ایسا کامل ذات اور صفتوں والا ہے کہ) کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے (دوسروں کے برخلاف کہ کسی بات کو سن دیکھ لیا، اور کسی کو نہ دیکھا نہ سنا، لہٰذا اس میں بھی کوئی اس جیسا نہیں) اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں (یعنی تصرفات کرنے والا وہی ہے جس میں ایک تصرف یہ ہے کہ) جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے (کہ کس کے لئے کیا مصلحت ہے)

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ
وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ
يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ اُن کو بلا رہے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے۔ اور جو شخص رجوع کرے اُس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے۔ اور وہ لوگ بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کی ضد اضدی سے باہم متفرق ہو گئے۔ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک ایک بات پہلے قرار نہ پا چکتی تو اُن کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور جن لوگوں کو اُن کے بعد کتاب دی گئی ہے، وہ اُس کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہیں جس نے تردد میں ڈال رکھا ہے۔ سو آپ اُسی طرف بلائے جائیے۔ اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میں سب پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے عمل ہمارے

لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کے پاس جانا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ سے جو کہ دنیا اور آخرت کے حکموں سے عام ہے، توحید کی تاکید تھی۔ اب اس عام کی ایک فرد یعنی دنیا میں حکم کی تفصیل اور تاکید ہے اور اسی سے رسالت کے مضمون کی بھی تاکید ہوگئی جس کا اوپر تینوں مضمونوں میں ذکر تھا۔

توحید کی دلیل کی تاکید اور رسالت کی تائید:

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو (ان کا اتباع کرنے والوں سمیت) حکم دیا تھا (اور ان کی امتوں سے یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں (اختلاف کر کے) الگ الگ فرقے مت بنالینا (اس دین سے مراد دین کے اصول ہیں جیسے توحید، رسالت اور بعث وغیرہ جو تمام شریعتوں میں مشترک ہیں۔ اور قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تبدیل مت کرنا، اس کو چھوڑ مت دینا، اور اختلاف والگ الگ فرقے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں یا کوئی ایمان لائے اور کوئی نہ لائے۔ حاصل یہ کہ توحید وغیرہ پر مشتمل یہ قدیم دین ہے کہ شروع سے اس وقت تک تمام شریعتیں اس میں متفق ہیں، اور اسی کے ضمن میں نبوت کی بھی تائید ہوگئی۔ چنانچہ چاہئے تھا کہ اس کو قبول کرنے میں لوگوں کو ذرا بھی ہچکچاہٹ اور جھجک نہ ہوتی، مگر پھر بھی) مشرکوں کو وہ بات (یعنی توحید) بڑی ناگوار گذرتی ہے، جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں (اور اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) اللہ اپنی طرف جس کو کھینچ لیتا ہے (یعنی دین حق قبول کرنے کی توفیق دیدیتا ہے) اور جو شخص (اللہ کی طرف) متوجہ ہو اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے (مشیت یعنی اللہ کے چاہنے کے بعد اجتبا یعنی چھانٹنے کا عمل ہوتا ہے یعنی ایمان کی توفیق ہوتی ہے۔ اور ایمان کی توفیق کے بعد اگر توجہ اور اطاعت ہو تو پھر اللہ سے قریب ہوتا ہے اور بے حد وحساب ثواب پاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرک لوگ اباء یعنی بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور مؤمنوں کو ایمان کی توفیق اور ہدایت دی گئی ہے) اور (ہمارا جو پچھلی امتوں کو حکم تھا ﴿ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ بہت سے لوگ اس حکم پر قائم نہیں رہے۔ اور الگ الگ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے، لیکن اس کا سبب کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ ان کی معذوری کا امکان ہوتا، بلکہ) وہ لوگ ان کے پاس (یعنی ان کے کانوں اور دماغوں تک صحیح) علم پہنچنے کے بعد محض آپسی ضد کی وجہ سے آپس میں الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے (اس طرح کہ پہلے مال ودولت اور عزت کی طلب اور مرتبہ سرداری وحکومت کی طلب کی وجہ سے، غرض ومقصد مختلف ہوئے، پھر فرقے بن گئے، ایسے وقت میں دوسرے میں نقص وعیب نکالنے کے لئے دین کو بھی آڑ اور ذریعہ بنایا کرتے ہیں، پھر ہوتے ہوتے مسلک ومذہب مختلف ہوجاتے ہیں، پھر فروعی امور ومسائل سے اصول میں

جا پہنچتے ہیں) اور یہ (یہ لوگ اس عظیم جرم میں کہ انھوں نے حق کو سمجھنے کے بعد اختلاف اور فرقہ بندی کے راستے اختیار کیے۔ ایسے شدید عذاب کے مستحق ہو گئے تھے کہ) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک متعین وقت تک کے لئے (مہلت دینے کی) ایک بات پہلے قرار نہ پاچکی ہوتی (کہ انہیں وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے آخرت میں ہوگا) تو ان (کے اختلافات) کا فیصلہ (دنیا ہی میں ہو چکا ہوتا (یعنی عذاب کے ذریعہ ان کا صفایا کر دیا جاتا، اور اگرچہ پچھلی امتوں پر عذاب آیا لیکن وہ عذاب ضرور ان لوگوں پر آیا جو ایمان نہیں لائے، اور مؤمنوں میں سے جنھوں نے اختلاف اور فرقہ بندی کے راستے اختیار کئے ان کے ایمان پر قائم رہنے کی برکت سے ان پر عذاب نہیں آیا، یا اگر کسی پر یہ عذاب ثابت ہو جائے تو وہ سب پر نہیں آیا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جن بعض لوگوں پر عذاب نہیں آیا اس کی وجہ اس کا تقاضا نہ ہونا نہیں بلکہ اس کی رکاوٹ والی وجہ یعنی متعین وقت تک کے لئے مہلت کا پایا جانا ہے، تو یہ پچھلی امتوں کا قصہ ہوا) اور جن لوگوں کو ان (پچھلی امتوں) کے بعد کتاب دی گئی ہے (اس سے رسول ﷺ کے زمانہ کے مشرک مراد ہیں، کہ آپ کے ذریعہ سے ان کے پاس قرآن پہنچا) وہ (لوگ) اس (کتاب) کی طرف سے ایسے (زبردست) شک میں پڑے ہیں جس نے (انہیں) الجھن (و پریشانی) میں ڈال رکھا ہے (مطلب یہ کہ جس طرح پچھلی امتوں میں سے بعض لوگوں نے انکار کیا تھا، اسی طرح ان کی نوبت آئی) تو آپ (کسی کے انکار کی وجہ سے ہمت نہ ہاریں بلکہ جس طرح آپ انہیں پہلے سے بلا رہے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ یعنی توحید، آپ انہیں برابر) اسی طرف بلاتے رہیے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ﴾) اس پر قائم رہیے۔ اور ان کی (فاسد) خواہشوں پر نہ چلیے (یعنی وہ مخالفت کر کے یہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں کہنا چھوڑ دیں، تو آپ کہنا مت چھوڑیئے، اور کہنا بند نہ کریں) اور آپ کہہ دیجیے کہ (جس بات کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں، چنانچہ) اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں (جن میں قرآن بھی شامل ہے) میں سب پر ایمان لاتا ہوں (جن کے ان مضمونوں میں جن پر اتفاق کیا گیا ہے توحید کا مضمون بھی ہے) اور مجھے یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل وانصاف رکھوں (یعنی جس چیز کو تمہارے لئے لازم کہوں اپنے اوپر بھی اس کو لازم رکھوں، یہ نہیں کہ تمہیں تکلیف اور پریشانی میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں۔ ایسے مضمونوں اور معاملوں سے اچھی اور صحیح طبیعت والوں کو اتباع کی رغبت ہوتی ہے اور اگر اس پر بھی نرم نہ ہوں تو آخری بات یہ ہے کہ) اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے (یعنی وہ سب کا حاکم ہے اور) ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ البتہ (جو سب کا مالک ہے، قیامت میں) ہم سب کو جمع کرے گا اور اس میں شک ہی نہیں کہ اسی کے پاس جانا ہے (وہ سب کا فیصلہ اعمال کے مطابق کر دے گا، اس وقت تم سے بحث بے کار ہے۔ ہاں تبلیغ کئے جائیں گے)

﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ مان لیا گیا، اُن لوگوں کی حجت اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب کو اور انصاف کو نازل فرمایا۔ اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ جولوگ اُس کا یقین نہیں رکھتے اُس کا تقاضا کرتے ہیں، اور جولوگ یقین رکھنے والے ہیں، وہ اُس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جولوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی دُور کی گمراہی میں ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ میں اور اس سے اوپر تین مضمونوں میں بعث وجزا کا ذکر تھا۔ اب اسی سے متعلق مضمون ہے جس میں توحید کا انکار کرنے والوں کو عذاب دیئے جانے کی بھی خبر دی گئی ہے، لہٰذا اس کا توحید کے مضمونوں سے تعلق ہوا اور جس میں ﴿ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ کے ضمن میں رسالت کے ذکر سے بھی ربط ہو گیا۔

قیامت اور جزا کے واقع ہونے کی تحقیق:

اور جولوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کے بارے میں (مسلمانوں سے) بحث و جھگڑے کرتے ہیں، جب کہ اسے پہلے مان لیا گیا (یعنی اس کے بعد کہ بہت سے عقل منداور سمجھ دار لوگ اس کو مان کر مسلمان ہو چکے ہیں، جس سے حجت اور زیادہ ظاہر ہوگئی اور ظاہر ہے کہ حجت کے زیادہ ظاہر ہونے کے بعد انکار اور بحث و جھگڑا کرنا اور بھی زیادہ برا ہے، تو) ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک (پہنچ کر ظاہر ہو جائے گی) یہ باطل ہے اور ان پر (اللہ کی طرف سے) غضب (واقع ہونے والا) ہے اور ان کے لئے (قیامت میں) سخت عذاب ہونے والا ہے (اور اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کو اور اس کے دین کو مانو اور اس کا ماننا یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کو سچ مانو جو کہ اللہ کے اور بندوں کے حقوق پر مشتمل اور سب کے لئے جامع ہے، جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ) وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور (اس میں جو خاص طور سے) انصاف کا حکم ہے (اس کو) نازل فرمایا۔ جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اس کو مانے بغیر اللہ کو ماننے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اللہ کو مانے بغیر عذاب و غضب سے نجات نہیں، اسی طرح نجات، قرآن کے ماننے پر

موقوف ہوئی، لہٰذا اسلام کو نہ ماننے والے لوگ اللہ کو اپنے خیال اور زعم کے مطابق جیسا مانتے تھے ویسا ماننا نجات کے لئے کافی نہیں) اور (یہ لوگ قیامت کے واقعات کو سن کر آپ سے قیامت کی تعیین پوچھتے ہیں تو) آپ کو (اس کی) کیا خبر (لیکن خبر نہ ہونے سے اور خبر نہ دینے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس کا واقع ہونا دلیلوں سے ثابت ہے۔ اور وقت کی تعیین کے بارے میں مختصر طور پر سب کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ) شاید قیامت قریب ہی ہو (مگر) جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (وہ واقع ہونے کے یقین اور قریب ہونے کے احتمال کے باوجود بھی نہیں ڈرتے، بلکہ مذاق اڑانے اور انکار کے طور پر) اس کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں، وہ اس سے ڈرتے (اور کانپتے) ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے (آنے والی ہے) یاد رکھو کہ (ان دونوں قسموں کے لوگوں میں سے پہلی قسم کے لوگ یعنی) جو لوگ قیامت کے (منکر ہیں اور اس کے) بارے میں بحثیں کرتے ہیں، وہ بڑی دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

فائدہ: ﴿ مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ﴾ میں جس خوف کا اثبات ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو کہ دو امروں کے اعتقاد سے پیدا ہوا ہے: ایک قیامت کے واقع ہونے کا اعتقاد اور دوسرے اپنے اعمال کے رد ہونے کے احتمال کا اعتقاد۔ لہٰذا اگر کسی کو حال کے غلبہ کی وجہ سے موت یا قیامت کا اشتیاق پیدا ہو جائے تو وہ طبعی اور مجبوری و بے بسی کا شوق اس اعتقادی و اختیاری شوق کے منافی نہیں، اسی طرح قبر میں بعض مردوں کا رب أقم الساعة کہنا اشکال کا موقع و محل نہیں، کیونکہ وہاں خوف کے زائل ہونے کی یقینی خوش خبریاں سن کر اعمال کے رد ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔ لہٰذا یہ ڈر و خوف دنیا میں ہے اور اس کی ہیبت عقلی امر ہے، خوب سمجھ لو۔ اور ﴿ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴾ کی وضاحت سورۂ احزاب آیت ۶۳ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور اس کے باوجود کہ اللہ کی کتاب میں بندوں کے وہ حقوق بھی داخل ہیں جن کی تعبیر میزان یعنی انصاف سے فرمائی گئی ہے مگر ان کا الگ سے ذکر کرنا شاید ان کی شان کے لئے اور شاید اس لئے ہے کہ اس کی تصدیق کی زیادہ رغبت ہو کہ اس کتاب کے ماننے سے تو ہماری دنیاوی مصلحتوں کی بھی حفاظت رہے گی۔

﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾ ﴾ ع ۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ اور وہ قوت والا اور زبردست ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اُس کو اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اُس کو کچھ دنیا دیدیں گے اور آخرت میں اُس کا حصہ نہیں۔

ربط: اوپر قیامت کے بارے میں بحث اور جھگڑا کرنے والوں کی گمراہی کا ذکر تھا۔ اب ان کے اس جھگڑے اور بحث اور انکار کی علت یعنی دنیا میں مشغول ہونے اور اس پر غرور و گھمنڈ کرنے کا بیان اور اس میں مشغول ہونے اور غرور و گھمنڈ کا جواب اور رد اور اس مشغول ہونے اور غرور و گھمنڈ کی مذمت اور اس کے مقابلہ کی چیز یعنی آخرت کی طلب کی ترغیب ارشاد فرماتے ہیں۔

دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہونے پر انکار اور آخرت کی نعمتوں کی ترغیب:

(اور یہ منکر لوگ جو دنیا کی نعمتوں اور عیش و آرام پر پھولے ہوئے ہیں، ان میں مشغول ہو کر آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، اور اپنی نعمتوں اور عیش و آرام پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر ہمارا مسلک حق تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوتا تو وہ ہمیں یہ عیش و کامیابی کیوں دیتے؟ تو یہ ان کی حماقت ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں بلکہ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اپنے بندوں پر (عام طور سے) مہربان ہے (اور اس رحمت سے جو دنیا میں عام ہے سب کو روزی دیتا ہے اگرچہ مصلحت و حکمت کے مطابق اس میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے کہ) جس کو (جس قدر) چاہتا ہے، روزی دیتا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ﴾ مگر خود روزی ان سب کے حق میں جنہیں رزق دیا جاتا ہے مشترک ہے) اور (دنیا میں اس لطف و مہربانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مسلک حق ہو اور ان پر آخرت میں بھی لطف و مہربانی ہو اور عذاب نہ ہو، بلکہ باطل سے چمٹے رہنے کی وجہ سے وہاں انہیں عذاب ہوگا، اور انہیں عذاب دینا کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ) وہ قوت والا زبردست ہے، اسے سب قدرت ہے، وہ اکیلا ان سب کو سزا دے سکتا ہے۔ غرض ان کی خرابی کی ساری وجہ ان کا دنیا میں مشغول ہونا ہے تو لوگوں کو اس پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ آخرت کی بھلائی طلب کریں، اور سن لیں کہ) جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے (یعنی آخرت کا ثواب اور اس کی بھلائی چاہتا ہے جو اچھے اعمال کا نتیجہ ہے، اس لئے اس کو کھیتی کہہ دیا کہ وہ بیج کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ آخرت کے لئے ثواب کی امید پر عمل کرے) ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے (یعنی اعمال پر اس کو ثواب دیں گے، اور اس ثواب کو بڑھا دیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾) اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے (یعنی تدبیر و سعی سے اس کی غرض دنیا کا ساز و سامان، مال و دولت، عیش و آرام ہو اور آخرت کے لئے کچھ کوشش نہ کرے، یہاں تک کہ ایمان بھی نہ لائے) تو ہم اس کو کچھ (اگر چاہیں) دنیا میں دیدیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ﴾) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں (کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے، اور وہ یہاں موجود نہیں ہے، لہٰذا اس حالت میں طلب کئے جانے کے لائق آخرت ہی ہے نہ کہ دنیا کہ وہ تمنا و خواہش کے مطابق نصیب نہیں ہوتی اور اس میں پڑ کر آخرت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور لطیف کے معنی اگر باریکی سے دیکھنے والے کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کامیابی رضامندی کی

دلیل نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ) کہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ڈھکے چھپے امور اور چھوٹی چھوٹی وباریک مصلحتوں کی اچھی طرح خبر ہے، مصلحت کے مطابق جس کو چاہتے ہیں (زیادہ) روزی دیدیتے ہیں (لہٰذا اس روزی دینے سے ان کا حق پر ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ یہ باطل پر ہیں، اور باطل سے چمٹے رہنے کی وجہ سے انہیں عذاب ہوگا)

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ ﴾

ترجمہ: اور کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔ اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا تو اُن کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔ آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال سے ڈر رہے ہونگے۔ اور وہ اُن پر پڑ کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور وہ بہشتوں کے باغوں میں ہونگے۔ وہ جس چیز کو چاہیں اُن کے رب کے پاس اُن کو ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے۔ یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے۔ آپ یوں کہیے کہ میں تم سے اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے۔ اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اُس میں اور خوبی زیادہ کردیں گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا قدردان ہے۔

ربط: اوپر ﴿ شَرَعَ لَكُمْ ﴾ الخ میں دین حق کا اللہ کی طرف سے شریعت قرار دیا جانا بیان فرمایا تھا جس میں توحید وغیرہ امور حق شامل ہیں۔ اب شرک وکفر وغیرہ کے باطل دین کا صحیح دلیل سے غیر شرعی ہونا بیان فرماتے ہیں۔ اور اوپر ﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ ﴾ الخ میں انکار کرنے والوں کا غضب اور عذاب کا مستحق ہونا اور مومنوں کا صراحت کے ساتھ ڈرنا اور خوف کرنا اور اشارہ کے طور پر ان سے رضا اور ثواب کا وعدہ ہونا اور اس کے بعد ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ﴾ الخ میں مومنوں سے صراحت کے ساتھ معلوم ثواب کے وعدہ کا پورا کیا جانا، اور انکار کرنے والوں اور دنیا کا لالچ رکھنے والوں کا ثواب سے محروم ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اب بھی اس کی کسی قدر وضاحت اور تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان میں اس مضمون کی اور وحی کے دوسرے تمام مضمونوں کے حق ہونے کا اثبات کرنے کے لیے ﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ ﴾ جملہ معترضہ کے طور

پر واقع ہوا ہے۔

دین میں باتیں گھڑنے کو باطل کرنا اور انکار کرنے والوں کے عذاب کی تکمیل اور مؤمنوں کے ثواب کا بیان:

دین حق کو تو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا اور شریعت قرار دیا ہے، مگر یہ لوگ جو اس کو نہیں مانتے تو) کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ (معبود ہونے میں) شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (انکار کے انداز میں کئے گئے سوال سے مقصود یہ ہے کہ کوئی اس قابل نہیں کہ اللہ کے خلاف اس کا مقرر کیا ہوا دین معتبر ہوسکے) اور اگر (اللہ کی طرف سے) فیصلہ کی بات پہلے طے نہ ہوگئی ہوتی (وہ یہ کہ ان پر اصل عذاب موت کے بعد ہوگا) تو (دنیا ہی میں) ان کا (عملی) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا (اس دن) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ (وہ) اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے، اور وہ (وبال) ان پر (ضرور) پڑ کر رہے گا (یہ تو منکروں کا حال ہوگا) اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (ہوں گے) وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ روضات الجنات میں جنت کی جمع اس لئے لائے کہ جنت کے مختلف طبقے اور درجے ہیں، ہر طبقہ ایک جنت ہے اور ہر طبقہ میں مختلف باغ ہیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق کوئی کہیں ہوگا، کوئی کہیں ہوگا) وہ جس چیز کو چاہیں گے (وہ) ان کے رب کے پاس انہیں ملے گی، یہی بڑا انعام ہے (نہ کہ وہ عیش وعشرت جو دنیا میں موجود ہے) یہی وجہ جس کی خوش خبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے (اور چونکہ کافر لوگ پوری بات سننے سے پہلے ہی اس کو جھٹلانے کے عادی تھے، اس لئے خوش خبری کے اس مضمون کو پورا ہونے سے پہلے ہی ایک جملہ معترضہ میں منکروں کو جھٹلانے کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے آپ کو انہیں دل پر اثر کرنے والا ایک مضمون سنانے کا حکم فرماتے ہیں۔ یعنی) آپ (ان سے) یوں کہئے کہ میں (تمہیں یہ باتیں سنانے) سے اور کوئی بدلا نہیں چاہتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے (یعنی صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری کے تعلقات ہیں جو تمام قریش میں بلکہ تمام عرب میں دور یا قریب پھیلے ہوئے تھے جیسا کہ برادری میں ہوا کرتا ہے، ان کے حقوق کا تو خیال رکھو، کیا رشتہ داری کا یہی حق ہے کہ ”منہ نہ کھولا تھا کہ پر باندھنے صیاد آیا!“ کیا اس کا یہ حق نہیں کہ مجھ سے دشمنی میں جلدی نہ کرو، بلکہ سادہ دل سے سہولت واطمینان کے ساتھ میری پوری بات سن لو، اور اس کو عقل اور صحیح دلیل کے پیمانہ سے جانچو اور اگر سمجھ میں آجائے تو قبول کرلو اور اگر کچھ شبہ ہو تو صاف کرلو۔ اور اگر بالفرض محال باطل ہو تو مجھے سمجھا دو۔ صحیح راستہ پر لے آؤ۔ غرض جو بھی ثابت ہو نرمی، ہمدردی اور خیر خواہی سے ہو یہ نہیں کہ فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھ جانے پر

بھی مخالفت سے باز نہ آؤ، اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ رشتہ داروں کی محبت کے بعد ایمان مطلوب نہیں، اصل یہ ہے کہ یہ نرمی اور دھیرے دھیرے کام کرنے کا ایمان تک پہنچنے کا طریقہ بتایا ہے) اور (آگے مذکورہ خوش خبری کا باقی حصہ آرہا ہے یعنی) جو شخص کوئی نیکی کرے گا، ہم اس (نیکی) میں اور زیادہ خوبی کر دیں گے (یعنی اپنے آپ میں اس خوبی کا تقاضا جس قدر ثواب ہے ہم اس سے زیادہ ثواب دیں گے) بے شک اللہ (اطاعت کرنے والوں کے گناہوں کا) بڑا بخشنے والا (اور ان کی نیکیوں کا) بڑا قدر کرنے والا (اور ثواب عطا کرنے والا) ہے۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انھوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے۔ سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے۔ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں تینوں مذکورہ مضمونوں میں سے وحی اور رسالت کے حق ہونے کا بیان ہوا تھا۔ پھر ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ میں توحید کے ساتھ اس کی بھی تائید ہوئی تھی۔ پھر ﴿اَنْزَلَ الْكِتٰبَ﴾ میں ضمنی طور پر اس طرف اشارہ تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

رسالت کو مدلل کرنے کا پھر سے تذکرہ:

کیا یہ لوگ (نعوذ باللہ! آپ کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ انھوں نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رکھا ہے (کہ نبوت اور وحی کا دعویٰ کیا ہے جو کہ واقع کے خلاف ہے) تو (ان کا یہ قول خود جھوٹا بہتان ہے، جس کی تفصیل یہ ہے)

پہلی بات: کسی کے ہاتھ پر خارق عادت اور معمول کے خلاف کسی واقعہ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں امکان ہیں اور اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہونے میں بہ ظاہر برابر ہیں۔

دوسری بات: مخلوق کو شک وشبہ سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عادت جو ہمیشہ عقل سے ثابت ہے، یہ ہے کہ نبوت کا سچا دعویٰ کرنے والے کے ہاتھ پر عادت اور معمول کے خلاف واقعہ کے واقع ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے اور جھوٹے دعویٰ دار کے ہاتھ پر واقع نہ ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا جھوٹ کے لئے واقع نہ ہونا لازم ہے۔

تیسری بات: کسی امر کے لازم ہونے کی نفی جس امر کے لئے وہ لازم کیا گیا ہے اس کی نفی کی دلیل ہوتی ہے۔

چوتھی بات: رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ایسا کلام صادر ہو رہا ہے جس کا انداز دوسروں کو عاجز کرنے والا ہے تو لازم کی نفی ہوئی، لہٰذا جس کے لئے اس کی نفی کی گئی یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہوئی اور اس سے آپ کا سچ اور ان کا جھوٹ

ثابت ہوگیا۔ اور یہی مطلوب ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ) اللہ (ایسی قدرت والا ہے کہ) اگر (وہ) چاہے تو آپ کے دل پر بند لگادے (اور یہ کلام آپ کے دل میں نہ پیدا ہو، نہ باقی رہے، بلکہ دل سے نکال لیا جائے اور آپ بالکل بھول جائیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ ﴾ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ زبان سے ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی ایسی قدرت والا تھا۔ اور اب بھی ہے کہ عادت اور معمول کے خلاف اس واقعہ کو نہ ہونے دیں، جیسا کہ پہلی بات میں ہے) اور اللہ تعالیٰ (کی یہ عادت ہے کہ وہ نبوت کے) باطل (دعویٰ) کو مٹایا کرتا ہے (چلنے نہیں دیتا، یعنی اس کے ہاتھ سے عادت اور معمول کے خلاف واقعہ نہیں ہوا کرتا) اور (نبوت کے دعوی کے) حق کو (اپنے نازل کئے جانے والے یا قدرتی حکموں کے ذریعہ ثابت (اور غالب) کیا کرتا ہے (دوسری اور تیسری بات کے مطابق ظاہری طور پر اور چوتھی بات مشاہدہ سے، لہٰذا آپ سچے اور وہ جھوٹے ہیں اور چونکہ) وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) دلوں (تک) کی باتیں جانتا ہے (زبان سے اقوال اور جسمانی اعضا کے افعال کا تو کہنا ہی کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے عقائد، اقوال اور اعمال سب کی خبر ہے۔ ان سب پر خوب سزا دے گا)

فائدہ: تکوینی حکموں سے مراد عادت ہے اور نازل کئے جانے والے حکموں سے مراد ایسے ہی مضمون کی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل مٹتا ہے اور حق ثابت رہتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴾ الخ۔ اور پہلی تفسیر پر جمع کا لفظ لانا یا تو جنسی معنی کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ ایک عادت کئی عادتوں کا مجموعہ ہے، مثلاً ایک یہ کہ سچے ہاتھ پر خارق صادر ہو۔ ایک یہ کہ جھوٹے کے ہاتھ پر صادر نہ ہو، پھر دونوں بار بار واقع ہو چکے لہٰذا ان کا کئی مرتبہ ہونا ظاہر ہوگیا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ اُس کو جانتا ہے۔ اور اُن لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور اُن کے لئے اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔

ربط: اوپر کئی جگہ کہیں ضمنی اور کہیں قصداً منکر لوگوں پر لعنت وملامت کی گئی ہے۔ چونکہ اس ملامت سے مقصود یہی ہے کہ وہ لوگ کفر وشرک سے توبہ کرلیں، اور ایمان لے آئیں۔ اس لئے آگے توبہ کی برکت اور ایمان کی فضیلت کا ذکر ہے اور

ختم پر ان لوگوں کے لئے وعید بھی فرمادی جو توبہ نہ کریں، کفر وشرک پر اصرار کرتے رہیں۔

توبہ کرنے والوں کے لئے خوش خبری اور اصرار کرنے والوں کو ڈرانا:

اور وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ (اس کی شرطوں کے مطابق) قبول کرتا ہے (لہٰذا اگر کوئی کافر کفر سے توبہ کرلے اور اسلام قبول کرلے تو ہم اس کا ایمان قبول کرلیں گے) اور وہ (اس توبہ کی برکت سے) تمام (پچھلے) گناہ معاف فرمادیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے (لہٰذا اسے یہ بھی خبر ہے کہ توبہ خالص کی ہے یا غیر خالص کی ہے، اس لئے تمہیں خالص توبہ کرنی چاہئے) اور (جب کفر سے توبہ کرکے مسلمان ہوگیا تو اس کی عبادتیں جو پہلے مقبول نہیں ہوئی تھیں، اب مقبول ہونے لگیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کی عبادت (ریا نہ ہونے کی شرط پر) قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے (وہ عبادتیں یہی نیک عمل ہیں، قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ثواب دیتا ہے) اور (اس ثواب کے علاوہ جو شرعی دلیل کے مطابق اپنے آپ میں اس عمل کا تقاضا ہے) انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے (یہ تو ایمان والوں کے لئے ہوا) اور جو لوگ کفر (پر اصرار) کررہے ہیں (اور ایمان نہ لائے) ان کے لئے سخت عذاب (مقرر) ہے۔

﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ
بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ
الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی
جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ ع ۳
وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ
فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا
لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے، لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز سے اُتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ اور وہ کارساز قابل حمد ہے۔ اور من جملہ اُس کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اُس نے زمین وآسمان میں پھیلا رکھے ہیں۔ اور وہ اُن کے جمع

کر لینے پر بھی جب وہ چاہے قادر ہے۔ اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔ اور تم زمین میں ہرا نہیں سکتے۔ اور خدا کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی مددگار نہیں۔ اور من جملہ اُس کی نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں جیسے پہاڑ۔ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھیرا دے تو وہ سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے۔ یا اُن جہازوں کو اُن کے اعمال کے سبب تباہ کر دے اور بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جاوے۔ اور اُن لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جاوے کہ اُن کے لئے کہیں بچاؤ نہیں۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں توحید کا مضمون تھا، پھر کئی آیتوں میں اس کی تاکید اور اس کی دلیل کی تائید تھی۔ اب اپنی صفتوں اور افعال کے بیان کے ذریعہ پھر اس کی زیادہ تفصیل ہے۔

توحید پر دلالت کرنے والی بعض صفتوں اور افعال کا بیان:

اور (اللہ تعالیٰ کی حکمت کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے سب لوگوں کو زیادہ مال نہیں دیا، کیونکہ) اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے (موجودہ حالت میں جیسا کہ عام طور پر ان کی طبیعتیں ہیں) روزی وسیع کر دیتا تو وہ دنیا میں (عام طور سے) شرارت کرنے لگتے (کیونکہ عام طبیعتوں کے اعتبار سے (دبے رہنے کی زیادہ وجہ حاجت وضرورت ہے یعنی مالداروں کو غریبوں سے کام میں مدد لینے کی حاجت وضرورت ہے اسی لئے جب مزدور اتفاق کر لیتے ہیں تو آخر بڑے بڑے کارخانوں کے مالکوں کو ان سے مغلوب ہونا پڑتا ہے اور غریبوں کو مالداروں سے رقم لینے کی حاجت اور ضرورت ظاہر ہے کہ اگر مالداری عام ہو جائے تو مال کی حاجت تو کسی کو کسی سے باقی نہ رہے، اور کام کوئی کسی کا نہ کرے تو دونوں طرف سے حاجت وضرورت جاتی رہے پھر کون کسی سے دبے اور غرضوں میں اشتراک پھر بھی اس لئے باقی رہے کہ ہر چیز ہر ایک کے پاس نہیں ہوا کرتی اور رغبت میں ہر چیز کا احتمال ہے۔ مثلاً اس حالت میں کسی کا گھوڑا کسی کو پسند آ گیا، کسی کی عورت کسی کو پسند آئی اور وہ ایک ہی ہے اور طالب دو ہیں تو لازمی طور پر دونوں میں ٹکراؤ ہوگا۔ ایک کو دوسرے پر غصہ آئے گا، اور حاجت وضرورت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کی مدد وحفاظت نہ کرے گا۔ ایسے میں وہ خود ہی آپس میں لڑیں گے اور مریں گے۔ اسی طرح ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوگی جس میں دوسرے کو رغبت ہو۔ عادۃً یہ بات لازم ہے، اور یہی قصہ ہر ہر شخص میں پیدا ہوگا تو نافرمانی اور شرارت کا عام ہونا ظاہر ہے اور یہ علت رزق کے عام پھیلاؤ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اگر غریبی اور حاجت عام ہو جائے تو چونکہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ ہوگی اس لئے دوسرے کی رغبت کا احتمال ہی نہیں جو نافرمانی اور شرارت کی علت تھی اور اگر شاذ ونادر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوئی بھی تو بہت کم ہوگی، لہٰذا نافرمانی وشرارت بھی کم ہی ہوگی۔ بہر حال یا تو نفس نافرمان نہ ہوگا چاہے دوسری پریشانیاں لاحق ہو جائیں مثال

کے طور پر سب اپنے آپ ہلاک ہوجائیں اور فقر ومحتاجی کے عام نہ ہونے میں یہی حکمت ہے، لیکن جس نقصان کا یہاں بیان ہے وہ رزق کے عام پھیلاؤ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے باوجود کہ عام نافرمانی کا انجام بھی ہلاکت ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود مرجانا دوسرے کے ہاتھ سے مارے جانے سے زیادہ اسلم ہے، اس لئے یہ نقصان اس نقصان سے زیادہ سخت ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہاں رزق کا پھیلاؤ عام نہ ہونے کی حکمت خاص طور سے بیان فرمائی گئی ہو اور حاجت وضرورت عام نہ ہونے کی حکمت کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ غرض مذکورہ بالا نقصان کی وجہ سے مالداری کو عام نہیں کیا) لیکن (یہ بھی نہیں کیا کہ بالکل ہی کسی کو کچھ نہ دیا ہو بلکہ) جتنا رزق چاہتا ہے (مناسب) انداز سے (ہر ایک کے لئے) اتارتا ہے (کیونکہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں) کو جاننے والا (اور ان کا حال) دیکھنے والا ہے (اس سے حکیم یعنی حکمت والا ہونے کے علاوہ خبیر یعنی خبر رکھنے اور بصیر یعنی دیکھنے والا ہونے کی دو صفتیں اور ثابت ہوئیں) اور وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے جو (بہت دفعہ) لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت (کے آثار ساری دنیا میں) پھیلاتا ہے (آثار سے مراد پیڑ پودے اور پھل پھول ہیں) اور وہ (سب کا) کام بنانے والا اور (اسی کام بنانے پر تعریف کے قابل ہے (لہٰذا اوپر کی تین صفتوں کے ساتھ یہاں تین صفتیں اور ثابت ہوئیں: (۱) رحیم یعنی رحم کرنے والا (۲) ولی یعنی کام بنانے والا اور (۳) تعریف کے قابل) اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا پیدا کرنا ہے جو اس نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں (اس سے اوپر کی چھ صفتوں کے ساتھ خالق یعنی پیدا کرنے والا ہونا بھی ثابت ہوا) اور وہ (قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرکے) ان (مخلوقوں) کے جمع کرلینے پر بھی جب وہ (جمع کرنا) چاہے (قادر یعنی) قدرت رکھنے والا ہے (اس سے اوپر کی سات صفتوں کے ساتھ قدیر یعنی قدرت والا ہونا بھی ثابت ہوا) اور (وہ منتقم یعنی انتقام لینے والا اور منتقم کے ساتھ معاف کرنے والا بھی ہے۔ چنانچہ اے گنہ گارو!) تمہیں جو کچھ مصیبت (حقیقت میں) پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے اور پھر بھی ہر گناہ پر نہیں بلکہ بعض گناہوں پر) اور بہت (سے گناہوں) کو تو وہ معاف ہی کردیتا ہے (چاہے دونوں جہان میں یا صرف دنیا میں) اور (اگر وہ سب پر پکڑ کرنے لگے تو) تم زمین (کے کسی حصہ) میں (پناہ لے کر اس کو) ہرا نہیں سکتے اور (ایسے وقت میں) اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی مددگار نہیں (ہوسکتا، اس سے اوپر کی آٹھ صفتوں کے ساتھ منتقم یعنی انتقام لینے والا اور عفو یعنی معاف کرنے والا اور عزیز یعنی زبردست ہونا بھی ثابت ہوا) اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے وہ جہاز میں جو سمندر میں چلنے والے (اونچے) پہاڑوں کی طرح ہیں (مراد یہ کہ ان کا سمندر میں چلنا حق تعالیٰ کی عجیب بناوٹ کی دلیل ہے، ورنہ) اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے تو وہ (سمندر میں ہوا کے ذریعہ چلنے والے جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں (یہ اسی کا کام ہے کہ ہوا کو چلاتا ہے اور ہوا سے سمندر میں وہ جہاز چلتے ہیں) بے شک اس میں

(قدرت پر دلالت کرنے والی) نشانیاں ہیں، ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے (یعنی مؤمن کے لئے (اس کی وضاحت سورۂ لقمان آیت ۳۱ میں گذر چکی۔ غرض اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک کر جہازوں کو ایک ہی جگہ کھڑا کردے) یا (اگر وہ چاہے تو ہوا کو تیز چلا کر) ان جہازوں (کے سواروں) کو ان کے (برے اعمال کفر وغیرہ) کے سبب تباہ کردے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ ﴾) اور ان میں) بہت سے لوگوں کو معاف کردے (یعنی وہ اس وقت غرق نہ ہوں چاہے آخرت میں سزا پائیں) اور (اس تباہی کے وقت) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں، معلوم ہو جائے کہ (اب) ان کے لئے کہیں بچنے کی صورت) نہیں (کیونکہ انھوں نے اپنے زعم میں جن کو شریک قرار دیا تھا، ان کی حیثیت کو ایسے وقت میں وہ بھی سمجھتے تھے اور انہیں عاجز و بے بس جانتے تھے لہٰذا اس سے اوپر کی گیارہ صفتوں کے ساتھ افعال اور اشیا میں مستقل تصرف کرنے والا ہونا بھی ثابت ہو گیا)

فائدہ: آیت ﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ ﴾ الخ کی وضاحت میں "موجودہ حالت" کی قید اس لئے لگائی کہ اگر اللہ تعالیٰ طبیعتوں کو بدل دیں تو پھر نافرمانی و شرارت ہی نہ ہو جیسا کہ جنت میں طبیعتیں سلیم یعنی ٹھیک و صحیح ہوں گی۔ یا مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے زمانہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ کوئی کسی کا صدقہ قبول نہ کرے گا۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ طبیعتوں کو بدل دیں گے کہ ناجائز اور حرام مال تو کیا اپنے نفس کی عزت اور غیرت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے کسی دوسرے سے اس حلال مال کو بھی لینا گوارا نہیں کریں گے جس کی فقر و فاقہ اور حاجت و ضرورت میں لینے کی اجازت ہے۔

اور اس کے بعد ایک اور قید "عام طور پر" لگائی اور وہ اس لئے کہ بندوں سے مراد عام بندے ہیں نہ کہ خاص اور مقبول بندے، جیسے تمام نبی اور اکثر ولی، کہ وہاں نافرمانی کے لئے رکاوٹ موجود ہے اور اگرچہ بسط یعنی رزق کا وسیع اور پھیلا ہوا ہونا اس کا تقاضا کرتا ہو، مگر صرف تقاضے کا پایا جانا رکاوٹ کو دور کئے بغیر تقاضے کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اور ﴿ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ﴾ یعنی بارش برسانے میں "بہت دفعہ" اس لئے کہا کہ بہت دفعہ ناامید ہو جانے سے پہلے بھی بارش ہو جاتی ہے اور بہت دفعہ ناامید ہو جانے کے بعد بھی نہیں ہوتی، اور آیت میں کوئی اشارہ قاعدہ کلی ہونے پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔

اور ﴿ بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ یعنی "آسمانوں اور زمین میں ہر طرح کے جاندار پھیلائے" میں اگر دابہ مجازی طور پر مطلق جانور کے معنی میں لیا جائے، تب آسمان پر فرشتوں کا جاندار ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر دابہ سے کوئی خاص جانور مراد لیا جائے، تو اس صورت میں دو توجیہیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ ﴿ فِيْهِمَا ﴾ کے معنی فی مجموعهما یعنی ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین کے مجموعے مراد ہوں۔ اور اس کے لئے زمین میں پایا جانا کافی ہے۔ آسمانوں میں پائے جانے کی ضرورت نہیں۔ اور یا یوں کہا جائے کہ آسمان پر بھی جانور ہیں، جیسا کہ حدیثوں سے جنت میں جو کہ آسمانوں کی طرف

ہیں، اور اس وقت بھی موجود ہیں، یا قوت نامی ہیروں کے بنے ہوئے گھوڑوں اور پرندوں کا ہونا ثابت ہے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ لہٰذا سماوات یعنی آسمانوں سے مراد مطلق اوپر کا عالم ہوگا۔ اور دابہ کے معنی میں جو دبیب علی الأرض یعنی ''زمین پر چلنے والا'' لیا گیا ہے اس ارض یعنی زمین سے مراد مطلق ٹھکانا ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ﴾

اور ﴿مَّآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ میں جو مخاطب کو مخصوص کیا اور پھر حقیقت میں ہونے کی قید لگائی، اس سے ایک سوال کے دو جواب دینے مقصود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لفظ ما کے عموم میں بہ ظاہر عموم معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گناہوں ہی سے آتی ہے۔ حالانکہ نبیوں پر بڑی بڑی مصیبتیں اور بلائیں آئیں، جبکہ ان کا گناہوں سے پاک ہونا معلوم ہے۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں خطاب عام نہیں ہے بلکہ صرف اہل ذنوب یعنی گنہ گار لوگ مخاطب ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبیوں پر جو بلائیں آئیں اگرچہ وہ صورت میں مصیبت ہیں، مگر حقیقت میں اور معنی کے اعتبار سے وہ مصیبت نہیں بلکہ نعمتیں ہیں کہ وہ ان سے پریشان نہیں ہوتے، بلکہ وہ اس سے اپنے علموں، حالات اور اللہ سے قریب آنے کے درجوں میں ترقی دیکھ کر اس پر راضی رہتے ہیں۔

اور ﴿فَيَظْلَلْنَ﴾ کے ترجمہ میں ''ہوائی'' کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یہاں ذکر انہی جہازوں کا ہے جو اس زمانہ میں ہوا کے ذریعہ چلتے تھے اور کسی کو بھاپ سے چلنے والے جہازوں کے ہوا کا محتاج نہ ہونے سے ان کے اللہ کی کاری گری اور بناوٹ سے بے نیاز ہونے کا شبہ نہ ہو، کیونکہ اگر وہاں ہوا کے واسطہ سے محتاج نہ ہو تو بھاپ کے واسطہ سے محتاجی ہے، کیونکہ بھاپ بھی اللہ کی قدرت کے تابع ہے اور اگر ریح یعنی ہوا کے مفہوم کو عام کر لیا جائے کیونکہ بھاپ میں پانی کے اجزا کے ہوا کے اجزا بھی ہوتے ہیں، اور اسی طرح روک لینے اور ٹھہرانے کو بھاپ اور دھوئیں کے اوپر کی طرف نہ چڑھنے کے لئے عام کر لیا جائے تو بھاپ کے جہازوں کی محتاجی کا واسطہ بھی ہوا ہی ہو جائے گی۔

﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾ ع ۴

ترجمہ: سو جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے۔ اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور اُن کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے، سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام صرف اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

ربط: اوپر ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ﴾ الخ میں دنیا پر غرور و گھمنڈ کی مذمت اور آخرت کی طلب کی ترغیب فرمائی تھی، اب مذکورہ مذمت کی تاکید کے لئے دنیا کے حقیر ہونے اور مذکورہ ترغیب کی تاکید کے لئے آخرت کی خیریت اور فضیلت والے اعمال کے ذکر سے اسے طلب کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور اوپر ﴿وَلَوۡ بَسَطَ﴾ میں رزق کو کم کرنے کی حکمت اور نفع اور ﴿مَاۤ اَصَابَكُمۡ﴾ اور ﴿وَّيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ﴾ میں ذنوب کی برائی اور نقصان کا بیان ہوا تھا۔ اب دنیا کا فنا ہونے والا سامان ہونا جو کہ کم ہونے کے برابر ہے اور اعمال و طاعتوں کی فضیلت اور برکت جو کہ گناہوں کی برائی کے مقابلہ میں ہے: بیان فرمانا نہایت مناسب ہے۔

دنیا کا حقیر اور آخرت کا نفیس ہونا اور اچھے اعمال کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ:

(اور اوپر تم سن چکے ہو کہ دنیا چاہنے والے کی دنیاوی تمنا پوری نہیں ہوتی اور وہ آخرت سے محروم رہتا ہے اور آخرت کو چاہنے والے کی ترقی ہوتی ہے۔ اور سن چکے ہو کہ دنیا کا انجام زیادہ تر اچھا نہیں ہوتا اس سے اکثر نقصان پہنچانے والے اعمال پیدا ہوتے ہیں) تو (اس سے ثابت ہوا کہ مطلوب بنانے کے قابل دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے، اور دنیا کی باقی چیزوں میں سے) جو کچھ تمہیں دیدیا گیا ہے وہ صرف (چند دن کی) دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے (کہ عمر کے خاتمہ کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور جو (اجر و ثواب آخرت میں) اللہ کے پاس ہے وہ اس سے (کیفیت و حالت کے اعتبار سے بھی) بہتر ہے اور (مقدار و تعداد کے اعتبار سے بھی) زیادہ باقی رہنے والا ہے (یعنی ہمیشہ رہنے والا ہے، لہٰذا دنیا کی طلب چھوڑ کر آخرت طلب کرو، اسے مطلق حاصل کرنے کے لئے طاعتوں میں سب سے بڑی و اعظم طاعت یعنی

ایمان کا اختیار کرنا اور سب سے بڑے واعظم گناہ یعنی کفر کا ترک کرنا ضروری شرط ہے، اور اسے بہتر طریقہ سے حاصل کرنے کے لئے تمام ضروری طاعتوں کا اختیار کرنا اور تمام گناہوں کا چھوڑنا غالب ہونے کی شرط ہے، اور نفلی طاعتوں کا اختیار کرنا اور غیر اولیٰ مباح امور کا ترک کرنا اولیت کے ساتھ اولیت واقربیت ہونے کا بھی سبب ہے، چنانچہ) وہ (ثواب جس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے (خاص طور سے زیادہ) بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور انھوں نے نماز کو قائم رکھا اور ان کا ہر (بڑی شان والا) کام (جس میں تعیین کے ساتھ نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جو ایسے (انصاف کرنے والے) ہیں کہ جب ان پر (کسی کی طرف سے کچھ) ظلم ہوتا ہے تو وہ (اگر بدلا لیتے ہیں تو) برابر کا بدلا لیتے ہیں (زیادتی نہیں کرتے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ معاف نہیں کرتے) اور (برابر کا بدلا لینے کے لئے ہم نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ) برائی کا بدلا ویسی ہی برائی ہے (شرط یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں معصیت نہ ہو) پھر (انتقام کی اجازت کے بعد) جو شخص معاف کردے اور (آپسی معاملہ کی) اصلاح کرلے (جس سے دشمنی وعداوت جاتی رہے اور دوستی ہوجائے کہ یہ معافی سے بھی بڑھ کر ہے) تو اس کا ثواب (وعدہ کے مطابق) اللہ کے ذمہ ہے (اور جو بدلا لینے میں زیادتی کرنے لگے تو یہ سن رکھے کہ) واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (زیادتی نہ کرے بلکہ) اپنے اوپر ظلم ہوجانے کے بعد برابر کا بدلا لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (چاہے شروع میں یا انتقام کے وقت) اور زمین میں ناحق زیادتی (اور تکبر) کرتے (پھرتے) ہیں (اور یہی تکبر، ظلم کا سببِ ہوجاتا ہے اور "ناحق" واقعی قید ہے، کیونکہ تکبر کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔ آگے اس الزام کا بیان ہے کہ) ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے، اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کردے، بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اور بڑی اولوالعزمی یعنی بلند ہمتی کی بات ہے)

فائدہ: اس میں مختلف اعمال کا ذکر ہوا ہے۔ عقائد، فرائض اور غیر فرائض۔ اور سب پر ان کے درجوں کے اختلاف کے مطابق ثواب ہے۔ جیسا کہ خود ترجمہ کی وضاحت میں بیان ہوا ہے۔ اور شوریٰ یعنی مشورہ میں "بڑی شان والے" کی قید اس لئے ہے کہ معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں، جیسے دو وقت کا کھانا کھانا وغیرہ اور "نص نہ ہونے" کی قید اس لئے لگائی کہ متعین نص والے امور میں بھی مشورہ نہیں، جیسے یہ مشورہ کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو یا نہ پڑھا کرو، اور انتقام میں یہ قید کہ "اپنے آپ میں معصیت نہ ہو" اس لئے ہے کہ ایسے امور میں صورت کے لحاظ سے اسی جیسا بدلا لینا جائز نہیں مثال کے طور پر کسی نے حرام طریقہ سے جنسی شہوت کا عمل کیا تو اس سے بدلے کے طور پر حرام طریقہ سے جنسی شہوت کا عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور ﴿ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ میں تو برابر کا بدلا لینے والوں کی انصاف کی حیثیت سے تعریف ہے۔ اور ﴿ وَجَزٰٓؤُا

سَيِّئَةٍ﴾ میں اس کا جائز ہونا اور ﴿لَمَنِ انْتَصَرَ﴾ میں اس میں حرمت کی نفی ہے اور اگرچہ ہر پہلے والے کے لئے ہر بعد والا لازم ہے، لیکن تصریح کے قصد سے اس میں بلاغت آگئی اور تکرار بھی نہیں رہی، اور اسی طرح ﴿هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ میں اس عمل کے کرنے والے کی تعریف اس صفت کے ذریعہ کرنا اور ﴿فَمَنْ عَفَا﴾ میں اس کے اجر کا اثبات اور ﴿مَنْ صَبَرَ﴾ سے عمل کی تعریف کرنا تکرار کو دور کرتا ہے۔ اور کبائر کی تحقیق سورۃ النساء آیت ۳۱ کے ذیل میں آچکی ہے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۞ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۞ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۞﴾

ترجمہ: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اُس کے بعد اُس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں۔ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جس وقت کہ اُن کو عذاب کا معائنہ ہوگا کہ کہتے ہونگے کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جاویں گے۔ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہونگے۔ سست نگاہ سے دیکھتے ہونگے۔ اور ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے۔ یادرکھو کہ ظالم لوگ عذاب دائمی میں رہیں گے اور اُن کو کوئی مددگار نہ ہونگے جو خدا سے الگ اُن کی مدد کریں۔ اور جس کو خدا گمراہ کردے اُس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

ربط: اوپر عقبیٰ یعنی آخرت کو چاہنے والے مؤمنوں کا اچھا انجام بیان فرمایا ہے۔ اب دنیا کے چاہنے والے کافروں کے برے انجام کا بیان ہے۔

قیامت میں کافروں کی بدحالی:

(یہ حال تو جس کا ذکر ہوا ہدایت پانے والوں کا تھا کہ انہیں دنیا میں اللہ کی ہدایت اور آخرت میں ثواب سے عزت وشرف عطا ہوئے) اور (آگے گمراہ لوگوں کا حال سنو، وہ یہ ہے کہ) جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کو (دنیا میں بھی) کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے (کہ اسے سیدھے راستہ پر لے آئے) اور (قیامت میں بھی برا حال ہوگا، چنانچہ اس دن) آپ (ان) ظالموں کو دیکھیں گے کہ جس وقت وہ عذاب کو دیکھیں گے وہ (نہایت حسرت کے ساتھ) کہتے ہوں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت (ہوسکتی) ہے؟ (تاکہ پھر اچھے عمل کر کے آئیں، جیسا کہ ارشاد

ہے ﴿ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا ﴾) اور آپ انہیں اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے، ذلت کے مارے جھکے ہوئے ہوں گے (اور وہ اس کو) دبی چھپی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے (جیسا کہ خوف زدہ ڈرا سہما آدمی اسی طرح دیکھتا ہے، اور دوسری آیت میں جو اندھا ہونے کی خبر دی ہے، وہ حشر کے وقت ہے، اور یہ اس کے بعد ہے۔ چنانچہ وہاں ﴿ نَحْشُرُهٗ ﴾ صراحت کے ساتھ ہے) اور (اس وقت) ایمان والے (اپنے بچ جانے پر شکر کرنے کے لئے اور ان پر ملامت کرنے کے لئے) کہیں گے کہ پورے نقصان والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے تعلق والوں سے (آج) قیامت کے دن نقصان میں پڑے (اس کی تفسیر سورۃ الزمر آیت ۱۵ میں گذر چکی ہے) یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک وکافر) لوگ ہمیشہ کے عذاب میں (گرفتار) رہیں گے اور (وہاں) ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا، جو اللہ سے الگ (ہوکر) ان کی مدد کرے، اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس (کی نجات) کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں (یعنی نہ معذرت، نہ مدد ونصرت اور نہ ہی اور کچھ)

﴿ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا نہ تم کو اُس روز کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارے میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں کر کے نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس پر خوش ہو جاتا ہے۔ اور اگر لوگوں پر اُن کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔

ربط: اوپر ایمان نہ ہونے پر قیامت کے عذاب کی وعید سنا کر اب اس وعید کے واقع ہونے سے پہلے کافروں کو ایمان لانے کا حکم اور ان کے ایمان نہ لانے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں۔

کافروں پر ایمان کا واجب ہونا اور رسول ﷺ کی تسلی کا سامان:

(اے لوگو! جب تم نے یہ وعید سن لی تو) تم اپنے رب کا حکم (ایمان وغیرہ کا) مان لو، اس سے پہلے کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے ہٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی (یعنی دنیا میں جس طرح عذاب سے ہٹتا جاتا ہے، وہاں عذاب کا رکنا اور مہلت نہ ہوگی اور) نہ تمہیں اس دن کوئی (اور) پناہ ملے گی، اور نہ تمہارے بارے میں کوئی (اللہ سے) روک ٹوک

کرنے والا ہے (کہ کوئی اتنا ہی پوچھ لے کہ ان کا یہ حال کیوں بنایا گیا، اور اے رسول! ﷺ ان لوگوں کو یہ سنا دیجئے) پھر اگر یہ لوگ (یہ سن کر بھی) منہ پھیریں (اور ایمان نہ لائیں) تو (آپ کفر اور غم میں نہ پڑیں، کیونکہ) ہم نے آپ کو ان پر نگرانی کرنے والا (مقرر) کر کے نہیں بھیجا (جس سے پوچھ تاچھ کا اندیشہ ہو کہ آپ کے نگرانی کرتے ہوئے انھوں نے یہ کام کیوں کیئے؟ بلکہ) آپ کے ذمہ تو صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے (جو کہ آپ کر رہے ہیں، پھر آپ اس سے زیادہ کیوں فکر کریں؟) اور (ان کے حق سے منہ پھیرنے کا سبب اللہ کے ساتھ تعلق کا کمزور ہونا ہے جو کہ اس حالت کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ) ہم جب (اس قسم کے) آدمی کو اپنی عنایت کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر (اتراتے ہوئے) خوش ہو جاتا ہے (نعمت دینے والے پر نظر کر کے شکر نہیں کرتا) اور اگر (ایسے) لوگوں پر ان کے (ان برے) اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو (ایسا) آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (اور حق تعالیٰ کی طرف معاصی یعنی گناہوں سے توبہ کے طور پر اور التجا اور دعا اور توکل و بھروسہ اور اللہ کے فیصلہ پر راضی ہونے کے انداز میں متوجہ نہیں ہوتا، اور یہ دونوں حالتیں نفسانی خواہشوں سے شدید تعلق اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی کی دلیل ہیں۔ اور اس سے کفر پیدا ہوا ہے اور یہ حالت ان لوگوں کی ایک طرح سے فطرت بن گئی ہے، لہٰذا آپ ان سے ایمان کی امید نہ رکھیں کہ جس کی وجہ سے آپ کو رنج و غم ہو، لہٰذا تسلی دو طرح سے ہوئی: ایک آپ کی حالت کے اعتبار سے ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ اور دوسرے ان کی حالت کے اعتبار سے ﴿اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا﴾ الخ

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾﴾

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ یا اُن کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

ربط: اوپر کئی جگہ توحید کا ذکر ہوا ہے اور اوپر قریب والی آیتوں میں بھی عذاب کے وقت اللہ کے علاوہ کسی کے مشرکوں کے کام نہ آنے کا ذکر ہوا ہے جس سے شرک کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب بھی توحید کا بیان ایسے عنوان سے ہے کہ وہ پاس کے مضمونوں کی علت پر بھی دلالت کرتا ہے، چنانچہ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ میں اللہ کو پہلے لانا اللہ تعالیٰ کے مستقل طور پر تصرف کا فائدہ دیتا ہے۔ جو اللہ کے علاوہ کے تصرف کو باطل قرار دیتا ہے۔

توحید:

آسمانوں اور زمین کی (ساری) سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے (چنانچہ) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں

عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا انہیں (جس کے لئے چاہے) جمع کردیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

فائدہ: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ تمام تصرفات کے لئے عام ہے، اس میں سے بیٹوں اور بیٹیوں کے پیدا کرنے سے متعلق اس تصرف کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ یہ ہر وقت دیکھا جاتا ہے اور یہ ایسے حالات ہیں جو انسان سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور لازمی طور پر دیکھے جاتے ہیں، اس لئے اس سے استدلال کرنا آسان ہے۔

اور اولاد دینے اور نہ دینے کے اعتبار سے جو تقسیم کی گئی ان قسموں میں اس کا حصر عقل میں آنے والا ہے اور حمل گرنے سے حصر پر شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ اگر اس کو ولادت نہ کہو جیسا کہ اس میں روح پھونکے جانے سے پہلے ولادت نہ کہنا ہی مناسب ہے تب تو ﴿مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ میں آ گیا اور اگر ولادت ہے جیسا کہ روح پھونکے جانے کے بعد ولادت کہنا مناسب ہے تو اعضا کو جو صورت دی جائے اس کے تابع ہے اور اگر بعض اعضا کو صورت دی گئی ہو یا دونوں طرح کی صورتیں ہو جائیں تو واقع میں وہ مذکر یا مؤنث ہے، چاہے محسوس طور پر اس کی تعیین نہ ہو۔

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿٥٣﴾﴾ ع

ترجمہ: اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ وہ بڑا عالیشان ہے بڑی حکمت والا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے و لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں، یعنی اُس خدا کے راستہ کی کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یاد رکھو سب اُمور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

ربط: اوپر چند جگہوں پر رسالت کا ذکر ہوا ہے اور پاس کی آیتوں میں بھی ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ ارشاد ہے، چونکہ نبوت سے متعلق شبہات میں سے کافروں کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ یا فرشتے سامنے آ کر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ رسول ہیں؟ جیسا کہ اس کا ذکر ابن جریج کی روایت سے آئندہ ارشاد کی تفسیر میں گذر چکا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا

يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ (سورۃ الفرقان آیت ۲۱) اس کا ایک مشترک جواب تو اسی آیت میں دیا جا چکا ہے، ﴿ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ الخ اور خاص رب کے کلام سے متعلق جواب ان آیتوں میں آرہا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں آپ کی نبوت اور اس پر احسان کا اظہار اور قرآن کی شان کی عظمت و بڑائی اور اس کا خاص اور عام ہدایت اور فیض اور اس فیض وہدایت کے اتباع کے واجب ہونے کی تاکید کے لئے صراحت کے ساتھ اللہ کی عظمت اور اشارہ کے طور پر جزا وسزا کا بیان ارشاد فرما کر سورت کو ختم کرتے ہیں۔

رسالت کی تحقیق اور توحید اور جزا وسزا:

اور کسی انسان کی (موجودہ حالت میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے، سوائے اس کے کہ (۱) الہام کے طور پر (کہ دل میں کوئی اچھی بات طبعی طور پر ادراک کرنے والی قوتوں کے واسطہ کے بغیر سونے کی حالت میں یا جاگنے کی حالت میں ڈال دے، چاہے وہ الہام قطعی یعنی یقینی ہو جیسے نبیوں کا الہام یا غیر قطعی یعنی غیر یقینی ہو جیسے نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا الہام، اس طرح ایک طریقہ تو یہ ہے) یا (۲) پردے کے پیچھے سے (کچھ کلام سنا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا یا رسول اللہ ﷺ سے صفاتی تجلی کے پردے کے پیچھے سے بلا واسطہ ارشاد ہوا تھا فیھم یختصم الملأ الأعلی جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حجاب یعنی پردہ کوئی جسم یعنی ایسی دلدار چیز نہیں جو بیچ میں حائل ہو جائے اور نہ ہی یہ پردہ حق تعالیٰ کی ذات ونور کو ڈھانپ سکتا ہے، بلکہ اس پردہ کی حقیقت انسان کے ادراک کی کمزوری ہے جس سے نور اور ذات کے ظہور کے کمال کے باوجود وہ ادراک سے عاجز ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

شد ہفت پردہ برچشم ایں ہفت پردۂ چشم ❁ بے پردہ ورنہ ماہے چوں آفتاب دارم

ترجمہ: یعنی آنکھ کے یہ سات پردے آنکھ پر سات پردے ہوگئے ÷ ورنہ بغیر پردہ کے میرا ایک چاند، سورج کی طرح ہے۔

اور یہی پردہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے دیکھنے میں رکاوٹ بنا تھا اور یہی رکاوٹ جنت میں ختم ہو جائے گی۔ یعنی وہاں دیکھنے کی قوت اور برداشت کی طاقت دیدی جائے گی۔ اور یہ سننا بھی چاہے یقینی ہو، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے ہو یا غیر یقینی ہو جیسا کہ اگر ولیوں کے لئے یہ ثابت ہو جائے، اور روح المعانی میں یہ صفت عبد الوہاب الشعرانی کی روایت سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے نقل کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اور کسی نص نے اس کی نفی نہیں کی ہے۔ یہ دوسرا طریقہ ہوا یا (۳) کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے (اگر نبیوں کے علاوہ کے لئے اس کا واقع ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ میں نے بعض کتابوں میں شیخ اکبر سے نقل کیا ہوا دیکھا ہے۔ اور فرشتوں کی مریم کے ساتھ کی گئی گفتگو سے اس کی تائید ہوتی ہے تو اس میں بھی دو قسمیں قطعی اور ظنی نکلیں گی۔ اگرچہ ظنی کو وہم کے خیال کے سبب وحی کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اگرچہ آیت میں

ایک ہی قسم مراد ہو اور دوسری قسم یعنی ظنی کا وجود حصر کے خلاف نہ ہو، کیونکہ مقسم میں قطعی کی تخصیص ممکن ہے اور ظنی کی قسمیں مستقل دلیلوں سے ثابت ہو جائیں گی، لہٰذا کلام کا یہ تیسرا طریقہ ہوا اور تینوں کو کلام کہنا عموم مجاز پر مبنی ہے، غرض انسان سے کلام کے یہ تین طریقے ہیں۔ اور سامنے آ کر کلام کرنا اللہ کی عادت کے اس لئے خلاف ہے کہ انسان موجودہ حالت میں اللہ کی ذات کو آنکھوں سے دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا، پھر ان اعتراض کرنے والوں کو حق تعالیٰ سے سامنے ہو کر کلام کرنے کا حوصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ان میں خود ان تینوں طریقوں میں سے کفر کی وجہ سے ظنی کی بھی قابلیت نہیں ہے، اور اس سے یہ وسوسہ بھی دور ہو گیا کہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اچھا جن طریقوں کی عادت ہے انہی میں سے کسی طریقہ سے ہم سے کلام کرنا چاہئے۔ جواب کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ اس قابل بھی نہیں تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۴) لہٰذا دونوں آیتوں سے دونوں کا جواب ہو گیا۔

آگے مذکورہ مضمون کے مجموعہ کی علت ارشاد فرماتے ہیں کہ) وہ بڑی عالی شان والا ہے (اس سے جب تک وہ خود تحمل کی طاقت نہ دے کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ یہ اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس کی علت ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ) بڑی حکمت والا (بھی) ہے (اس لئے بندوں کی مصلحتوں کی رعایت سے کلام کے تین طریقے مقرر فرما دیئے ہیں، یہ مستثنیٰ کی علت ہوئی) اور (جس طرح انسان کے ساتھ ہمارے کلام کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے) اسی طرح (یعنی اسی قاعدہ کے مطابق) ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور آپ کو نبی بنایا ہے اور اس وحی کے وحی ہونے پر خارق عادت اور معمول کے خلاف دلیلیں قائم ہیں جو آپ کی نبوت کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ اور نبوت کا اثبات اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے سامنے آ کر کہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے اندر رسالت کی صلاحیت ہونے کے باوجود آپ کے سامنے آ کر کلام نہیں کرتے بلکہ مذکورہ طریقوں سے کلام ہوتا ہے تو یہ کس گنتی میں ہیں۔

آگے مذکورہ وحی کے اتباع کے واجب ہونے کے عموم کی تاکید اور آپ کی مسرت اور احسان کے اظہار کے لئے اس وحی کا ہدایت کبریٰ یعنی بڑی ہدایت ہونا بیان فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہدایت نامہ ہے کہ آپ کے ان علوم میں جن کی کوئی دوسری مثال نہیں، اسی کی بدولت ترقی ہوئی۔ چنانچہ اس سے پہلے) آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ (اللہ کی) کتاب کیا چیز ہے؟ اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال جو کہ اب حاصل ہے) کیا چیز ہے؟ (اگرچہ نفس ایمان ہر نبی کو نبوت سے پہلے بھی ہر وقت حاصل ہوتا ہے) لیکن ہم نے (آپ کو نبوت اور قرآن دیا اور) اس قرآن کو (آپ کے لئے سب سے پہلے اور دوسروں کے لئے بعد میں) ایک نور (یعنی علموں اور عملوں کی طرف رہنمائی کرنے والا) بنایا (جس سے آپ کو یہ عظیم علوم اور بلند احوال حاصل ہوئے جس سے اس کا ہدایت کبریٰ ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس کتاب کے مقابلہ میں جس کو پڑھ کر ایک ادنیٰ سا طالب علم بڑے درجہ کا عالم بن جائے، ظاہر ہے کہ وہ کتاب عالی اور بلند اور زیادہ نفع دینے والی ہوگی، اور) جس

کے ذریعہ سے (آپ کے واسطہ سے پہنچنے کے بعد) ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں (لہٰذا اس کے عظیم نواز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اب جو اندھا ہی ہو وہ اس نور کے نفع سے محروم بلکہ اس کا منکر ہے، جیسے یہ اعتراض کرنے والے) اور (ہم نے ﴿نَّهۡدِیۡ بِهٖ﴾ میں ہدایت کو خاص اپنا فعل بتایا ہے، اور اس کے ساتھ ﴿مَنۡ نَّشَآءُ﴾ کہا ہے۔ یہ ہدایت خاص معنیٰ کے اعتبار سے ہے ورنہ عام معنیٰ میں ہدایت یعنی راستہ بتانے کے اعتبار سے وہ آپ کا منصبی فعل ہے، اور وہ سب کے لئے عام ہے چاہے کسی وجہ سے کسی تک خبر نہ پہنچے چنانچہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کررہے ہیں (آگے اس راستہ کا بیان ہے، جس کی طرف آپ ہدایت فرماتے ہیں) یعنی اس اللہ کے راستہ کی (ہدایت کرتے ہیں) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے (یہ احکام دینے والے کی توحید اور تعظیم ہوگئی۔ آگے ان احکام کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی جزا و سزا کی طرف اشارہ ہے کہ) یاد رکھو سارے معاملے اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (لہٰذا وہ سب پر جزا و سزا دے گا)

فائدہ: انسان کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ ممکن ہے کہ فرشتوں سے سامنے آکر کلام ہوتا ہو، مگر یہ امر میری نظر سے نفی یا اثبات کی شکل میں کہیں نہیں گذرا بلکہ ظاہر میں نصوص سے نفی ظاہر ہوتی ہے جیسے جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں بہت قریب ہوگیا تھا مگر پھر بھی ستر ہزار پردے رہ گئے جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ تو اس صورت میں محض ذکر میں تخصیص اس لئے ہوگی کہ کلام انسان ہی سے متعلق تھا، اور موجودہ حالت کی قید سے ان صورتوں سے بچاؤ ہوگیا، جن میں سامنے آکر کلام کرنا ثابت ہے جیسا کہ بعض بزرگ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے معراج میں اس طرح کے کلام کے قائل ہیں۔ یا ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ان سے حضور ﷺ نے فرمایا: **فکلمه کفاحا**: یا جنت میں سامنے آکر کلام کرنا ثابت ہے، لہٰذا ان سب کے بارے میں کہا جائے گا کہ تحمل و برداشت کی موجودہ کمزوری کو تحمل و برداشت کی قوت سے بدل دیا جائے گا۔ رہا مذکورہ حدیث میں جو آیا ہے کہ کسی اور سے آمنے سامنے ہوکر کلام نہیں فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی شخص سے ان کے سوا کسی اور سے آمنے سامنے ہوکر کلام نہیں ہوا۔ لہٰذا ان سے اونچے درجہ والوں کی نفی اس میں شامل نہیں، اور ﴿مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ کی وضاحت میں جو رسول اللہ ﷺ سے حق تعالیٰ کا کلام کرنا لکھا گیا ہے، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن میں ﴿کَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا﴾ اور مشکوٰۃ کی حدیث میں: **قسم الله رؤيته و كلامه بين موسىٰ و محمد عليهما السلام أو نحوه**: آیا ہے، جس سے کلام کی تخصیص موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس آیت اور حدیث میں کلام سے مراد مخصوص طریقہ سے موسیٰ سے کلام کرنا ہے جیسا کہ **کلمہ تکلیما** کا بڑھانا اس کا قرینہ بھی ہے۔ واللہ اعلم

﴿بحمد للہ! سورۃ الشوریٰ کی تفسیر ۸؍ ربیع الثانی سنہ ۱۴۲۵ھ کو بروز منگل پوری ہوئی﴾

(۴۳) سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ (۶۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں یہ مضمون ہیں: (۱) توحید کا اثبات (۲) شرک کا باطل ہونا (۳) بتوں کے جہنم میں داخل ہونے کے مضمون پر مشرکوں کے اعتراض کا لغو ہونا (۴) وحی اور رسالت کا اثبات (۵) رسالت سے متعلق بعض شبہات کے جواب (۶) رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور (۷) رخ پھیرنے کا حکم (۸) دنیا کا حقیر ہونا (۹) نبوت کی اہلیت میں دنیا کے مال کا کوئی دخل نہ ہونا (۱۰) منکروں یعنی انکار کرنے والوں کو ملامت (۱۱) ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے قصے توحید ورسالت کی تائید میں اور تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے لئے قیامت کے وعدے اور وعیدیں اور ملامت، اور اس سورت کے شروع میں اور گذشتہ سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿ حٰمٓ ۚ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۭ﴿٤﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ ﴾

ترجمہ ﴿ حٰمٓ ﴾: قسم اس کتاب واضح کی ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ تم سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے۔ کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ ان سے زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی ہے۔

قرآن اور رسالت کا برحق ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور جاہل کافروں کے انکار کا بودا ہونا:

﴿ حٰمٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اس واضح (معنی والی) کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا

قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب کے لوگو!) تم (آسانی سے) سمجھ لو، اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ والی اور حکمت بھری کتاب ہے (جب وہ سمجھنے میں آسان ہے اور خاص ہماری حفاظت میں ہے اور معجزہ ہونے کی وجہ سے عظیم رتبہ والی اور اپنے حق ہونے پر دلالت کرنے والی ہے، پھر اس کے مضمون منافع اور مصلحتوں پر مشتمل ہیں تو ایسی کتاب کو ضرور ماننا چاہئے، لیکن اگر تم نہ بھی مانو تب بھی ہم حکمت کے تقاضہ کی وجہ سے اس کا بھیجنا اور تمہیں اس کا مخاطب بنانا نہیں چھوڑیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے) کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو (صرف) اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم (اطاعت کی) حد سے گذرنے والے ہو (اور اس کو نہیں مانتے، یعنی چاہے تم مانو یا نہ مانو پھر بھی نصیحت تو برابر کی جائے گی اور فیض پورا ہو کر رہے گا یعنی مؤمنوں کو نفع ہونا اور تم پر حجت قائم ہونا وغیرہ، اس میں حکمتیں ہیں) اور ہم پہلے لوگوں میں (ان کے جھٹلانے کے باوجود) بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں (یہ نہیں ہوا کہ جھٹلانے کی وجہ سے سلسلہ بند ہو جاتا) اور (اے رسول ﷺ جس طرح ہم نے ان کے جھٹلانے کی پروا نہیں کی، اسی طرح آپ بھی کچھ پروا اور غم نہ کیجئے، کیونکہ) ان (پہلے) لوگوں (کا بھی یہی حال تھا کہ ان) کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کا انھوں نے مذاق نہ اڑایا ہو، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو کہ (مکہ والوں) سے زیادہ زور و قوت والے تھے (جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی سزا میں) غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاک اور غارت کرنے کی) ہو چکی ہے (لہٰذا آپ غم نہ کریں کہ ان کا بھی ایسا ہی حال ہونا ہے، چنانچہ بدر وغیرہ میں یہی ہوا۔ اور نہ ہی وہ بے فکر ہوں کہ نمونہ موجود ہے)

فائدہ: واضح ہو کہ قرآن باعتبار معانی اوّلیہ اور دین کے اہم ترین اصولوں اور ترغیب وملامت اور ڈرانے دھمکانے سے متعلق مضمونوں کے اعتبار سے واضح ہے، مگر اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس سے سمجھ میں آنے والے معنی ایسے آسان ہوں کہ ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہو جائے۔ اور یہاں جو قسم واقع ہوئی ہے، وہ عربوں کی عادت کے مطابق کلام کی تاکید کے علاوہ خود قسم کے جواب کی دلیل بھی ہے، کیونکہ قرآن کی حالت میں غور کرنے سے اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا ایک ذات کی ایک صفت اس کی دوسری صفت کی دلیل ہے:

آفتاب آمد دلیل آفتاب ❁ گر دلیلت باید از وے رومتاب

ترجمہ: سورج اپنے آپ میں خود اپنی دلیل ہے اگر تمہیں اس کی دلیل چاہئے تو اس سے منہ مت پھیرو۔

اور عربی ہونے سے اس کے عام خطاب ہونے پر اشکال نہ کیا جائے، کیونکہ اس تخصیص کی حکمت عربوں کا پہلا مخاطب ہونا ہے۔ اور ﴿ لَدَيْنَا ﴾ یعنی ''ہمارے پاس'' خصوصیت اور عزت وشرف کے اعتبار سے فرمایا۔ لہٰذا یہ رتبہ کا پاس وقریب ہونا ہے جگہ کے لحاظ سے قریب ہونا نہیں۔

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ

لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ
بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ
تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ
ع مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾
وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا
خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا
وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
ع عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اُن کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اُس میں اُس نے تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا پھر ہم نے اُس سے خشک زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام اقسام بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو، تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو، پھر جب اُس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اُس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے۔ اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھیرا دیا۔ واقعی انسان صریح ناشکر ہے۔ کیا خدا نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ حالانکہ جب تم میں سے کسی کو اُس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو خدائے رحمان کا نمونہ بنا رکھا ہے تو سارے دن اُس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ کیا جو کہ آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں قوت بیانیہ نہ رکھے۔ اور انھوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا

کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگی۔ اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اُن کی عبادت نہ کرتے۔ اُن کو اس کی کچھ تحقیق نہیں، محض بے تحقیق بات کررہے ہیں۔ کیا ہم نے اُن کو اس سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اُس سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی اُن کے پیچھے پیچھے راستہ چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی اُن ہی کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ اُن کے پیغمبر نے کہا کہ کیا اگرچہ میں اُس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اُس کو مانتے ہی نہیں، جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے اُن سے انتقام لیا سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ربط: اوپر رسالت کا مضمون تھا جس کی سب سے عظیم دعوت توحید ہے۔ اب توحید کا اثبات ایسی دلیلوں سے کیا گیا ہے جن کے ضمن میں انعام بھی شامل ہیں اور آخر میں ﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ سے اس پر عقلی دلیل سے ثابت نقلی دلیل سے تنبیہ کی گئی ہے اور زمین کو زندہ کرنے کی مناسبت ہے، مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر بھی ایک جملہ معترضہ میں کیا گیا ہے اور درمیان میں شرک کا باطل کرنا ہے۔

توحید کا اثبات اور شرک کا باطل کرنا:

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ انہیں زبردست، جاننے والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے (اور پیدا کرنے میں اکیلا ہونے کے لئے عبادت کے لائق اکیلا ہونا لازم ہے، لہٰذا ان کے اعتراف سے توحید ثابت ہوگئی، آگے اللہ تعالیٰ توحید کی تقویت کے لئے اپنے دوسرے افعال بیان فرماتے ہیں جو توحید پر دلالت کرنے والے ہیں تاکہ توحید کی رغبت ہو کہ نعمت کا شکر ادا کرنا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیت ۵۳ میں ارشاد ہے ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ یعنی یہ زمین اور آسمان اسی نے پیدا کئے ہیں) جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو فرش (کی طرح) بنایا (کہ اس پر آرام کرتے ہو) اور اس (زمین) میں اس نے تمہارے (اپنی منزلوں تک پہنچنے کے) لئے راستے بنائے تاکہ (ان راستوں میں چل کر) تم اپنی منزل تک پہنچ سکو، اور جس نے آسمان سے ایک (خاص) انداز سے (مشیت اور حکمت کے مطابق) پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس (پانی) سے خشک زمین کو (اس کے مناسب زندگی سے) زندہ کیا (اور اس سے توحید پر دلالت کے علاوہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ) اسی طرح تم (بھی اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے (کہ توحید کے ساتھ اس کا بھی انکار کیا جاتا تھا) اور جس نے (مختلف جنسوں

اور نوعوں میں) تمام (مختلف) قسمیں (یعنی صفتیں) بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم ان (کشتیوں اور جانوروں) کی (سطح اور) پیٹھ پر جم کر (اطمینان سے) بیٹھو، پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی (اس) نعمت کو (دل سے) یاد کرو اور (زبان سے مستحب کے طور پر) یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور اور ہنر والے) نہیں تھے کہ انہیں قابو میں کر لیتے (کیونکہ جانور سے زیادہ تو زور اور طاقت نہیں ہے اور حق کی طرف سے الہام کے بغیر کشتی چلانے کی تدبیر سے واقف نہیں ہو سکتے حق تعالیٰ نے دونوں سے متعلق تدبیر کی تعلیم فرمادی) اور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس لئے ہم اس پر سوار ہو کر شکر سے غفلت یا فخر اور گھمنڈ و تکبر نہیں کرتے کہ شکر اور ناشکری دونوں کا بدلا وہاں ملے گا۔ یہ اس لئے بڑھا دیا کہ رب کی طرف متوجہ ہونے کی یاد، شکر کی حامل ہوتی ہے، جس کا بیان ابھی ہوا۔ جیسا کہ صبر کرنے والے پر بھی ہوتا ہے، جیسا ﴿اِنَّا لِلّٰہِ﴾ کے ساتھ ﴿وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ بڑھایا ہے) اور (توحید کی دلیلیں قائم ہونے کے باوجود) ان لوگوں نے (شرک اختیار کر رکھا ہے اور وہ بھی کتنا برا کہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں، اور ان کی عبادت کرتے ہیں، لہٰذا ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ انھوں نے) اللہ کے بندوں میں سے (جو کہ مخلوق یعنی اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں انہیں) اللہ کا جز (یعنی اس کا ٹکڑا) بنا دیا (جبکہ اللہ کا ٹکڑا ہونا عقل کے اعتبار سے محال اور برا ہے) واقعی (ایسا) انسان کھلا ناشکرا (اور احسان فراموش) ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنا بڑا کفر یعنی ناشکری اور احسان فراموشی کرتا ہے کہ اس کے جز ٹکڑے قرار دیتا ہے جس کے لئے حادث ہونا لازم ہے۔ غرض ایک خرابی تو یہ ہوئی اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ لڑکی کو ناقص سمجھتے ہیں، اور پھر اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں تو) کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے (تمہارے زعم و خیال میں اپنے لئے تو) بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا؟ حالانکہ (تم بیٹیوں کو اتنا برا سمجھتے ہو کہ) جب تم میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو رحمان کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (بیٹی مراد ہے) تو (اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ) اس کا چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے (تو حیرت ہے کہ اللہ کی طرف نقص کی نسبت کرتے ہو۔ اور اس کا پورا بیان سورۃ الصافات آیت ۱۴۹ سے ۱۶۶ تک گذرا ہے۔ اور یہ مذکورہ بیان الزامی رد تھا۔ آگے اسی سے متعلق ایک تحقیقی رد ہے یعنی اگرچہ لڑکی ہونا اپنے آپ میں عار و ذلت کا سبب نہیں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو، لیکن اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عارضوں سے قطع نظر اکثر ناقص عقل والی اور کمزور رائے والی ضرور ہوتی ہے جب یہ بات ہے تو) کیا (اللہ نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے؟) وہ جو (عادت اور معمول کے اعتبار سے) بناوٹ اور سجاوٹ میں پالی جائے؟ جو کہ زیوروں کی طرف رغبت کی علامت اور سبب ہے جس کی عادت کے مطابق لازمی امور میں سے رائے اور عقل کا ضعیف ہونا ہے) اور وہ (غور و فکر کی قوت کے کمزور ہونے کی وجہ سے) بحث حجت میں اپنا

مقصد (بھی) واضح نہ کر سکے (چنانچہ اکثر ان کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے دیکھا جاتا ہے کہ نہ اپنے دعویٰ کو مضبوطی کے ساتھ ثابت کر سکتی ہیں اور نہ ہی دوسرے کے دعوی کو رد کر سکتی ہیں، ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا اس میں فضول باتیں ملا دیتی ہیں جن کا اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جبکہ اس سے اصل مقصود کے بیان میں خلل پڑ جاتا ہے، اور بحث کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اس میں بیان کی ضرورت کی زیادتی کی وجہ سے ان کی عاجزی زیادہ ظاہر ہو جاتی ہے، لہٰذا ہر لمبی بات اس کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا بیان کی قوت کی دلیل نہیں "جیسے میں آئی تھی، وہ گئی تھی" وغیرہ۔ یہ دوسری خرابی کی دو باتیں ہوئیں) اور (شرک کے لازم ہونے سے قطع نظر تیسری خرابی یہ ہے کہ) انھوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے (پیدا کیے ہوئے) بندے ہیں (اور اس لئے اللہ تعالیٰ کو ان کی پوری حالت اور صفت معلوم ہے اور ان کے غیر محسوس ہونے کی وجہ سے جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو ان کی حالت نہ بتائے، معلوم نہیں ہو سکتی، اور ان کا عورت ہونا کہیں نہیں بتایا، اس کے باوجود انھوں نے ان کو بغیر دلیل کے) عورت قرار دے رکھا ہے (اور[1] یہاں اس عقلی و نقلی دلیل کا رد ہو جانا یقینی ہے لہٰذا خود آنکھوں سے دیکھنا چاہئے تو) کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ (اور دیکھ رہے تھے اور اس کے باوجود ان کا نہ دیکھنا بھی یقینی ہے مگر اس میں انہیں احمق قرار دینے کی صراحت زیادہ ہے، فرشتوں کے مؤنث ہونے کے بارے میں بغیر دلیل کے) ان کا یہ دعویٰ (اعمال کے دفتر میں) لکھ لیا جاتا ہے اور (قیامت میں) ان سے پوچھ تاچھ ہوگی (کیونکہ بغیر دلیل کا دعویٰ جھوٹ ہے، خاص طور سے عقائد میں، پھر خاص طور سے جب کہ اس کے ساتھ اور مفاسد بھی ملے ہوئے ہوں، یہ گفتگو تو ان کے بیٹی اور مؤنث ہونے سے متعلق تھی) اور (آگے ان کے معبود ہونے سے متعلق ہے کہ) وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ (اس بات کو خوشی سے چاہتا (کہ فرشتوں کی عبادت نہ ہو، یعنی وہ اس عبادت سے ناخوش ہوتا) تو ہم (کبھی بھی) ان کی عبادت نہ کرتے (کیونکہ وہ کرنے ہی نہ دیتا بلکہ زبردستی روک دیتا، جب اس نے نہیں روکا تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی عبادت نہ کرنے سے خوش نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے سے خوش ہے۔ آگے ان کا رد ہے کہ) انہیں اس (بات) کی کوئی تحقیق نہیں (ہے) محض بغیر تحقیق کے بات کر رہے ہیں (کیونکہ کسی عمل کی طاقت وقدرت دیدینا رضامندی اور خوشی کی دلیل نہیں ہوتی، جیسا کہ سورۂ انعام آیت ۱۴۸ ﴿سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا﴾ الخ میں اس کی وضاحت ہوئی ہے، لہٰذا اللہ کی مشیت سے اس عمل پر استدلال کرنا جو کہ عقلی استدلال ہے لغو اور مہمل ثابت ہوا، تو اب یہ بتادیں کہ) کیا ہم نے انہیں اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ (اس دعویٰ میں) اس سے استدلال کرتے ہیں؟ (حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے دعوی کے حق میں نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی نقلی دلیل

(۱) جملہ سابقہ "انہیں ان کا عورت ہونا نہیں بتایا الخ پر عطف ہے یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ نے بتایا اور نہ ہی کوئی عقلی یا نقلی دلیل دی ہے، لہٰذا اس صورت میں دعویٰ کی بنیاد مشاہدہ ہونا چاہئے۔

ہے) بلکہ (محض اپنے سے پہلے والوں کی رسم کا اتباع ہے۔ چنانچہ) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہی کے راستہ پر چل رہے ہیں، اور (جس طرح یہ لوگ بغیر دلیل کے بلکہ دلیل کے خلاف اپنی پرانی رسم کو ثبوت اور سند کے طور پر پیش کرتے ہیں) اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا (پہلے) وہاں کے خوش حال لوگوں نے (اور پھر ان کا اتباع کرنے والوں نے) یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم بھی انہی کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں (اس پر) ہر ڈرانے والے نے (ان سے) کہا کہ کیا اس کے باوجود (باپ دادا کی رسم پر ہی چلتے رہو گے) کہ میں (منزل پر پہنچا دینے والا) اس سے زیادہ صحیح راستہ تمہیں بتاؤں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انھوں نے (عناد کے طور پر) کہا کہ ہم تو اس (دین) کو مانتے ہی نہیں، جسے دے کر (تمہارے زعم اور خیال کے مطابق) تمہیں بھیجا گیا ہے تو (جب عناد حد سے بڑھ گیا، اس وقت) ہم نے ان سے انتقام لیا تو دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

فائدہ: ﴿ تَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا ﴾ الخ کے آگے پیچھے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کشتی میں سوار ہو کر بھی پڑھے جائیں۔ اگرچہ حدیثوں میں صرف جانور کی سواری کرتے وقت پڑھنا آیا ہے مگر کشتی کی سواری کے وقت پڑھنے کی نفی نہیں ہے، اور کشتی کی سواری کے وقت ان الفاظ کے پڑھنے کا ذکر نہ آنا شاید اس لئے ہے کہ اس وقت کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق کم ہی ہوا۔ اور اللہ کا جز، ٹکڑا ہونے کا اعتقاد چاہے ان سے صراحت کے ساتھ کہیں نقل نہ ہو مگر وہ فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور وہ حقیقی معنی میں جز ہونے کے لئے لازم ہے اور اگر (۱) ﴿ فِي الْخِصَامِ ﴾ یعنی ”بحث و حجت میں اپنا مقصد واضح نہ کر سکنے“ کے جواب میں وہ کہیں کہ تم اقرار کرتے ہو کہ ”اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عارضوں سے قطع نظر“ تو وہ عارض فرشتہ ہونا ہے جو نقص یعنی کمی و کمزوری کو دور کرنے والا ہے، تو اس عارض کا مؤثر ہونا انہیں ثابت کرنا ہوگا، کیونکہ مطلق عارض قرار دینا کافی نہیں۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۶ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝۲۷ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۹ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ

(۱) مطلب یہ ہے کہ ﴿ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ سے استدلال کی تقریر میں جو کہا گیا تھا کہ وہ لڑکی عوارض سے قطع نظر اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ناقص العقل ہے جو آیت ﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا ﴾ کے ترجمہ کی تمہید میں لکھا گیا ہے۔ اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ (عوارض سے قطع نظر) قید میں تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ عارض کے سبب یہ نقصان دور ہو سکتا ہے تو یہاں وہ عارض ملکیت ہو، لہٰذا جب نقصان نہ رہا تو استدلال کی بنیاد ہی نہیں رہی، پھر استدلال بھی نہ رہا۔

كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ
رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ
اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ
۲ع۸ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، مگر ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ اُس کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ لوگ باز آتے رہیں۔ بلکہ میں نے اُن کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سا سامان دیا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا۔ اور جب اُن کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت بدر جہا اُس سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹے پھرتے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم اُن کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور سونے کے بھی۔ اور یہ سب کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے۔ اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون تھا۔ اب اس کی تاکید اور تائید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو کہ عربوں کے نزدیک تسلیم کیے ہوئے بہت عظیم شخص تھے اس توحید کے عقیدہ کا نقل ہونا بیان فرماتے ہیں جس سے ان کے باپ دادا کے اتباع کے دعوی کا بھی رد ہو گیا کہ دوسرے باپ داداؤں سے زیادہ اتباع کے یہ حق دار ہیں جو جدا عظم یعنی باپ داداؤں میں سب سے زیادہ عظمت والے بزرگ ہیں اور ان کے بعد پھر ان کی اولاد میں نقل ہوتے چلے آنا اور اب آخر میں تمہارے زمانہ کے رسول کی معرفت اس کے ذکر کو تازہ کرنے کا بیان ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے متعلق ان لوگوں کے ایک اعتراض کا جواب بیان کیا گیا ہے۔

توحید کے عقیدہ کا ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں چلے آنا

اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے متعلق ایک شبہ کا جواب:

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میرا ان چیزوں (کی عبادت) سے کوئی تعلق نہیں، جن کی تم عبادت کرتے ہو، سوائے اس کے (کہ اللہ سے تعلق رکھتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی (میرے دین و دنیا کی مصلحتوں تک) میری رہنمائی کرتا ہے (مطلب یہ کہ ان لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کا حال یاد کرنا چاہئے کہ وہ خود بھی توحید کا عقیدہ رکھتے تھے) اور (وصیت کے ذریعہ سے) وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) باقی چھوڑ گئے (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی توحید کی وصیت کی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۲) جس کا کم زیادہ اثر حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تک بھی برابر باقی رہا۔ یہاں تک کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی عرب میں بعض لوگ شرک سے نفرت کرتے تھے جیسا کہ تاریخ، سیرتوں اور روایتوں سے ظاہر ہے۔ اور انھوں نے یہ وصیت اس لئے کی تھی) تاکہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (توحید کو ماننے والوں سے توحید کے بارے میں سن سن کر شرک سے باز آتے رہیں اور اس کی طرف متوجہ رہیں (مگر یہ لوگ پھر بھی شرک سے باز نہیں آتے اور اس طرف توجہ نہیں کرتے) بلکہ میں نے (جو) انہیں اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خواب سامان دیا ہے (اس میں مشغول ہو کر میرے حکموں اور تعلیموں سے غافل ہو رہے ہیں) یہاں تک کہ (اسی مشغولیت اور غفلت سے بیدار کرنے کے لئے) ان کے پاس سچا قرآن (جو معجزہ ہونے کی وجہ سے اپنے سچا ہونے کی آپ ہی دلیل ہے) اور صاف صاف بتانے والا رسول (اللہ کی طرف سے) آیا اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا (اور اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہوا) تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، اور ہم اسے نہیں مانتے (یہ تو قرآن کے بارے میں کہا) اور (رسول اللہ ﷺ کے بارے میں) کہنے لگے کہ (اگر) یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور رسالت کی حیثیت سے آیا ہے تو) ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ (یعنی رسول کے لئے عظیم شان والا ہونا ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مال و دولت اور حکومت نہیں ہے، اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتے، اس شبہ کا سہارا لے کر مقصود رسول ہونے کا انکار کرنا تھا۔ آگے اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ) کیا یہ لوگ آپ کے رب کی (خاص) رحمت (یعنی نبوت) کو (خود) تقسیم کرنا چاہتے ہیں (یعنی یہ چاہنا کہ نبوت ہماری رائے کے مطابق ملے، گویا خود تقسیم کرنے والا بننے کی ہوس کرنا ہے کہ اس تقسیم کا کام ہمارے حوالہ کیا جائے جبکہ ایسی ہوس کرنا بالکل نادانی ہے، کیونکہ) ان کی روزی دنیاوی زندگی میں (تو) ہم نے (ہی) تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر درجوں کے لحاظ سے بلندی دے

رکھی ہے تاکہ) اس سے یہ مصلحت حاصل ہو کہ) ایک دوسرے سے کام لیتے رہیں (اور دنیا کا نظام چلتا اور قائم رہے) اور (ظاہر اور یقینی بات ہے کہ) آپ کے رب کی (خاص) رحمت (یعنی نبوت) اس (دنیاوی ساز وسامان، مال ومتاع اور اس کے تابع ریاست وحکومت اور عزت ومرتبہ) سے بہت زیادہ بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں (چنانچہ جب دنیاوی معیشت کی تقسیم جو کہ ادنی درجہ کی چیز ہے، ان کی رائے پر نہیں رکھی بلکہ مصلحتوں کی رعایت میں وہ بھی عظیم نہیں ہیں، خود اپنی حکمت اور مشیت پر رکھی ہے تو نبوت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور اس کی مصلحتیں بھی سب سے عظیم درجہ کی ہیں، وہ ان کی رائے سے کیسے تقسیم کی جاتی؟ رہا یہ کہنا کہ صلاحیت ہونا تو ضروری ہے اور صلاحیت کی بنیاد مال وریاست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عظیم امر کی صلاحیت کی بنیاد عظیم امر ہونا چاہئے) اور (دنیا کی دولت اور عزت ومرتبہ ہمارے نزدیک اتنی معمولی اور حقیر چیز ہے کہ) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (قریب قریب) سارے لوگ ایک ہی طریقہ کے (یعنی کفر کے) ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن سے کفر کرتے ہیں (اور جن پر اللہ کا سخت عضب ہے، ہم ان (سب) کے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر چڑھتے (اور اترتے) ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے کر دیتے) اور تخت بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر (وہ) تکئے لگا کر بیٹھتے ہیں اور (یہی چیزیں) سونے کی بھی (کر دیتے۔ یعنی کچھ چیزیں چاندی کی اور کچھ سونے کی کر دیتے، مگر یہ سامان سارے کافروں کو اس لئے نہیں دیا کہ اکثر طبیعتوں میں مال ومتاع، ساز وسامان کی حرص ہوس غالب ہے، اور اس صورت میں جو فرض کی گئی ہے کفر، مال ومتاع حاصل کرنے کا یقینی سبب ہوتا۔ لہٰذا بعض تھوڑے سے لوگوں کے سوا قریب قریب سارے ہی لوگ کفر اختیار کر لیتے، کافروں کے لئے دنیا کو عام نہ کرنے اور بعض کافروں کو مال ودولت نہ دینے اور بعض کو کم دینے میں یہ مصلحت ہے۔ اور اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو ہم ایسا ہی کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ دشمن کو قیمتی اور عزت ومرتبہ کی چیزیں نہیں دیا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا واقعی طور پر کوئی عظیم چیز نہیں ہے، لہٰذا وہ عظیم منصب یعنی نبوت کی صلاحیت کی بنیاد بھی نہیں ہوگی، بلکہ اس کی صلاحیت کی بنیاد وہ افضل ملکہ ومہارت ہیں جو اللہ کی طرف سے ہبہ کی ہوئی ہوتی ہیں جو محمد ﷺ میں سب سے زیادہ کمال کے درجہ میں جمع ہیں، لہٰذا نبوت آپ ہی کے لئے مناسب تھی، نہ کہ مکہ اور طائف کے رئیسوں کے لئے) اور (آگے دنیا کے حقیر ہونے کی وجھوں میں سے ایک وجہ جو نہایت ظاہر ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ سب کچھ (ساز وسامان جس کا ذکر ہوا) صرف دنیا کی زندگی کا چند دن کا سامان ہے (پھر سب کچھ فنا ہو جائے گا) اور آخرت (جو اس کے مقابلہ میں ہے اور ہمیشہ رہنے والی اور باقی رہنے والی ہے) اس لئے اس سے بہتر ہے، وہ) آپ کے رب کے یہاں صرف متقیوں کے لئے ہے (لہٰذا جو چیز فانی ہو وہ نہ قدر وقیمت کے لائق ہے اور نہ ہی طلب کرنے کے لائق ہے۔ البتہ آخرت جو کہ باقی ہے، وہ اور اس کو حاصل کرنے کے ذریعے یعنی نیک اعمال اور طاعتیں ہیں، وہ بے شک اعتبار

کے قابل ہیں، اس میں بھی مذکورہ جواب کے دوسرے حصہ کی طرف اشارہ ہوگیا جو کہ عظیم امر کے لئے صلاحیت کی بنیاد افضل ملکہ ومہارت ہیں کہ وہ اس کے لئے وقعت کے قابل ہیں کہ وہ آخرت میں کامیابی کے اسباب میں سے ہیں۔ اور عظیم کا سبب بھی عظیم ہی ہوتا ہے، لہٰذا وہ ملکہ اور مہارت عظیم صفتیں ہیں، جو رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔

فائدہ: ﴿ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴾ یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ﴿ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴾ سے مراد بت ہیں اور اگر وہ اللہ کی بھی عبادت کرتے ہوں جیسا کہ اکثر مشرکوں کا طریقہ ہے تب بھی اس وجہ سے کہ وہ عبادت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ﴿ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴾ کے عام ہونے میں اللہ تعالیٰ شامل نہ ہوگا، لہٰذا اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ اور ان کے ﴿ لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ ﴾ الخ کہنے پر ان کے اسی قول سے شبہ نہ کیا جائے کہ (۱) انسان اور نبوت ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اصل یہ ہے کہ ان کا ایک قول ان کا اصلی عقیدہ تھا اور ایک اس عقیدہ سے ہٹ کر فرض کرنے اور مان لینے کے درجہ میں تھا، اور دونوں بستیوں کی تخصیص اس لئے کی کہ آس پاس اور کوئی شہر نہیں تھا، اور دیہاتوں کے لوگوں کو اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ وہ سلیقہ کی کمی کے علاوہ اکثر مال ودولت اور عزت ومرتبہ میں بھی شہر والوں سے کم ہوتے ہیں، اور آیت میں جو جواب دیا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نبیوں میں دنیاوی وقعت کا بالکل لحاظ نہیں ہوتا۔ روم کے بادشاہ ہرقل قیصر سے متعلق خود بخاری کی حدیث میں ہے: **كذلك الرسل تبعث في نسب قومها**: یعنی اسی طرح رسول اپنی قوم کے اعلیٰ نسب اور اعلیٰ خاندان والوں میں مبعوث ہوتے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ وقعت ضرورت کے مطابق کافی ہے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ سمجھا جائے، جو اتباع سے عار کا سبب ہو جائے، اس سے زیادہ بلندی محض گھمنڈ کی بات ہے اور عزت ومرتبہ کی جو مذمت آئی ہے اس سے بھی دوسرا مرتبہ مراد ہے یعنی وہ مذمت دوسرے مرتبے کی ہے نہ کہ پہلے مرتبہ کی کہ پہلا مرتبہ ان ضروری چیزوں میں سے ہے جن کا حاصل کرنا مقصود ومطلوب ہے۔

اور ﴿ لَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ کے ترجمہ کی وضاحت میں جو میں نے لفظ ''قریب قریب'' بڑھا دیئے ہیں، اس سے ایک شبہ کا جواب ہوگیا، جو کہ اس امر کے لازم ہونے پر کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے انہیں یقینی طور پر دنیا خوب مل سکتی ہے، اس کے باوجود اگر انہیں کوئی قتل بھی کردے تب بھی کفر کو ہرگز اختیار نہ کریں۔ جواب کا مقصود یہ ہے کہ الناس سے تمام لوگ مراد ہیں، اس طرح کہ مسلمان اپنے آپ میں بھی کم ہوتے تو الحمد للہ یہ بات نہیں ہے، لہٰذا اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

---

(۱) اس کہنے کا بیان آگے ہے کہ بشر اور نبوت میں منافات ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا یہ قول منافات کا تھا، تو اس قول سے یہاں موجود قول ﴿ لَوۡلَا نُزِّلَ ﴾ الخ پر تنافی یعنی ایک دوسرے کے خلاف ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو مقصود یہ ہے کہ اس تنافی کا شبہ نہ کیا جائے الخ

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۷ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝۳۸ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۰ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا
مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ
اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴ وَسْـَٔلْ مَنْ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ ان کو راہ سے روکتے رہتے ہیں، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں، یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان میں مشرق ومغرب کی برابر فاصلہ ہوتا کہ بُرا ساتھی تھا۔ اور جبکہ تم کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ سو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں، راہ پر لا سکتے ہیں؟ پھر اگر ہم آپ کو اٹھا لیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو دکھلا دیں تب بھی ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے۔ تو آپ اس قرآن پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ بیشک سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے، اور آپ اُن سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ اُن کی عبادت کی جائے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کا انکار کرنے والوں کے کفر اور گمراہی کا بیان تھا۔ اب اس کفر اور گمراہی پر حضور ﷺ کے رنج وملال کو دور کرنے اور تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت اور پھر قیامت میں ان کی ندامت اور نقصان اور ان کی ہدایت کا آپ کے اختیار سے باہر ہونے کا ذکر ہے اور ان کے عذاب وسزا سے نہ بچ سکنے اور قرآن اور اسلام اور توحید کے نعمت اور حق ہونے کا بیان ہے کہ اسے بھی تسلی میں داخل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی کا اہتمام:

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن اور وحی) سے (جان بوجھ کر) اندھا بن جائے (جیسے یہ کافر لوگ ہیں کہ ضروری

علم کے لئے سبب بننے والی کافی دلیلوں کے ہوتے ہوئے جان بوجھ کر جاہل انجان اور غافل بے پروا بنتے ہیں، جیسا کہ فرعونیوں کا حال آیا ہے ﴿ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ﴾ الخ) ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں، تو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ (ساتھ رہنے والے شیطان) انہیں (یعنی قرآن سے منہ پھیرنے والوں کو برابر سیدھے) راستہ سے روکتے رہتے ہیں (اور تسلط کا یہی اثر ہے) اور یہ لوگ (سیدھے راستہ سے دور ہونے کے باوجود) یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ہم سیدھے) راستہ پر ہیں (تو جس گمراہی کی یہ صورت اور یہ حالت ہو، اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کیا امید ہے؟ تو پھر غم کیوں کیا جائے؟ اور اس سے بھی تسلی رکھئے کہ ان کی یہ غفلت اور بے پروائی جلدی ہی ختم ہو جائے گی اور جلدی ہی انہیں اپنی غلطی ظاہر ہو جائے گی، کیونکہ یہ لاپروائی صرف دنیا ہی تک ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (اور اس کی غلطی ظاہر ہوگی) تو (اس ساتھی شیطان سے) کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (کیوں) کہ (تو تو) برا ساتھی تھا (کہ تو نے مجھے گمراہ کیا مگر یہ حسرت اس وقت کام نہ آئے گی) اور (ان سے کہا جائے گا کہ) جب تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو (جس طرح آج حسرت تمہارے کام نہیں آئی، اسی طرح آج یہ بات (بھی) تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیطان) سب عذاب میں شریک ہو (جیسے دنیا میں بعض اوقات دوسرے کو مصیبت میں شریک دیکھ کر ایک طرح سے تسلی ہو جاتی ہے، وہاں چونکہ عذاب بہت شدید ہوگا، اس لئے دوسرے کی طرف دھیان بھی نہ ہوگا، ہر شخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا، اور اپنے آپ کو ہی سب سے زیادہ مبتلا سمجھے گا) تو (جب آپ کو ان کی یہ حالت معلوم ہوگئی کہ ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں تو) کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کھلی گمراہی میں (مبتلا) ہیں، سیدھے راستے پر لا سکتے ہیں؟ (یعنی ان کی ہدایت آپ کے اختیار سے باہر ہے، آپ اس فکر میں نہ رہیں) پھر (ان کی یہ نافرمانی اور حد سے گذرنا دور ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس پر ضرور عذاب وسزا ہونے والے ہیں، چاہے آپ کی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد ہو، لہٰذا) اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدلا لینے والے ہیں۔ یا اگر وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے (آپ کی زندگی میں ان پر نازل کر کے) آپ کو (بھی) دکھا دیں تب بھی کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ) ہمیں ان پر ہر طرح کی قدرت ہے (مطلب یہ کہ عذاب ضرور ہوگا، چاہے کبھی بھی ہو، اور جب یہ بات ہے) تو آپ (تسلی رکھئے اور اطمینان سے) اس قرآن پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے (کیونکہ آپ بے شک سیدھے راستہ پر ہیں (اور استمساک یعنی پکڑنے اور قائم رہنے میں تبلیغ بھی داخل ہے، مطلب یہ کہ اپنا کام کرتے رہئے دوسروں کے کام کا غم نہ کیجئے) اور یہ (قرآن) جس کو پکڑنے اور جس پر قائم رہنے کو ہم کہتے ہیں) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑی عزت کی چیز ہے (آپ کے لئے تو اس لحاظ سے کہ آپ بلاواسطہ مخاطب ہیں اور قوم کے

لئے اس لحاظ سے کہ وہ واسطہ سے مخاطب ہیں، بادشاہوں کا مخاطب ہونا ظاہر ہے کہ عزت وشرف کا سبب ہے کہاں یہ کہ بادشاہوں کے بادشاہ کا مخاطب بننا۔ قوم سے مراد چاہے قریش ہوں یا عرب ہوں یا ساری امت ہو۔ کہ درجہ بہ درجہ اور آگے پیچھے قرآنی خطاب سب کو ہے، غرض یہ کہ شرف وعزت کا سبب ہونے کی وجہ سے یہ بڑی نعمت ہے) اور جلدی ہی (قیامت کے دن) تم سب سے (اپنے اپنے ذمہ کے واجب حقوق کے بارے میں) سوال کئے جائیں گے (چنانچہ آپ سے صرف تبلیغ کے بارے میں سوال ہوگا، جسے آپ خوب ادا کر چکے ہیں اور ان سے عمل کے بارے میں سوال ہوگا جس میں انھوں نے رکاوٹ ڈالی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اس طرح جب آپ سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ نہیں ہوگی تو پھر آپ غم کیوں کرتے ہیں؟) اور (ہم نے جو اوپر ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ میں قرآنی تعلیم کو حق فرمایا ہے، اس میں سب سے بڑا اور پہلا معاملہ جس پر ان کافروں سے بحث وجھگڑا ہے، وہ توحید ہے جس کے حق ہونے پر انہیں بڑی بحث اور اعتراض ہے، تو وہ ایسا صحیح معاملہ ہے کہ اس پر تمام نبیوں علیہم السلام کا اجماع واتفاق ہے جو عقل اور نقل کے لحاظ سے بہت جامع ہیں اور اس حیثیت سے گویا اس پر ہزاروں عقلی ونقلی دلیلیں قائم ہیں۔ چنانچہ اگر آپ کا جی چاہے تو) آپ ان سب رسولوں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، پوچھ لیجئے (یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے تحقیق کر لیجئے جن کا کچھ باقی حصہ موجود ہے) کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا (کبھی بھی) دوسرے معبود قرار دیدیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ (یہ بات دوسرے لوگوں کو سنانی منظور ہے، جس کا جی چاہے تحقیق کرلے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجاز کے طور پر کہہ دیا جیسا کہ مدارک میں ہے اور جیسا کہ ہمارا بھی محاورہ ہے کہ طب کے کسی مسئلہ کو جس کے بارے میں کوئی اختلاف ہوتا ہے اور اس کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو تو کہتے ہیں کہ آؤ بھئی! شیخ ابوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور یہ کہہ کر شیخ کی کتاب القانون کو دیکھنے لگیں)

فائدہ: اگر ﴿نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا﴾ یعنی "اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں" پر شبہ ہو کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر ایک ایک شیطان مقرر ہے پھر ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ کی کیا تخصیص ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق مسلط کرنا مراد نہیں بلکہ خاص تسلط مراد ہے یعنی جس پر گمراہی ضرور ہی واقع ہو جائے۔ اور حدیث میں مطلق مسلط کرنا مراد ہے اور ساتھی سے مراد ہر وقت کا ساتھی ہے تو یہ بھی کافروں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو شیطان اس سے ہٹ جاتا ہے۔

اور اگر شبہ ہو کہ ﴿وَمَنْ يَّعْشُ﴾ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق اور باطل کو جانتے تھے اور ﴿يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے بسی اور مجبوری کی حالت

میں تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے مگر اختیار کے طور پر باطل کو حق سمجھتے تھے اور باطل پر جمنے کے لئے کچھ مصلحتیں گھڑ رکھی تھیں اور ان مصلحتوں کے حاصل کرنے کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق سمجھتے تھے، اور واقعی واصلی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ عناد رکھنے والوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اور اگر ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا﴾ میں شبہ ہو کہ یہ آنا تو قیامت کے دن ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے ہی یعنی مرنے کے بعد ہی حق و باطل کھل کر سامنے آجائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت اس سے متعلق پہلے والی علامتوں اور مرحلوں وغیرہ سمیت مراد ہے اور موت قیامت سے پہلے کا ایک مرحلہ ہے، لہٰذا دونوں کو ایک ہی قرار دے کر ایک کا حکم دوسرے پر جاری کیا جاسکتا ہے، لہٰذا موت میں واضح ہونے والی باتوں کو قیامت میں واضح ہونا کہا جاسکتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ
مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ
وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ
قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ع ۱۱

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اُس کے امراء کے پاس بھیجا تھا سو انھوں نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ یکا یک اُن پر لگے ہنسنے۔ اور ہم اُن کو جو نشانی دکھلاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے اُن لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تاکہ وہ باز آجاویں۔ اور انھوں نے کہا کہ اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے اُس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے، ہم ضرور راہ پر آجاویں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب اُن سے ہٹا دیا تب ہی انھوں نے عہد توڑ دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی: یہ بات کہی کہ اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میری پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ بلکہ میں افضل ہوں اُس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا۔ تو اُس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اُس کے جلو میں پرا باندھ کر آئے ہوتے۔ غرض

اُس نے اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے، وہ لوگ شرارت کے بھرے تھے، پھر جب اُن لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا اور اُن سب کو ڈبو دیا۔ اور ہم نے اُن کو آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور سے متقدمین اور نمونہ بنا دیا۔

ربط: اوپر تسلی کا مضمون ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں۔ اور اس سے توحید و رسالت کے مضمونوں اور منکروں کی ملامت کی بھی تائید ہوتی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا تھا اور اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا ﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ﴾ الخ کہنا فرعون کی پیروی ہے کہ اس نے ان چیزوں کو عظیم سمجھ کر ﴿ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ ﴾ الخ کہا تھا۔

سابقہ مضمونوں کی تائید میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی دلیلیں (یعنی معجزے عصا اور ید بیضا) دے کر فرعون کے اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا تو انھوں نے (ان لوگوں کے پاس آ کر) فرمایا کہ میں عالموں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا (تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے) رسول ہوں (مگر فرعون اور فرعونیوں نے نہیں مانا) پھر (ہم نے دوسری دلیلیں عذاب و سزا کے رنگ میں ان کی نبوت کے اثبات کے لئے ظاہر کیں جن کا سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ ﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ ﴾ الخ میں ذکر ہے۔ مگر ان لوگوں کی پھر بھی یہ حالت رہی کہ) جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری (وہ) نشانیاں لے کر آئے (جو آیات تسعہ یعنی نو نشانیاں کہلاتی ہیں) تو وہ فوراً ان پر ہنسنے لگے (کہ یہ کیا اچھے معجزے ہیں؟ محض معمولی حادثے اور واقعے ہیں، کیونکہ قحط وغیرہ تو ویسے بھی ہو جاتے ہیں، مگر یہ ان کی حماقت تھی کیونکہ مقامی قرینوں کے ملانے سے ان واقعات کا عجیب اور معمول و عادت کے خلاف ہونا معلوم تھا۔ چنانچہ سورۂ اعراف آیت ۱۳۲ میں ان لوگوں کا ﴿ مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ﴾ کہنا خود اس کی دلیل ہے) اور (ان نشانیوں کی کیفیت یہ تھی کہ) ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے، وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (مطلب یہ نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب نشانیاں بڑی تھیں، یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی کہتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ یہ تو عرفی صحت ہے اور جزئی فضیلت سے اس حکم کی عقلی صحت بھی ہو سکتی ہے) اور ہم نے (ان نشانیوں کو واقع کر کے) ان لوگوں کو عذاب میں پکڑا تھا تاکہ وہ (اپنے کفر سے) باز آ جائیں (یعنی وہ نشانیاں نبوت کی دلالتیں بھی تھیں اور ان کے لئے سزائیں بھی تھیں، جیسا کہ الخازن میں ہے۔ مگر وہ لوگ باز نہ آئے کہ اس کے باوجود ہر نشانی کے واقع ہونے پر اس کا چند بار عہد بھی کیا) اور انھوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے ہر نشانی پر یہ) کہا کہ اے جادوگر! (یہ لفظ گذشتہ عادت کے مطابق بدحواسی کی زیادتی میں، ان کے منہ سے نکل جاتا ہوگا، ورنہ گڑگڑانے کے وقت ظاہری

شرارت ایک طرح سے مشکل ہے، مطلب یہ تھا کہ اے موسیٰ! جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے) اپنے رب سے ہمارے لئے اس کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (وہ عہد ہمارے باز آ جانے پر قہر کا دور کر دینا ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ اس عذاب کو دور کرا دیں تو) ہم ضرور سیدھے راستہ پر آ جائیں گے۔ پھر جب (جب) ہم نے ان سے وہ عذاب ہٹا دیا تو فوراً ہی انھوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا (ان نو نشانیوں کا بیان سورۂ اعراف میں آ چکا ہے، جن میں بعض واقعات صورت کے لحاظ سے بھی معمولی نہیں تو یا تو ان پر ہنسے نہ ہوں اور جس ہنسنے کا اوپر ذکر ہوا ہے، وہ بعض پر ہنسے ہوں۔ جیسے قحط و موسم کا سوکھا پڑنا اور پھلوں کا کم پیدا ہونا جن کے بعد سورۂ اعراف میں ان لوگوں کے ﴿لَنَا هٰذِهٖ﴾ الخ کہنے کا ذکر ہوا ہے، اور بعد کے واقعات پر صرف گڑگڑائے ہوں جن کے بعد سورۂ اعراف میں ہے ﴿لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ الخ جیسا کہ ان دونوں باتوں کا فرق سورۂ اعراف کی مذکورہ آیتوں کے فائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یا ساری ہی نشانیوں پر ہنسے ہوں تو یہ ہو سکتا ہے کہ شروع میں ہنسے ہوں پھر وہ واقعہ شدید اور مدت لمبی ہو گئی ہو تو خوشامد شروع کر دی ہو۔ واللہ اعلم)

اور فرعون نے (شاید اس خیال سے کہ کہیں معجزات قاہرہ دیکھ کر عام لوگ مسلمان نہ ہو جائیں) اپنی قوم میں ایک اعلان کرایا (اور اس اعلان میں) یہ بات کہی (یعنی کہلائی) کہ اے میری قوم! کیا مصر (اور اس کے تابع علاقوں) کی سلطنت میری نہیں ہے؟ اور (دیکھو) یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں، کیا تم (یہ چیزیں) دیکھتے نہیں ہو؟ (اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس کچھ بھی سامان نہیں تو بتاؤ میں افضل اور اتباع کے قابل ہوں یا موسیٰ علیہ السلام ہیں؟) بلکہ اس شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) سے میں (ہی) افضل ہوں وہ تو (مال اور عزت و مرتبہ کے اعتبار سے) ذلیل و حقیر (آدمی) ہے، اور وہ کھل کر اپنی بات بھی نہیں کہہ سکتا (اور اگر یہ شخص اپنے آپ کو اللہ کا بھیجا ہوا بتاتا ہے) تو اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ (جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی پر خاص عنایت کرتے ہیں تو اس کو عام دربار میں سونے کے کنگن پہناتے ہیں، چنانچہ راجاؤں میں اب بھی یہ دستور ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اس شخص کو نبوت عطا ہوتی تو اللہ کی طرف سے اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوتے) یا فرشتے اس کے ساتھ صف باندھ کر آئے ہوتے (جیسا کہ خاص شاہی امیروں کا جلوس اسی طرح نکلتا ہے یعنی خصوصیت کی یہ علامتیں ظاہر ہوتیں، حالانکہ یہ اس کی محض حماقت کی باتیں تھیں، کیونکہ نبوت جس قسم کا کمال اور مخصوص مقام ہے اسی قسم کی علامتیں اور دلیلیں اس کے ساتھ موجود ہیں) غرض اس نے ایسی ایسی باتیں کر کے) اپنی قوم (کی عقل) کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے (اور) وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) شرارت سے بھرے تھے (اس وجہ سے ان میں اس کا اثر زیادہ تھا) پھر جب ان لوگوں نے (برابر کفر اور عناد پر اصرار کر کے) ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلا لیا، اور ان سب کو ڈبو دیا، اور ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور کے متقدمین (جیسا کہ خازن میں ہے) اور نمونہ عبرت بنا دیا (یہ سلفاً کے لئے تفسیر

کے طور پر ہے یعنی خاص قسم کے متقدمین یعنی پہلے والا کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کا قصہ یاد کر کے عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو پہلے والوں میں ایسے ایسے ہوئے اور ان کا ایسا ایسا حال ہوا)

فائدہ: فرعون کا ﴿ لَا يَكَادُ يُبِينُ ﴾ یعنی ''جو کھل کر اپنی بات نہیں کہہ سکتا'' کہنا یہ تو جھوٹ ہے یا آپ کی زبان میں کچھ لکنت رہ گئی ہو یا لکنت بالکل نہ ہو مگر اس میں بہت تیزی اور روانی نہ ہو جیسا کہ خود موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا ﴾ اور اس مضمون کی تحقیق سورۂ طٰہٰ آیت ۲۷ و ۲۸ میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اُس سے چلانے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے جو یہ آپ سے بیان کیا ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور اُن کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے۔ اور وہ قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اُس میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور تم کو شیطان روکنے نہ پاوے، وہ بیشک تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انھوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے کر رہے ہو تم سے بیان کردوں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تو اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا، سو ان ظالموں کے لئے ایک پُر درد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ﴾ میں شرک کو باطل قرار دیا ہے اور اس

سے پہلے بھی جگہ جگہ توحید کے اثبات اور شرک کے باطل کرنے کا مضمون آیا ہے۔اب اس مضمون سے متعلق کافروں کے عناد والے ایک اعتراض کا جواب ہے جس کا مقصد نصاری یعنی عیسائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنانا تھا اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے عبادت کرنے والا اور ایک معبود کی طرف دعوت دینے والا ہونے کے قصہ سے اصل مقصود یعنی توحید کی تائید ہے۔

اس اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرک کو باطل قرار دینے کی غرض سے فرمایا: **لیس احد یعبد من دون اللہ فیه خیر**: یعنی اللہ کے سوا کسی بھی معبود میں کوئی خیر نہیں ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ اس عموم میں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں۔حالانکہ ان کے بارے میں خود آپ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے اور نیک بندے تھے اور ظاہر ہے کہ نصاری نے ان کی عبادت کی ہے، لہٰذا اگر یہ سچے ہیں تو وہ بھی مشرکوں کے معبودوں کی طرح ہوئے۔اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔اسے الدرالمنثور نے احمد، ابن ابی حاتم، الطبرانی اور ابن مردویہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

مطلب یہ کہ اس بنا پر ہمارے معبودوں میں خیر نہ ہونے سے عیسیٰ علیہ السلام میں بھی خیر کا نہ ہونا لازم آتا ہے جب کہ خود آپ عیسیٰ علیہ السلام میں خیر ہونے کے قائل ہیں تو اس سے ہمارے معبودوں سے خیر کی نفی کرنا بھی درست نہیں ہوا۔

اور ان کا اس بحث سے مقصود دو امر معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کے جواب میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے: ایک آپؐ کے مضمون یعنی شرک کو باطل قرار دینے کا جواب دینا۔دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے کے واقع ہونے سے شرک کو ثابت کرنا۔ان آیتوں میں دونوں کا جواب ہے۔جواب کے پہلے معاملہ کا حاصل یہ ہے کہ خیر ہونے کی نفی جس سے مقصود شرک کو باطل قرار دینا ہے، اللہ کے علاوہ کے معبود ہونے کا تقاضا ہے۔اور رکاوٹ کے وقت تقاضا مؤثر نہیں ہوتا۔اور عیسیٰ علیہ السلام میں رکاوٹ موجود ہے۔اور جواب کے دوسرے معاملہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ معبودیت کا واقع ہونا اس لئے حجت نہیں کہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں بلکہ یہ خود عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہے اور جو امور عبادت کرنے والوں کے شبہ کے مقصد سے تھے، ان کا بھی جواب دیدیا۔

توحید کے معاملہ میں مشرکوں کی بحث کی تردید اور تائید کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا بیان:

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم (علیہ السلام) سے متعلق (اعتراض کرنے والے کی جانب سے) ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا (جس کی تفصیل تمہید میں بیان کی گئی ہے۔اور اس اعتراض کو عجیب اس لئے فرمایا کہ سرسری نظر سے اس کا باطل ہونا خود انہیں معلوم ہوسکتا تھا۔لہٰذا عقل و سمجھ ہوتے ہوئے ایسا اعتراض کرنا بہت عجیب بات ہے۔غرض جب وہ اعتراض کیا گیا) تو فوراً آپ کی قوم کے لوگ اس (اعتراض کے سننے) کی وجہ سے (خوشی کے مارے) شور مچانے لگے اور (اس اعتراض کرنے والے کے ساتھ اتفاق کرکے) کہنے لگے کہ (بتائیے، آپ کے نزدیک) ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا

عیسیٰ (علیہ السلام بہتر ہیں؟ اس سوال سے مقصود خبر دینا ہے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے اس قول :لیس أحد یعبد الخ کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں بالکل بھی بھلائی نہ ہو اور جب وہ بہتر ہیں تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے معبود میں خیر نہ ہونا ثابت نہیں ہوا، لہٰذا اللہ کے علاوہ کی عبادت کا باطل ہونا ثابت نہیں ہوا، بلکہ جن کو آپ خیر کہتے ہیں خود ان کی بھی عبادت ہوئی ہے اس لئے شرک کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

آگے اس اعتراض کا جواب ہے۔ پہلے مختصر انداز میں اور پھر تفصیل کے ساتھ۔ مختصر انداز میں تو یہ ہے کہ) ان لوگوں نے جو یہ (عجیب مضمون بیان کیا ہے تو آپ سے یہ بات) صرف بحث کرنے کی غرض سے کہی ہے (نہ کہ حق طلب کرنے کی غرض سے، ورنہ خود ان پر اس مضمون کا باطل ہونا ڈھکا چھپا نہیں رہتا، اور ان لوگوں کا بحث ومباحثہ کرنا اور جھگڑا کرنا کچھ اسی مضمون کے ساتھ مخصوص نہیں) بلکہ یہ لوگ (اپنی عادت سے) صرف جھگڑالو ہیں (کہ اکثر حق اور صحیح امور میں بحث و جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔

آگے تفصیلی جواب یہ ہے۔ یعنی) عیسیٰ (علیہ السلام) تو صرف ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (مقبولیت اور نبوت کے کمالوں سے اپنا) فضل کیا اور انہیں (پہلے) بنی اسرائیل کے لئے (اور پھر دوسروں کے لئے بھی ہم نے اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا (تاکہ لوگ استدلال کریں کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح پیدا کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، اس سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا جواب اس طرح کہ ان کا ایسی ذات ہونا جس پر انعام کیا جائے، خیر سے خالی ہونے کے لئے رکاوٹ ہے، لہٰذا اس رکاوٹ کی وجہ سے وہ تقاضا یعنی اللہ کے سوا کسی کا معبود ہونا خیر سے خالی ہونے میں مؤثر نہیں ہوا۔ بتوں کے برخلاف کہ وہاں تقاضا بغیر رکاوٹ کے موجود ہے اور برخلاف شیطانوں کے کہ وہاں ایک دوسرا تقاضا بھی خیر نہ ہونے کا یعنی ان کا کفر موجود ہے، لہٰذا خیالی و گھڑے ہوئے معبودوں سے خیر ہونے کی نفی عیسیٰ علیہ السلام میں خیر ہونے کی نفی کے لئے لازم نہیں ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام میں خیر کا وجود معبودوں میں خیر ہونے کی نفی کے صحیح نہ ہونے کے حکم کے لئے لازم نہیں ہوا۔ اور اس سے دوسرے امر کا جواب اس طرح ہوا کہ مطلق خیر ہونا معبود ہونے کے لئے لازم نہیں، کیونکہ ان کا خیر ہونا یہی تھا کہ وہ ایسے بندے تھے کہ جن پر انعام کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ خیر ہونے کے باوجود بندہ تھے اور ان کے خیر ہونے کی بنیاد ایسا بندہ ہونا تھی جس پر انعام کیا گیا۔ رہا ان کے معبود ہونے کا واقع ہونا تو اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا اس لئے غلط ہے کہ اس کا کوئی منشأ صحیح نہیں، جاہلوں کو ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے شبہ ہو گیا تو خود اس میں منشأ ہونے کی صلاحیت نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، ایسی پیدائش محض مصلحتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ایک حکمت تو یہ کہ ہماری مطلق قدرت پر استدلال ہو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے تو اس سے ان کے معبود ہونے پر استدلال کرنا نہایت ناسمجھی اور بددماغی ہے) اور (ہمیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب امور کی قدرت ہے۔ چنانچہ) اگر ہم

چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے (جس طرح تم سے تمہارے بچے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً﴾ (سورۃ النساء آیت ۱) کہ وہ زمین پر (انسان کی طرح) ایک کے بعد ایک رہا کرتے (یعنی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور یہ بغیر باپ کے عیسیٰ کی پیدائش سے زیادہ عجیب ہے، کیونکہ بغیر باپ کے پیدائش بلکہ بغیر باپ اور ماں کے پیدائش ان سے پہلے ایک انسان یعنی آدم علیہ السلام کی ہو بھی چکی ہے، لہٰذا نوع انسانی سے یہ صفت کچھ زیادہ مشکل نہیں، برخلاف اس امر کے کہ فرشتوں کی پیدائش اور وفات اس طرح کبھی واقع نہیں ہوئی، لہٰذا یہ ان کی نوع سے زیادہ مشکل ہے مگر اللہ اس کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا بغیر باپ کی اس پیدائش سے عیسیٰ علیہ السلام قدرت میں ہونے اور بنائے ہوئے ہونے سے باہر نہیں ہوئے اور بنایا ہوا ہونا اور قدرت میں ہونا معبود ہونے کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ امر عیسیٰ (علیہ السلام) کے صحیح معبود ہونے کا منشأ نہیں ہوسکتا بلکہ اس طرح پیدا ہونے میں بعض حکمتیں تھیں جن میں سے ایک کا ﴿وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا﴾ الخ میں ذکر ہو چکا) اور (دوسری حکمت یہ تھی کہ) وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس طرح پیدا ہونے میں) قیامت کے (امکان کے) یقین کا ذریعہ ہیں (اس طرح کہ قیامت میں دوبارہ پیدا ہونے میں اس کے سوا اور کیا مشکل ہے کہ عادت کے خلاف ہوگا تو اس واقعہ سے حق تعالیٰ کا عادت کے خلاف کام کرنے کی قدرت رکھنا ثابت ہو گیا، لہٰذا بعث کی صحت کا علم ہو گیا۔

اور چونکہ مشرک لوگ توحید کی طرح خود قیامت کے بارے میں بھی شک کرتے تھے، اس لئے دوسری حکمت کے مضمونوں کی مناسبت سے مذکورہ شبہ کے جواب کے بعد قیامت کے صحیح ہونے کو بھی جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب تم نے بغیر باپ کے اکیلی ماں سے عیسیٰ کے پیدا کئے جانے کے واقعہ کی بنیاد پر بعث کا صحیح ہونا سن لیا) تو تم لوگ اس (کے صحیح ہونے) میں شک مت کرو اور (توحید اور بعث میں، جن سے متعلق میں نے یہاں دلیلیں قائم کی ہیں اور اسی طرح دوسرے عقیدوں میں بھی جن پر دوسری جگہ دلیلیں قائم کی ہیں) تم لوگ میرا اتباع کرو۔ یہ (تمام باتوں کا مجموعہ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں) سیدھا راستہ ہے، اور تمہیں (اس راستہ پر آنے سے) شیطان روکنے نہ پائے۔ وہ بے شک تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہاں تک مشرکوں کی طرف سے عیسیٰ کے معبود ہونے پر شرک کے صحیح ہونے پر کئے گئے استدلال کا جواب تھا۔ آگے خود عیسیٰ علیہ السلام کے دعوت کے مضمون سے توحید کے اثبات اور شرک کے باطل ہونے کی تائید ہے) اور جب عیسیٰ (علیہ السلام کھلے کھلے) معجزے لے کر آئے تو انھوں نے (لوگوں سے) کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھداری کی باتیں لے کر آیا ہوں (تاکہ تمہارے عقائد کی اصلاح کروں) اور (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تم سے (اعمال اور حرام وحلال کی باتوں میں سے) بعض وہ باتیں بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو (جس سے اختلاف اور شبہ دور ہو جائے اور یہ اسی

طرح کی بات ہے جیسے سورۂ آلِ عمران آیت ۵۰ میں ارشاد ہے ﴿وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ﴾ اور چونکہ بنی اسرائیل میں ایک دوسرے کے عیب ڈھونڈھنے اور عناد و دشمنی کا غلبہ تھا، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کسی نے حلال کو حرام اور کسی نے حرام کو حلال کرلیا ہو، عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے دونوں کی تحقیق ہوگئی، اور چونکہ بعض امور اپنی اصلی حالت پر بھی ہوں گے۔ اس لئے لفظ "بعض" فرمایا۔ اور ابن کثیر نے یہ تفسیر کی ہے کہ جن امور میں اختلاف تھا وہ مختلف تھے، بعض دنیاوی، بعض دینی۔ نبیوں کا کام دینی امور کا بیان ہے نہ کہ دنیاوی امور کا، اس لئے لفظ "بعض" فرمایا۔ آگے مذکورہ دلیلوں اور مقصدوں کے ساتھ آنے پر اس طرح توجہ دلائی ہے کہ جب میں اس طرح آیا ہوں) تو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور (میری نبوت کا انکار نہ کرو کہ یہ اللہ کی مخالفت ہے) اور میرا کہنا مانو (کہ نبوت کی تصدیق کے لئے لازم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ) بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تو (صرف) اسی کی عبادت کرو (اور) یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے تو (عیسیٰ علیہ السلام کے واضح طور پر توحید کے بیان کے باوجود پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) آپس میں اختلاف کیا (یعنی توحید کے خلاف طرح طرح کے مذہب گھڑ لئے، چنانچہ توحید کے معاملہ میں نصاریٰ اور غیر نصاریٰ کا اختلاف بھی معلوم ہے) تو ان ظالموں (کتاب والے اور غیر کتاب والے مشرکوں) کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب سے بڑی تباہی (ہونے والی) ہے (لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت سے خود توحید کی تائید ہوگئی۔ پھر اعتراض کرنے والے کا عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا اس مثل کا مصداق ہے، مدعی سست گواہ چست!)

فائدہ: الحمد للہ! یہ آیتیں امید سے زیادہ حل ہوگئیں، اور بندہ نے اس کی تقریر میں یہ مشہور بات نہیں لی کہ جب ﴿اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ﴾ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸) نازل ہوئی تو ابن الزبعری نے اعتراض کیا کہ یہ حکم عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی ثابت ہونا چاہئے، اس پر یہ آیت اور سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی﴾ الخ نازل ہوئی۔ اس شانِ نزول کو نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس بیان پر یہ لازم آتا ہے کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ﴿اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ پہلے نازل ہوئی اور اوپر والی آیت ۵۷ ﴿لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ﴾ الخ بعد میں نازل ہوئی، حالانکہ اتقان میں سورۃ الزخرف کا سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہونا قرار دیا ہے اور بندہ کے بیان پر یہ اشکال نہیں ہوتا۔ اور چونکہ مشہور بیان بھی (۱) بعض روایتوں کی بنیاد پر ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ الزخرف کا سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہونا اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوگا، اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ روح المعانی نے سورۃ الانبیاء کی تفسیر میں آپ کا جواب سند کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ:

(۱) یعنی بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ شانِ نزول یہ ہے۔

بل هم عبدوا الشياطين التى أمرتهم بذلك: یعنی ''انھوں نے ان شیطانوں کی عبادت کی جنھوں نے انہیں اس کا حکم دیا جس کا حاصل غور کرنے سے اسی بیان کی طرف لوٹتا ہے جو تفسیر میں لکھا گیا ہے، اور اگر اس آیت سے قطع نظر کرلی جائے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اعتراض میں بگاڑ وفساد ظاہر تھا اور اس کی بنیاد محض عناد پر تھی، اس لئے جواب کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی، اگرچہ جواب دینا جائز تھا۔ اور اسی جائز ہونے کی بنیاد پر قرآن میں نازل ہوا اور اگر ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کا نازل ہونا پہلے مان لیا جائے تو ایک ظاہر جواب یہ بھی نکلے گا کہ لفظ ''ما'' زیادہ تر بے عقل چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے یہ جمادات وغیرہ کے ساتھ خاص ہوگا، واللہ اعلم۔ اور بندہ نے سورۂ مریم میں آیت ۳۶ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾ الخ کو اس مقام کے تقاضے کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کے قول پر محمول کیا ہے تو چونکہ تمام نبیوں کی دعوت ایک ہی تھی، اس لئے یہاں اور وہاں میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا ع ۱۱ ۱۲
وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ
وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ
عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ
الظّٰلِمِيْنَ۝ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ تمام دوست اُس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے۔ اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور فرمانبردار تھے، تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اور اُن کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جاویں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہوگے۔ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے اپنے اعمال کے عوض میں۔ تمہارے لئے اُس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو۔ بیشک نافرمان لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اُن سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ وہ جواب دے گا کہ تم

ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔

ربط: اوپر قریب ہی کی آیت ﴿ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ﴾ الخ میں مشرکوں کو ملامت اور قیامت کے دن کی دھمکی تھی اور اس سے اوپر ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ میں اور اس سے اوپر ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا ﴾ الخ میں اس دن کا ذکر تھا۔ اب اس دن سے کافروں کو ڈرایا جارہا ہے اور دونوں فریقوں کے لئے وعدہ اور وعید کا ذکر ہے۔

کافروں کو قیامت کی دھمکی اور خوش نصیبوں اور بدنصیبوں کی جزا و سزا:

یہ لوگ (جو حق کے واضح ہونے کے باوجود باطل پر اصرار کر رہے ہیں تو) بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو (انکار کے باوجود انتظار سے مجاز کے طور پر یہ مراد ہے کہ ان کا استدلال کو نہ ماننا، اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جو آنکھوں سے دیکھنے کے انتظار میں ہو کہ دیکھنے کے بعد ہی مانوں گا۔ اور ﴿ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴾ کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ برزخ میں قیامت کا یقین ہو جائے گا لیکن عین الیقین اور حق الیقین کی حد تک حالات زیادہ کھل کر قیامت ہی میں سامنے آئیں گے جو پہلے نہیں تھے، اس لئے [1] شعور کی نفی کر دی، اور اس دن کے واقعات یہ ہیں کہ) اس دن تمام (دنیاوی) دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، سوائے متقی لوگوں (یعنی ایمان والوں) کے (کیونکہ اس دن باطل کی دوستی کا نقصان محسوس ہوگا۔ تو یقینی طور پر باطل سے کراہت اور دوستوں سے نفرت ہوگی، کہ یہ لوگ نقصان کا سبب ہوئے اور حق کی دوستی کا نفع و ثواب محسوس ہوگا، اس لئے وہ باقی رہے گی، اور ان مؤمنوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے پکارا جائے گا کہ) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف (کی بات واقع ہونے والی) نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے، یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور (علم اور عمل کے اعتبار سے ہمارے) فرماں بردار تھے، تم اور تمہاری (ایمان والی) بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ (اور جنت میں جانے کے بعد ان کے لئے یہ ہوگا کہ) ان کے پاس سونے کے تھال (کھانے کی چیزوں سے بھرے ہوئے) اور پیالے (پینے کی چیزوں سے بھرے ہوئے سونے کے یا کسی اور چیز کے) لائے جائیں گے (یعنی غلمان لائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴾) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا، اور جو آنکھوں کو اچھی لگیں گی، اور (ان سے کہا جائے گا کہ) تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور (یہ بھی کہا جائے گا کہ) یہ وہ جنت ہے، جس کا تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں مالک بنادیا گیا (اب تم سے یہ چیزیں کبھی واپس نہیں لی جائیں گی اور) تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا رہے ہو (یہ تو ایمان والوں کا حال ہوا۔ آگے کافروں کا ذکر ہے کہ) بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے، وہ

---

(۱) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغتۃ کا حکم نفس وقوع کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ اوپر کی توجیہ میں تھا، بلکہ وقوع کے وقت کے اعتبار سے ہو، کیونکہ برزخ میں وقت کی تعیین کا علم ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ محشی

(عذاب) ان (پر) سے ہلکا نہ کیا جائے گا، اور وہ اسی (عذاب) میں مایوس پڑے رہیں گے۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اور ہم نے ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا (کہ ناحق عذاب دیا ہو) لیکن یہ خود ہی ظالم تھے (کہ انھوں نے کفر اور شرک کر کے اپنا نقصان کر لیا) اور (آگے ان کے باقی حال کا بیان ہے کہ جب نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے اس وقت موت کی تمنا کریں گے، اور ''مالک نامی'' جہنم کے داروغہ فرشتے کو) پکاریں گے کہ اے مالک! تم ہی دعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہمیں موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)

فائدہ: ایمان والوں کے لئے خوف اور رنج وغم کا نہ ہونا اور جنت میں داخل ہونا وغیرہ فرمایا ہے، یہ گنہ گاروں کی سزا کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایمان اور یہ امور کلی مشکک ہیں، ایمان کامل پر پہلے ہی مرحلہ میں جنت میں داخلہ ہوگا جب کہ مطلق ایمان پر مطلق (کسی بھی وقت) داخلہ ہوگا۔ اسی طرح سمجھ لو، اور ﴿مُبْلِسُوْنَ﴾ یعنی مایوس پڑے رہنے اور پکارنے کی وضاحت سے وہ شبہ جاتا رہا جو بعض لوگوں کو ہوا ہے کہ ناامیدی و مایوسی میں پکارنے سے کیا فائدہ!

﴿لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ
اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ
الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ
اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ
عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا
مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ع ۱۲

ترجمہ: ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں۔ ہاں! کیا انھوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے؟ سو ہم نے ایک انتظام درست کیا ہے۔ ہاں کیا ان لوگوں کو یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چپکی چپکی باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے؟ ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں۔ آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمان کے اولاد ہو تو سب سے اول اُس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے، اُن باتوں سے منزہ ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔ تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں

رہنے دیجئے یہاں تک کہ اُن کو اپنے اُس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ذات بڑی عالیشان ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو اُن کے درمیان میں ہے اُس کی سلطنت ثابت ہے اور اُس کو قیامت کی خبر ہے اور تم اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے، ہاں جن لوگوں نے حق بات کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے، اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جاتے ہیں؟ اور اُس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ اُن سے بے رُخ رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو اُن کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔

ربط: اوپر کافروں اور مشرکوں کو عذاب دیئے جانے کا تفصیل کے ساتھ اور جرم کا مختصر انداز میں ذکر تھا۔ اب خاتمہ میں جرم کا تفصیل کے ساتھ اور عذاب کا مختصر انداز میں ذکر ہے۔ چنانچہ اوپر ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ کا مختصر ہونا اور ﴿فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سے ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ تک تفصیل کے ساتھ ہونا۔ اور آگے ﴿یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ﴾ اور ﴿اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور ﴿فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ کا مختصر طور پر ہونا اور باقی آیتوں میں جرموں کا تفصیل کے ساتھ ہونا ظاہر ہے اور ان دو جرموں کا حاصل دو امر ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور رسول کی مخالفت کرنا۔ بلکہ دونوں امر کے تعلق سے رخ پھیرے رہنے اور ترک کر دینے و چھوڑ دینے کا مضمون تسلی کے طور پر آ گیا ہے، اور شفاعت وغیرہ کی نفی کا مضمون عذاب کی تاکید کے لئے آ گیا ہے۔

کافروں کے جرائم کی تفصیل جہنم کے عذاب کی علت کے طور پر:

(اور ان مذکورہ عذابوں کی علت یہ ہے کہ) ہم نے تمہارے پاس سچا دین پہنچایا (جس میں سب سے عظیم رکن توحید اور رسالت کا اعتقاد ہے) لیکن تم میں سے اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں (''اکثر'' یا تو اس لئے کہا کہ بعض لوگ اللہ کے علم میں آئندہ ایمان لانے والے تھے اور یا اس لئے کہ کراہت بعض کو تھی اور بعض محض باطل کی تقلید میں حق کو چھوڑنے والے تھے، لہٰذا اس صورت میں کراہت یعنی نفرت سے مراد طبعی کراہت و نفرت ہوگی، اور پہلی صورت میں نفرت اعتقادی ہوگی، اور حق سے نفرت میں اللہ کے ساتھ شرک اور رسول کی مخالفت دونوں آ گئے۔ آگے ان کی تفصیل ہے کہ) تو کیا انھوں نے (رسول کو نقصان پہنچانے کے بارے میں) کوئی ٹھیک انتظام کیا ہے؟ تو ہم نے بھی ایک ٹھیک انتظام کیا ہے (اور ظاہر ہے کہ اللہ کے انتظام کے سامنے ان کا انتظام نہیں چل سکتا، چنانچہ آپ محفوظ اور وہ لوگ ناکام رہے، اور آخر میں بدر کی جنگ میں ہلاک ہوئے، اس کا تفصیلی ذکر سورۃ الانفال آیت ۳۰ ﴿وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ

میں گذر چکا ہے) تو کیا ان لوگوں کا (جو آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے چوری چھپے تدبیریں کرتے ہیں) یہ خیال ہے کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کے (چوری چھپے کیئے ہوئے) مشوروں کو نہیں سنتے؟ (کہ اگر ہمیں سننے والا سمجھتے ہیں تو پھر ایسی جرأت کیوں کرتے ہیں؟ تو ﴿ يَحْسَبُونَ ﴾ میں یہ خیال مجاز کے طور پر ہوگا اور ممکن ہے کہ بعض بد دماغ لوگ حقیقت میں ایسا سمجھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں سنتا۔ جیسا کہ آیتوں کے نازل ہونے کے بعض اسباب سے معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی نے سورۂ مجادلہ میں ابن سراقہ سے نقل کیا ہے کہ دو لوگوں کے درمیان گفتگو ہونا سِرٌّ ہے اور دو سے زیادہ میں نجوی ہے۔ آگے ان کے اس خیال کو رد فرماتے ہیں کہ) ہم ضرور سنتے ہیں اور (اس کے علاوہ) ہمارے فرشتے (اعمال کو لکھنے والے) ان کے پاس ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں (چاہے اس کی ضرورت نہ ہو، مگر مصلحت ہے کہ لوگوں کی عام عادت کے مطابق مجرم کے سلسلہ میں پولیس کی رپورٹ حجت میں خود حاکم کے معائنہ سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ یہ تو ان کی رسول کی مخالفت کا بیان ہوا۔ آگے اس مختصر بیان کی تفصیل کے دوسرے حصہ یعنی اللہ کے ساتھ شرک کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رسول ﷺ) آپ (ان مشرکوں سے) کہئے کہ (تم جو اپنے بعض شرک والے اقوال میں حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴾ تو) اگر (بالفرض محال ایسا ہو، یعنی) اگر رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو، اسی طرح بیٹا ہونے کی صورت میں، میں بھی عبادت کرتا۔ مطلب یہ کہ مجھے تمہاری طرح حق بات کے ماننے سے انکار نہیں۔ اگر تم ثابت کر دو تو سب سے پہلے اس کو میں مانوں اور جب اس کو اللہ کا بیٹا مان لوں تو چونکہ اللہ کی اولاد بھی معبود ہی ہونی چاہئے اور اللہ عبادت کا مستحق ہے، اس لئے میں اس کی عبادت بھی کروں۔ مگر چونکہ یہ امر بالکل باطل ہے۔ اس لئے میں نہیں مانوں گا، اور نہ ہی عبادت کروں گا۔ اور اس میں باطل ہونے کی وجہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ معبود ہونا وجود کے واجب ہونے کی خاصیتوں میں سے ہے، لہٰذا اگر کوئی اللہ کا بیٹا ہوگا تو وجود کا واجب ہونا اس کے لازمی امور میں سے ہے، اس لئے وہ معبود ہونے کا مستحق ہوگا، اور وجود کے واجب ہوئے بغیر محض جہالت ہے، اس کی پوری وضاحت سورۃ البقرہ آیت ۱۱۶ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کے شرک سے پاک ہونے کا بیان ہے یعنی) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے۔ جو یہ (مشرک) لوگ (اس کے سلسلہ میں) بیان کر رہے ہیں (یہ ان کے دوسرے عظیم جرم کا بیان ہو گیا۔ آگے ان بڑی بڑی دلیلوں کے باوجود جرموں پر ان کے اصرار پر نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ حق کے واضح ہونے کے باوجود اپنے عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ انہیں انہی بے ہودہ کاموں اور کھیل

وتفریح میں لگے رہنے دیجئے، یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے واسطہ پڑ جائے۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (اس وقت سب حقیقت معلوم ہو جائے گی اور رہنے دینے کا یہ مطلب نہیں کہ تبلیغ نہ کیجئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے۔ اور ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین نہ ہوں، اور اس کے باوجود کہ ﴿فَذَرْهُمْ﴾ کا مقصد ان کی موت کا وقت ہے، مگر چونکہ موت کا دن اس دن کا پہلا مرحلہ ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اس لئے حکم کے طور پر دونوں کو ایک قرار دے کر وعدہ کے دن کو غرض ومقصد کہہ دیا گیا) اور (آگے شرک کے جرم کی تاکید کے لئے توحید کی تاکید ہے کہ انھوں نے ایسے امر میں مخالفت کی جو دلیلوں سے ثابت ہے اور جرم کی تاکید کے ساتھ عذاب وسزا کی تاکید کے لئے بھی مفید ہے، اس طرح کہ حکومت اور تصرف میں وہی مستقل ہے، اس کے مجرم کو کوئی اس پر غالب ہو کر نہیں چھڑا سکے گا۔ چنانچہ بعد کے الفاظ میں غور کرنے سے دونوں تاکیدیں سمجھ میں آتی ہیں۔ غرض ارشاد ہوتا ہے کہ) وہی ذات ہے جو آسمانوں میں بھی (آسمان والوں کی) عبادت کے قابل ہے اور زمین میں بھی (زمین والوں کی) عبادت کے قابل ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے (اور علم وحکمت میں اس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا معبود ہونا بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ پہلے والی دلیل کے درجہ میں ہے) اور وہ ذات بڑی عالی شان والی ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ (مخلوق) ان کے درمیان میں ہے اس کی بادشاہی ثابت ہے اور (علم ایسا کامل ہے کہ) اسے قیامت کی (بھی) خبر ہے (جس کی کسی مخلوق کو خبر نہیں) اور (جزا وسزا کا مالک بھی وہی ہے چنانچہ) تم سب اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (اور اسے حساب دو گے) اور (اس وقت اللہ تعالیٰ کا بدلا دینے میں اکیلا ہونا ایسا ظاہر ہوگا کہ) یہ لوگ اللہ کے سوا جن معبودوں کو پکارتے ہیں، وہ سفارش (تک) کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی ایمان کے کلمہ) کا اقرار کیا تھا اور وہ (دل سے) تصدیق بھی کیا کرتے تھے (وہ یقیناً اللہ کی اجازت سے ایمان والوں کی سفارش کر سکیں گے مگر اس سے کافروں کو کیا فائدہ؟) اور (ہم نے جو اوپر توحید کا مضمون بیان کیا ہے جس کی یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں، تو اس سے متعلق باتوں کو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں (یعنی تمہیں) کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) تو (ایک بات خود ان کے تسلیم کرنے سے ثابت ہو گئی اور دوسری بالکل ظاہر عقلی بات یہ ہے کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہوتا ہے جو حقیقت میں پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس لئے کہ عبادت تعظیم کی انتہا ہے، اس لئے اس کا مستحق صرف وہی ہوتا ہے جو عظمت میں انتہائی عظیم ہوتا ہے، اور پیدا کرنے والے کا محتاج ہونا عظمت کی انتہا کے خلاف ہے، اور ظاہر امر بھی تسلیم کئے ہوئے امر کی طرح ہوتا ہے، لہٰذا) یہ لوگ (متعلق باتوں کو مانتے ہیں، مگر پھر مطلوب کو ماننے کے وقت یہ نہ جانے) کدھر الٹے چلے جاتے ہیں (اور اس سے جرم کی اور بھی تاکید ہو گئی کہ ان کی یہ مخالفت محض عناد کی وجہ سے

ہے اور ظاہر ہے کہ عناد رکھنے والا زیادہ بڑا مجرم ہوتا ہے) اور (ان مذکورہ مضمونوں سے توحید کی تاکید تو ظاہر ہے کہ وہ معبود ہونے میں بھی اکیلا ہے اور علم وحکمت میں بھی اور سلطنت میں بھی، اور قیامت کو قائم کرنے میں بھی اور مخلوق کا مرجع بننے میں بھی، اور ایسا حاکم ہونے میں بھی جس سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ ادنی درجہ کا ٹکراؤ یعنی بغیر اجازت سفارش کی بھی نفی ہے اور خالق ہونے میں بھی، اور اس سے جرم کی تاکید اس طرح ہوگئی کہ ذات کی توحید کا انکار جس کی تمام صفتیں کامل ہیں ضرور عظیم جرم ہے، اور عذاب وسزا کی تاکید اس طرح ہوگی کہ جرم تو ان کا توحید کا انکار، اور حاکم ایسا کہ معبود ہونے اور حکمت وعلم کے ساتھ سلطنت وحکومت بھی خاص اسی کی اور حساب کے وقت یعنی قیامت کا اس کے علم کے مطابق آنا اور اس کے پاس حاضر کیا جانا ضروری۔ اس طرح اس سے بچ کر کہیں چلا جانا محال اور سفارش کرنے والے موجود نہیں، اور یہ سب امور مختصر انداز میں خود ان کے اکیلا خالق یعنی پیدا کرنے والا ہونے کے اقرار سے ثابت، کیونکہ جو وجود میں کسی کا محتاج نہیں، چونکہ وہ تمام کمالوں کے وجود کی اصل ہے اور کمالوں میں بھی وہ کسی کا محتاج نہیں، اور جو وجود میں مستقل نہیں، وہ کسی کمال میں مستقل نہیں، لہٰذا اس جواب ﴿ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ سے ان تمام مذکورہ امور کا مختصر انداز میں اقرار لازم آگیا، لہٰذا عذاب وسزا کی تاکید، دلیل سے اثبات اور استدلال سے تفصیل کے ساتھ اور اقرار سے مختصر انداز میں ہوگئی۔ آگے عذاب وسزا کی تاکید کے لئے ایک اور امر کا بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو قیامت کی خبر ہے کہ وہ حساب کا وقت ہے، اسی طرح اسے رسول ﷺ کے یہ کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ (میری اس قدر فہمائش کے باوجود) ایمان نہیں لاتے (اور اس سے عذاب وسزا کی تاکید اور بڑھ گئی یعنی مذکورہ امور جن کے عذاب وسزا کی تاکید کے ساتھ میں رسول کی نالش بھی موجود ہو، لہٰذا ایسی حالت میں سمجھ لینا چاہئے کہ کیسا سخت عذاب ہوگا۔ آگے اس عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ ان کا انجام یہ ہونے والا ہے) تو آپ ان سے رخ پھیرے رہئے (یعنی ان کے ایمان کا اہتمام اور اس کی امید نہ کیجئے کیونکہ جب ان کا یہ انجام مقدر ہے تو یہ کیا ایمان لائیں گے؟) اور (اگر وہ آپ سے مخالفت اور جہالت اور شرارت کی بات کریں تو آپ شر کو دور کرنے کے لئے) یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام کرتا ہوں (اور کچھ نہیں کہتا اور نہ کچھ واسطہ رکھتا ہوں۔ آگے حق تعالیٰ تسلی اور رخ پھیرنے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینے کی تاکید کے لئے علت کے طور پر فرماتے ہیں کہ آپ تھوڑا صبر کیجئے) تو ان کو ابھی (مرتے ہی) معلوم ہوجائے گا۔

﴿الحمد للہ! آج ۱۴ ربیع الثانی بروز دوشنبہ سنہ ۱۴۲۵ھ کو سورۂ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی اور سورۂ دخان کی شروع ہوئی۔ صلی اللہ علی خیر خلقه محمد آله واصحابه أجمعين (آمین)﴾

آیاتہا ۵۹ (۴۴) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (۶۴) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: یہ سورت توحید ورسالت سے شروع ہوئی ہے، اور اسی پر گذشتہ سورت ختم ہوئی ہے، اور توحید ورسالت کے بعد منکرین توحید کے لئے وعید ہے اور وعید کی تاکید کے لئے بعض سابقہ امتوں کی نظیر بیان کی ہے، پھر ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ﴾ میں انکار بعث کی نقل ہے، پھر منکرین کو اس انکار پر بعض قوموں کو ہلاک کرنے کے ذریعہ دھمکا کر دوبارہ زندہ ہونے کی صحت اور حکمت بیان کی ہے، پھر اس کا واقعہ بنا پھر اس کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ابتداء ہی کی طرح رسالت کے مضمون پر سورت ختم ہوگئی ہے۔

﴿حٰمٓ ۚ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ﴿حٰمٓ﴾ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے، اُس رات میں، ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے، وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ جو کہ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو اُن دونوں کے درمیان میں ہے اُس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو۔ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں، وہی جان ڈالتا ہے، اور وہی جان نکالتا ہے، وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔ بلکہ وہ شک میں ہیں، کھیل میں مصروف ہیں۔

نازل شدہ قرآن کا، جس پر اتارا گیا اس رسول کا اور نازل کرنے والے پروردگار کا عظیم الشان ہونا:

﴿حٰمٓ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے اس واضح (معنی والی) کتاب کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے دنیاوی آسمان پر) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے (کیونکہ) ہم (اپنے ارادہ میں شفقت کی وجہ سے

اپنے بندوں کو) خبردار کرنے والے تھے (یعنی ہمیں منظور ہوا کہ انہیں نقصانوں سے بچانے کے لئے بھلائی اور برائی کی خبر کر دیں، قرآن کے نازل ہونے کی یہ علت ہوئی۔

اب اس رات کی برکتیں اور فائدے نفع بیان کرتے ہیں کہ) اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہمارے حکم سے کیا جاتا ہے (یعنی سال بھر کے معاملوں میں کہ سبھی حکمت والے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور ہے اسی طرح متعین کر کے۔ اوران کی اطلاع کارکن فرشتوں کو کر کے ان کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں، چونکہ وہ رات ایسی ہے اور قرآن سب سے زیادہ حکمت والا امر ہے، اس لئے وہ بھی اسی رات میں نازل ہوا۔

آگے بدل کے طور پر ﴿ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ﴾ الخ کی تفسیر ہے یعنی قرآن اس لئے نازل کیا گیا کہ) ہم اس رحمت کی وجہ سے جو آپ کے رب کی طرف سے (یعنی ہماری طرف سے بندوں پر) ہوتی ہے آپ کو رسول بنانے والے تھے (تا کہ آپ کی معرفت بندوں کو خبردار کر دیں) بے شک وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (اس لئے بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا ہے اور وہ ایسا ہے) جو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو (ان دونوں کے درمیان مخلوق ہے، اس کا بھی مالک ہے اگر تم واقعی ایمان لانے والے ہو (تو توحید کی یہ دلیلیں یقین کرنے کے لئے کافی موجود ہیں۔

آگے توحید کی تصریح ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے، وہی تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے، جو پہلے گذر چکے ہیں (اور اس تصریح و توضیح کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ مان لیتے مگر یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ وہ (توحید وغیرہ سچے امور کی طرف سے) شک میں (پڑے) ہیں (اور دنیا کے) کھیل کود میں مصروف ہیں (آخرت کی فکر نہیں کہ حق کو طلب کریں، اس میں غور سے کام لیں، یہ شرک کی مذمت توحید کے مضمون کی مناسبت سے آگئی اور منزل کی تعظیم کے لئے توحید بیان کی گئی)

فائدہ: قرآن اور قرآن کے نازل کرنے والے کی تعظیم کی تو آیتوں میں تصریح ہے اور رسول کی تعظیم ﴿ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ﴾ سے سمجھ میں آجاتی ہے اور ﴿ مُرۡسِلِيۡنَ ﴾ کے مفعول یعنی رسلا کا حذف کر دینا اور ﴿ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ﴾ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دینا اس تعظیم کی اور زیادہ تاکید کر دیتا ہے اور قرآن کی قسم کھانے کی تحقیق سورۃ الزخرف کے شروع میں آچکی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ قسم صرف خود نازل ہونے کے اعتبار سے ہے کہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اثبات ہوتا ہے، ظرف یعنی زمانہ و جگہ کی قید سے قطع نظر اور اکثر نے ﴿ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ کی تفسیر ﴿ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ﴾ یا شب قدر سے کی ہے اور اس بارے میں آثار بھی ہیں، چنانچہ سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ پورا قرآن سب سے اوپر والے آسمان سے دنیاوی آسمان پر شب قدر میں آگیا، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے کئی سال میں نازل ہوتا رہا۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سال میں جو کچھ واقع ہونے والا ہوتا ہے، رزق، موت، زندگی اور بارش وغیرہ وہ شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کر لیا

جاتا ہے۔ یہ دونوں روایتیں درمنثور میں ہیں۔ اور پہلی روایت سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ قرآن تو تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال میں آیا ہے، پھر شب قدر میں آنے کے کیا معنی ہیں؟ جواب کی وضاحت ظاہر ہے۔

اور بعض نے ﴿لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ کی تفسیر اس بنیاد پر لیلۃ البراءت یا شب برأت سے کی ہے کہ روایتوں میں اس کے بارے میں بھی سالانہ واقعات کے فیصلوں کا ہونا آیا ہے، لیکن چونکہ کسی روایت میں اس میں قرآن کے نازل ہونے کا ذکر نہیں اور شب قدر میں نازل ہونے کا ذکر خود قرآن میں ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اس رات میں واقعات کا فیصلہ ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ قرآن میں جو ﴿لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ آیا ہے، اس سے یہی رات مراد ہو۔ نتیجہ یہ کہ اس امر کا قائل ہونا پڑے گا کہ دونوں روایتوں میں واقعات کے فیصلے ہوتے ہیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ واقعات کے فیصلے لکھ تو لئے جاتے ہوں شب براءت میں اور سپرد کئے جاتے ہوں شب قدر میں، جیسا کہ روح المعانی میں ابن عباسؓ کا ایک قول بغیر سند کے بالکل یہی نقل کیا ہے اور احتمال کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۱ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝۱۴ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ۝۱۵ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝۱۶﴾

ترجمہ: سو آپ اُس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جاوے۔ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آویں گے۔ ان کو کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا پھر بھی یہ لوگ اُس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اپنی اُسی حالت پر آ جاؤ گے جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، ہم بدلہ لے لیں گے۔

ربط: اوپر توحید اور قرآن اور رسالت کے حق ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان حق امور کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید ہے۔

کھلے حق کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید:

(اور جب یہ لوگ حق کے واضح ہو جانے پر بھی نہیں مانتے جیسا کہ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ﴾) تو آپ (ان کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو، جو ان

سب لوگوں پر چھا جائے۔ یہ (بھی) ایک دردناک سزا ہے (جو انہیں دی جائے گی، اس سے غلہ کا قحط مراد ہے جس میں مکہ والے مبتلا ہوئے تھے، جس کا حقیقی سبب رسول اللہ ﷺ کی بددعا تھی، جب یہ لوگ عناد و دشمنی میں زیادہ بڑھ گئے تھے، اور یہ بددعا ایک بار مکہ میں ہوئی تھی اور ایک بار مدینہ میں۔ جیسا کہ سورۃ المؤمنون آیت ۷۷ ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴾ الخ کی تفسیر میں روح المعانی میں سیرت حلبیہ کے حوالہ سے ہے۔ اور اس کا ظاہری سبب جیسا کہ روح میں ہے یہ تھا کہ جب یمامہ کے رئیس ثمامہ مدینہ میں مسلمان ہو گئے اور مکہ کے کافروں نے ان پر ملامت کی تو انھوں نے یمامہ سے غلہ کا آنا بند کر دیا اور مکہ میں غلہ وہاں سے ہی آتا تھا ادھر بارش بھی بند ہو گئی جیسا کہ الدر المنثور میں بیہقی سے نقل کیا ہے، تب مکہ والے بھوک و فاقوں سے مرنے لگے، اور قاعدہ ہے کہ بھوک اور خشکی کی شدت میں آسمان اور زمین کے درمیان میں آنکھوں کے سامنے جو دھواں سا نظر آیا کرتا ہے، اس کے لئے لفظ ''دخان'' فرمایا۔ غرض مکہ والے اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور عاجزی کرنے لگے۔ چنانچہ پیشین گوئی کے طور پر فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ) اے ہمارے رب! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ ابوسفیان اور قریش کے دوسرے لوگوں نے آپ کو لکھا بھی اور آئے بھی کہ آپ دعا فرما دیں اور ثمامہ کو سمجھائیں جیسا کہ الدر اور الروح میں ہے اور صاحب روح نے سورۃ الدخان کی تفسیر میں ابوسفیان کا ایمان لے آنے کا وعدہ بھی نقل کیا ہے۔ آگے ان کے اس وعدہ کا سچے دل سے نہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ) انہیں (اس سے) نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ (کہ جس سے ان کے ایمان کی امید کی جائے) جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ (اس سے پہلے) ان کے پاس ظاہر شان والے رسول آئے (یعنی جن کی نبوت والی شان ظاہر تھی) پھر بھی یہ لوگ اس سے منہ پھیرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ (کسی دوسرے انسان کا) سکھایا ہوا ہے (جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۱۰۳ ﴿ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ﴾ اور) دیوانہ ہے (لہٰذا جب اتنے بڑے رسول کے آنے پر کہ جس کی رسالت کی دلیلوں میں کوئی تاویل ہی نہیں ہو سکتی، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو قحط کے ہونے پر جس میں ناانصافی کی باتیں کرنے والا آدمی یہ بھی احتمال نکال سکتا ہے کہ یہ طبعی اسباب سے ایک معمولی واقعہ ہے۔ کفر کی سزا نہیں ہے۔ ایمان لانے کی امید کہاں ہے؟ ان کا یہ کہنا محض وقت کو ٹالنے کے لئے ہے کہ کسی طرح کام نکل جائے۔ اور مصیبت ٹل جائے، مگر خیر) ہم (حجت پوری کرنے کی غرض سے) کچھ دن کے لئے اس عذاب کو ہٹا دیں گے (مگر) تم پھر اپنی اس (پہلی) حالت (اصرار و گھمنڈ اور عاجزی و انکساری ظاہر نہ کرنے) پر آ جاؤ گے (چنانچہ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ آپ نے دعا فرمائی تو بارش ہو گئی اور ثمامہ کو خط بھی لکھ دیا کہ غلہ آنے دیں، اور مکہ والوں کو خوش حالی میسر آ گئی، مگر ایمان تو کیا لاتے وہ پہلے والی نرمی اور کمزوری بھی جاتی رہی۔ پھر وہی زور اور وہی شور۔ اور یہاں تھوڑے دن کے لئے عذاب ہٹانے کے بارے میں اس لئے فرمایا کہ ﴿ مَتَاعُ

الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ﴾ کیونکہ اس عذاب کو ہٹانے کی حد صرف دنیاوی زندگی کی مدت تک کے لئے ہے، پھر مرنے کے بعد جو مصیبت آئے گی وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس دن) ہم (پورا) بدلا لے لیں گے (یعنی آخرت میں پوری سزا ہوگی)

فائدہ: یہ روایتیں جو تفسیر کے بیان میں لکھی گئی ہیں، روح المعانی اور الدر المنثور اور بخاری سے لکھی ہیں، اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک دخان یعنی دھواں قیامت کے قریب آئے گا، مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے اس کی تفسیر کرنا پسند نہیں کیا، اور کسی صحیح سند سے یہ بھی ثابت نہیں کہ قیامت کے قریب والے دخان کا ذکر تفسیر کے طور پر کیا گیا ہو۔ اور اختیار کی گئی تفسیر پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو خیالی ہوتا ہے، اس کو مبین کیسے فرمایا؟ اصل یہ ہے کہ وہ خیالی نہیں، واقعی ہوتا ہے، کیونکہ اس کی حقیقت بھاپ ہے چاہے ان کا قوام کمزور ہو۔ اور روح میں بعض عربوں سے نقل کیا ہے کہ تسمی الشر الغالب الدخان: یعنی "ہر شر و برائی جو غالب ہو دخان کہلاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دھویں سے اذیت ہوتی ہے تو ہر اذیت دینے والی چیز کو تشبیہ کے طور پر دخان کہہ دیتے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد قحط ہوگا، اور اس کا واقعی موجود ہونا ظاہر ہے اور اس کا آسمان کی طرف ہونا اس معنی میں ہے کہ سما سے مراد مطلق اوپر کی سمت ہے اور بھاپوں کا اوپر کی سمت میں اٹھنا ظاہر ہے۔ اور بارش بھی شروع میں اس سمت میں آتی ہے پھر اس سے زمین پر آتی ہے لہٰذا وہ برسنے اور نہ برسنے دونوں کی پہلی جگہ ہے اور بندہ نے تفسیر کے بیان میں جگہ جگہ لفظ پیشین گوئی اس لئے استعمال کیا کہ ﴿ فَارۡتَقِبۡ ﴾ یعنی "انتظار کرو" قرینہ ہے کہ یہ آیتیں ان واقعات کے واقع ہونے سے پہلے آئی ہیں، ﴿ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ﴾ تو دخان کے واقعہ سے پہلے اور ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ ﴾ دخان کے واقعہ کے بعد اور دخان کے زوال سے پہلے اور بعض روایتوں میں جو ﴿ فَارۡتَقِبۡ ﴾ الخ کا نازل ہونا دخان کے واقع ہونے کے بعد آیا ہے، غالباً اس وقت حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمادی ہوگی جس کی وجہ سے راوی کو اس وقت نازل ہونے کا گمان ہوا، یا ﴿ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾ میں تاویل کرلی جائے کہ فظهر ما أنزل الله الخ اللہ نے قرآن میں جو نازل فرمایا وہ ظاہر ہوگیا۔ اللہ اعلم

اور چونکہ عذاب کا دور ہونا ہجرت کے بعد ہوا ہے اس لئے ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ ﴾ کا مدنی ہونا بھی صحیح ہوگیا۔ جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے، اور مکی ہونے میں بھی اپنے آپ میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ بھی پیشین گوئی ہے، چاہے کتنی ہی پہلے ہو۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے، لیکن در منثور میں ایک روایت ہے کہ آیت ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ ﴾ الخ دخان کے زوال کے بعد نازل ہوئی، اس سے اس کے مدنی ہونے کو ترجیح ہوتی ہے، اگرچہ اس صورت میں پیشین گوئی نہ ہوگی، بلکہ ﴿ كَاشِفُوا ﴾ اسم فاعل فعل ماضی کے معنی میں ہوگا، اور اگر اس آیت کو پیشین گوئی ہی مانا جائے تو دخان کے بعد نازل ہونے کی روایت کی یہ توجیہ ہوگی کہ آپ نے دخان کے زوال کے بعد تلاوت فرمادی ہو، اور روایت کرنے والے کو

اس وقت نازل ہونے کا گمان کیا ہو، جیسا کہ اوپر ﴿فَارْتَقِبْ﴾ میں ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي
لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ
بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ
مُجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾
كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾
كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا
مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ ع ۲۹ ۱۴
عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا
فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ﴿٣٣﴾﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور اُن کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے کہ ان اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردو۔ میں تمہاری طرف فرستادہ ہوں، دیانتدار ہوں۔ اور یہ کہ تم خدا سے سرکشی مت کرو، میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر سے قتل کرو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔ تب موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں۔ تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا اور تم اُس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا اُن کا سارا لشکر ڈبو یا جاوے گا۔ وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش رہا کرتے تھے، چھوڑ گئے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنادیا۔ سو نہ تو اُن پر آسمان وزمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون سے نجات دی۔ واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے اُن کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔

ربط: اوپر انکار کرنے والوں کے لئے وعید تھی۔ اب فرعون کے عذاب وسزا کے قصہ سے اس وعید کی تاکید ہے۔

شامت زدہ فرعون کا واقعہ وعید مذکورہ کی تاکید کے لئے:

اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا، اور (وہ آزمائش یہ تھی کہ) ان کے پاس ایک عزت وشرافت والے

رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) آئے تھے (رسول کے آنے سے آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون ایمان نہیں لاتا، اور انھوں نے آکر فرعون سے اور فرعون کی قوم سے فرمایا) کہ اللہ کے ان بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (جن کو تم نے طرح طرح کی تکلیفوں میں پھنسا رکھا ہے) میرے حوالہ کردو (اور ان سے اپنا تعلق ختم کرلو کہ میں جہاں اور جس طرح مناسب ہو ان کو آزاد کر کے رکھوں) میں تمہاری طرف (اللہ کا) بھیجا ہوا رسول (ہو کر آیا) ہوں (اور) دیانت دار ہوں (وحی کی کسی بات میں کمی زیادتی نہیں کرتا ہوں، جو حکم ہوتا ہے اسے پورا پورا پہنچاتا ہوں، لہٰذا تمہیں ماننا چاہئے) اور یہ (بھی فرمایا) کہ تم اللہ کے مقابلہ میں گھمنڈ مت کرو (اوپر بندوں کے حق کا حکم تھا اور یہاں اللہ کے حق کا) میں تمہارے سامنے (اپنی نبوت کی) ایک واضح دلیل پیش کرتا ہوں (اس سے عصا اور ید بیضا کا معجزہ مراد ہے) اور (جب فرعون نے اور فرعونیوں نے نہ مانا، بلکہ آپس میں آپ کے قتل کا مشورہ کرلیا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا ﴾ الخ اور جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی ﴾ الخ ان کے یہ مشورے سن کر آپ نے فرمایا کہ) میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھے پتھروں سے مار کر یا پتھر کے علاوہ کسی اور چیز سے) قتل کرو، اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (یعنی مجھے ایذا اور نقصان پہنچانے کے پیچھے مت پڑو، کیونکہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، مجھ سے وعدہ ہے ﴿ فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ﴾ الخ لیکن تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا، اس لئے تمہاری بھلائی چاہتے ہوئے کہتا ہوں کہ تم ایسا مت کرو، مگر وہ کہاں باز آتے تھے) تب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (کہ جرموں اور گناہوں سے باز نہیں آتے، اب ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے دعا قبول کی اور ان کے فیصلہ کا وقت آگیا) تو اب تم میرے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ (کیونکہ) تم لوگوں کا (فرعون کی طرف سے) پیچھا (بھی) کیا جائے گا (اس لئے رات میں نکل جانے سے اتنی دور نکل جاؤ گے کہ یہ تمہیں پیچھا کر کے پکڑ نہ سکیں) اور (سفر کے دوران جو دریا حائل ہوگا) تم اس دریا کو (پہلے عصا مارنا کہ وہ خشک ہو کر راستہ دیدے، پھر پار ہونے کے بعد جب اس کو اس حالت پر دیکھو تو فکر نہ کرنا کہ شاید اس طرح فرعون بھی پار ہو جائے گا، بلکہ تم اسے اسی) سکون کی حالت میں (یعنی اس کی اسی ہیئت پر جو کہ پانی کے ہٹ جانے سے اور راستہ کے خشک ہو جانے سے حاصل ہوئی ہے، اس پر) چھوڑ دینا (اور بے فکر رہنا کیونکہ اس کے اس حالت پر رہنے کی یہ حکمت ہے کہ) ان (فرعونیوں) کا سارا لشکر (اس دریا میں) ڈبو دیا جائے گا (اس طرح کہ وہ اس میں گھسیں گے اور جب اس میں آجائیں گے تو پانی ہر طرف سے آکر مل جائے گا، اور مذکورہ حالت کو سکون کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ جو ہیئت حاصل ہوگئی تھی اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جو کہ کیفیت میں ایک قسم کی حرکت ہے اور پانی بھی جہاں کا تہاں رہ گیا۔ وہ بھی اس راستہ کی سطح پر نہ آئے گا جو کہ جگہ و مکان میں حرکت ہے، اس کو روح میں: ساکنا علی هیئته قاراً علی

حالہ من انتصاب الماء و کون الطریق یبسا: کہا ہے یعنی "پانی کے بہنے سے اپنی ہیئت پر ساکن اور اپنی حالت پر قائم رہنا اور راستہ کا خشک رہنا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے بنی اسرائیل دریا کے پار ہو گئے اور فرعونی غرق ہو گئے، اور) وہ لوگ کتنے ہی باغ اور (کتنے ہی) چشمے (یعنی نہریں) اور (کتنی ہی) کھیتیاں اور (کتنے ہی) شاندار مکان اور (کتنے ہی) عیش و آرام کے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے، چھوڑ گئے (یہ قصہ) اسی طرح ہوا (اس سے ملامت اور ڈراوے و دھمکی کو دہرانا مقصود ہے) اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا مالک بنادیا (اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾) تو (ان سے انتہائی ناراض ہونے اور ان پر انتہائی غضب ناک ہونے کی وجہ سے) نہ تو ان پر آسمان و زمین کو رونا آیا (یہ ان سے انتہائی ناراض ہونے کے سبب سے ہوا) اور نہ انہیں (عذاب سے کچھ اور) مہلت دی گئی (یعنی اگر کچھ اور زندہ رہتے تو جہنم کے عذاب سے اور بچے رہتے اور یہ مہلت نہ ملنا ان پر انتہائی غضب ہونے کا نتیجہ ہے) اور ہم نے (اس طرح) بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم و ستم) سے نجات دی۔ واقعی وہ (فرعون) بڑا نافرمان (اور بندگی کی) حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا (بنی اسرائیل پر ایک نعمت تو یہ ہوئی) اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو (اور بھی نعمتیں دے کر) اپنے علم (اور حکمت) سے (بعض امور میں تمام) دنیا جہان والوں پر (یا تمام امور میں مخلوق کے ایک بڑے حصہ پر مثال کے طور پر اس زمانہ کے لوگوں پر) فوقیت دی اور (ان نعمتوں میں معنی کے لحاظ سے انعام ہونے کے علاوہ قدرت پر دلالت بھی تھی، جس کا حاصل یہ ہے کہ) ہم نے انہیں (اپنی قدرت کی) ایسی (بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جن میں کھلا انعام (پایا جاتا) تھا (یعنی وہ امور دونوں صفتوں نعمت اور قدرت کی دلیل ہونے میں جامع تھے، پھر ان میں بعض نعمتیں حسی تھیں، جیسے فرعون سے نجات دینا جس کو انتہائی ظاہر ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے بیان فرمایا اور ان میں بعض معنوی نعمتیں تھیں جیسے علم اور کتاب اور معجزوں کا دیکھنا)

فائدہ: ﴿اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ﴾ سے متعلق ضروری تحقیق سورۂ اعراف آیت ۱۳۷ میں اور سورۃ الشعراء آیت ۵۹ میں گذر چکی ہے، اس تحقیق کے بعض احتمالوں کی ترجیح کے لئے یہاں روح المعانی کا اتنا مضمون اور لکھتا ہوں کہ حسن بصریؒ، بنی اسرائیل کے مصر میں واپس آنے کے قائل ہوئے ہیں اور قتادہ اس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ مشہور تاریخیں اس کے خلاف ہیں، ان کے لحاظ سے ﴿اَوْرَثْنٰهَا﴾ کے معنی تصرف پر قدرت حاصل ہونے کے ہوں گے، جو واپس آنے پر موقوف نہیں، اور بعض نے اللہ کی کتاب سے ظاہری موافقت کی وجہ سے حسن کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ تاریخوں اور یہود کی کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور مؤمن کے لئے آسمان اور زمین کے رونے کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن مر جاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس میں سے گذر کر اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اور ایک وہ دروازہ جس سے گذر کر اس کا رزق نازل ہوتا تھا، اس پر روتے ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی، اور روح میں بیہقی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مؤمن کے مرنے پر زمین چالیس دن تک روتی ہے اور ابن المنذر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب مؤمن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں وہ جگہ جہاں سے گذر کر اس کے اعمال اوپر چڑھتے تھے، اس پر روتی ہیں۔ اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس مضمون کو کئی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے، لہٰذا آیت میں اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ ان کے وجود کے قابل ذکر نہ ہونے سے مجاز ہے۔ اور یہ کہ رونا مثال کے لئے استعارہ ہے کہ کسی کی موت کی شدت اور عظمت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جائے جس پر آسمان اور زمین کا رونا فرض کرلیا جائے۔ وجہ یہ کہ جب حقیقی معنی بن سکتے ہوں تو مجاز مراد نہیں لینا چاہئے اور حقیقی معنی کے لئے کوئی امر رکاوٹ نہیں، اور روایات ترجیح دینے والی ہیں اور ان چیزوں میں ضرورت کے مطابق شعور ثابت ہے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ الخ میں لکھا گیا ہے اور ﴿عَلٰی عِلْمٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہٰذا چونکہ ہمارے (اللہ کے) علم میں ان کو فوقیت دینا مصلحتوں اور حکمتوں میں شامل تھا، اس لئے ہم نے انہیں فوقیت دیدی۔

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝۳۴ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝۳۵ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۶ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ
اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۳۷ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝۳۸ مَا خَلَقْنٰهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۹ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۰ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ
مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۴۲﴾ ع ۱۴ ۲ ۱۵

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔ سو اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لاموجود کرو۔ یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں اُن سے پہلے ہوگزری ہیں؟ ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا، وہ نافرمان تھے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے اُس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بیشک فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے، جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقہ والے کے ذرا کام نہ آوے گا اور نہ اُن کی کچھ حمایت کی جاوے گی مگر جس پر اللہ رحم فرماوے۔ وہ زبردست مہربان ہے۔

ربط: اوپر فرعون کے قصہ سے پہلے مکہ کے کافروں کو قیامت کے انتقام یعنی بدلے کی وعید سنائی تھی اور اس کی تاکید کے لئے مذکورہ قصہ آ گیا تھا۔ وہ لوگ قیامت کے انتقام کا مضمون سن کر قیامت کا انکار کیا کرتے تھے، اس لئے اب پہلے ان کا انکار، دوسرے حق کے انکار کا جرم اور عذاب کے مستحق ہونے کا سبب ہونا، اور تبع قوم کے بادشاہ کے قصہ کی نظیر بیان فرماتے ہیں۔ اور تیسرے قیامت کے صحیح ہونے اور واقع ہونے کے امکان، چوتھے اس کے واقع ہونے کی حکمت و رجحان کا بیان فرماتے ہیں اور پانچویں خود اس کا تحقق اور واقعات کے مختصر ذکر کے ساتھ اس کا واقع ہونا بیان فرماتے ہیں۔

بعث اور اس سے متعلق امور کی تحقیق:

یہ لوگ (قیامت کی وعیدیں سن کر قیامت کا انکار کرتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ بس ہماری اس دنیاوی موت کے سوا کچھ نہیں، اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جاویں گے (جس کو آخری حالت اس لئے بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد موت نہیں، مطلب یہ کہ آخری حالت وہ آخرت کی زندگی نہیں، بلکہ یہ دنیاوی موت ہی آخری حالت ہے) تو (اے مسلمانو!) اگر تم (بعث کے دعوی میں) سچے ہو تو (کون انتظار کرے؟ ابھی) ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرا کے) لے آؤ۔ (یہ پہلا مضمون ہے اور اس کا جواب اس سے ظاہر ہے کہ مقید یعنی کسی خاص امر کا واقع نہ ہونا، مطلق کے واقع نہ ہونے کو لازم نہیں اور نہ ہی اس کے ناممکن ہونے کو لازم کرتا ہے۔ آگے ان کی ایسی کفر والی بات پر ملامت اور ڈانٹ ودھمکی ہے کہ انہیں ذرا سوچنا چاہئے کہ قوت وشوکت میں) یہ لوگ زیادہ بہتر ہیں یا (یمن کے بادشاہ) تبع کی قوم؟ اور جو قومیں ان سے پہلے گذر چکی ہیں (جیسے عاد وثمود وغیرہ؟ یعنی قوت وشوکت میں یہ قومیں زیادہ بہتر اور بڑھی ہوئی تھیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ ان سے زیادہ شدید سخت اور زیادہ مدت تک رہنے والے تھے، مگر) ہم نے انہیں (بھی) ہلاک کر ڈالا (صرف اس لئے کہ) وہ نافرمان تھے تو اگر یہ لوگ نافرمانی سے باز نہیں آئیں گے تو یہ کس طرح اپنے آپ کو بچا لیں گے؟ یہ دوسرا مضمون ہے اور یہ حکمی جواب حکمت کے جواب سے پہلے ہے کیونکہ ان کی حالت عناد کا یہی تقاضا ہے) اور (آگے قیامت کے صحیح ہونے اور حکمت کا بیان ہے کہ) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، ان سب کو بے کار نہیں بنایا (بلکہ) ہم نے ان دونوں کو (ان کے درمیان والی تمام چیزوں سمیت) کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (ان حکمتوں میں سے عقل کے لحاظ سے کامل قدرت پر دلالت اور نقل کے لحاظ سے جزا وسزا پر دلالت ہے)، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (یہ تیسرا اور چوتھا مضمون ہے یعنی اکثر لوگ بڑے بڑے جسموں کے پیدا کرنے کی قدرت سے انہیں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال نہیں کرتے اور یہ قیامت کا صحیح اور ممکن ہونا ہے اور اسی طرح نقلی دلیلوں کے ملانے سے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم اور ان کے بڑے بڑے نفع اس لئے بنائے ہیں کہ ہم ان سے نفع وفائدہ اٹھائیں،

اور نفع اٹھا کر نعمت کا شکر ادا کریں اور اس شکر میں طاعت بجالائیں، اور اس شکر و طاعت پر وعدہ کے مطابق پھر آخرت میں باقی رہنے پر وہ نتیجہ و پھل ملے۔ اور جو ناشکری کرے، وہ وہاں خسارہ میں پڑے اور یہ قیامت کی حکمت اور رجحان ہے، کیونکہ حکمت وجود کے رجحان کا تقاضا کرتی ہے، چاہے وہ عقلی طور پر واجب ہونے کے درجہ میں نہ ہو، کیونکہ اگر اللہ کی مشیت میں واقع نہ ہونا ہوتا تو اسی میں حکمت ہوتی، لہٰذا جزا و سزا کے واجب ہونے کا شبہ ختم ہوگیا۔

آگے مختصر انداز میں واقعات کے بیان کے ساتھ اس کے واقع ہونے کا ذکر ہے، یعنی) بے شک ان سب (کے دوبارہ زندہ ہونے اور جزا و سزا ملنے) کے فیصلہ (یعنی قیامت) کا دن مقرر ہے (جو اپنے موقع پر ضرور واقع ہوگا، یہ واقع ہونے کا مضمون ہوگیا، آگے مختصر انداز میں واقعات ہیں یعنی) جس دن کوئی تعلق رکھنے والا کسی تعلق رکھنے والے کے ذرا کام نہ آئے گا۔ اور نہ (کسی اور ہی کی طرف سے جیسے خیالی طور پر گھڑے ہوئے معبودوں کی طرف سے) ان کی کچھ حمایت کی جائے گی، سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے) کہ رحمت کی وجہ سے اس کے حق میں اجازت سے کی ہوئی شفاعت کام آئے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ﴾ اور اللہ اس کا حامی و مددگار ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾) وہ (اللہ) زبردست ہے (کافروں سے انتقام لے گا) مہربان ہے (مسلمانوں پر رحمت فرمائے گا) اس میں غضب اور رحمت کے سب واقعات آگئے۔ یہ پانچواں مضمون ہے جن کی آگے تفصیل ہے)

فائدہ: تبع اس زمانہ میں یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا اور اس لقب کے بہت سے بادشاہ گذرے ہیں۔ جس تبع کا یہاں ذکر ہے۔ اس کا نام اسعد لکھا ہے اور حدیث میں ہے کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ بتوں کی پوجا کرنے والے تھے، انھوں نے تبع کی بات نہیں مانی، تب ایک آگ آئی جس سے بت اور بت خانہ کے خادم جل گئے، پھر بعض مسلمان ہوگئے اور بعض نے ذمی کے طور پر اطاعت قبول کرلی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ پہلا تبع تھا، اس کا اتباع کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا یہ لقب ہوا تھا۔ اس کے بعد یمن کے ہر بادشاہ کا یہ لقب ہونے لگا، اور اس تبع کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا، یہ سب روح المعانی میں ہے اور ان سب میں سے بعض باتوں پر کچھ کچھ اختلاف بھی ہے، مگر چونکہ قرآن نے اثبات یا نفی کو تفصیل سے بیان نہیں کیا اس لئے قرآن کے کسی قول پر اشکال نہیں۔

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ

اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ۝ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ۝ یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

ترجمہ: بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے۔ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو، لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے، یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے، بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے یعنی باغوں میں اور نہروں میں۔ وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا اُن گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہونگے۔ وہ وہاں بجز اُس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے۔

ربط: اوپر ﴿ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى ﴾ الخ میں قیامت کے واقعات کا مختصر انداز میں بیان تھا۔ اب ان کی کسی قدر تفصیل ہے۔

بھاری دن کے واقعات کی کچھ تفصیل:

بے شک زقوم کا درخت (جس کی تحقیق سورۃ الصافات آیت ۶۲ سے ۶۷ تک میں گذری ہے) بڑے مجرم (یعنی کافر کا کھانا ہوگا جو (صورت کی کراہت میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر عذاب دینے والا گرم) پانی انڈیلو (اور اس کا مذاق اڑایا جائے گا کہ) لے چکھ تو زبردست بڑا عزت والا آدمی ہے (یہ تیری تعظیم ہو رہی ہے جیسے تو دنیا میں اپنے آپ کو بڑا زبردست عزت والا سمجھ کر ہمارے احکام سے عار کیا کرتا تھا، اور جہنم والوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک (وانکار) کیا کرتے تھے (یہ تو جہنم والے کافروں کا حال ہوا۔

آگے ایمان والوں کا ذکر ہے کہ) بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے، یعنی باغوں میں اور نہروں میں (اور) باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات اسی

طرح ہے (اس سے مضمون کی تحقیق اور تقریر مقصود ہے) اور ہم ان کا بڑی بڑی روشن آنکھوں والیوں سے بیاہ کردیں گے (اور) وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آچکی تھی کسی اور موت کا مزا بھی نہ چکھیں گے (یعنی مریں گے نہیں) اور اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے (بھی) بچالے گا (اور) یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ یہی بڑی کامیابی ہے (جس کا ذکر ہوا، یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں)

فائدہ: یہ زقوم کا کھلانا یا تو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا جیسا کہ بعض نے سورۃ واقعہ کی آیت ۵۶ ﴿ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ میں لفظ نزل مہمان کو اصل کھانے سے پہلے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے، اس کے معنی میں سمجھا ہے۔ اور ﴿ فَاعْتِلُوْهُ ﴾ میں کلمہ فا سے بھی ظاہر میں یہی سمجھ میں آتا ہے اور جہنم میں داخلہ کے بعد ہو تو آگے بڑھنا ﴿ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴾ یعنی جہنم کے بیچوں بیچ کے اعتبار سے ہوگا، یعنی اس زقوم کے کھانے کے وقت چاہے جحیم یعنی جہنم میں ہو، مگر جہنم کے بیچوں بیچ نہ ہوگا، کھانے کے بعد پھر ﴿ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴾ یعنی جہنم کے بیچوں بیچ میں ڈال دیا جائے گا اور سورۃ الصافات کی آیت ۶۸ میں جو ﴿ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِالَى الْجَحِيْمِ ﴾ آیا ہے اس میں بھی جحیم کو ﴿ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴾ یعنی جہنم کے بیچوں بیچ پر محمول کرسکتے ہیں تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ زقوم کھلانے کے وقت جہنم سے باہر لائے جائیں گے اور اس کی کچھ تفصیل سورۃ المؤمن آیت ۷۲ میں گذر چکی ہے۔

مفید حکمت: ایک مجلس میں احقر اور دو صاحب جو اصل میں ہندوستانی تھے، لیکن مکہ میں رہتے تھے، ایک بڑے مجمع کے ساتھ موجود تھے، دونوں اصحاب میں سے ایک نے کہا کہ مکہ میں زقوم کا پھل کھایا جاتا ہے جس کو برشومی کہتے ہیں اور قرآن سے وہ جہنم والوں کا کھانا معلوم ہوتا ہے تو ایسی لذیذ چیز سے وعید کیا ہوئی؟ میں نے کہا کہ قرآن شریف میں ﴿ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ ﴾ یعنی زقوم کا درخت آیا ہے زقوم کا پھل نہیں آیا اور درخت نہیں کھایا جاتا۔ ان دونوں صاحب نے بھی اور مجلس میں موجود دوسرے لوگوں نے بھی اس کو بہت پسند کیا۔ لیکن اس جواب کی ضرورت اس وقت ہے جب برشومی اسی زقوم کا پھل ہو اور اگر کوئی دوسری قسم ہے تو سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور حوروں سے بیاہ ہونا کسی معروف طریقہ سے ہو یا لغت کے اعتبار سے ہو، یعنی قیدیوں کے ہبہ کے طور پر جوڑا ملا دینا ہو، پہلی صورت میں مکلف ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو طبیعت کی رغبت، اسی کی طرف ہو جائے گی، لہٰذا اس میں ابتلا و مکلف کے معنی نہ ہوں گے۔

﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝ ﴾ ع۳ ۱۶/۳

ترجمہ: سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ یہ نصیحت قبول کریں، تو آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔

ربط: اوپر سورت میں اہم مضمون بیان فرما کر سورت کے ختم پر مختصر انداز میں خلاصہ کے طور پر انہی کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ کافروں کا ان مضمونوں کو نہ ماننا نبی ﷺ کے حزن وملال کا سبب تھا، اس لئے اس کے ساتھ تسلی کا بھی فائدہ ہے۔

کتابِ نصیحت کی آسانی کی خبر اور خوش خبری دینے اور ڈرانے والے کو دلاسا:

(آپ کا کام اتنا ہے کہ آپ ان سے کہتے رہیے) تو (اسی غرض سے) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ (اس کو سمجھ کر اس سے نصیحت قبول کریں تو (اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ (ان پر ضرر کے نازل ہونے کا) انتظار کیجئے، یہ لوگ بھی (آپ پر ضرر کے نازل ہونے کے) انتظار میں ہیں (لہٰذا آپ تبلیغ سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں، نہ مخالفت پر رنج کریں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیجئے اور صبر کیجئے وہ خود سمجھ لے گا)

﴿بحمد للہ! ۱۵ ربیع الثانی بروز منگل سورۂ دخان کی تفسیر پوری ہوئی و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و أصحابه أجمعين﴾

(۴۵) سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (٦٥)
آیاتھا ۳۷ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت کا خلاصہ تین مضمون ہیں: (۱) توحید (۲) نبوت (۳) آخرت کا انجام۔ اور دوسرے بعض مضمون انہی کی مناسبت سے آگئے ہیں۔ اور گذشتہ سورت کے ختم میں نتیجہ کے طور پر اور اس سورت کے شروع میں تمہید کے طور پر قرآن کے ذکر ہونے کی آپس میں مناسبت بھی حاصل ہے۔

﴿ حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ ﴾

ترجمہ ﴿ حٰمٓ ﴾ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔

سورت کے مضامین کی تاکید کے لئے تمہید:

﴿ حٰمٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) یہ حکمت والے زبردست اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے (اور جب یہ ایسی کتاب ہے تو اس کے مضمونوں کو خوب توجہ سے سننا چاہئے)

﴿ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَ فِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ ﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لئے بہت سے دلائل ہیں، اور خود تمہارے اور اُن حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو پھیلا رکھا ہے، دلائل ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اُس رزق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اُتارا پھر اُس نے زمین کو تروتازہ کیا اُس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

توحید:

چنانچہ اس مقام میں ایک مضمون تو توحید کا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ) آسمانوں اور زمین میں آسمان والوں کے

(استدلال کے) لئے (قدرت اور توحید کی) بہت سی دلیلیں ہیں اور (اسی طرح خود تمہیں اور ان حیوانوں کو پیدا کرنے میں جن کو (زمین پر) پھیلا رکھا ہے (قدرت اور توحید کی) دلیلیں ہیں ان لوگوں کے (سمجھنے کے) لئے جو یقین رکھتے ہیں اور (اسی طرح) رات اور دن کے ایک کے بعد ایک کے آنے جانے میں اور (اسی طرح) رزق کے اس (مادہ) سے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا (اس سے بارش مراد ہے) پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا، اس کے خشک ہو جانے کے بعد اور (اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں (سمت اور کیفیت کے اعتبار سے، کہ کبھی پروا ہے، کبھی پچھوا، کبھی گرم ہے، کبھی ٹھنڈی۔ غرض ان سب چیزوں میں، قدرت اور توحید کی) دلیلیں (موجود) ہیں، ان لوگوں کے لئے جو (صحیح و سالم) عقل رکھتے ہیں (اور استدلال کا بیان سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۲ ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ میں گذر چکا ہے۔

﴿ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ‌ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍ ۢ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیتوں کے بعد اور کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔

نبوت:

(یہاں دوسرا مضمون نبوت کا ہے، جس کا بیان یہ ہے کہ) یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھ کر سناتے ہیں (جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے لیکن عاجز کرنے والی اتنی بڑی دلیل ہونے کے باوجود بھی اگر یہ لوگ نہیں مانتے) تو پھر اللہ اور اس کی (ایسی) آیتوں کے بعد اور کونسی بات (اس سے بڑھ کر ہوگی جس پر) یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

﴿ وَيۡلٌ لِّـكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍۙ ۝ يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا‌ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡئَـاْ ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ‏ ۝ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ‌ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ‏ ۝ هٰذَا هُدًى‌ ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ۝ ﴾ ع ۱۱

ترجمہ: بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا ہو، نافرمان ہو، خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جبکہ وہ اُس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں، پھر بھی وہ تکبر کرتا ہو، اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اُن کو سنا ہی نہیں، سو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اُس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا

عذاب ہے۔ان کے آگے جہنم ہے۔اور نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آویں گی جو کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا۔اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔یہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کو نہیں مانتے اُن کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔

ضدی لوگوں کا آخرت میں انجام:

(اور تیسرا مضمون آخرت میں انجام کا ہے جس میں حق کے ان مخالفوں کو سزا بھی ہوگی، جس کا بیان یہ ہے کہ) ہر ایسے شخص کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو (عقائد سے متعلق باتوں میں) جھوٹا ہو اور (اعمال میں) نافرمان ہو، جو (اس کے باوجود کہ) اللہ کی آیتوں کو سنتا (بھی) ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں (اور) پھر بھی وہ تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان (آیتوں) کو سنا ہی نہیں تو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اور (اس شخص کی شرارت کا یہ حال ہے کہ) جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب (ہونے والا) ہے (مطلب یہ کہ جن آیتوں کو تلاوت میں سنتا ہے، انہیں بھی جھٹلاتا ہے اور جن آیتوں کے بارے میں ویسے ہی کسی سے خبر سن لیتا ہے انہیں بھی جھٹلاتا ہے، غرض آیتوں کو جھٹلانے میں بہت بڑھا ہوا ہے۔

آگے اس عذاب کی تعیین ہے یعنی) ان کے آگے جہنم (آرہی ہے) اور (اس وقت) نہ تو وہ چیزیں ان کے ذرا کام آئیں گی جو (دنیا میں) کما گئے تھے (اس میں مال و دولت اور اعمال سب آگئے) اور نہ وہ (کام آئیں گے جن کو انھوں نے اللہ کے سوا سرپرست اور معبود) بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا (اور اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ) یہ قرآن سراسر ہدایت ہے (جس کا قبول و تسلیم کرنا فرض ہے) اور (اس کا تقاضا یہی ہے کہ) جو لوگ اپنے رب کی (ان) آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا (علت اور حکم کا یہ دہرانا برا ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ آیتوں کے جھٹلانے اور عذاب و سزا کی ترتیب کو دوبارہ لائے)

فائدہ: ایمان والوں اور یقین والوں کے لئے جو ان دلیلوں کا نافع ہونا فرمایا اس کے باوجود کہ یہ عقلی دلیلیں ہیں جیسا کہ ﴿لِّقَوۡمٍ يَعۡقِلُونَ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے تو ایمان اور یقین سے مراد عام ہے چاہے بالقوۃ ہو اور طلب کے ساتھ ہو یا بالفعل یعنی سردست اور حصول کے طور پر ہو، اور عقلی دلیل میں بھی نظر اور طلب ضروری ہے اور آیتوں کے فاصلوں کا اختلاف ﴿يُؤۡمِنُونَ﴾ اور ﴿يُوۡقِنُوۡنَ﴾ اور ﴿يَعۡقِلُوۡنَ﴾ سے کلام میں لطف پیدا ہوا ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡكُ فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ
لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ
فَعَلَيْهَا ؗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اُس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اُس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔ اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں، اُن سب کو اپنی طرف سے مسخر بنایا۔ بیشک ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں۔ آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ اُن لوگوں سے درگزر کریں جو خدا تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو اُن کے عمل کا صلہ دے۔ جو شخص نیک کام کرتا ہے، سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص بُرا کام کرتا ہے، اُس کا وبال اُسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ میں کافروں کے جھوٹے، نافرمان، گھمنڈ کرنے اور اڑے رہنے اور مذاق اڑانے کا ذکر تھا اور ان کی ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آجایا کرتا تھا۔ اب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینے کا امر ہے، اور ان کی تسلی کے لئے قیامت کے دن ان سے انتقام لینے کا ذکر ہے۔

مشرکوں کی اذیت برداشت کرنے کا حکم اور ترغیب اور مؤمنوں کی تسلی کے لئے ان کے عذاب کی طرف اشارہ

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے جو اللہ تعالیٰ کے معاملات (آخرت میں دوستوں کو نعمت اور دشمنوں کو سزا) کا یقین نہیں رکھتے (یعنی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں) تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے (اس نیک) عمل کا (اچھا) بدلا دے (کیونکہ وہاں کا کلی قاعدہ ہے کہ) جو شخص نیک کام کرتا ہے تو اپنے ذاتی نفع (وثواب) کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص برا کام کرتا ہے، اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے، پھر (سب نیک و بد اچھے اور برے کام کرنے کے بعد) تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (لہٰذا وہاں تمہیں اچھے اخلاق اور نیک عملوں کا نعم البدل یعنی اچھا و بہترین بدلہ اور تمہارے ان مخالفوں کو ان کے کفر و نافرمانیوں پر برا بدلہ دیا جائے گا تو تمہارے لئے یہاں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہے)

فائدہ: اور اس سے جہاد کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں اس انتقام سے روکا ہے جس سے اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے بول کو بالا کرنا، بات اونچی کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ محض اپنے غصہ اور غضب کی تسکین مقصود ہو۔ اور جہاد میں اصل مقصود اللہ کی بات اونچی کرنا ہے، چاہے اس کے ذیل میں غصہ کی تسکین بھی ہو جائے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے اُن کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں اور ہم نے اُن کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں۔ سو انھوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے۔ آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں فیصلہ کردے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے ان کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔ یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے۔ اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل تقوی کا۔ یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے۔

ربط: اوپر کے تینوں مضمونوں میں نبوت کا بھی مضمون تھا۔ اب پھر اس سے متعلق مناسب امور کے ضمن میں اسی کا ذکر ہے۔

نبوت اور اس سے متعلق امور کا پھر سے تذکرہ:

اور (نبوت کوئی انوکھی چیز نہیں جس کی وجہ سے اس کا انکار کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے) ہم نے بنی اسرائیل کو (آسمانی) کتاب اور حکمت (یعنی احکام کا علم) اور نبوت دی تھی (انہیں نبوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں نبی پیدا کئے) اور ہم نے انہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دی تھیں (اس طرح کہ تیہ کے میدان میں من وسلوی دیا پھر انہیں ملک شام کا مالک بنایا جہاں زمینی برکتوں کی کانیں ہیں) اور ہم نے (بعض امور جیسے دریا کو پھاڑ کر اس میں راستہ دینا اور بادلوں کے

ذریعہ ان پر سایہ کرنا وغیرہ میں) انہیں دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں (یعنی انہیں بڑے کھلے معجزے دکھائے۔ غرض حسی اور معنوی اور علمی جس کے دو شعبے ہیں: (۱) مسئلے اور (۲) دلیلیں۔ انہیں سبھی طرح کی نعمتیں دیں) تو چاہئے تو یہ تھا کہ خوب اطاعت کرتے، مگر) انھوں نے علم کے آنے کے بعد ہی آپس میں اختلاف کیا۔ آپس کی ضد کی وجہ سے (جس کا بیان سورۃ البقرہ آیت ۲۱۲ میں ہوا ہے یعنی جو چیز اختلاف کو دور کرنے والی تھی اسے اپنی مرضی اور ضد کی وجہ سے اختلاف کا سبب بنالیا۔ اس کی وجہ نہ دلیلیں تھیں اور نہ ہی یہ تھی کہ حکموں میں کچھ شک وشبہے تھے۔ تو) آپ کا رب قیامت کے دن ان کے آپس کے ان امور میں (عملی) فیصلہ کردے گا، جن میں یہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے (اس مضمون سے دو باتیں واضح ہوگئیں: ایک بنی اسرائیل کو کتاب اور احکام اور نبوت ملنے سے آپ ﷺ کی نبوت کی تائید ہوگئی۔ دوسرے آپ کی تسلی کہ اختلاف کی جو وجہ بنی اسرائیل کو پیش آئی تھی، وہی آپ کی قوم کو آپ کے ساتھ اختلاف کرنے میں پیش آئی ہے یعنی دنیا کی محبت اور حسد اور نفسانیت یہ نہیں کہ آپ کی دلیلوں یا احکام کے واضح ہونے میں کچھ کمی ہو، لہٰذا آپ غم نہ کریں، جس قصہ کا یہاں ذکر کیا گیا، اس کو یاد کرلیا کریں کہ بنی اسرائیل کے لئے کیا کیا معاملے ہوئے تھے) پھر (بنی اسرائیل میں نبوت کا دور ختم ہونے کے بعد) ہم نے آپ کو (نبوت دی، اور آپ کو) دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا۔ تو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے (یعنی عمل میں بھی اور تبلیغ میں بھی) اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر مت چلئے (یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں اور اسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں تاکہ آپ تنگ اور پریشان ہوکر تبلیغ کرنا بند کردیں، حالانکہ آپ سے یہ احتمال نہیں مگر امر کی تقویت اور اہتمام کے لئے آپ کو پھر اس کا حکم ہوتا ہے۔ آگے اسی طریقہ پر اس حکم کی علت بیان فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے (لہٰذا ان کا اتباع نہ ہونے پائے) اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں (اور ایک دوسرے کا کہنا مانتے ہیں) اور اللہ تقوی والوں کا دوست ہے (اور تقوی والے اس کا کہنا مانا کرتے ہیں، تو جب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ تقوی کے راستہ پر چلنے والوں کے امام ہیں تو آپ کو ان کے اتباع سے کیا تعلق؟ ہاں اللہ کے حکم کی پیروی کرنے سے خاص تعلق ہے، غرض آپ نبوت والے اور حق وصحیح شریعت والے ہیں اور) یہ قرآن (جو آپ کو ملا ہے یہ) عام لوگوں کے لئے دانش مندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت (کا سبب) ہے (اور ظاہر ہے کہ علم اور ہدایت، راستہ بتانے کے معنی میں تو عام ہے اور رحمت یعنی ثمرۂ عمل صرف ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے)

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾ ع ۱۸

ترجمہ: یہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں، کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کی برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے۔ یہ بُرا حکم لگاتے ہیں۔

ربط: اوپر تینوں مضمونوں میں آخرت اور اس کے انجام کا بھی مضمون تھا اور اوپر ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا ﴾ الخ کی حکمت میں اور ﴿ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ ﴾ میں بھی اس سے متعلق مضمون تھا۔ اب پھر اسی کا ذکر ہے۔

اس میں پہلے ﴿ اَمْ حَسِبَ ﴾ میں آخرت کی حکمت، پھر ﴿ خَلَقَ اللّٰهُ ﴾ میں اس کا صحیح ہونا اور دوسری حکمت کا بیان ہے، پھر ﴿ اَفَرَءَيْتَ ﴾ میں حق کے مطلق انکار پر جس میں آخرت بھی داخل ہے، اس کا انکار کرنے والوں کی برائی ، پھر ﴿ قَالُوْا ﴾ میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے، پھر ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ میں اس کا جواب اور پھر ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ﴾ میں اس جواب کی تائید اور ﴿ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ﴾ سے ﴿ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ تک ترتیب سے اس کے کچھ واقعوں کا ذکر ہے۔

آخرت کی حکمت:

کیا یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ جو برے برے کام (کفر وشرک اور ظلم ونافرمانی) کرتے (رہتے) ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی برابر رکھیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل اختیار کئے کہ ان سب کا جینا اور مرنا ایک جیسا ہو جائے (یعنی مؤمنوں کا مرنا جینا اس معنی میں آپس میں ایک جیسا ہو جائے کہ جس طرح انھوں نے زندگی میں لذتوں سے فائدہ نہ اٹھایا، اسی طرح مرنے کے بعد وہ بھی محروم رہیں، اور اسی طرح کافروں کا مرنا جینا بھی اس معنی میں آپس میں ایک جیسا ہو جائے کہ جیسے زندگی میں عذاب اور سزاؤں سے بچے رہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس سے محفوظ رہیں۔ مطلب یہ کہ آخرت کے انکار سے یہ لازم آتا ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو کہیں طاعت کا پھل نہ ملے، اور مخالفوں پر کبھی مخالفت کا وبال نہ پڑے۔ اور اگرچہ یہ امر اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن تھا مگر چونکہ صحیح شرعی دلیلوں سے ہر ایک کو عملوں کے پھلوں اور نتیجوں کا ملنا حکمت کے مطابق ہونا ثابت ہے، لہٰذا اس حکمت کا واقع ہونا ظاہر ہو گیا اور دنیا میں یہ واقع نہیں ہوا، لہٰذا لازمی طور پر آخرت کا وجود ضروری ہو گیا۔ لہٰذا یہ لوگ جو قیامت کے انکار سے مذکورہ برابری کا حکم لگاتے ہیں تو) یہ برا حکم لگاتے ہیں (کیونکہ صحیح دلیلوں سے اس کا باطل ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا آخرت کے وجود کی یہ حکمت ہوئی کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلا مل جائے)

فائدہ: یہ تفسیر اللہ کی طرف سے دل میں ڈالی ہوئی باتوں کا نتیجہ ہے۔ وللہ الحمد. اور اگلی آیت کی تفسیر کے فائدے کو اس سے تعلق ہے، دیکھ لیا جائے۔

﴿وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور تا کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جاوے گا۔

آخرت کا امکان اور صحت اور ایک دوسری حکمت:

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (ان میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ انہیں پیدا کرنے پر قدرت ہونے سے قیامت میں اٹھائے جانے پر استدلال کیا جائے) اور (دوسری حکمت یہ ہے کہ) تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلا دیا جائے (جس کی وضاحت سورۃ الدخان آیت ۳۸ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ الخ کے ترجمہ میں گذر چکی ہے۔ اور دنیا میں پورا بدلا نہیں ہے، لہٰذا ضرور آخرت ہونے والی ہے، وہاں بدلا ملے گا) اور (اس بدلے میں) ان پر ذرا (بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ: جس حکمت کا ذکر اوپر والی آیت میں کیا گیا ہے اور جس حکمت کا اس آیت میں ذکر ہے، دونوں کا اصل حاصل ایک ہی ہے یعنی اطاعت کرنے والوں کو اطاعت کی جزا ملنا۔ اور مخالفت کرنے والوں کو مخالفت کی سزا ملنا لیکن اس دوسری آیت میں تو خود عمل کا اپنے آپ میں جزا کا تقاضا کرنا اور دونوں عملوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے، اور اس پہلی آیت میں خود عمل کی جزا کا تقاضا ہونے کے علاوہ اس کا خاص اس اعتبار سے بھی جزا کا تقاضا ہونا مقصود ہے کہ جزا نہ ملنے میں نیک عمل کرنے والے اور برے عمل کرنے والے کی بھی برابری لازم آتی ہے اور طبعی طور پر یہ ایک مستقل بچنے کی چیز ہے، چنانچہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح سے اطاعت کرتا ہو مگر اسے کوئی انعام و اکرام نہ دیا جائے تو اسے اس قدر شکایت نہیں ہوتی جیسا کہ اس صورت میں ہوتی ہے کہ ایک دوسرا شریر نوکر آ جائے، اور وہ طرح طرح کی شرارتیں کرتا ہو اور اس کی شرارت پر بھی کوئی سزا نہ دی جائے، اس وقت اس فرماں بردار اور اطاعت کرنے والے نوکر کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ میرے اطاعت کرنے سے کیا فائدہ ہوا، کہ میرے اطاعت کرنے کی کوئی قدر ہی نہیں ہوئی کہ اگر اس شریر کو سزا ملتی تو میں یہی سمجھ لیتا کہ چلو خیر اگر اطاعت میں انعام نہیں ہے تو یہی فائدہ سہی کہ سزا سے حفاظت رہتی ہے اور جب کہ اسے سزا بھی نہیں ملی تو میری اطاعت بے کار ہی گئی۔ خوب سمجھ لو۔

اور گذشتہ آیت کی ایک مشہور تفسیر اور ہے یعنی کیا ہم دونوں کی زندگی اور دونوں کی موت برابر کر دیں گے؟ اور مراد دونوں کے مجموعہ پر انکار فرمانا ہے مطلب یہ کہ جس طرح زندگی میں مؤمن اور کافر اکثر امور جیسے صحت وتندرستی، رزق اور

عافیت وغیرہ میں خود مذکورہ امور کے اعتبار سے برابر رہتے ہیں چاہے مقدار و تعداد اور کیفیت میں فرق ہو اور دونوں فریقوں میں امیر و غریب اور آزمائش میں مبتلا اور بیمار بھی ہوتے ہیں، چاہے کمی و زیادتی کا فرق ہو تو کیا موت کے بعد بھی ان کو برابر رکھیں گے اور ایک کی اطاعت اور دوسرے کی معصیت و نافرمانی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اب پڑھنے والے اپنے مزاج اور ذوق و پسند کے مطابق جس کو چاہیں اختیار کرلیں، اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ بعض کافروں نے کہا تھا کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم آخرت میں مسلمانوں سے افضل رہیں گے۔ یہ آیت ان کے جواب میں آئی ہے جیسا کہ خازن میں بغیر سند و حوالہ کے لکھا ہے، تو اس صورت میں پہلی بات اس طرح ہوگی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت کو برابر کردیں گے؟ کہ یہاں بھی اکثر کے اعتبار سے دنیاوی سامان میں کافروں سے کم رہے اور وہ وہاں بھی کم رہیں، اور اسی طرح کیا کافروں کی زندگی اور موت کو برابر کردیں گے کہ یہاں بھی اکثر کے اعتبار سے مسلمانوں سے بڑھے رہے اور وہاں بھی بڑھے رہیں گے۔ اور دوسری بات اس طرح ہوگی کہ بڑھا ہوا تو کیا معنی عزت و کرامت یا نہ پکڑنے میں بھی برابری نہیں ہوگی بلکہ دونوں کی موت کے بعد کی حالت میں عذاب و سزا کے ملنے اور نہ ملنے کا فرق ہوگا۔ چاہے دنیا میں عذاب و سزا نہ ملنے کے اعتبار سے برابری رہے۔

﴿ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: سو آپ نے اُس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اُس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کردیا ہے اور اُن کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ سو ایسے شخص کو بعد خدا کے کون ہدایت کرے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کی برائی:

تو کیا (توحید اور آخرت کے ان بلیغ بیانوں کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی ہے جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے؟ (کہ جو جی میں آتا ہے علم کے اور عمل کے اعتبار سے اس کا اتباع کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کردیا ہے (کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی مگر اپنی خواہش کے اتباع کی وجہ سے گمراہ ہوگیا) اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی خواہش کے اتباع کی بدولت حق کو قبول کرنے کی استعداد نہایت کمزور ہوگئی) تو ایسے شخص کو اللہ کے (گمراہ کردینے کے) بعد کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے۔ آگے ان منکروں کو ملامت اور ڈانٹ و دھمکی کے طور پر خطاب ہے کہ) کیا تم (ان بیانوں کو سن کر) پھر بھی

نہیں سمجھتے؟ (یعنی وہ سمجھنا جو نفع دینے والا ہو، چاہے وہ عام معنی میں سمجھتے تھے)

فائدہ: یوں تو خواہش کی پیروی کرنے پر برائی ظاہر کرنا آخرت کے انکار کے ساتھ خاص نہیں، لیکن بندہ نے اس پر اس لئے محمول کیا ہے کہ آگے پیچھے آخرت ہی کا ذکر ہے اور خود کلمہ فا بھی اس سے زیادہ متعلق ہے اور ممکن ہے کہ عام کہا جائے، اور آخرت کو اس عام کا خاص پہلا فرد کہا جائے، اور اگر یہ توحید کے باب میں ہو تو چونکہ توحید کا انکار اور آخرت کا انکار ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں، اس لحاظ سے یہ برائی آخرت کے انکار پر متوجہ ہوسکتی ہے۔

﴿ وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ سے موت آجاتی ہے، اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔ اور جس وقت اُن کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر تم کو موت دے گا، پھر قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کی باتوں کا جواب:

اور یہ (بعثت کا انکار کرنے والے) لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی (آخرت میں) نہیں ہے، ہم (یہی ایک مرنا) مرتے ہیں، اور (یہی ایک جینا) جیتے ہیں (مقصود تو زندگی کا دنیاوی زندگی میں حصر کرنا ہے اور موت کا حصر تابع کی حیثیت سے نظیر کے طور پر بیان کردیا کہ دیکھو موت کے بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک ہی ہے، اسی طرح زندگی بھی ایک ہی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کی گردش کی وجہ سے) موت آجاتی ہے (مطلب یہ ہے کہ زمانہ کے گذرنے کی وجہ سے بدن کی قوتیں تحلیل ہوجاتی ہیں اور ان طبعی اسباب سے موت آجاتی ہے اور اسی طرح زندگی کا سبب بھی طبعی امور ہیں، لہٰذا جب موت اور زندگی طبعی اسباب کا تقاضا ہیں اور دوسری زندگی طبعی اسباب کا تقاضا نہیں ہے تو دوسری زندگی نہیں ہوگی، تو یہ قول ﴿مَا یُهْلِكُنَاۤ﴾ الخ قول ﴿مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا﴾

پر دلیل کے درجہ میں ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کے منکر ہوں، لیکن یونانی فلسفیوں کی طرح واجب الوجود کو ماننے کے باوجود نوعی صورتوں کو فاعل اور ہیولی کو صورتوں کا قبول کرنے والا مانتے تھے) اور (آگے انہیں جاہل یعنی علم سے خالی اور محروم قرار دینا ہے) ان لوگوں کے پاس اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں ہے صرف خیالی باتیں کر رہے ہیں (یعنی آخرت کی زندگی کے انکار اور نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل بیان کی ہے خود اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور پوری طرح واضح نہ ہونا ظاہر ہے بلکہ یہ بات دلیل کے خلاف ہے جیسا کہ علم کلام میں ثابت ہوا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار یعنی ہر کام اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کرنے والا ہے اور یہ بات کسی مسبب کے طبعی اسباب پر موقوف ہونے کی نفی کرنے والی ہے، لہٰذا نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے) اور (نہ حق والوں کی دلیل کا وہ کچھ جواب دے سکتے ہیں، چنانچہ) جس وقت (اس بارے میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں (جن کے صحیح اور قطعی ہونے پر خود ان کی ذاتی صفت اعجاز یعنی معجزہ ہونے کی دلیل ہے) پڑھی جاتی ہیں (جو مطلوب بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں) تو (اس پر) ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے) ہمارے سامنے لے آؤ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو (اور اس جواب کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتے۔ مثال کے طور پر کسی عقلی دلیل سے عقلی طور پر اس کا ناممکن ہونا ثابت کر دیتے تا کہ بحث اور مقابلہ کے وقت نقلی دلیل کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کی تاویل کر لی جائے اور صحیح نہ ماننے کی صورت میں اس کو چھوڑ دیا جائے یا قرآن جیسی کوئی اور کتاب یا اس جیسی ایک سورت ہی لے آتے جیسا کہ قرآن میں بار بار چیلنج کیا گیا ہے تا کہ اس کے معجزہ ہونے کے دعوی کا جواب ہو جاتا مگر ان سے اس طرح کا کوئی جواب نہیں بن سکا اور جو جواب دیا وہ بالکل نامعقول ہے یعنی عقل اور سمجھ میں آنے کے لائق نہیں، کیونکہ کسی خاص کو زندہ کرنے کی نفی سے مطلق زندہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ اسی جواب کے لئے ارشاد ہے کہ) آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (جب تک چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تمہیں موت دے گا، پھر قیامت کے دن جس (کے واقع ہونے) میں ذرا شک نہیں تمہیں (زندہ کر کے) جمع کرے گا (لہٰذا دعوی اس دن زندہ کرنے کا ہے اور دنیا میں مردوں کو زندہ نہ کرنے سے اس زندہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (اور اپنی دلیل کے بغیر اور مخالف دلیل کا صحیح جواب دے کر اس کو رد کئے بغیر حق کا انکار کرتے ہیں)

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۟ اَفَلَمۡ تَکُنۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ وَ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ۝۳۱
وَ اِذَا قِیۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ السَّاعَۃُ لَا رَیۡبَ فِیۡہَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِیۡ مَا السَّاعَۃُ ۙ
اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ۝۳۲ وَ بَدَا لَہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِہِمۡ مَّا
کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۝۳۳ وَ قِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰکُمۡ کَمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا وَ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ
وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ۝۳۴ ذٰلِکُمۡ بِاَنَّکُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ ہُزُوًا وَّ غَرَّتۡکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ۚ
فَالۡیَوۡمَ لَا یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡہَا وَ لَا ہُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ۝۳۵ ﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اُس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے۔ اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جاوے گا۔ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ ہم تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کافر تھے، کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔ اور اُن کو اپنے تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ اُن کو آگھیرے گا۔ اور کہا جاوے گا کہ آج تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا، اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جاویں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جاوے گا۔

مذکورہ جواب کی تائید اور قیامت کے بعض واقعات:

اور (اوپر جو کہا گیا ہے ﴿ یَجۡمَعُکُمۡ ﴾ الخ تو اسے کچھ مشکل یا ناممکن نہ سمجھا جائے، کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے (وہ جو چاہے تصرف کرے، لہٰذا یہ تصرف بھی جو کہ اپنے آپ میں اور اس کی قدرت کے اعتبار سے ممکن ہے ناممکن نہیں۔ یہ جواب کی تائید ہوگئی) اور (آگے واقعات کا ذکر ہے کہ) جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے گھاٹے میں رہیں گے۔ اور آپ (اس دن) ہر گروہ کو (خوف کے مارے) گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے ہر گروہ اپنے اعمال نامہ میں (لکھے ہوئے اعمال کے حساب) کی طرف بلایا جائے گا (اعمال نامہ کی طرف بلانے کا

مطلب یہی ہے کہ اعمال نامہ میں لکھے ہوئے اعمال کے حساب اور ان کے بارے جزاوسزا کے فیصلہ کے لئے بلایا جائے گا ورنہ اعمال نامے تو خود ان کے پاس ہوں گے اور انہیں اعمال نامہ سمیت بلایا جانا ثابت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ﴾ اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلا ملے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ (اعمال نامہ) ہمارا (لکھایا ہوا) دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے (یعنی تمہارے اعمال کو ظاہر کر رہا ہے اور) ہم (دنیا میں) تمہارے (سب) اعمال کو (فرشتوں کے ذریعہ) لکھاتے رہتے تھے (اور یہ انہی کا لکھا ہوا ہے) تو (حساب کے بعد فیصلہ یہ ہوگا کہ) جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ کھلی کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ تو تم نے (انہیں قبول کرنے) سے تکبر کیا تھا اور (اس وجہ سے) تم بڑے مجرم تھے اور (تمہارا یہ حال تھا کہ) جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ (مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور جزاوسزا سے متعلق) اللہ کا وعدہ سچ ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم (نہایت بے پروائی سے) کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے (صرف سننے سنانے سے) بس ایک خیال سا تو ہمیں بھی آتا ہے (جیسے جھوٹے قضیوں کو آپس میں ملانے سے بھی منطق کی اصطلاح میں تصور ہوا کرتا ہے) اور (یقینی یا ظنی باتوں کو ملانے کی منطقی اصطلاح تصدیق کی طرح) ہمیں (اس کا) یقین (حاصل) نہیں (بلکہ ان کے دوسرے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کا احتمال بھی نہیں۔ یا یہ قول ان عوام کا ہو جنہیں اس کا شک وشبہ تھا اور لفظ ﴿ مَّا نَدْرِیْ ﴾ سے بھی یقین کی نفی ہو اور نفی کا یقین نہ ہو) اور (اس وقت) ان پر ان کے اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں (یعنی رحمت سے محروم کئے دیتے ہیں، جس کو مجاز کے طور پر بھلانا کہہ دیا) جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، یہ (سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور تمہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت سے بالکل غافل بلکہ منکر ہو گئے تھے) تو آج نہ تو یہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی ناراضی کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں)

فائدہ: ﴿ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ﴾ میں اگر لفظ "کل" عام ہو تو ظاہر میں مقبول لوگوں کے لئے بھی ہولناکی کا ثبوت لازم آتا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ بہت تھوڑی دیر کے لئے ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو، اس لئے خوف وگھبراہٹ کی نفی والی نصوص سے اس کا ٹکراؤ نہ ہوگا۔ اور اگر اس عام میں سے بعض کو مخصوص کر لیا گیا ہو تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر جاثیہ کے معنی جیسا کہ دوسرے مفسروں نے قرار دیئے ہیں یہ کئے جائیں کہ حساب کے وقت ادب کی

وجہ سے گھٹنے موڑ کر دوزانو بیٹھے ہوں گے تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں اور ظن اور استیقان کے ترجمہ میں تصور و تصدیق سے علم منطق والوں کے نزدیک معتبر تصور و تصدیق مراد ہے۔

﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار ہے تمام عالم کا۔ اور اُسی کو بڑائی ہے آسمان و زمین میں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر سورت کی بحثوں سے حق تعالیٰ کی رحمت و حکمت اور عظمت و عزت اور نرمی و مہربانی اور ہیبت پر دلالت ہوتی ہے چنانچہ نبوت کے سلسلہ سے رحمت اور حکمت اور توحید کے مسئلہ سے عزت اور عظمت اور آخرت کے مسئلہ سے نرمی و مہربانی اور ہیبت کا ہونا ظاہر ہے۔ آگے خاتمہ میں اس لازمی دلالت کی مقصود کے طور پر تصریح ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتوں کے کمال کا بیان:

(جب یہ سارے مضمون سن لئے) تو (ان سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے (ثابت) ہیں جو آسمانوں کا رب (یعنی ایجاد کرنے والا اور باقی رکھنے والا) ہے اور زمین کا رب ہے (اور آسمان اور زمین ہی کی کیا خاص بات ہے وہ تو) سارے عالموں کا رب ہے (اس سے رحمت معلوم ہوئی کیونکہ ایجاد کرنا اور باقی رکھنا اصل رحمت ہے) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کو بڑائی ہے) جو آثار و علامتوں سے ظاہر ہو رہی ہے) اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے (اس کی دلالت مذکورہ باقی صفتوں پر ظاہر ہے)

﴿الحمد للہ! سورۃ الجاثیہ کی تفسیر پوری ہوئی، اور یہاں تفسیر (مکمل بیان القرآن) کی دسویں جلد پوری ہوئی اور اس پر قرآنِ کریم کی ۴۵ سورتیں پوری ہوئیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری زندگی کے ۴۵ سال پورے ہوئے، نہ جیسے اضافہ کے ساتھ جو چھ ماہ سے زیادہ نہیں اور یہ اختتام بروز جمعرات ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۵ھ کو ہوا اور اب جو سورتیں باقی ہیں وہ چھوٹی ہیں، میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ شروع سے تمہید اور آخر سے تاریخ حذف کروں مگر کسی لائق عارض کی وجہ سے اور دعا گو ہوں کہ باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ وھو علی کل شیء قدیر﴾

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ

﴿ایک عظیم تحفہ، ایک محیر العقول کارنامہ﴾

رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ـــــ حضرت الامام المجد دالشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان برگزیدہ علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت زمان ومکان کی قیود میں محدود نہیں، وہ اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوئے مگران کی شخصیت تمام عالم اسلام کا سرمایہ ہے۔ان کی کتابیں اوران کے علوم ومعارف اسلامی تاریخ کا انمول خزانہ ہیں۔حضرت الامام کی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں لیکن حکمت شرعیہ اور فلسفۂ اسلام پران کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' اپنی نظیر آپ ہے۔ شرح سے علماء، طلباء اور پڑھے لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔یہ شرح پانچ جلدوں میں اور تین ہزار چھ سو صفحات میں مکمل ہوئی ہے۔اور قیمت اتنی کم ہے کہ اس ضخامت کی کتاب بازار میں اس قیمت پر دستیاب نہیں۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے ایک احسان امت پر یہ بھی کیا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے۔علاوہ ازیں رحمۃ اللہ الواسعہ کا خلاصہ نکالا ہے جو'کامل برہانِ الٰہی' کے نام سے چار جلدوں میں مطبوعہ ہے۔

تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری

تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ بخاری کا مجموعہ ہے، بارہ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو مکمل بخاری شریف پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز بخاری شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی

تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

اہم تصانیف: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

① ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو طریقۂ تدریس نے مشکل بنادیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر ایک کام یہ کیا ہے کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کیا ہے۔ اس کے ہر مسئلہ اور ہر قاعدہ کو علاحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے "مشقی سوالات" دیئے گئے ہیں...... پھر دوسری شرح الوافیۃ عربی میں لکھی ہے اور اس پر وہی مفصل و مرقم متن ہے تا کہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

② آسان نحو (دو حصے) نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔

③ آسان صرف (تین حصے) آسان نحو کے انداز پر تدریج کا لحاظ کر کے یہ رسالے مرتب کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں گردانیں ہیں قواعد برائے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں قواعد مع گردان دیئے گئے ہیں۔ اور ابواب کی صرف صغیر دی گئی ہے۔ اور تیسرے حصہ میں تعلیلات اور ہفت اقسام کی گردانیں ہیں، بہت آسان اور مفید نصاب ہے۔

④ آسان منطق: ترتیب تیسیر المنطق۔ دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تیسیر المنطق کی جگہ اب یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں تیسیر المنطق ہی کو سہل کر کے مرتب کیا گیا ہے، کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

⑤ فیض المنعم: مقدمہ مسلم شریف کی اردو شرح ہے۔ اس میں ضروری ترکیب اور حل لغات بھی ہیں، غرض کتاب حل کرنے کے لئے ہر ضروری بات اس کتاب میں موجود ہے اور کوئی غیر ضروری بات نہیں لی گئی۔

⑥ تحفۃ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

⑦ مبادیٔ الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے۔ دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

⑧ معین الفلسفہ: یہ مبادیٔ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل اور معلومات افزا کتاب ہے۔

⑨ مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی "تہذیب المنطق" کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے "شرح تہذیب" جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

Maktab Gaznavi Karachi

2017 ١٤٣٨



تفسیر ھدایت القرآن منظر عام پر آ گئی ہے

اللہ کی توفیق سے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مد ظلہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند کی مایۂ ناز تصنیف "تفسیر ھدایت القرآن" ۸ جلدوں میں منظر عام پر آ گئی ہے، ہندوستان میں مکتبۂ حجاز دیو بند اور پاکستان میں مکتبہ غزنوی کراچی نے اُسے شائع کر دیا ہے۔ واضح رہے! حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے تدریس وتصنیف اور تحقیق ومطالعہ کے میدان میں تقریباً پچپن سالہ تجربہ کے بعد تفسیر ھدایت القرآن تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ہر سورت کے شروع میں اُس کا تعارف وخلاصہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آیات وسورتوں کے درمیان ربط اور ہر لفظ کے سامنے اس کا لفظی واضح ترجمہ، پھر تفسیر اور آخر میں با محاورہ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے، حواشی میں مشکل الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق بھی اختصار کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔

امید قوی ہے کہ اس تفسیر سے اساتذۂ کرام، ائمۂ مساجد، عزیز طلبہ اور عام مسلمان بھائی سب استفادہ کر سکیں گے۔ واللہ ولیُّ التوفیق۔

عبد الرؤف غزنوی عفا اللہ عنہ
خادم حدیث نبوی
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۱۴۴۰/۷/۲۲ھ
۲۰۱۹/۳/۳۰ء